ملفوظات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

جلد ۸

دیباچہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بابرکت تصانیف اس سے قبل رُوحانی خزائن کے نام سے ایک سیٹ کی صورت میں طبع ہو چکی ہیں لیکن ایک عرصہ سے نایاب ہونے کی وجہ سے اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس رُوحانی مائدہ کو دوبارہ شائع کر کے تشنہ روحوں کی سیرابی کا سامان کیا جائے ۔ اللہ تعالیٰ کا بیحد احسان ہے کہ اسکی دی ہوئی توفیق سے خلافت رابعہ کے بابرکت دور میں اب ان کتب کو دوبارہ سیٹ کی صورت میں شائع کیا جارہا ہے ۔ یہ کتب اکثر چونکہ اُردو زبان میں ہیں اور اُردو دان طبقہ کی اکثریت پاکستان میں ہے اس لئے مناسب تو یہ تھا کہ ان کتب کی اشاعت بھی پاکستان میں ہوتی ۔ لیکن ناگزیر مشکلات کی وجہ سے مجبوراً بیرون پاکستان سے ہی ان کی اشاعت کا فیصلہ کرنا پڑا ۔

اس ایڈیشن کے سلسلہ میں چند امور قابل ذکر ہیں ۔

ا ۔ قرآنی آیات کے حوالے موجودہ طرز پر (نام سورۃ : نمبر آیت) نیچے حاشیہ میں دیئے گئے ہیں ۔

ب ۔ سابقہ ایڈیشن سے محض کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے ۔

ج ۔ ہاتھ سے لکھی ہوئی انگریزی عبارات کو صاف TYPE میں پیش کیا گیا ہے ۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سعید روحوں کو ان رُوحانی خزائن کے ذریعہ راہِ ہدایت نصیب فرمائے اور ہماری حقیر کوششوں کو قبولیت بخشے ۔ آمین

خاکسار

الناشر

۲۰ نومبر ۱۹۸۴ء

مبارک احمد ساقی ۔ ایڈیشنل ناظر اشاعت

ملفوظات طیبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

جلد ہشتم

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملفوظات طیبہ کی یہ آٹھویں جلد ہے جو یکم ستمبر ۱۹۰۵ء سے ۳۰ مئی ۱۹۰۶ء تک کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی ترتیب و تدوین بھی مکرم مولانا محمد اسماعیل صاحب دیالگڑھی کی مساعی کی رہینِ منت ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ فی الدنیا والآخرۃ۔

ملفوظات طیبہ کی جلدیں ایک مائدہ رُوحانی کی طرح ہیں جو انواع و اقسام کی رُوحانی غذاؤں پر مشتمل ہے۔ یا وہ ایک ایسی دکان کا حکم رکھتی ہیں جس میں ہر مرض کی دوا پائی جاتی ہے۔ خدا تعالےٰ کا مقدس مسیح اپنے مریدان باصفا اور مخلص حواریوں کے حالات کا بغور جائزہ لیتا اور ان کے امراض کی تشخیص کرتا اور جب کسی میں کوئی روحانی کمزوری یا بیماری دیکھتا ہے تو اس کے مناسب حال علاج تجویز کرتا ہے۔ کبھی وہ انہیں خدا تعالےٰ اور اس کی صفات کی طرف توجہ دلاتا ہے اور ان کے عقائد کی اصلاح کرتا ہے۔ اور کبھی اُن کے اعلیٰ مقام کی نشان دہی کر کے انہیں ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتا ہے اور کبھی اُن کے ایمان کو تروتازہ اور مضبوط کرنے کے لئے قرآن مجید کے حقائق و معارف اور نشانات الٰہیہ کا ذکر کرتا ہے اور کبھی انہیں تنزل سے بچانے اور بام عروج پر لے جانے کے لئے قوموں کی ترقی اور تنزل کے اسباب و بواعث بیان کرتا ہے چنانچہ آپ

اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے متعلق فرماتے ہیں:-

۱۔ "اللہ تعالےٰ مخفی ہے مگر اپنی قدرتوں سے پہچانا جاتا ہے اور دعا کے ذریعہ اس کی ہستی کا پتہ لگتا ہے" (صفحہ ۳۵ جلد ہذا)

۲۔ "ایسا اعتقاد کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر ہے، بے ادبی میں داخل ہے۔ ہر وہ امر جو اُس

کے وعدہ اس کی ذات، جلال اور صفات کے برخلاف ہے اس کی طرف منسوب کرنا گناہ ہے"
(صفحہ ۱۰ جلد ہذا)

۳۔ "اللہ تعالٰی کی ساری چیزوں میں حُسن ہے" (صفحہ ۱۲۳ جلد ہذا)

۴۔ "اللہ تعالٰی جیسا نکتہ نواز ہے ویسا ہی نکتہ گیر بھی ہے۔ بعض دفعہ انسان سمجھتا ہے کہ چھوٹی سی بات ہے مگر خدا تعالٰی کی ناراضگی کا موجب ہو جاتی ہے" (صفحہ ۲۰۴ جلد ہذا)

دعویٰ۔ وہ اپنے مریدانِ باصفا کے مجمع میں اپنے دعویٰ کا ان پُرشوکت الفاظ میں ذکر کرتا ہے:۔

"میں تمہیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ میں مُفتری نہیں ہوں۔ کاذب نہیں ہوں۔ بلکہ وہی ہوں جس کا وعدہ نبیوں کی زبانی ہوتا چلا آیا ہے۔ جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا ہے۔ وہی مسیح موعود ہوں جو چودھویں صدی میں آنے والا تھا اور جو مہدی بھی ہے۔ مجھے وہی قبول کرتا ہے جس کو خدا تعالٰی اپنے فضل سے دیکھنے والی آنکھ عطا کرتا ہے" (صفحہ ۱۴۶ جلد ہذا)

اور فرماتے ہیں:۔

"میں خدا تعالٰی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو موعود آنے والا تھا وہ میں ہی ہوں اور یہ بھی پکی بات ہے کہ اسلام کی زندگی عیسیٰؑ کے مرنے میں ہے" (صفحہ ۲۶۷ جلد ہذا)

حضرت عیسیٰؑ آسمان سے نازل نہیں ہوں گے۔

اپنے مخالفوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:۔

"میں کہتا ہوں کہ تم اور تمہارے سب معاون مل کر دعائیں کرو کہ مسیح آسمان سے اُتر آوے پھر دیکھ لو کہ وہ اُترتا ہے یا نہیں۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ اگر ساری عمر ٹکریں مارتے رہو اور ایسی دعائیں کرتے کرتے ناک بھی رگڑے جاویں تب بھی وہ آسمان سے نہیں آئے گا کیونکہ آنے والا تو آچکا"
(صفحہ ۴ جلد ہذا)

جماعت احمدیہ کا بلند مقام

جماعت کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اسلام اس وقت یتیم ہو گیا کوئی اس کا سرپرست نہیں۔ خدا تعالٰی نے اس جماعت (جماعت احمدیہ) کو اختیار کیا اور پسند فرمایا کہ وہ اس کی سرپرست ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ یہی قوم ہوگی جو بعد میں آنیوالوں کے لئے نمونہ ٹھیرے گی" (صفحہ ۲۲۶ جلد ہذا)

حقیقت اسلام۔ فرماتے ہیں:۔

"اسلام کے معنے یہ ہیں کہ انسان خدا تعالےٰ کی محبت اور اطاعت میں فنا ہو جاوے اور جس طرح پر ایک بکری کی گردن قصاب کے آگے ہوتی ہے۔ اسی طرح پر مسلمان کی گردن خدا تعالےٰ کی اطاعت کے لئے رکھ دی جائے" (صفحہ ۲۴۲ جلد ہذا)

حفاظت اسلام

"اسلام پر طوفان آرہے ہیں۔ مخالف ہر وقت ان کوششوں میں لگے ہوئے ہیں کہ اسلام تباہ ہو جاوے لیکن میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اسلام کو ان تمام حملوں سے بچائے گا۔ اور وہ اس طوفان میں بھی اس کا بیڑا اسلامتی سے کنارہ پر پہنچا دے گا" (صفحہ ۲۵ جلد ہذا)

حفاظت اسلام کا طریق

"اسلام کی حفاظت اور سچائی کے ظاہر کرنے کے لئے سب سے اول تو وہ پہلو ہے کہ تم سچے مسلمانوں کا نمونہ بن کر دکھاؤ۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کی خوبیوں اور کمالات کو دنیا میں پھیلاؤ اور اس پہلو میں مالی ضرورتوں اور امداد کی حاجت ہے" (صفحہ ۳۲۳ جلد ہذا)

ترقی کا گر

فرمایا:۔

"ترقی ہمیشہ راستبازی سے ہوا کرتی ہے جبتک مسلمان قرآن شریف کے پُورے متبع اور پابند نہیں ہوتے وہ کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتے" (صفحہ ۲۹ جلد ہذا)

قوموں کی تباہی کے اسباب

فرمایا:۔

"یاد رکھو جب کوئی قوم تباہ ہونے کو آتی ہے تو پہلے اس میں جہالت پیدا ہوتی ہے اور وہ دین جو انہیں سکھایا گیا تھا اُسے بھول جاتے ہیں جب جہالت پیدا ہوتی ہے تو اس کے بعد یہ مصیبت اور بلا آتی ہے کہ اس قوم میں تقویٰ نہیں رہتا اور اس میں فسق و فجور اور ہر قسم کی بدکرداری شروع ہو جاتی ہے اور آخر اللہ تعالےٰ کا غضب اس قوم کو ہلاک کر دیتا ہے کیونکہ تقویٰ اور خدا ترسی علم سے پیدا ہوتی ہے" (صفحہ ۲۴۲-۲۴۳ جلد ہذا)

جاپانیوں کو تبلیغ اسلام کی دلی خواہش

حضور فرماتے ہیں:۔

"جاپانیوں کے واسطے ایک کتاب لکھی جائے جس میں اسلام کی حقیقت پورے طور پر درج کر دی جاوے۔ گویا اسلام کی پوری تصویر ہو۔ اس کتاب میں اسلام کی خوبیاں اور اس کے ثمرات اور نتائج دکھائے جاویں۔ اخلاقی حصہ الگ ہو اور ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جاوے...... اور کسی فصیح بلیغ جاپانی کو ایک ہزار روپیہ دیکر ترجمہ کرایا جائے اور پھر اس کا دس ہزار نسخہ چھاپ کر جاپان میں شائع کر دیا جاوے" (صفحہ ۲۲۰-۲۲۳)

حکمت کے موتی

اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

۱۔ "تم کسی کو اپنا ذاتی دشمن نہ سمجھو۔ انسان کو شرف اور سعادت تب ملتی ہے جب وہ ذاتی طور پر کسی کا دشمن نہ ہو" (صفحہ ۱۰۴ جلد ہذا) ۔ ۲۔ "دنیا کی محبت ساری خطا کاریوں کی جڑ ہے" (صفحہ ۳۵۵ ؍) ۔ ۳۔ "ریا حسنات کو ایسے جلا دیتی ہے جیسے آگ خس وخاشاک کو" (صفحہ ۳۸۹ ؍) ۔ ۴۔ "ضرورت علوم کی ماں ہوتی ہے۔ ہر قسم کا علم ضرورت سے پیدا ہوتا ہے" (صفحہ ۳۹۶ ؍) ۔ ۵۔ "دینی عقل تقویٰ سے تیز ہوتی ہے" (صفحہ ۴۲۵ ؍) ۔ ۶۔ "علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔" (صفحہ ۸ ؍) ۔ ۷۔ "ان علوم سے جو قرآن شریف کے خادم ہیں واقف ہونا ضروری ہے" (صفحہ ۲۳۰ ؍) ۔ ۸۔ اعمال۔ "انسان کے اعمال کا عکس دوسروں کے دل پر پڑتا ہے" (صفحہ ۲۸۹ ؍) ۔ ۹۔ غرباء۔ "بہت سی سعادت غرباء کے ہاتھ میں ہے۔ انہیں وہ دولت ملی ہے جو امیروں کے پاس نہیں۔ غریب آدمی ظلم ' تکبر ' خود پسندی ' دوسروں کو ایذا پہنچانے اور اتلافِ حقوق وغیرہ بہت سی برائیوں سے بچا رہتا ہے" (صفحہ ۱۰۳ ؍) ۔ ۱۰۔ فطرت "انسان کی فطرت میں دراصل بدی نہیں لیکن بد استعمالی اسے بُرا بنا دیتی ہے" (صفحہ ۳۵۸ ؍) ۔ ۱۱۔ "مسجدوں کی زینت عمارتوں کے ساتھ نہیں بلکہ ان نمازیوں کے ساتھ ہے جو اخلاص کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں" (صفحہ ۱۷۰ ؍) ۔ ۱۲۔ حقیقی مومن "خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی مومن ہے جو دین کو دنیا پر مقدم کرے" (صفحہ ۲۹۶ ؍) ۔ ۱۳۔ نیکی "نیکیاں بطور غذا کے ہیں۔ جب تک انسان بدیوں کو چھوڑ کر نیکیاں اختیار نہ کرے اس رُوحانی زندگی میں زندہ نہیں رہ سکتا" (صفحہ ۲۷۲ ؍) ۱۴۔ اصل مرہم "یاد رکھو مصیبت کے زخم کے لئے کوئی مرہم ایسا تسکین دہ اور آرام بخش نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہے" (صفحہ ۴۵ ؍) ۔ ۱۵۔ اولیاء اللہ میں تکلفات نہیں ہوتے۔ وہ بہت ہی سادہ اور صاف دل لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے لباس اور دوسرے امور میں کسی قسم کی بناوٹ اور تصنع نہیں ہوتا (صفحہ ۷۵ ؍) وغیرہ ۔

ملفوظات کی جلدیں ایسے ہی بیش بہا قیمتی موتیوں سے بھری پڑی ہیں۔ مبارک اور خوش قسمت ہیں وہ دوست جو ان رُوحانی خزائن کو اپنے گھروں میں جگہ دیتے ہیں اور نہ صرف خود ان سے فائدہ اُٹھاتے بلکہ اپنی اولادوں اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی ان سے فائدہ اُٹھانے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ اَے ہمارے رحیم و مہربان خدا! تو ان دوستوں کو دنیا و آخرت میں عزت والا مقام عطا فرما جو تیرے مأمور اور مُرسل کے کلام کو عزت کا مقام دیتے ہیں۔ آمین۔

ربوہ ۷ جون ۱۹۶۵ء — خاکسار جلال الدین شمس

اِنڈیکس مضامین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

انڈکس ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

جلد ہشتم

(مرتبہ مولوی عبدُاللطیف صاحب بہاولپوری)

الف

اللہ تعالےٰ

آدمؑ

آریہ

آسمان

آیات اللہ

آیات قرآنیہ

فیھا تحیون و فیھا تموتون ۔ صفحہ

کی محبت اور اطاعت میں فنا ہو جاوے اور جس طرح پر ایک بکری کی گردن قصاب کے آگے ہوتی ہے اس طرح پر مسلمان کی گردن خدا تعالیٰ کی اطاعت کے لئے رکھ دی جاوے ص ۲۴۶

۹۔ اسلام کی تعلیم کے دو حصے ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد۔
حق اللہ یہ کہ اس کو واجب الاطاعت سمجھا جائے اور حقوق العباد یہ کہ خدا تعالےٰ کی مخلوق سے ہمدردی کی جائے اور مخالفت مذہب کی وجہ سے کسی کو دکھ نہ دیا جائے ص ۲۴۷

۱۰۔ اسلام کے مقاصد میں سے ایک عظیم الشان مقصد یہ ہے کہ انسان اسی زندگی میں بہشتی کیفیات پر اطلاع پالے اور اُن گناہوں سے جن میں یہ وحشی انسان مبتلا ہیں نجات پالے ص ۲۵۳

۱۱۔ اسلام فی الحقیقت خدا نما مذہب ہے۔ اسلام کی رُوح اور اصل حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مکالمہ اور مخاطبہ کا شرف انسان کو عطا ہو۔ ص ۳۲۱

۱۲۔ اسلام میں کوئی کمزوری نہیں پائی جاتی ص ۳۲۷

۱۳۔ اس وقت اسلام کے اندر ایک خطرناک پھوڑا ہو گیا ہے اور ایک جذام باہر کی طرف سے لگ رہا ہے۔ اندرونی پھوڑے کا باعث خود مسلمان ہوئے۔ جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیمات اور اُسوۂ حسنہ کو چھوڑ کر اپنی رائے کے موافق اس میں اصلاح و ترمیم شروع کر دی۔ ہر شخص نے اپنی طرز پر اس کی تصویر کو بھیانک بنانے کی فکر کی۔ ایسی صورت میں زمینی حربہ اور ارضی تدابیر کام نہیں دے سکتی ہیں۔ اس کے لئے آسمانی حربہ اور آسمانی تدابیر کی حاجت ہے ص ۱۳۴

۱۴۔ اسلام اس وقت یتیم ہو گیا۔ کوئی اس کا سرپرست نہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس جماعت (جماعت احمدیہ) کو اختیار کیا اور پسند فرمایا کہ وہ اس کی سرپرست ہو ص ۳۲۶

۱۵۔ اسلام ہر ایک قوت کو اپنے محل پر استعمال کرنے کی ہدایت دیتا ہے ص ۳۱۰

اصلاح

۱۔ قلوب کی اصلاح اسی کا کام ہے جس نے قلوب کو پیدا کیا ہے۔ خدا تعالےٰ کی یہی سنت ہے کہ اصلاح کے واسطے نبیوں کو مامور کر کے بھیجا جاتا ہے ص ۱۳۵

۲۔ ندوۃ العلماء کا دعویٰ ہے کہ وہ بحث مباحثہ سے الگ رہ کر اصلاح چاہتے ہیں۔ امر تنقیح طلب یہ ہے کہ اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے اور کن راہوں سے ہو رہی ہے اور اسلام پر کیا حملہ ہو رہا ہے۔ اس کی مدافعت اور انسداد کی تدابیر کا سوال بے محل اور خیالی دعویٰ ہوگا ص ۱۳۳

۳۔ اصلاح کا طریق ہمیشہ وہی مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اذن اور ایماء

پیدائش

۱۔ پیدائش دو قسم کی ہوتی ہے۔ایک مسِّ رُوح القدس سے، دوسری مسِّ شیطان سے۔ تمام نیک اور راستباز لوگوں کی اولاد مس روح القدس سے اور بدی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد مس شیطان سے ہوتی ہے ص۳۶۲

۲۔ مسّ شیطان والی اولاد ولدالحرام کہلاتی ہے اور روح القدس کے مس والی ولدالحلال ص۶۸

پیر، پیرزادے

۱۔ اس وقت کے پیرزادوں اور مشائخوں میں بڑے بڑے تکلفات پائے جاتے ہیں۔ان کی پوشاک میں خاص قسم کا تکلف ہوتا ہے۔ ان کے ملنے جُلنے اور کلام میں بھی تکلف ہوتا اور ان کی خاموشی بھی محض تکلف سے ہوتی ہے گویا ہر قسم کی تاثیرات کو وہ تکلف سے وابستہ سمجھتے ہیں ص۷۵

۲۔ بعض پیر زنانہ لباس رکھتے ہیں۔ رنگین کپڑے پہننے کے علاوہ ہاتھوں میں چُوڑیاں بھی رکھتے ہیں۔ان لوگوں نے یہ امور بطور رسوم ہندوؤں سے لئے ہیں ص۷۶

۳۔ امام غزالیؒ نے اپنے زمانہ کے پیرزادوں اور فقیروں کے عجیب عجیب حالات لکھے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ یہ فقیراللہ نہیں بلکہ فقیرالخلق ہیں ص۷۷

۴۔ پیرزادگی کا مرض دق اور سل سے بدتر ہے کیونکہ اس میں رعونت اور تکبّر کا مادہ ہوتا ہے ص۴۲۶

پیسہ اخبار

اس اخبار میں زلزلہ والی پیشگوئی کے شائع ہونے پر حضور نے فرمایا۔ "پیسہ اخبار جو ایک لاکھ چھپا ہے اور ایک ایک پرچہ کو کئی کئی آدمی پڑھیں گے تو اس طرح زلزلہ والی پیشگوئی کئی لاکھ آدمیوں تک پہنچ جائے گی ص۴۲۲

پیشگوئی نیز دیکھو "نشان"

۱۔ پیشگوئیوں کا معاملہ مخفی رکھا جاتا ہے تاکہ تکالیف کا ثواب انسان حاصل کرے۔ ص۳۳

۲۔ نشانات نبوت میں عظیم الشان نشان اور معجزہ پیشگوئیاں ہیں ص۲۲۱

۳۔ بعض پیشگوئیاں باریک اسرار اپنے اندر رکھتی ہیں اور دقیق امور کی وجہ سے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی ہیں ص۲

۴۔ پیشگوئی اور ارادہ الٰہی میں فرق یہ ہے کہ پیشگوئی کی اطلاع نبی کو دی جاتی ہے اور ارادۂ الٰہی پر کسی کو اطلاع نہیں ہوتی ص۲۴۳

۵۔ وعید کی سب پیشگوئیاں پوری نہیں ہوتیں اہلسنت جماعت اور کل دُنیا کا مسلم مسئلہ ہے کہ تضرع سے عذاب کا وعدہ ٹل جایا کرتا ہے ص۲۴۳-۲۴۴

۶۔ پہلی کتابوں میں یہ پیشگوئی درج تھی کہ نبی آخرالزمان کسی کے ہاتھ سے قتل نہ ہوگا ص۱۱

ت

تعلیم

مروجہ تعلیم کو اپنے مدرسہ دینی میں اس لئے ساتھ رکھا ہے کہ یہ علوم خادم دین ہوں ص ۲۵

تفسیر

فیضی کی تفسیر بے نقط کے متعلق حضور کا ارشاد "بے نقط لکھنا کوئی اعلیٰ درجہ کی بات نہیں۔ یہ ایک قسم کا تکلف ہے اور تکلفات میں پڑنا لغو امر ہے" ص ۱۲۲

تفسیر آیات قرآنیہ

۱۔ دنا فتدلی کی تفسیر۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال اور علو مرتبہ کا بیان ہے اور اس کمال میں دو درجوں صعود اور نزول کا ذکر جب اللہ تعالیٰ کے فیوضات اور برکات سے آپ نے حصہ لیا تو پھر بنی نوع پر رحمت کے لئے نزول فرمایا۔ دنو اقرب سے ابلغ ہے ص ۲

۲۔ فبھداھم اقتدہ کی تفسیر۔ اس آیت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ جس قدر انبیاء ہوئے ہیں ان میں مختلف قسم کی خوبیاں تھیں۔ انہوں نے مخلوق کی ہدایت مختلف پہلوؤں سے کی۔ ان تمام نبیوں کی اقتداء کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ تمام متفرق خوبیوں کو اپنے اندر جمع کر لینا چاہیئے۔ جو شخص ان تمام خوبیوں کا جامع ہے جو متفرق طور پر تمام انبیاء میں پائی جاتی ہیں وہ تمام متفرق کمالات اپنے اندر جمع رکھتا ہے۔ اس لئے وہ تمام انبیاء سے افضل ہے۔ آنحضرتؐ سے پہلے کوئی نبی ان تمام خوبیوں کا جامع نہ تھا ص ۳۲

۳۔ کنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم کی تفسیر۔

ما دمت فیھم کا لفظ تقاضا کرتا ہے کہ جہاں مسیح جائیں وہاں ان کے حواری بھی جائیں ص ۴۱

۴۔ و بشر الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات ان لھم جنات تجری من تحتھا الانھار کی تفسیر۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو باغ کے ساتھ مشابہت دی جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں گویا جو رشتہ نہروں کو باغ کے ساتھ ہے وہی رشتہ اعمال کا ایمان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جس طرح پر کوئی باغ بغیر پانی کے سرسبز نہیں رہ سکتا اسی طرح کوئی ایمان بغیر اعمال صالحہ کے زندہ اور قائم نہیں رہ سکتا ص ۵۸

۵۔ ماکان محمدؐ ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کی تفسیر۔

اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان کمال اور آپ کی قوت قدسیہ کا زبردست اثر بیان کرتا ہے کہ آپ کی روحانی اولاد اور روحانی تاثیرات کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ آئندہ اگر کوئی فیض اور برکت کسی کو مل سکتی ہے تو اس وقت اور اس حالت میں مل

سکتی ہے جب وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی
کامل اتباع میں کھویا جائے اور فنا فی الرسول
کا درجہ حاصل کرلے۔ بدوں اس کے نہیں۔
ص ٩٢

٦۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا . . لیستخلفنّھم
فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم
کی تفسیر ص ٩٨

٧۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ کی تفسیر۔
اللہ تعالیٰ سے راضی ہوجانا توکل، تبتل اور رضا و
تسلیم کا اعلیٰ مقام ہے جہاں پہنچکر انسان کو
کسی قسم کا شکوہ شکایت اپنے مولیٰ سے نہیں رہتی۔
اور اللہ تعالےٰ کا اپنے بندہ سے راضی ہونا موقوف
ہے بندہ کے کمال صدق و وفاداری اور اعلیٰ درجہ
کی پاکیزگی اور طہارت اور کمال اطاعت پر
ص ١٣٩ - ١٤٠

٨۔ آیت ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم
اذلۃ میں دراصل ایک پیشگوئی مرکوز تھی۔ یعنی
جب چودھویں صدی میں اسلام ضعیف اور
ناتواں ہوجائے گا۔ اس وقت اللہ تعالےٰ اس
وعدہ حفاظت کے موافق اس کی نصرت کریگا ص ٢٤٦

٩۔ فاذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم کی تفسیر۔
ذکر اللہ کو ذکر آباء سے مشابہت دینے میں یہ
سر ہے کہ آباء کی محبت ذاتی اور فطری محبت
ہوتی ہے گویا اس آیت میں اللہ تعالےٰ انسان
کو ایسی تعلیم دیتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے
فطری محبت کا تعلق پیدا کرے۔ یہی وہ اصلی مقام
معرفت کا ہے جہاں انسان کو پہنچنا چاہیئے۔
ص ٢٤٨

١٠۔ ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان کی
تفسیر ص ٢٤٩ - ٣١٢ - ٣٤٩
یہ آیت حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں پر
حاوی ہے۔ دونوں پہلوؤں سے اس کی تفسیر
ص ٢٤٩

١١۔ جزاؤ سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا و
اصلح الآیہ کی تفسیر۔
اس میں عفو کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ اس میں
اصلاح ہو۔ بے محل عفو نقصان پہنچاتا ہے۔ محل
اور موقع شناسی سے کام لیا جائے۔
ص ٢٥٠ - ٢٥٢

١٢۔ کشجرۃ طیّبۃ اصلھا ثابت کی تفسیر
اصلھا ثابت سے یہ مراد ہے کہ اصول ایمانیہ
اس کے ثابت اور محقق ہوں اور یقین کامل
کے درجہ تک پہنچے ہوئے ہوں اور وہ ہر وقت
اپنا پھل دیتا رہے کسی وقت خشک درخت
کی طرح نہ ہو ص ٢٦٢

١٣۔ لو اردنا ان نتخذ لھواً لاتخذناہ من
لدنا کی تفسیر۔
ایک مفسر کہتا ہے کہ مقرب سے مراد آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو مقام لدنی حاصل
ہے ص ٢٧٧

۱۴۔ لاتدری نفس بای ارض تموت کی تفسیر
کیا لطیف نکتہ ہے کہ بای ارض تدفن نہیں
لکھا۔ صلحاء کے پہلو میں دفن ہونا ایک نعمت ہے
ص ۲۸۶

۱۵۔ والسماء ذات الرجع کی تفسیر
سماء مینہ کو بھی کہتے ہیں۔ اس آیت کو اللہ تعالےٰ
ضرورت وحی پر بطور دلیل پیش کرتا ہے کہ ہرچند
زمین میں جوجوہر قابل ہوں اور اس کی فطرت
میں نشوونما کا مادہ ہو اس وقت تک فطرت
بارآور نہیں ہو سکتی جب تک آسمان سے مینہ
نہ برسے۔ جبکہ دنیوی اور جسمانی ضرورتوں کے لئے
آسمانی پانی کی ضرورت ہے تو کیا روحانی ضرورتوں
کے لئے روحانی بارش کی ضرورت نہیں۔
ص ۳۰۴ - ۳۰۵

۱۶۔ سورۂ بقرہ کے پہلے رکوع کی تفسیر ص ۳۰۶
ھدًی للمتقین سے مراد وہ ہدایت ہے کہ
ایسا انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ
کی طرف سے اس پر وحی اور الہام کا دروازہ
کھولا جاتا ہے اور اس کا ایمان ترقی کر کے
کامل یقین اور معرفت کے درجہ تک پہنچ جاتا
ہے ص ۳۱۹

۱۷۔ انما یتقبل اللہ من المتقین کی تفسیر
عبادات کی قبولیت سے یہ مراد ہوتی ہے کہ
ان عبادات کے اثرات اور برکات عبادتگزار
میں پیدا ہو جائیں۔ مثلاً نماز پڑھنے والے سے
اس کی بدیاں اور برائیاں جن میں وہ مبتلا تھا
کم ہو جائیں ص ۳۷۶

۱۸۔ الیوم اکملت لکم کی تفسیر
اکمال سے یہ مطلب نہیں کہ سورتیں اتار دیں بلکہ
تکمیل نفس اور تطہیر قلب بھی کی اور تہذیب
نفس کے مدارج طے کرا دیئے۔ وحشیوں سے
انسان پھر عقلمند اور با اخلاق انسان اور پھر
باخدا انسان بنا دیا اور اس طرح کتاب اللہ کو
بھی پورا اور کامل کر دیا یہانتک کہ کوئی سچائی
اور صداقت نہیں جو قرآن شریف میں نہ ہو۔
ص ۳۹۹

تقریر

۱۔ طلباء کو زبانی تقریروں کے ذریعہ قرآن شریف
اور علم حدیث اور مناظرہ کا ڈھنگ سکھایا جاوے
عیسائیوں۔ دہریوں اور آریوں کے اعتراضات
اور جوابات سے ان کو آگاہ کیا جائے
ص ۳۲۹ - ۳۳۰

۲۔ زبانی تعلیم سے طالب علموں کو خود بھی بولنے اور
کلام کرنے کا طریق آجاتا ہے۔ زبانی تعلیم سے
بعض اوقات ایسے فائدے ہوتے ہیں کہ اگر ہزار
کتاب بھی تصنیف ہوتی تو وہ فائدہ نہ ہوتا ص ۳۲۹
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تقریریں ص ۴۳ - ۲۱۴
و ص ۲۸۸ - ۳۴۴ - ۳۶۷

تقویٰ

۱۔ انسان کو دقائق تقویٰ کی رعایت رکھنی چاہیئے

توریت

توفی

توکل

تہذیب

تھ

تھوما

ج

جاپان

جاوے گویا اسلام کی پوری تصویر ہو۔ اس کتاب میں اسلام کی خوبیاں اور اس کے ثمرات اور نتائج دکھائے جاویں۔ اخلاقی حصہ الگ ہو اور ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جاوے" ص۲

۲۔ اور کسی فصیح بلیغ جاپانی کو ایک ہزار روپیہ دے کر ترجمہ کرایا جائے اور پھر اس کا دس ہزار نسخہ چھاپ کر جاپان میں شائع کر دیا جاوے ص۲۲

جالینوس

جالینوس نے مرتے وقت کہا کہ میری قبر میں خچر کی پیشاب گاہ کے برابر سوراخ رکھ دینا تاکہ ہوا آتی رہے ص۳۱۵

جذب

۱۔ مومن میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوت جذب رکھی ہے۔ سعید لوگ اس کی طرف کھینچے جاتے ہیں اور غیر سعید لوگ بھی سلسلہ حقہ کی مخالفت میں شور و غوغا مچا کر اس کی تشہیر کرتے اور اس کی تبلیغ کو دُور تک پہنچاتے ہیں ص۱۹۹

۲۔ انسان میں یہ قوت ہے کہ دوسرے کے انوار کو جذب کرتا ہے ص۲۴۸

جزیہ

جزیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام جبر سے نہیں پھیلایا گیا ص۱۱۶

جعفرؓ

حضرت امام جعفرؓ کہتے ہیں کہ میں ایک آیت اتنی مرتبہ پڑھتا ہوں کہ وہ آخر وحی ہو جاتی ہے ص۱۲۵

جلال الدینؓ

منشی جلال الدین بڑے مخلص تھے اور ان کے ہمنام پیرکوٹ والے بھی۔ دونوں میں سے ہم کسی کو ترجیح نہیں دے سکتے ص۲۸۵

جمال الدین

مولوی جمال الدین صاحب کا ذکر خیر حضور اقدس کی زبان مبارک سے۔

"سال گذشتہ میں ہمارے کئی دوست جُدا ہو گئے۔ مولوی جمال الدین سید والا بھی، مولوی شیر محمد ہوجن والے بھی" ص۲۸۵

جماعت

۱۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت تیار کی تھی وہ ایسی صادق اور وفادار تھی کہ انہوں نے آپ کے لئے جانیں دے دیں۔ وطن چھوڑ دیئے۔ عزیزوں اور رشتہ داروں کو چھوڑ دیا۔ ص۳۴۲

۲۔ ایک جماعت ایسے لوگوں کی ہونی چاہیئے جو تبلیغ اور اشاعت کا کام کر سکیں ص۳۰۲

جماعت احمدیہ

۱۔ خدا تعالیٰ نے اس وقت ایک صادق کو بھیج کر چاہا ہے کہ ایسی جماعت تیار کرے۔ جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرے ص۹۰

۲۔ اصل مقصد اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ ایک پاک دل جماعت مثل صحابہ کے بن جاوے ص ۱۸۲

۳۔ میں صحابہ کا نمونہ اپنی جماعت میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو وہ مقدم کریں اور کوئی امر ان کی راہ میں روک نہ ہو ص ۸۲

۴۔ خدا تعالیٰ خود ایک ایسی جماعت تیار کر رہا ہے جو قرآن شریف کی ماننے والی ہوگی۔ ہر قسم کی ملونی اس میں سے نکال دی جائے گی ص ۱۴۲

۵۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایسی جماعت بنائے گا جو ہر جہت میں سب پر فوقیت رکھے گی ص ۱۸۶

۶۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہے کہ جو لوگ اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ اُن کو قبول کرے گا۔ باقی جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ راست باز نہیں ٹھیر سکتے ص ۴۲۴

۷۔ اسلام اس وقت یتیم ہو گیا۔ کوئی اس کا سرپرست نہیں خدا تعالیٰ نے اس جماعت کو اختیار کیا اور پسند فرمایا کہ وہ اس کی سرپرست ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ یہی قوم ہوگی جو بعد میں آنے والوں کے لئے نمونہ ٹھیرے گی اس کے ثمرات برکات آنے والوں کے لئے ہوں گے اور زمانہ پر محیط ہو جائیں گے ص ۳۲۶

۸۔ عیسائی پادریوں کے سینہ پر بھاری پتھر یہی جماعت ہے ص ۲۸۹

۹۔ یہ جماعت حجج و براہین اور خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشانات اور روشن آیات سے کسر صلیب کر رہی ہے ص ۱۲۵

۱۰۔ جماعت کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ چکی ہے اور دن بدن ترقی ہو رہی ہے ص ۲۱۵

۱۱۔ یہ غرباء کی جماعت ہے ان میں صدق و ہمدردی ہے اور وہ اسلام کی ضروریات سمجھ کر حتی المقدور اس کے لئے خرچ کرنے سے فرق نہیں کرتے ص ۲۰۵

۱۲۔ ابھی تو بعض ماننے والے ایسے ہیں کہ وہ پورا یقین نہیں کرتے بلکہ وساوس کی قے کرتے ہیں ص ۲۰۰

۱۳۔ جماعت کی ابھی بہت کمزور حالت ہے اور بہت سے مراحل باقی ہیں جو اس نے طے کرنے ہیں مجھے غم اس بات کا ہے کہ ابھی جماعت کچی ہے اور پیغام موت آ رہا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر نظر کرتا ہوں جو اس نے مجھ سے کئے ہیں تو میرا غم امید سے بدل جاتا ہے ص ۲۹۹

۱۴۔ (جماعت) رفتہ رفتہ مضبوط ہو جائے گی۔ پھر مضبوط درخت کی طرح جاگزیں ہو جائے گی ص ۴۲۶

۱۵۔ جماعت کو نصائح ص ۱۸۸

۱۶۔ ہماری جماعت کو قیل و قال پر محدود نہیں ہونا چاہیئے۔ تزکیۂ نفس اور اصلاح ضروری ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے ص ۷

۱۷۔ جماعت سے خطاب ص ۳۲۲

۱۸۔(الف) اسلام ایک درخت ہے تم اس درخت کی شاخ ہو۔ تم استقامت اور اپنے نمونے سے اس درخت کی حفاظت کرو ص ۶

(ب) اسلام کی حفاظت اور سچائی کے ظاہر کرنے

چشمۂ مسیحی

کتاب چشمۂ مسیحی کا تاثر

ایک شخص نے حضور کو لکھا میں کتاب چشمۂ مسیحی پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام کے واسطے اس قسم کی تائید اور اخلاص ایک مفتری کی تحریر میں نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے میں آپ کے مریدوں میں شامل ہوتا ہوں۔ فرمایا مجھے خوشی ہوئی کہ اس کتاب کے ذریعہ سے ایک جان بچ گئی ص ۴۲۲

چودھویں صدی

۱۔ اب اس چودھویں صدی میں وہی حالت ہو رہی ہے جو بدر کے موقعہ پر ہو گئی تھی ص ۲۴۶

۲۔ تمام اہل کشوف کے کشف مسیح موعود کی آمد کے متعلق چودھویں صدی سے آگے نہیں جاتے ص ۲۵۹

چیلنج

۱۔ اگر کوئی اہل مذہب اسلام کے سوا اپنے مذہب کے اندر انوار و برکات اور تاثیرات رکھتا ہے تو پھر وہ آئے ہمارے ساتھ مقابلہ کرے۔ ص ۱۱۵

۲۔ حضرت آدم سے لے کر اس وقت تک کے کسی مفتری کی نظیر دو جس نے پچیس برس پیشتر اپنی گمنامی کی حالت میں ایسی پیشگوئیاں کی ہوں۔ باوجود اس افتراء و کذب کے اللہ تعالیٰ اس کی تائید کرتا جاوے۔ ص ۲۴۰ - ۲۴۱

ح

حج

بے وقت حج فائدہ نہیں کرتا۔ اکثر حاجی جو بڑی خوشی سے حج کو جاتے ہیں اور پھر سخت دل ہو کر آتے ہیں۔ اس کا یہی باعث ہے کہ انہوں نے بے وقت بیت اللہ کی زیارت کی ص ۴۲-۴۳

حدیث

۱۔ محدثین کے اصول کے مطابق سچی اور صحیح حدیث وہی ہے جو اپنی سچائی آپ ظاہر کرے ص ۲۹۳

۲۔ رمضان میں کسوف و خسوف کی حدیث صحیح ہے۔ یہ حدیث اہل سنت اور شیعہ دونوں کی کتابوں میں موجود ہے اگر یہ ضعیف ہوتی تو پوری کیوں ہوتی ص

۳۔ خونی مہدی کی حدیثیں سب مخدوش ہیں ص ۲۴۴

۴۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی نذیر حسین دہلوی بھی ان کو صحیح نہیں سمجھتے ص ۲۴۵

۵۔ حدیث قاضی قرآن نہیں بلکہ قرآن اس پر قاضی ہے ص ۲۶۳

۶۔ قرآن کا مرتبہ یقینی اور حدیث کا ظنی ہے ص

۷۔ حدیث قرآن کی تشریح ہے ص

۸۔ حدیث کو اس حد تک ماننا ضروری ہے کہ قرآن شریف کے مخالف نہ پڑے ص ۲۶۴

سے بچانا چاہیئے ص۳۸

حواریانِ مسیح

۱۔ حواریوں کی تعریف میں ساری انجیل میں ایک بھی ایسا فقرہ نظر نہ آئے گا کہ انہوں نے خدا کی راہ میں جان دے دی۔ وہ حد درجہ کے غیر مستقل مزاج، غدار، بے وفا، دنیا پرست تھے۔
ص۱۳۹

۲۔ ایک انگریز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ مسیح کے حواریوں کی یہ حالت تھی کہ خود انہیں میں سے ایک نے تیس روپے لے کر پکڑوا دیا اور دوسرے بھاگ گئے۔ ایک نے سامنے کھڑے ہو کر لعنت کی۔ اور صحابہ میں صدق و ایمان کی وہ طاقت تھی کہ آنحضرت پر سر دینے کو تیار ہو جاتے۔ ایسے حواریوں کو صحابہ سے کیا نسبت۔ پھر عقلی طور پر مقابلہ کر کے لکھتا ہے کہ حواریوں کی تو یہ حالت تھی کہ وہ ایک گاؤں کا انتظام کرنے کی بھی قابلیت نہ رکھتے تھے برخلاف ان کے صحابہ نے علوم سیاست اور حکمرانی میں وہ کمال دکھایا کہ آج اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ انہوں نے ایک عظیم الشان سلطنت کا انتظام کیا ص۳۱۰

حیاتِ مسیح

۱۔ انیس سو سال تک مسیح کو زندہ ماننے کا نتیجہ یہی ہوا کہ چالیس کروڑ عیسائی ہو گئے ص۲۴۳

۲۔ حضرت عیسٰیؑ کی حیات اوائل میں تو صرف ایک غلطی کا رنگ رکھتی تھی مگر آج یہ غلطی ایک اژدہا بن گئی ہے جو اسلام کو نگلنا چاہتی ہے ص۲۳۷

۳۔ جو لوگ مسلمان کہلا کر اس عقیدہ کی کمزوری اور شناعت کے کھل جانے پر بھی اس کو نہیں چھوڑتے وہ دشمن اسلام اور مار آستین ہیں ص۲۳۸

۴۔ دہلی میں جب حضور نے تقریر کی تھی۔ تو سعید الفطرت انسانوں نے تسلیم کر لیا تھا کہ بے شک حضرت عیسٰی کی پرستش کا ستون ان کی زندگی ہے۔ جب تک یہ نہ ٹوٹے اسلام کے لئے دروازہ نہیں کھلتا۔ ص۲۳۱

۵۔ عیسائیت کا ہتھیار حیات مسیح ہے جس کو لے کر وہ اسلام پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کی ذریت عیسائیوں کا شکار ہو رہی ہے ص۲۴۵

۶۔ ہمارے پاس عیسائیت کے استیصال کے لئے وہ ہتھیار ہیں جو دوسروں کو نہیں دیئے گئے۔ ان میں سے پہلا ہتھیار یہی موت مسیح کا ہتھیار ہے ص۲۴۶

۷۔ مسیح کی حیات کا مسئلہ ایک عجیب سِرّ ہے باوجود قرآن اور احادیث سے وفات مسیح آشکارا ہونے کے خدا تعالیٰ نے اس کو مخفی کر لیا اور آنے والے موعود کے لئے اس کو مخفی
جب وہ آیا تو اس نے اس راز کو ظاہر کر دیا ص۲۴۲

۸۔ حیاتِ مسیح کا عقیدہ رکھنے والوں نے حضرت مسیح کے لئے جو خصوصیتیں تجویز کی ہیں۔ وہ انہیں خدا بناتی ہیں اور عیسائی اس کو پیش کرتے ہیں ص ۹۴ - ۹۵

خ

خاتَم

۱۔ سلسلہ احمدیہ کی تائید اور تصدیق کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیات ارضیہ اور سماویہ کی ایک خاتَم دی ہے اور وہ محمدی مُہر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی سے مسیح موعود وہی مہر نبوت لے کر آیا ہے۔ ص ۱۴۲ - ۱۴۳

۲۔ ہمارے مخالف الرائے مسلمان ختم نبوت کی مُہر توڑ کر اسرائیلی نبی کو آسمان سے اُتارتے ہیں ص ۱۴۳

خضر

خضری اسرار اس امت میں ہمیشہ پائے جاتے رہے ہیں جو خضر نے کیا۔ آئندہ صاحبانِ کمالات بھی حسب ضرورت کرتے ہیں ص ۲۰۹

خُلّت

خُلّت اور اخوت میں فرق۔ خُلّت وہ ہے جو رگ و ریشہ میں دھنس جائے۔ وہ صرف اللہ تعالےٰ ہی سے مخصوص ہے دوسروں کے ساتھ محض اخوت ہے ص ۲۷۷

خُلق

خُلق محل پر مومن اور غیر محل پر کافر بنا دیتا ہے ص ۲۶۰

خواب نیز دیکھو "رؤیا"

۱۔ خواب کی فلاسفی ص ۴۶

خواب کے واقعات اس پانی کے مشابہ ہیں جو ہزاروں من مٹی کے نیچے زمین کی تہہ تک میں واقعہ ہے جس کے لئے بہت سی محنت چاہیئے تا مٹی دور ہو کر نیچے سے پانی شیریں اور مصفا نکل آوے ص ۴۲

۲۔ خواب میں انسان علم بذریعہ حواس نہیں کرتا بلکہ اس علم کا منشاُ فقط روح ہے ص ۴۸

۳۔ خواب میں چنے، مولی، بینگن یا پیاز دیکھنا اچھا نہیں۔ امر مکروہ پیش آتا ہے اور منقی دیکھنا اچھا ہے ص ۱۲۶

۴۔ شیخ نور احمد صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں اپنا ایک خواب عرض کیا۔ دیکھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مسجد میں کھڑے ہیں۔ وعظ کرتے ہیں اور یہ آیت پڑھتے ہیں اولئك علٰى هدى من ربهم واولئك هم المفلحون ص ۱۴

خیال

جو خیالات وسوسہ کے رنگ میں دل میں گذرتے ہوں ان پر مؤاخذہ نہیں۔ لیکن جب کوئی خیال بد جو دل میں گذرے اور انسان اس پر مصمم ارادہ کر لے وہ گناہ ہے اور اس پر مؤاخذہ ہے ص ۱۵۱ - ۳۷۴

د

داؤدؑ

دشمن

دُعا

دل

وکیل نے ایک سانپ حضور کے کاٹنے کے لئے
بھیجا ہے اور حضور نے اسے مچھلی کی طرح تل
کر واپس بھیجدیا ہے ص ۲۵۱

۱۱۔ رؤیا میں ایک شخص نے حضور کی ٹوپی اُتارنے
کے لئے ہاتھ مارنا اور ناکام رہنا ص ۳۵۳

۱۲۔ رؤیا میں حضور نے مولوی عبدالکریم صاحب کی
قبر کے پاس دو اور قبریں دیکھیں ص ۴۳۳

۱۳۔ رؤیا میں دیکھا کہ حضور ایک گھوڑے پر سوار ہو
کر باغ کی طرف جا رہے ہیں۔ سامنے ایک لشکر
دیکھا جو حضور کا باغ کاٹنے کے لئے نکلا ہے۔
جب وہ باغ میں گئے تو دیکھا کہ وہ سب کے
سب مرے پڑے ہیں اور سر اور ہاتھ پاؤں
کٹے ہوئے اور کھالیں اُتری ہوئی ہیں
ص ۴۳۵ - ۴۳۶

۱۴۔ خواب میں حضور نے بہت سے زنبوروں کو مارتے
ہوئے دیکھا اور اس کی تعبیر ص ۴۲۹

۱۵۔ شیخ نور احمد صاحب کی رؤیا۔ دیکھا کہ مولوی
عبدالکریم صاحب مسجد میں کھڑے وعظ کرتے ہیں
اور یہ آیت پڑھتے ہیں اولئك على هدى من
ربهم و اولئك هم المفلحون ص ۱۳-۱۴

۱۶۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کی رؤیا۔ آپ
حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے واسطے دعا کرتے
تھے کہ تھوڑی سی غنودگی میں ایسا معلوم ہوا کہ کوئی
کہتا ہے۔ بلاؤں میں چندے مارے گئے ص ۲۲

۱۷۔ حضرت مفتی صاحب کو خواب میں طاعون کثرت سے
پھیلا ہوا دکھائی دینا اور یہ الفاظ سُننا کہ جو
آجکل رات کو اُٹھ کر دعا کرے گا وہ طاعون سے
بچایا جائے گا ص ۳۸

۱۸۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی رؤیا۔ خواب
میں کسی کو یہ کہتے سُننا کہ مولوی صاحب کو خیر
ہے۔ استغفار اور لاحول پڑھنا چاہئے اور ایک
آواز سُننا السلام علیکم ص ۳۳

۱۹۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی بڑی بیوی
نے رؤیا میں مولوی صاحب کو یہ کہتے سُنا کہ میں
احمدی ہو گیا ہوں ص ۲۶۸

۲۰۔ حضرت شیخ نظام الدین دہلویؒ کی رؤیا۔ اس
بادشاہ کے متعلق جو آپ کو سزا دینا چاہتا تھا
دیکھا کہ ایک گائے آپ کو مارنے آتی ہے۔
مگر آپ نے اس کو سینگوں سے پکڑ کر نیچے گرا
دیا۔ چنانچہ اسی دن بادشاہ سخت بیمار ہوا۔
اور اس بیماری میں مرگیا ص ۳۷

رحمت اللہ

شیخ رحمت اللہ صاحب کو حضور نے مخاطب
کر کے فرمایا۔ "آپ کے واسطے بھی پانچ وقت
نماز میں دعا کی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ
ہوتا ہے کہ تکالیف سے اپنے بندوں کو ثواب
دے ص ۳۴

رُوح

۱۔ طبعی امور سے ثابت ہے کہ ناک کی راہ سے
رُوح داخل ہوتی ہے اور اسی راہ سے نکلتی ہے ص ۲۷۵

وقت خدا تعالیٰ خود اس کے عرشِ دل پر نزول فرماتا ہے صـ۳۱۲

سلاسل اربعہ

سلف صالحین نے گمراہ لوگوں سے تمیز کرنے کے واسطے اپنے نام شافعی حنبلی وغیرہ تجویز کئے یہ چار نام اسلام کے واسطے مثل چار دیواری کے تھے۔ اگر یہ لوگ پیدا نہ ہوتے تو اسلام ایسا مشتبہ مذہب ہو جاتا کہ بدعتی اور غیر بدعتی فرقوں میں تمیز نہ ہو سکتی صـ۱۸۰ - ۱۸۱

سلسلہ احمدیہ ایضاً دیکھو "جماعت احمدیہ"

۱۔ ہمارا سلسلہ منہاج نبوت پر ہے جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہود اور نصاریٰ سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اسی طرح ہم کو بھی ان یہود صفت مسلمانوں اور نصاریٰ سے مقابلہ کرنا پڑا۔ صـ۱۳۱

۲۔ ہمارے سلسلہ کی بنیاد نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ پر ہے صـ۱۴۲

۳۔ اس سلسلہ کی تائید اور تصدیق کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیات ارضیہ اور سماویہ کی ایک خاتم ہم کو دی ہے اور وہ محمدی مُہر ہے صـ۱۴۲ - ۱۴۳

۴۔ اس سلسلہ کی سچائی کے دلائل عقلیہ موجود ہیں صـ۱۴۴

۵۔ اس سلسلہ کے قیام کی اصل غرض یہی ہے کہ لوگ دُنیا کے گند سے نکلیں اور طہارت حاصل کریں اور فرشتوں کی سی زندگی بسر کریں صـ۱۴۹

۶۔ خدا تعالیٰ نے خود ارادہ فرمایا ہے کہ اس سلسلہ کو قائم کرے اور اسے ترقی دے صـ۱۶۰ - ۳۶۹

۷۔ عیسائی سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی فرقہ اور سلسلہ ان کے مذہب کو ہلاک کر سکتا ہے تو یہی سلسلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ کے مقابلہ میں نہیں آتے صـ۳۴۶

۸۔ یہ خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے خواہ ساری دُنیا اس کی مخالفت کرے یہ بڑھے گا اور پھیلے گا اور فرشتے اس کی حفاظت کریں گے صـ۱۴۸

۹۔ ہمارا مسلک سب کی خیر خواہی ہے صـ۳۶۶

سلسلہ محمدیہ و سلسلہ موسویہ

قرآن مجید میں ایک طرف تو سلسلہ محمدیہ کو سلسلہ موسویہ کا مثیل ٹھیرایا۔ دوسری جگہ سلسلہ موسویہ کی طرح خلفاء بنانے کا وعدہ کیا پھر کیا دونوں سلسلوں کا طبعی توافق ظاہر نہیں کرتا کہ اس امت میں خلفاء اسی رنگ کے قائم ہوں جبکہ سلسلہ موسویہ میں تیرھواں خلیفہ مسیح تھا پھر کیا وجہ کہ سلسلہ محمدیہ میں تیرھواں خلیفہ مسیح نہ کہلائے صـ۹۸

سماع

حضور اقدس کا ارشاد اس سوال پر کہ بعض لوگ راگ سُنتے ہیں فرمایا۔ "بزرگان دین پر بدظنی کرنا اچھا نہیں حُسنِ ظنی سے کام لینا چاہئے جس شئے میں خدا تعالیٰ نے تاثیر رکھی ہے اگر اس کو اسلام کی طرف کھینچنے کا آلہ بنایا جائے تو اس میں کیا حرج ہے صـ۲۰۸

۸۔ بہت سے امور کی تکمیل صحابہ کے ہاتھ پر ہوئی جو درحقیقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی کامیابی اور آپ کے دست مبارک پر ہی تکمیل تھی ص۲۷۲

۹۔ ایک صحابی جس نے دورانِ جنگ دشمن کو تلوار ماری لیکن وہ تلوار اُلٹ کر اُسے آ لگی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا کہ تجھے دو شہیدوں کا ثواب ملیگا ص۳۰۰

۱۰۔ ایک انگریز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور مسیح کے حواریوں کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ صحابہ میں ایمان کی وہ طاقت تھی کہ وہ آنحضرتؐ کے لئے سر دینے کو تیار ہو جاتے تھے لیکن مسیح کے حواریوں کی یہ حالت تھی کہ خود اُنہیں میں سے ایک نے تیس روپے لے کر پکڑوا دیا اور دوسرے بھاگ گئے۔ ایک نے سامنے کھڑے ہو کر لعنت کی۔ ایسے حواریوں کو صحابہ کے ساتھ کیا نسبت ص۳۰۱

صدقہ

۱۔ صدقہ عمدہ وہ ہے جو اگرچہ قلیل ہو مگر اس پر دوام ہو ص۱۶۱

۲۔ صدقہ سے انسان اپنے ایمان پر مُہر لگاتا ہے۔ ص۲۰۵

صدیق

جو شخص ہر امر میں اللہ تعالیٰ کو مقدم کرے اور اس کے دین کی حمیت اور غیرت میں ایسا محو ہو کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال ظاہر کرنا اس کا مقصود خاطر ہو۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے دفتر میں صدیق کہلاتا ہے ر ۲۴ - ۱۵۶

صلیب

صلیب خطاکار ہے اس قابل ہے کہ توڑی جاوے۔ اوّل وہ یسُوع پر غالب آئی اور اس کو مردہ سا کر دیا اور پھر اس کی اُمّت پر غالب آئی اور اس کو اپنا پرستار بنایا ص۴۲۷

صُوفی

۱۔ صوفیوں کو ہمیشہ موت کا خیال دامنگیر رہا ہے لیکن مولویوں کے نام سے جو لوگ گذرے ہیں وہ عموماً محجوب رہے ہیں ص۲

۲۔ ان کی کتابوں کو پڑھ کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ وہ صاحب حال ہیں صاحب قال نہیں ص۲

۳۔ صوفیوں نے حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کو صحیح مانا ہے ص۹۶

۴۔ ایک صوفی نے اس محدث کو جو وعظ کرتا تھا کہا۔ کہ زکوٰۃ بھی دیا کرو۔ جب چالیس حدیثیں لوگوں کو سناؤ تو ایک پر آپ بھی عمل کر لیا کرو ص۱۰۷

۵۔ صوفی کہتے ہیں حسنات الابرار سیئات المقربین۔ ہر شخص اپنی معرفت کے لحاظ سے پوچھا جائے گا جس قدر کسی کی معرفت

بڑھی ہوئی ہوگی اسی قدر وہ زیادہ جواب دہ ہوگا
صـــ ۱۰۸

ض

ضرورت

ضرورت علوم کی ماں ہوتی ہے۔ ہر قسم کا علم ضرورت سے پیدا ہوتا ہے صـــ ۲۹۶

ط

طاعون

۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے متعلق ایک یہ بھی خبر دی گئی تھی کہ اس زمانہ میں طاعون پھیلے گی اور یہانتک شدید ہوگی کہ دس میں سے سات مرجائیں گے صـــ ۲۵۸ - ۲۹۳

۲۔ طاعون کے دنوں کا واقعہ۔ ایک متمول ہندو نے مرتے وقت اپنی دولت کی کنجیاں اپنے بھائی کو دیں۔ جب وہ مرگیا اور اس کا سارا خاندان تباہ ہوگیا تو آخری شخص نے مرتے وقت ایک زمیندار کو کنجیاں پیش کیں مگر اس نے انکار کر دیا۔ بالآخر وہ مال داخل خزانہ سرکار ہوا صـــ ۲۹۱

طب

۱۔ علم طب ظنی ہے صـــ ۳۳ - ۱۹۰

۲۔ مسلمانوں کو انگریزی طب سے نفرت نہیں چاہیئے۔ بموجب حدیث انسان کو چاہیئے کہ مفید بات جہاں سے ملے وہیں سے لے لے۔ تب ہی انسان کامل طبیب بنتا ہے صـــ ۱۸۹

۳۔ ڈاکٹروں کو بھی مناسب نہیں کہ پُرانی طب کو حقارت سے دیکھیں۔ بعض باتیں ان میں بہت مفید ہیں صـــ ۱۹۰

۴۔ حضورؑ نے بعض متن کتب طب کے بیس بیس جزو کے حفظ کئے تھے صـــ ”

طوفان

اسلام پر طوفان آرہے ہیں لیکن میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اسلام کو ان تمام حملوں سے بچائے گا اور وہ اس طوفان میں اس کا بیڑا سلامتی سے کنارہ پر پہنچا دے گا صـــ ۱۵۷

طول امل

جب انسان دنیا کی طرف جھکتا ہے تو طول امل پیدا ہوجاتا ہے۔ طول امل سے ہی سب خرابیاں پیدا ہوتی ہیں صـــ ۱۹۸

ع

عادت

عادت بھی ایک بُت ہوتا ہے۔ یہ لوگ اس بُت کی پرستش کر رہے ہیں صـــ ۱۷۱

عالَم

یہ عالَم جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس کے متعلق شریعت کا مقصد یہ ہے کہ جیسے مسافر کسی جگہ کوچ کرنے کی تیاری کرے

لیکن ابھی بعض امور ان کے دل میں تھے چنانچہ مسیح کے بے پدر ہونے میں مجھ سے گفتگو بھی کیا کرتے تھے میں انہیں جواب دیا کرتا کہ ہمارا یہی مذہب ہے کہ وہ بن باپ ہوئے ص ۲۶۷

۷۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی معرفت زیادہ کی تو ایک دن کہنے لگے۔آپ گواہ رہیں آج سے میں نے سب گفتگوئیں ترک کر دیں اس کے بعد موت تک بجز تسلیم اور کچھ نہ ہوگا

ص ۲۶۸ - ۳۶۵

۸۔ آن کو میرے ساتھ نہایت درجہ کی محبت تھی

ص ۳۶۵

۹۔ وہ اصحاب الصفہ میں سے ہو گئے تھے ص ″

۱۰۔ اُن کی عمر معصومیت کے رنگ میں گذری تھی ص ″

۱۱۔ اُن کے متعلق خاص الہام بھی تھا "مسلمانوں کا لیڈر" ص ″

۱۲۔ اُن کا خاتمہ قابلِ رشک ہوا ص ″

۱۳۔ مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ وہ تقریر اور کلام میرے نزدیک حرام ہے جس میں حضرت مسیح موعودؑ کی سچائی کا ذکر نہ ہو ص ۲۶۸

۱۴۔ اُن کی بڑی بیوی نے رؤیا دیکھا کہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ میں احمدی ہو گیا ہوں ص ″

۱۵۔ حضرت مولوی صاحب مرحوم کے متعلق شیخ نور احمد صاحب کی رؤیا کہ مولوی صاحب مسجد میں کھڑے وعظ کرتے ہیں اور یہ آیت پڑھتے ہیں اولٰئک علٰی ھدًی من ربھم و اولٰئک ھم المفلحون ص ۱۴

۱۶۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مولوی صاحب کی قبر پر تشریف لے جاکر ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا ص ۲۰۵

عبداللطیف

حضرت مولوی عبداللطیف صاحبؓ کی شہادت امام حسینؓ کی شہادت سے بڑھ کر ہے ص ۱۱

عثمانؓ

۱۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ غنی کہلاتے تھے مگر وہ مہاجن نہ تھے۔خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس غنی کے کیا معنی ہیں۔میں اتنا جانتا ہوں کہ جو مال خدمت دین کے لئے وقف ہو۔ وہ اس کا نہیں خدا کا مال ہے ص ۱۰۸

۲۔ حضرت عثمانؓ کو میں حضرت سلیمانؑ سے تشبیہ دیتا ہوں۔ان کو بھی عمارات کا بڑا شوق تھا ص ۲۷۸

۳۔ اسلام کے لئے حضرت عثمان تک ہی ساری کارروائیاں ختم ہوگئیں۔پھر تو خانہ جنگی شروع ہو گئی ص ″

عذاب

۱۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے عذاب کا ملنا دراصل انسان کے اپنے اعمال کی ایک حالت ہوتی ہے ص ۴۱۲

۲۔ جب تک انسان بالکل خدا تعالیٰ کا نہ ہو جائے وہ کچھ نہ کچھ مستحقِ عذاب اس دنیا میں پاتا ہے ص ۴۲۰

۳۔ اس وقت دنیا ایسی سخت غفلت میں پڑی ہوئی ہے کہ بغیر الیم اور شدید عذاب کے ماننے والے نہیں ص۴۲

عرفان

عرفان کا مقام ایمان کے بعد ملتا ہے۔ انسان خدا تعالےٰ کا مشاہدہ تجلیات کے ذریعہ اسی عالم میں کرتا ہے ص۲۰۸

عقل

دینی عقل اور ہے اور دنیوی عقل اور۔ دینی عقل تقویٰ سے تیز ہوتی ہے ص۴۲۵

عقیدہ۔ عقائد

مسلمانوں کے عقائد میں چند ایک غلطیاں:۔

۱۔ ا۔ وفات مسیح کے متعلق غلطی۔ پہلوں نے اس میں غلطی کھائی مگر وہ اس غلطی میں بھی ثواب ہی پر رہے ص۳۴۳

ب۔ مگر اب اس غلطی کو صحیح عقیدہ تسلیم کرنے کی وجہ سے تیس لاکھ سے زیادہ مسلمان فتنہ عیسائیت کا شکار ہوگئے۔ اس لئے اب بھی جو لوگ اس عقیدہ کی کمزوری کھُل جانے پر بھی اس کو نہیں چھوڑتے وہ دشمن اسلام اور اس کیلئے مارِ آستین ہیں ص۳۳۷ - ۳۳۸

ج۔ ان لوگوں نے ایک مرسل کا مقابلہ کیا ہے۔ اس واسطے یہ خطا پر ہیں ص۴۰۷

د۔ حیات مسیح کے عقیدہ میں توحید کے مصفیٰ چشمہ کو مکدر کرنے والے اجزاء موجود تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ کر دیا ص۶۶

۲۔ حدیث کو قرآن پر مقدم کرنا یہ بھی غلط ہے۔ قرآن کا مرتبہ یقینی ہے اور حدیث کا ظنی۔ حدیث قاضی قرآن نہیں بلکہ قرآن اس پر قاضی ہے اور حدیث اس کی تشریح ہے ص۳۶۳

۳۔ معراج کو صرف ایک معمولی خواب سمجھنا یا معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی جسد عنصری کے ساتھ جانا یہ دونو عقائد غلط ہیں بلکہ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ معراج کشفی رنگ میں ایک نورانی وجود کے ساتھ ہوا تھا ص۳۶۲

۴۔ یہ عقیدہ کہ عیسیٰ اور اس کی ماں مس شیطان سے پاک ہیں اور باقی سب نعوذ باللہ پاک نہیں یہ ایک صریح غلطی بلکہ کفر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ہتک ہے ص۶۸ - ۳۶۲

۵۔ ان غلطیوں میں سے ایک جہاد کی غلطی بھی ہے ص۲۴۴

علم

۱۔ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے ص۸

۲۔ حقیقی علم (علم القرآن) خشیۃ اللہ کو پیدا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ نے علم کو تقویٰ سے وابستہ کیا ہے فلسفہ، سائنس اور علوم مروجہ کے لئے تقویٰ اور نیکی شرط نہیں ص۳۰۳

۳۔ علم دین میں برکت ہے اس سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے بغیر اس کے شوخی بڑھتی ہے ص۲۸۳

۴۔ علم دین کچھ اور حواس عطا کرتا ہے جس کو فلسفی اور طبعی نہیں پہنچ سکتے ص ۲۲۳

۵۔ ان علوم کا جو قرآن شریف کے خادم ہیں واقف ہونا ضروری ہے ص ۲۳۳

۶۔ یہ بھی ضروری ہے کہ علوم جدیدہ سے بھی انہیں واقفیت ہو ایک جماعت ایسی ہو کہ دونو علوم حاصل کرسکیں ص ۲۳۱

۷۔ آجکل مذہبی مناظرہ کرنے والے لوگ ایسے امور پیش کردیتے ہیں جن کا سائنس اور موجودہ علوم سے تعلق ہے اس لئے اس حد تک ان علوم میں واقفیت اور دخل کی ضرورت ہے ص ۳۰۳

۸۔ ہم نے اپنے مدرسہ میں مروجہ تعلیم کو اس لئے رکھا ہے کہ یہ علوم خادم دین ہوں ص ۲۷

علم توجہ

مسمریزم کے عامل جو توجہ سے مرض کا علاج کرتے ہیں اس کے بارہ میں حضور کا ارشاد:۔

"یہ کچھ چیز نہیں۔ میری طبیعت اس سے سخت نفرت کرتی ہے۔ میں تو اسے ایسا سمجھتا ہوں جیسے قے کے ساتھ بیماری کا علاج کیا جاوے۔ اصل طریق دعا ہے اس سے بہتر اور کوئی راہ نہیں"

ص ۴۲ - ۴۳

عمر رض

۱۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشورہ قتل میں شریک اور قتل کے لئے مقرر ہوئے تھے۔ آخر خدا تعالیٰ نے آپ کو وہ جوش اسلام دیا کہ غیر قومیں بھی ان کی تعریفیں کرتی اور ان کا نام عزت سے لیتی ہیں۔

ص ۲۷ - ۱۵۹

۲۔ حضرت عمر رض سے کسی نے پوچھا کہ قبل از اسلام آپ بڑے غصہ ور تھے جواب دیا کہ غصہ تو وہی ہے البتہ پہلے بے ٹھکانے چلتا تھا مگر اب ٹھکانے سے چلتا ہے ص ۳۶۰

عمل

۱۔ انسان کے اعمال کا عکس دوسروں کے دل پر پڑتا ہے ص ۲۸۹

۲۔ اعمال حسنہ کی توفیق اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہی ملتی ہے۔ ہر قسم کے شرک انفسی آفاقی کا نکالنا۔ خلوص، لذت اور احسان کے ساتھ عبادت بجا لانا یہ اختیاری بات نہیں ص ۲۰۷

عورت

۱۔ عورتوں میں چند عیب بہت سخت ہیں اور کثرت سے ہیں۔ شیخی کرنا اور قومیت پر فخر کرنا ص ۴۱۴

۲۔ غیبت کی عادت بھی خصوصاً عورتوں میں بکثرت پائی جاتی ہے ص ۴۱۶ - ۴۴۱

۳۔ عورت پر اپنے خاوند کی فرماں برداری فرض ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر عورت کو اس کا خاوند کہے کہ یہ ڈھیر اینٹوں کا اٹھا کر وہاں رکھ دے تو عورت کو چاہیئے کہ اپنے خاوند کی فرماں برداری کرے ص ۴۴۴

۴۔ عورتیں یہ نہ سمجھیں کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے کیونکہ

مرد پر بھی اس کے بہت سے حقوق رکھے ہیں عورتوں کے حقوق یہانتک ہیں کہ مرد جب عورت کو طلاق دے تو کہا گیا ہے کہ مہر کے علاوہ کچھ اور بھی دو ص۲۴۲

۵۔ دو عورتوں کے جھگڑے پر حضور کا ارشاد ص۲۴۶

۶۔ خدا تعالیٰ کی کتب میں نبی کی امت کو عورت کہا جاتا ہے ص۸

۷۔ قرآن شریف میں نیک بندوں کی تشبیہ فرعون کی عورت سے اور عمران کی بیوی سے ص۸

۸۔ اناجیل میں مسیح کو دولہا اور امت کو دلہن قرار دیا ہے ص۸

عید

جمعہ عید ہے۔ بہت سے لوگ اس عید سے بےخبر ہیں۔ میرے نزدیک یہ عید دوسری عیدوں سے افضل ہے۔ پہلا انسان اس عید کو پیدا ہوا۔ قرآن شریف کا خاتمہ بھی اسی پر ہوا۔ ص۳۹۹

عیسیٰ علیہ السلام

۱۔ حضرت عیسیٰؑ نے ایلیا کے مقدمہ کا فیصلہ کر دیا کہ دوبارہ آمد سے بروزی آمد مراد ہوتی ہے۔ ص ۴ - ۹۹

۲۔ آپ نے یحییٰ کو ایلیا قرار دیا ص۲۶۴

۳۔ ہم حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر روح بلا جسم نہیں مانتے۔ وہاں جسم ہی کے ساتھ ہیں مگر وہ جسم وہی ہے جو دوسرے رسولوں کو دیا گیا ص۵۵

۴۔ روحانی طور پر مسیح کا اثر بہت کم ہوا۔ ہاں جسمانی طور پر بعض کے لئے دعائیں کیں اور وہ مریض اچھے ہو گئے۔ ص۸

۵۔ یسوع کی لائف میں اقتداری معجزات کا پتہ نہیں ملتا۔ اگر ہم مان بھی لیں تو اس رنگ کے اقتداری معجزات یسوع کے معجزات سے کہیں بڑھ چڑھ کر پہلے نبیوں کے بائبل میں موجود ہیں ص۱۳۷

۶۔ احادیث میں حضرت عیسیٰ کی عمر ۱۲۰ یا ۱۲۵ قرار دی گئی ہے ص۲۳۲

۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو رو رو کر دعائیں کرتے تھے اس لئے نہیں کہ وہ موت سے ڈرتے تھے بلکہ اس اندیشہ سے کہ ایسا نہ ہو . . . . کہ میں ناکام دنیا سے اٹھوں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو سنا ص۲۷۴

۸۔ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی میں ایسا فتنہ برپا ہوا کہ کسی اور نبی کی زندگی میں وہ فتنہ نہیں ہوا۔ ص۳۴۱

۹۔ ہمارا یہی مذہب ہے کہ عیسیٰ بن باپ پیدا ہوئے عیسائی جو ان کے بن باپ ہونے سے خدا بناتے ہیں۔ اس کا دوسری جگہ جواب دے دیا۔ ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم ص۲۶۸

عیسائیت

۱۔ عیسائی تعلیم ناقص ہے۔ یہ احکام بطور قانون مختص الزمان تھے۔ جب وہ زمانہ گذر گیا تو دوسرے لوگوں کے حسب حال وہ تعلیم نہ رہی ص۲۵۱-۳۶۰

۲۔ عیسائیوں کے ہاں گناہ سے پاک ہونے کا کوئی طریق نہیں۔ گناہوں سے بچانے کے لئے انہوں نے ایک اور بڑا گناہ تجویز کیا کہ انسان کو خدا بنایا گیا اور پھر اسے معاً ملعون بھی قرار دیا ص ۲۵۴ - ۲۵۵

۳۔ عیسائی مذہب کو انسانی فطرت دُور سے دھکے دیتی ہے ص ۲۴۸

۴۔ عیسائیت کے ذریعہ بہت سی بداخلاقیاں دُنیا میں پھیلی ہیں۔ کفارہ کے عقیدہ کی وجہ سے گناہ کی خطرناک زہر عیسائیت نے پھیلائی ہے ص ۲۴۳

۵۔ عیسائیت کا ہتھیار حیات مسیح ہے جس کو لے کر وہ اسلام پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کی ذریت عیسائیوں کا شکار ہو رہی ہے ص ۲۴۵

۶۔ عیسائیت کے استیصال کے لئے ہمارے پاس وہ ہتھیار ہیں جو دوسروں کو نہیں دیئے گئے ص ۲۴۶

۷۔ عیسائیت لعنتی مذہب ہے جو انسان کو خدا بناتا ہے ص ۲۹۷

۸۔ اگر میری طرف سے اس مُردہ پرستی کے دُور کرنے کے لئے کوئی تحریک نہ بھی ہوتی تب بھی اس مذہب کی حالت ایسی ہو چکی تھی کہ یہ خود بخود نمک کی طرح پگھل جاتا ص ۱۳۶ - ۱۳۷

۹۔ اس مذہب کی بنیاد محض ایک لعنتی لکڑی پر ہے جس کو دیمک کھا چکی ہے ص ۱۳۷

۱۰۔ میں خدا تعالےٰ کی تائیدوں اور نصرتوں کو دیکھ رہا ہوں جو وہ اسلام کے لئے ظاہر کر رہا ہے۔ اور میں اس نظارہ کو بھی دیکھ رہا ہوں جو موت کا اس صلیبی مذہب پر آنے کو ہے۔ اب وقت آتا ہے کہ یکدم یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو اسلام کی طرف توجہ ہوگی اور وہ اس مُردہ پرستی کے مذہب سے بیزار ہو کر حقیقی مذہب اسلام کو اپنی نجات کا ذریعہ یقین کریں گے ص ۱۳۷

۱۱۔ عیسائیوں کے حملے اسلام پر اس صدی میں بہت تیزی کے ساتھ ہوئے ہیں ص ۱۳۶

۱۲۔ عیسائیوں کا سب سے بڑھ کر فتنہ اس ملک میں ہے ص ۲۳

۱۳۔ ان کی اسلام دشمنی اس حد تک ہے کہ لغت کی کتابوں میں شرارتیں کی جاتی ہیں۔ فقہ اللغہ ثعلبی کی کتاب جو عیسائیوں نے چھاپی ہے۔ اس میں الحمد للہ والصلوٰۃ لا لہ لکھ دیا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام ہی نکال دیا۔ ص ۲۳

۱۴۔ عیسائیوں پر ایک سوال۔ عیسائیوں کے نزدیک جب شریعت توراۃ قابل عمل نہیں تو رشتہ ناطہ کے معاملہ میں اس قدیم شریعت پر عمل کرنے کی کیا حاجت۔ بہن یا سالی وغیرہ سے شادی کرنا انجیل کے کس حکم کے برخلاف ہے۔ ص ۳۵ - ۳۶

۱۵۔ عیسائیوں کے خدا سے تو آدم ہی اچھا رہا۔ کیونکہ آدم کے سامنے تو فرشتوں نے سجدہ کیا تھا۔ برخلاف اس کے عیسائیوں کا خدا شیطان کے

ف

فاتحہ خوانی

فاتحہ خوانی کا ذکر نہ حدیث میں ہے نہ قرآن شریف میں نہ سُنت میں نہ اس طریق سے دعا ہے۔ ص ۴۲

فتوح الغیب

سید عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب فتوح الغیب بڑی عمدہ کتاب ہے۔ بدعات سے پاک ہے ص ۵۲

فریدالدینؒ

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اور ایک فقیر کا واقعہ ص ۵۱

فطرۃ

انسان کی فطرت میں دراصل بدی نہیں لیکن بداستعمالی اسے بُرا بنا دیتی ہے ص ۳۵۸

فقراء

بناوٹی فقیروں کی باتوں پر یقین کر لینا الحاد اور ایمان سے خارج ہونا ہے ص ۴۲۰

فنار

۱۔ فنار اتم اس حالت سے مراد ہے کہ طالب حق خُلق اور ارادت اور نفس سے بکلی باہر ہو جاوے اور ارادتِ الٰہی میں بکلی کھویا جاوے ص ۴۸

۲۔ اس حالت میں اس کو ایک روحانی موت پیش آتی ہے جو بقار کو مستلزم ہے ص ۴۹

۳۔ یہ مقام عبودیت و فنار اتم غایت سیر اولیار ہے اور اس مقام میں غیب سے باذن اللہ ایک نُور سالک کے قلب پر نازل ہوتا ہے جو تقریر اور تحریر سے باہر ہے ص ۴۹

۴۔ تبتل اور تزکیہ نفس کا نام فنا فی اللہ ہے۔ جبتک یہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔ نجات نہیں ص ۹۲

فنڈر

دیکھو "پادری"

فیج اعوج

یہ درمیانی زمانہ ہزار سال کا زمانہ ہے جو قرون ثلاثہ کے بعد گذرا ہے جس کو شیطانی زمانہ بھی کہتے ہیں۔ جس قدر خرابیاں اور فسق و فجور پھیلا ہے اس زمانہ میں ہی پھیلا ہے۔ ص ۶۶

ق

قادیان

قادیان دمشق سے عین مشرق میں ہے ص ۱۹۲

قبر

۱۔ صاحب قبر کے واسطے دعائے مغفرت کرنی چاہیئے ص ۱۹۷ - ۲۰۵

۲۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزار پر قبر کے سرہانے ایک نظم لکھی ہوئی ہے۔ حضور نے اس کے نقل کرنے کا ارشاد فرمایا ص ۱۹۸

۳۔ قبر پر پڑھنے کی مسنون دعا ص ۱۹۷

۴۔ قبر پر کتبہ لکھنا شریعت میں منع نہیں ہے۔

اس میں بہت سے فوائد ہیں ص ۱۸۳

۵۔ اس سے عبرت ہوتی ہے اور ہر کتبہ گویا میت کی تاریخ ہوتی ہے ص ۲۸۷

قبرستان

۱۔ قبرستان میں ایک روحانیت ہوتی ہے ص ۱۶۷

۲۔ قبرستان میں جانے کی ابتداءً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مخالفت کی تھی جب بُت پرستی کا زور تھا۔ آخر میں اجازت دے دی ص ۲۸۶

۳۔ تمہارے پہلو میں دفن ہونا بھی ایک نعمت ہے حضرت عمرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہلا بھیجا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں جو جگہ خالی ہے انہیں دی جاوے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایثار سے کام لے کر وہ جگہ ان کو دے دی تو فرمایا۔ ما بقی لی ھمٌّ بعد ذٰلک ص [illegible]

۴۔ قبرستان کے لئے زمین تلاش کرنے کے متعلق حضور کی خواہش۔ فرمایا

الف۔ "میں چاہتا ہوں کہ جماعت کے لئے ایک زمین تلاش کی جاوے جو قبرستان ہو۔ یادگار ہو۔ عبرت کا مقام ہو ص ۲۸۵

ب۔ میں چاہتا ہوں کہ باغ کے قریب ہو ص ۲۸۶

ج۔ جو دوست ہیں اور پارسا طبع ہیں ان کی قبریں دیکھ کر دل نرم ہوتا ہے۔ اس لئے اس قبرستان میں ہمارا ہر دوست جو فوت ہو۔ اس کی قبر ہو۔ باہر والا صندوق میں دفن کرکے یہاں لایا جاوے۔ اس جماعت کو ہیئتِ مجموعی دیکھنا مفید ہوگا۔ عجیب موثر نظارہ ہوگا جو زندگی میں ایک جماعت تھے مرنے کے بعد بھی ایک جماعت ہی نظر آئے گی ص ۲۸۶

د۔ یہ تجویز میں نے اللہ تعالیٰ کے امر اور وحی سے کی ہے ص ۲۹۴

ھ۔ اس سے مومن خوش ہوں گے اور منافقوں کا نفاق ظاہر ہو جائے گا۔ ص ۲۹۵

۵۔ <u>قبرستان میں روٹیاں تقسیم کرنا</u>

اس سوال پر کہ میت کو دفن کرنے کے بعد قبرستان میں جو روٹیاں تقسیم کی جاتی ہیں، کیا حکم ہے۔ فرمایا اگر نیت مساکین کو صدقہ دینے کی ہو تو یہ عمدہ بات ہے اور اگر صرف رسم کے طور پر یہ کام کیا جاوے تو جائز نہیں ص ۲۱۱

قرآن

۱۔ قرآن شریف کی تعلیم کا خلاصہ مغز کے طور پر یہی بتایا ہے کہ خدا تعالےٰ کی محبت اس قدر استیلاء کرے کہ ماسوی اللہ جل جاوے ص ۵۲

۲۔ قرآن شریف کے انوار و برکات اور تاثیرات ہمیشہ زندہ اور تازہ بتازہ ہیں چنانچہ میں اس وقت اسی ثبوت کے لئے بھیجا گیا ہوں ص ۱۱۶

۳۔ قرآن ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔ اپنے حقائق و معارف کے لحاظ سے اور اپنی فصاحت و بلاغت کے رنگ میں۔ اس کی طرز بشری طرزوں سے الگ اور ممتاز ہے۔ اس میں باوجود اعلیٰ درجہ کی بلند پروازی کے نمود و نمائش بالکل نہیں۔ پھر

قرآن خوانی پر اُجرت

قضاء و قدر

قلم

قوم

قیامت

ک

کتب سابقہ

کشف

کشمیر

لوگ

لوگوں کی تین قسمیں۔ خواص ، اوسط۔ عوام۔ خواص تو دہریہ ہیں۔ اوسط درجہ کے لوگ خواص کے تابع ہیں۔ عوام مثل وحشیوں کے ہیں ص۱۴

لیکچر

لیکچر لدھیانہ ص۲۱۴

م

مال

۱۔ جو مال خدمت دین کے لئے وقف ہو وہ خدا کا مال ہے انسان کا نہیں۔ لیکن جو مال اپنے اغراض نفسانی اور دنیوی کو ملحوظ رکھ کر جمع کیا جاتا ہے وہ داغ لگانے کے لئے ہے جس سے آخر اس کو داغ دیا جائے گا ص۱۰۸

۲۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا مال تمہارے واسطے ہلاکت اور ٹھوکر کا باعث نہ ہو تو اسے دین کی اشاعت اور خدمت بنی نوع کے لئے وقف کردو اگر تمہارے مال میں دین کا حصہ ہے تو اس بدی کا تدارک ہو جائے گا جو اس مال کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو یعنی جو بدی اولاد کرتی ہے ص۲۹۵

۳۔ میں جو بار بار تاکید کرتا ہوں کہ خدا تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرو یہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ہے ص۳۹۲

مامور

مامور چونکہ عدل اور راستی لاتا ہے اس لئے اس کے آنے سے پہلے عدل اور راستی کا اجراء ہونے لگتا ہے ص۲۳۳

مباحثہ

۱۔ اس اصل کو کبھی ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے کہ جب کسی سے گفتگو ہو تو وہ ہمیشہ اصول میں محدود ہو ص۲۲۷

۲۔ توفی کے معنی کے متعلق بغداد میں ایک بڑا مباحثہ ہوا تھا۔ بالآخر یہی فیصلہ ہوا کہ جہاں اللہ تعالیٰ فاعل ہو اور مفعول بہ علم ہو وہاں سوائے مارنے کے اور کوئی معنی نہیں آتے ص۱۹۲

۳۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ بحث مباحثہ فضول ہے کیونکہ جن حدیثوں اور روایتوں اور عقائد کی بناء پر وہ ہم سے مباحثہ کرنا چاہتے ہیں ان کے بارے میں خود اُن کے اپنے درمیان بڑے بڑے اختلاف موجود ہیں ص۴۳۱

مباہلہ

۱۔ مباہلہ دشمن پر زد کرنے کا ایک اعلیٰ درجہ کا ہتھیار ہے ص۴۳۱

۲۔ یہ ایک آخری فیصلہ ہوتا ہے ص"

۳۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ کو مباہلہ کے واسطے طلب کیا تھا مگر ان میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی ص"

۴۔ اب بھی عیسائیوں کے دلوں پر حق کا رعب طاری ہے اور امید نہیں کہ کوئی بشپ مباہلہ کے میدان میں آوے۔ اگر کوئی آئے گا تو ہمیں

یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک بڑی کامیابی دے گا صـ۴۳۱

مجدد

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ قیامت تک ہے اس لئے اس میں قیامت تک ہی مجدد دین آتے رہیں گے۔ اس میں کیا ہرج ہے کہ میرے بعد بھی کوئی مجدد آ جائے صـ۱۱۹

محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام قاسم بھی ہے اور اور اسم قاسم کا سِر صـ۲

۲۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر کوئی انسان روحانی فیض اور فضل حاصل نہیں کر سکتا صـ ۲۳۳ - ۴۳۸

۳۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کسی کے ہاتھ سے قتل نہ کیا جانا ایک بڑا بھاری معجزہ اور قرآن شریف کی صداقت کا ثبوت ہے صـ۱۱

۴۔ پہلی کتابوں میں یہ پیشگوئی درج تھی کہ نبی آخرالزمان کسی کے ہاتھ سے قتل نہ ہوگا صـ۱۱

۵۔ آپ نے مکہ جیسی جگہ میں اور پھر عربوں جیسی وحشیانہ زندگی رکھنے والی قوم میں وہ ترقی کی جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی صـ۲۶

۶۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تاثیرات اور اس کے ثمرات باقی ہیں جو آپ کی زندگی کا ثبوت ہے صـ ۶۵ - ۲۴۵

۷۔ انہیں فیوضات اور برکات کے ثبوت کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا ہے صـ۲۴۵

۸۔ تمام صوفیوں اور اکابر امت کا یہی مذہب ہے کہ کامل متبع ہونا ہی نہیں جب تک بروزی رنگ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات کو اپنے اندر نہ رکھتا ہو صـ۶۴

۹۔ میں ان تاثیرات کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع سے ملتی ہیں محدود نہیں کر سکتا بلکہ ایسا خیال کرنا کفر سمجھتا ہوں صـ″

۱۰۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا مقام یہ تھا کہ آپ محبوب الٰہی تھے صـ۹۵

۱۱۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع انسان کو محبوب الٰہی کے مقام تک پہنچا دیتی ہے صـ۱۱۵

۱۲۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر نجات ہو سکتی ہے وہ جھوٹا ہے صـ۴۳۴

۱۳۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایک پیاس لگا دی تھی کہ لوگ مسلمان ہوں صـ۸۱

۱۴۔ آپ میں جذب اور کشش کی قوت بھی تمام راست بازوں اور ماموروں سے بڑھ کر تھی صـ″

۱۵۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی سے مسیح موعود مہر نبوت لے کر آیا ہے صـ۱۴۳

۱۶۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہی ظاہر کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو قبر میں رکھے گئے وہ ایک پاک دانہ کی طرح رکھے گئے جس کو بہت سے خوشے لگے ہیں جو اصلها ثابتٌ و فرعها فی السماء

کا سچا مصداق ہیں۔ صـ۱۴۷

۱۷۔ آپ جامع کمالات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وہ تائید کی جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی صـ۱۶۰

۱۸۔ تمام گذشتہ نبیوں اور ولیوں میں جس قدر خوبیاں اور صفات اور کمال تھے وہ سب کے سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے۔ سب کی ہدایتوں کا اقتداء کر کے آپ جامع تمام کمالات ہو گئے صـ۱۹۰

۱۹۔ میرا مذہب ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ذرا ادھر اُدھر جانا بے ایمانی میں پڑنا ہے۔ صـ۲۰۳

۲۰۔ مجھے ایک بزرگ کی بات بہت ہی پیاری لگتی ہے کہ اگر دنیا میں کسی کی زندگی کا میں قائل ہوتا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا قائل ہوتا صـ۲۰۳

۲۱۔ امورِ رسالت میں جس قدر کامیابی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوئی کسی اور کو نہیں ہوئی۔ اس میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی حالت میں مبعوث فرمایا جبکہ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سب بگڑ چکے تھے اور پھر ایسے وقت دنیا سے رخصت ہوئے جبکہ آپ کو یہ آواز آ گئی الیوم اکملت لکم دینکم یہ آواز کسی اور نبی اور رسول کو نہیں آئی۔ صـ ۲۴۶-۳۹۶-۳۹۴

۲۲۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اعلیٰ درجہ کی قوت قدسی اور تزکیہ نفس کی طاقت کا ہے صـ۳۸۲

۲۳۔ یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کا نتیجہ ہے کہ آپ نے ایسی اعلیٰ درجہ کی جماعت تیار کی۔ میرا دعویٰ ہے کہ ایسی جماعت آدم سے لے کر آخر تک کسی کو نہیں ملی صـ۲۹۲

۲۴۔ جو مصیبتیں اور مشکلات ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی راہ میں آئیں اس کی نظیر انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں کسی کے لئے نہیں پائی جاتی صـ۲۴۶

۲۵۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور قرآن شریف خاتم الکتب صـ۲۵۲

۲۶۔ محمد رسول اللہ کہنے سے انسان دہریہ نہیں ہوتا صـ۲۱۷

۲۷۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایک عظیم الشان ضرورت کی بناء پر تھی۔ اگر آپ نہ آتے تو شاید نوحؑ کی طرح ایک طوفان آکر دنیا کو ہلاک کر دیتا صـ۳۹۶

۲۸۔ حضرت عائشہؓ نے ایک رات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قبرستان میں پایا۔ آپ نہایت الحاح کے ساتھ مناجات کر رہے تھے کہ اے میرے خدا میری روح، میری جان، میری ہڈیوں، میرے بال بال نے تجھے سجدہ کیا صـ۲۸۸

۲۹۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مردہ کی بابت کہا گیا کہ اسے زندہ کر دیں۔ حضور نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو دفن کر دو صـ۹۹

مسِ روح القدس و مسِ شیطان

۱۔ پیدائش کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مس روح القدس سے اور ایک مس شیطان سے۔ تمام نیک اور راستباز لوگوں کی اولاد مس روح القدس سے ہوتی ہے اور جو اولاد بدی کا نتیجہ ہوتی ہے وہ مس شیطان سے ہوتی ہے ص ۳۶۲

۲۔ جو اولاد مس شیطان سے ہو وہ ولد الحرام کہلاتی ہے اور جو مس روح القدس سے ہو وہ ولد الحلال ہوتی ہے ص ۶۸

۳۔ تمام انبیاءؑ مس روح القدس سے پیدا ہوئے تھے ص ۷

۴۔ کسی نبی کو مس شیطان نہیں ہُوا بلکہ اللہ تعالیٰ کے راستباز اور صادق بندوں میں سے بھی کسی کو مس شیطان نہیں ہوتا ص ۷

۵۔ یہودی مریم علیہا السلام کو معاذ اللہ زانیہ اور حضرت مسیح کو نعوذ باللہ ولد الزنا کہتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس الزام سے ان کی بریت کی اور مریم کا نام صدیقہ رکھا اور حضرت مسیح کے لئے کہا کہ وہ مس شیطان سے پاک ہے ص ۶۸-۳۶۲

مسلمان

۱۔ اس وقت مسلمان اسلمنا میں تو داخل ہیں مگر اٰمنّا کی ذیل میں نہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک نُور ساتھ ہو ص ۲۶۲

۲۔ مسلمانوں نے قرآن کریم پر تدبر چھوڑ دیا اور ان کی عملی حالت خراب ہو گئی ص ۳۳۹

۳۔ اللہ تعالیٰ اب ان لوگوں کو مسلمان نہیں جانتا جبتک کہ وہ غلط عقائد کو چھوڑ کر راہ راست پر نہ آجاویں ص ۳۶۴

۴۔ یہ لوگ مثل ایک خراب اور نکمے باغ کے ہو گئے ان کے دل ناپاک ہیں ص ۷

مسیح اسرائیلی

نبوت جب اسرائیلی خاندان سے منتقل ہو چکی تو پھر یہ ناممکن ہے کہ مسیح دوبارہ اس خاندان سے آوے ص ۸۸

مسیح موعود علیہ السلام

۱۔ اس وقت مسیح کے آنے کی کیوں ضرورت ہے ص ۳

۲۔ مَیں کہتا ہوں کہ تم اور تمہارے سب معاون مل کر دعائیں کرو کہ مسیح آسمان سے اُتر آوے۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ اگر ساری عمر ٹکریں مارتے رہو اور ایسی دعائیں کرتے کرتے ناک بھی رگڑے جاویں تب بھی وہ آسمان سے نہیں آئے گا کیونکہ آنے والا تو آچکا ص ۴

۳۔ مسیح کی خدائی پر زد مارنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے مسیح موعود بنا دیا۔ تا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی علوشان ظاہر ہو ص ۴۷

۴۔ مَیں خلوت کو پسند کرتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے مصالح سے خود مجھے باہر نکالا ص ۸۵ - ۳۸۷

۵۔ میرے آنے کے دو مقصد ہیں مسلمانوں کے

لئے یہ کہ اصل تقویٰ اور طہارت پر قائم ہو جائیں اور عیسائیوں کے لئے کسرِ صلیب ہو اور ان کا مصنوعی خدا نظر نہ آوے ص۱۴۸

۶۔ میری مخالفت خدا تعالیٰ سے جنگ ہے ص۱۵۶

۷۔ مسیح موعود کو ماننا کیوں ضروری ہے ص۱۷۳

۸۔ ہم کو سب کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملا ہے اور تمام معرفت وہیں سے حاصل ہوئی ہے ص۱۹۴

۹۔ اگر کوئی چاہے تو کم از کم چالیس روز ہمارے پاس رہے اور نشان دیکھ لے ص۱۹۶ - ۲۶۵

۱۰۔ میں اس کو کفر سمجھتا ہوں کہ کوئی مستقل نبی ہونے کا دعویٰ کرے ص۱۹۶

۱۱۔ ہمارے دو کام ہیں اول یہ کہ اعتقاد میں نصوص کے برخلاف جو غلطیاں پڑ گئی ہیں وہ نکالی جاویں - دوم یہ کہ لوگوں کی عملی حالتیں درست کی جائیں اور صحابہ کے مطابق ان کو تقویٰ اور طہارت حاصل ہو جائے ص۱۹۷

۱۲۔ مسیح موعود کا انکار کس معنی میں کفر ہے ص〃

۱۳۔ مجدد الف ثانی نے لکھا ہے کہ جب مسیح آئے گا تو علماء اس کا مقابلہ اور تکذیب کریں گے ص۱۹۹

۱۴۔ امرتسر میں حضور کا بائیں ہاتھ سے پیالی پکڑنے کا واقعہ اور لوگوں کا اعتراض کرنا۔ جب حضور نے بتایا کہ میرے دائیں بازو کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہے تب سُنکر شرمندہ ہوئے ص۲۱۰

۱۵۔ میں قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ذرا اِدھر اُدھر ہونا بے ایمانی سمجھتا ہوں۔ میرا عقیدہ یہی ہے کہ جو اس کو ذرہ بھی چھوڑے گا وہ جہنمی ہے ص۲۲۳

۱۶۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر کوئی انسان روحانی فیض حاصل نہیں کرسکتا ص۲۳۳ - ۲۳۸

۱۷۔ میں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ پورے طور پر اس طریق کو پیش کیا ہے جو اسلام کو کامیاب اور دوسرے مذاہب پر غالب کرنے والا ہے ص۲۴۰

۱۸۔ مسیح موعود اور مہدی کا کام یہی ہے کہ وہ لڑائیوں کے سلسلہ کو بند کرے گا اور قلم، دعا اور توجہ سے اسلام کا بول بالا کرے گا ص۲۴۵

۱۹۔ میرے آنے کی غرض صرف اسلام کی تجدید اور تائید ہے ص〃

۲۰۔ میں اس مقصد کو لیکر آیا ہوں کہ پھر اسلام کی عظمت و شوکت ظاہر ہو ص۲۵۶

۲۱۔ میری تائید میں لاکھوں نشان ظاہر ہوئے اور لاکھوں گواہ ہیں ص۲۵۸

۲۲۔ میرے آنے کی دو غرضیں ہیں ایک یہ کہ ادیان باطلہ کے حملوں سے اسلام کو بچاؤں اور اسلام کے پر زور دلائل اور صداقتوں کے ثبوت پیش کروں۔ علاوہ علمی دلائل کے انوار اور برکات سماوی بھی پیش کروں۔ دوسرا یہ کہ نام کے مسلمانوں میں وہ کیفیت پیدا کی جائے

جو اسلام کا مغز اور اصل ہے ص ۲۶

۲۳۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں میں جو خدا تعالیٰ کی بجائے دُنیا کے بُت کو عظمت دی گئی ہے اس بُت کو پاش پاش کیا جاوے اور ایمان کا شجر تازہ بتازہ پھل دے۔ ص ۲۶۱

۲۴۔ اس معنی سے ہم نبی ہیں کہ اس امت مرحومہ کے درمیان سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا ہمیشہ جاری ہے ص ۴۳۵

۲۵۔ میں خدا تعالیٰ کی باتوں پر اب بھی ویسا ہی ایمان رکھتا ہوں جیسا کہ پہلی کتابوں پر رکھتا ہوں ص ۱۹۳

۲۶۔ حدیث میں بھی آیا ہے کہ مسیح نبی ہوگا اور امتی بھی ص ۴۳۹

۲۷۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک کا نام نبی رکھا ہے اس سے پہلے کسی آدمی کا نام نبی نہیں رکھا ص ۴۳۹

۲۸۔ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تا میں اس کی تازہ بتازہ نصرتوں کا ثبوت دوں ص ۳۱۶

۲۹۔ اگر کوئی شخص ایک ہفتہ ہماری صحبت میں رہے اور اسے ہماری تقریریں سُننے کا موقعہ مل جاوے تو وہ مشرق و مغرب کے مولوی سے بڑھ جاویگا ص ۳۲۲ - ۳۶۶

۳۰۔ خدا تعالیٰ نے جس قدر اپنی ہستی کا ثبوت مجھے دیا ہے میرے پاس الفاظ نہیں جن میں مَیں اُسے ظاہر کرسکوں ص ۲۹۴

۳۱۔ اس سوال کا جواب کہ مسیح کتنے ہوں گے۔ فرمایا۔ مسیح موعود جو آنے والا تھا وہ صرف ایک ہی ہے ص ۴۰۷

۳۲۔ مسیح موعود پر اللہ تعالیٰ کے غالب ہونے والے نام کا پرتو ہے۔ صوفیوں نے بھی لکھا ہے کہ آنے والا مسیح ہمیشہ فتح پائے گا ص ۴۳۴

۳۳۔ بکھرے بکھرے باغ کی طرح دلائل کا مجموعہ ہم نے اکٹھا کر دیا ہے ص ۴۴

۳۴۔ ہماری کتب کو کم از کم ایک دفعہ پڑھنا ضروری ہے ص ۸

۳۵۔ تبلیغ اسلام کے لئے حضور کی ایک ایسی کتاب تصنیف کرنے کی خواہش جس میں اسلام کی حقیقت مکمل درج ہو گویا وہ اسلام کی پوری تصویر ہو جس میں اسلام کی خوبیاں دکھائی جاویں اور اس کی تعلیم کے سارے پہلوؤں پر بحث کے علاوہ اسلام کے ثمرات اور نتائج بھی دکھائے جائیں ساتھ ہی دوسرے مذاہب کے ساتھ اس کا مقابلہ بھی کیا جاوے ص ۲

۳۶۔ حضور کے کتب خانے میں ہزار سے زیادہ طب کی کتب موجود تھیں ص ۱۹۰

۳۷۔ حضور نے بعض متن کتب طب کے بیس بیس جزو کے حفظ کئے تھے ص ۸

۳۸۔ ایک موقعہ پر حضور کو ایک میوہ کی خواہش ہوئی آپ کی طبیعت ناساز تھی۔ تھوڑی دیر ہوئی۔ ایک شخص آیا اور وہی پھل ساتھ لایا ص ۱۶۴

۳۹۔ حضور نے ایک دفعہ پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق جلا کر پانی گرم کر لیا۔ فرمایا اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ بعض وقت شیطان بھی کام آجاتا ہے ص۳۱۴

۴۰۔ ہمارا مسلک اس جراح کی طرح ہے جو پھوڑے کو چیرتا اور پھر اس پر مرہم لگاتا ہے ص۲۳۲

مصائب

۱۔ مصائب گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں ص۳۴

۲۔ جب مصائب کی وجہ سے مومن دعائیں کرتا ہے تو وہ مصائب کفارہ ہو جاتے ہیں ص۲۴

۳۔ حدیث میں ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی سے پیار کرتا ہے تو اُسے کچھ دُکھ دیتا ہے ص۳۴

۴۔ انبیاء کے معجزات انہیں مصائب کے زمانہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہوتے ہیں ص۲

۵۔ مصائب و مشکلات میں ان باتوں کا امتحان ہو جاتا ہے کہ کون اللہ تعالیٰ سے قوی تعلق رکھتا اور اس کی قدرتوں پر ایمان لاتا ہے اور کون اس کا شکوہ کرتا اور اس سے ناراض ہوتا ہے ص۴۴

۶۔ مومن مصیبت کو اپنے لئے خدا تعالیٰ سے تعلقات بڑھانے کا ذریعہ یقین کرتا ہے ص۲

۷۔ مومن کے واسطے ابتداء میں دنیا جہنم کا نمونہ ہو جاتی ہے۔ طرح طرح کے مصائب پیش آتے ہیں اور ڈراؤنی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ جب وہ صبر کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ ان کی حفاظت کرتا ہے ص۱۸۵

۸۔ بڑی مصیبت عذاب کا موجب نہیں ہو سکتی بلکہ وہ مصیبت دُکھ دینے والا عذاب ٹھیرتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ پر ایمان اور بھروسہ نہ ہو ص۴۵

۹۔ مصیبت کے زخم کے لئے کوئی مرہم ایسا تسکین دہ اور آرام بخش نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہے ص۲

۱۰۔ مصائب اور تکالیف کبھی برداشت نہیں ہو سکتیں جب تک اندرونی کشش نہ ہو ص۶۱

۱۱۔ کئی ایک جو محض بے گناہ قید ہو جاتے اور ظلم کا نشانہ بنتے ہیں اس کا باعث یہی ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری پیروی نہیں کرتے اور دعاؤں سے اس کی پناہ نہیں چاہتے ص۱۲۹

۱۲۔ اسلام پر یہ سخت مصیبت کا زمانہ ہے۔ اندرونی مصائب بھی بے انتہا ہیں اور بیرونی بھی بے حد ص۱۶۹

مظلوم

مظلوم پر ظلم اس لئے ہوتے ہیں کہ وہ خود ذبیحہ بکری یا کیڑے کی طرح ہوتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ سے سچا تعلق نہیں رکھتا۔ جب تک مظلوم خدا تعالیٰ سے سچا تعلق بذریعہ صراط مستقیم پیدا نہ کر لیں ان کی کوئی پروا نہیں کی جائے گی ص۱۳۲

کے اخلاق عادات اور توجہ کسی اور کو بھی دیئے جاتے ہیں جو ظلّی طور پر اس کے کمالات کو اپنے اندر جذب کرتا ہو اس وقت اس کا نام اس نبی کا ہوتا ہے ص۱۴۷

۵۔ انبیاء علیہم السّلام کے آنے کے وقت دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو استعارات کو حقیقت پر محمول کر لیتے اور حقیقت کو استعارہ بنانا چاہتے ہیں۔ یہ گروہ ان کی شناخت سے محروم رہ جاتا ہے۔ دوسرا وہ گروہ جو اصل حقیقت کو پالیتا ہے ص۳

۶۔ انبیاء علیہم السّلام کو جب مشکلات پیش آتیں تو وہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دعائیں کرتے تھے۔ اس وقت راتوں کی دعائیں ہی کام کیا کرتی تھیں اب بھی یہی صورت ہے ص۲۵

۷۔ انبیاء علیہم السلام خلوت کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو مجبور کرکے باہر نکالتا ہے ص۷۸

۸۔ تا وہ خدا جو اہل دنیا سے مخفی ہوتا ہے ان کے وجود میں نظر آوے ص۸۰

۹۔ وہ صرف اللہ تعالےٰ کا جلال اور اس کی عظمت کے اظہار اور اس کی کبریائی کے اعلان کو پسند کرتے ہیں ص۷۹

۱۰۔ وہ ہمدردی مخلوق میں یہانتک بڑھ جاتے ہیں کہ ماں باپ اور دوسرے اقارب میں بھی ایسی ہمدردی نہیں ہو سکتی ص۸۰

۱۱۔ انبیاء کے طفیل سے مومن اور کافر اپنے کفر و ایمان کی تکمیل کرتے ہیں ص۸۱

۱۲۔ قرآن شریف میں انبیاء و رسل کی بعثت کی مثال مینہ سے دی گئی ہے ص۷

۱۳۔ نبی کی بعثت اس غرض کے لئے ہوتی ہے کہ اللہ تعالےٰ پر یقین اور بصیرت پیدا ہو۔ اور ایسا ایمان ہو جو لذیذ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے تصرفات اور اس کی قدرتوں اور صفات کی تجلّی کو انسان مشاہدہ کرے ص۹۱

۱۴۔ انبیاء علیہم السلام کو جو تکالیف اور مصائب اُٹھانے پڑتے ہیں کوئی دوسرا شخص دنیا کا ان مشکلات کو ہرگز ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ ص۲۷۹

۱۵۔ انبیاء علیہم السلام کے متعلق سنّت اللہ یہی ہے کہ وہ تخم ریزی کر جاتے ہیں ص۲۸۴

۱۶۔ اللہ تعالےٰ نبی کی وفات کے وقت ایک زبردست ہاتھ دکھاتا ہے اور اس کے سلسلہ کو نئے سرے سے پھر قائم کرتا ہے ص۴۰۶

۱۷۔ ہر ایک نبی پر اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی اسم کا پرتو ہوتا ہے۔ مسیح موعود پر اللہ تعالیٰ کے غالب ہونے والے نام کا پرتو ہے ص۴۳۴

۱۸۔ اس سوال کا جواب کہ اگر اسلام میں امتی نبی ہو سکتا ہے تو آپ سے پہلے کون نبی ہوا۔ فرمایا۔ یہ سوال مجھ پر نہیں بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ہے انہوں نے صرف ایک کا نام نبی رکھا ہے اس سے پہلے کسی آدمی کا نام نبی نہیں

نیچری

نیچری مذہب اسی وقت تک مستحکم ہوگا جب تک اسے دنیوی آسائش و آرام میسر ہوگا اور جونہی مصائب آئیں گے ڈھیلا ہوتا جائے گا ص۳۱

نیکی

نیکیاں بطور غذا کے ہیں۔ جب تک انسان بدیوں کو چھوڑ کر نیکیاں اختیار نہ کرے۔ اس روحانی زندگی میں زندہ نہیں رہ سکتا ص۲۷۲

و

وجودی اور شہودی

۱۔ وجودیوں نے فلسفیوں کی طرح یہ سمجھ لیا ہے کہ انسان کے سوا خدا کچھ نہیں یا خدا کے سوا اور کچھ نہیں۔ شہودیوں نے استیلاء محبت اور تجلیات صفات الٰہی سے ایسا معلوم کیا کہ خدا ہے۔ انہوں نے اس کی ہستی اور وجود کے سامنے اپنی ہستی اور وجود کی نفی کر لی ص۵۲

۲۔ دوآبہ بست جالندھر میں اکثر وجودی ہیں۔ ان کا مذہب عموماً اباحتی دیکھا گیا ہے ص۵۲

۳۔ افسوس ہے کہ سید عبدالقادر جیلانیؒ کا فرقہ جو قادری کہلاتا ہے وہ بھی وجودی ہوگئے ہیں۔ حالانکہ سید عبدالقادر جیلانیؒ وجودی نہ تھے ص۵۳

۴۔ وجودیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم ہی سچے موحد ہیں باقی سب مشرک ہیں۔ وہ نماز۔ روزہ اور دوسر اوامر کو ضروری نہیں سمجھتے ص۵۲

۵۔ میرے نزدیک وجودیوں اور دہریوں میں ۱۹ اور ۲۰ کا فرق ہے ص〃

وحی

۱۔ وحی والہام اسلام سے مخصوص ہے ص۲۲۰

۲۔ اللہ تعالیٰ نے وحی والہام کے دروازہ کو بند نہیں کیا۔ جو لوگ اس امت کو وحی والہام کے انعامات سے بے بہرہ ٹھیراتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ بغیر مکالمہ مخاطبہ کے تو اس کی ہستی پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکتی ص۲۲۰

۳۔ لوگ محجوب ہونے کے سبب وحی کے لفظ سے گھبراتے ہیں ص۱۹۵

۴۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے لکھا ہے کہ جس کو کبھی کبھی وحی نہیں ہوئی خوف ہے کہ اس کا خاتمہ بُرا ہو۔ ص ۱۹۵ - ۱۹۶

۵۔ نزول وحی کے کئی طریق ہیں بعض دفعہ دل میں ایک گونج پیدا ہوتی ہے کوئی آواز نہیں ہوتی۔ پھر اس کے ساتھ ایک شگفتگی پیدا ہوتی ہے اور بعض دفعہ تیزی اور شوکت کے ساتھ ایک لذیذ کلام زبان پر جاری ہوتا ہے جو کسی فکر، تدبر اور وہم و خیال کا نتیجہ نہیں ہوتا ص۱۹۶

۶۔ وحی کا نزول بعض دفعہ اس طرح ہوتا ہے کہ کسی کاغذ یا پتھر وغیرہ پر لکھا ہوا دکھایا جاتا ہے ص〃

۷۔ مجھے یہ وحی بار بار ہوئی۔ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون اور اتنی مرتبہ ہوئی ہے کہ میں گن نہیں سکتا خدا جانے دو ہزار مرتبہ ہوئی ہو۔ ص۲۷۱

وفات مسیح

۱۔ عیسائیوں کے ہاتھ میں بڑا حربہ یہی ہے کہ مسیح زندہ ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ عیسیٰ مرگیا تو آج دنیا میں ایک بھی عیسائی نہیں رہتا ص۱۷۵

۲۔ میں نے بڑے بڑے پادریوں سے پوچھا ہے انہوں نے کہا کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مسیح مرگیا تو ہمارا مذہب زندہ نہیں رہ سکتا ص۲۲۹

۳۔ اے مسلمانو! عیسیٰ کی وفات کا نام سنکر تمہیں کیوں غصہ آتا ہے۔ عیسائی تو خود قائل ہیں کہ وفات مسیح کا یہی ایک پہلو ہے جس سے عیسوی مذہب بیخ وبُن سے اُکھڑ جاتا ہے۔ پھر ان کے واسطے بجز اس کے اور کوئی دروازہ نہیں کہ اسلام کو قبول کریں ص۲۰۵

۴۔ اسلام کی زندگی حضرت عیسیٰ کی موت میں ہے ص ۲۱۲ - ۲۵۷ - ۳۲۶ - ۳۲۵

۵۔ یہ ایک زبردست حربہ ہے اس حربہ سے صلیبی مذہب پر موت وارد ہوگی ص۲۳

۶۔ خدا تعالیٰ نے اپنی وحی قطعی صحیح سے بار بار میرے پر ظاہر کر دیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا گئے ص۲۱۲

۷۔ کتب احادیث میں تین سو کے قریب ایسی جگہیں پائی گئی ہیں جہاں توفی کے معنی موت دینے کے ہی ہیں ص۲۱۱

۸۔ وفات مسیح کے متعلق حضور اقدس کا چند مولویوں کو ایک تحریر لکھ کر دینا ص۲۱۰

۹۔ ہمارے پاس عیسائیت کے استیصال کے لئے وہ ہتھیار ہیں جو دوسروں کو نہیں دیئے گئے۔ ان میں سے پہلا ہتھیار یہی موت مسیح کا ہتھیار ہے ص۳۴۶

۱۰۔ دہلی میں جب حضور نے تقریر کی تھی تو سعید الفطرت انسانوں نے تسلیم کر لیا کہ بیشک حضرت عیسیٰؑ کی پرستش کا ستون ان کی زندگی ہے جب تک یہ نہ ٹوٹے اسلام کے لئے دروازہ نہیں کھلتا ص۲۳۱

وقف

قرآن شریف انسان کو ایسے مقام پر لے جانا چاہتا ہے کہ انسان اپنی زندگی خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دے اور یہ للّٰہی وقف کہلاتا ہے ص۳۱۹

ولایت۔ ولی

۱۔ ولایت محبت قرب اور معرفت کا ذریعہ ہے ص۱۹۵

۲۔ بعض آدمی بیوقوفی سے کہدیتے ہیں کہ کیا ہم نے ولی بننا ہے۔ میرے نزدیک ایسے لوگ کفر کے مقام پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو سب کو ولی بنانا چاہتا ہے ص۹۵

۳۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے پاس ارادت سے جانا سہل ہے لیکن ارادت سے واپس آنا مشکل ہے ص۴۷

۴۔ اولیاء اللہ میں تکلفات نہیں ہوتے وہ بہت ہی سادہ اور صاف دل ہوتے ہیں۔ ص۴۵

ولدالحرام - ولدالحلال

وہ اولاد جو مس شیطان سے ہو ولدالحرام کہلاتی ہے اور وہ جو روح القدس کے مس سے ہو وہ ولدالحلال ہوتی ہے ص۶۸

وید

۱- وید والوں کے نزدیک خواب بے حقیقت چیز ہے ص۳۱۶

۲- کیا وید میں کوئی ایسی سشرتی ہے جو ھدی للمتقین کا مقابلہ کرے ص۳۱۷

۳- ویدوں نے آکر دنیا کو کیا بخشا کوئی امتیازی نشان بتاؤ ص۷

۴- اس وقت تک وید گویا مخفی پڑے ہیں۔ کوئی ان کا مستند ترجمہ نہیں۔ اگر کوئی کمیٹی ترجمہ کرکے صاد کر دے تو حقیقت معلوم ہو جائے گی ص۳۲۸

۵- ویدوں کی بعض باتیں ژندوستا سے ملتی ہیں وہ ویدوں سے بھی پرانے ہیں ص۴۰۴

ھ

ہارون رشید

ہارون رشید نے مصر کا علاقہ ایک حبشی کو دیدیا اور کہا کہ یہ وہی مصر ہے جس کی حکومت سے فرعون نے خدائی کا دعویٰ کر دیا تھا ص۹۷

ہمدردی

نوع انسان سے ہمدردی کرنا بہت بڑی عبادت ہے اور اللہ تعالےٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ایک زبردست ذریعہ ہے ص۱۰۲

ہندو

۱- جو ہندو عیسائی ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نکالتے ہیں ان کی محفلوں میں بیٹھنا اور ان کے ساتھ دوستی کرنا اور ان کے گھروں میں جانا معصیت میں داخل ہے ص۴۲۶

۲- ہندو یا کسی اور مذہب کا آدمی جو دعا کی درخواست کرے ہم سب کے واسطے دعا کرتے ہیں ص۱۴

ہندوستان

۱- ہند میں اسلام تلوار کے ذریعہ سے نہیں پھیلا بلکہ نوّے کروڑ مسلمان ان مشائخ اور بزرگان دین کی توجہ، دعا اور تضرعات کا نتیجہ ہے۔ بادشاہوں کو یہ توفیق کہاں ہوتی ہے کہ دلوں میں اسلام کی محبت ڈال دیں ص۲۰۷

۲- پنڈت دیانند کا اعتراف کہ زمانہ بعثت نبوی میں آریہ ورت ہندوستان بتوں سے بھرا ہوا تھا ص۲۴۷

ی

یار محمد

حضرت مولوی یار محمد صاحبؓ بی۔اے۔ایل کی نسبت حضور اقدس کے تعریفی کلمات۔

"بہت ہی مخلص یکرنگ آدمی ہے۔ کئی دفعہ

ملفوظاتؑ

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السّلام

جلد ۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

ملفوظات

حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

جلد ہشتم

اطمینان قلب[1]

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ[2]۔ اس کے عام معنی تو یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قلوب اطمینان پاتے ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت اور فلاسفی یہ ہے کہ جب انسان سچے اخلاص اور پوری وفاداری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور ہر وقت اپنے آپ کو اس کے سامنے یقین کرتا ہے۔ اس سے اس کے دل پر ایک خوف عظمت الٰہی کا پیدا ہوتا ہے وہ خوف اس کو مکروہات اور منہیات سے بچاتا ہے اور انسان تقویٰ اور طہارت میں ترقی کرتا ہے۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ اس پر نازل ہوتے ہیں اور وہ اس کو بشارتیں دیتے ہیں اور الہام کا دروازہ اس

---

[1] :- یہ ملفوظات ۱۲ ستمبر ۱۹۰۱ء کے ہیں۔ ترتیب کے لحاظ سے ان کا اندراج جلد دوم میں ہونا چاہیئے لیکن چونکہ وہاں درج نہیں ہو سکے اس لئے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ (مرتب)

[2] : الرعد : ۲۹

پر کھولا جاتا ہے۔ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کو گویا دیکھ لیتا ہے اور اس کی وراء الوراء طاقتوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ پھر اس کے دل پر کوئی ہم و غم نہیں آسکتا اور طبیعت ہمیشہ ایک نشاط اور خوشی میں رہتی ہے۔ اسی لئے دوسرے مقام پر آیا ہے لاخوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون[1]۔ اگر کوئی ہم و غم واقع بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے الہام سے اس کے لئے خارجی اسباب اُن کے دُور کرنے کے پیدا کر دیتا ہے۔ یا خارق عادت صبر اُن کو عطا کرتا ہے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۲ صفحہ ۸ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ء)

دَنٰی فَتَدَلّٰی کی تفسیر ⊠

دَنَا فَتَدَلّٰی[2] آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُوپر کی طرف ہو کر نوعِ انسان کی طرف جُھکا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کمال اعلیٰ درجہ کا کمال ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی اور اس کمال میں آپ کے دو درجے بیان فرمائے ہیں۔ ایک صعود، دوسرا نزول۔ اللہ تعالیٰ کی طرف تو آپ کا صعود ہوا یعنی خدا تعالیٰ کی محبت اور صدق و وفا میں ایسے کھینچے گئے کہ خود اس ذاتِ اقدس کے دنو کا درجہ آپ کو عطا ہوا۔ دنو۔ اقرب سے ابلغ ہے۔ اس لئے یہاں یہ لفظ اختیار کیا۔ جب اللہ تعالیٰ کے فیوضات اور برکات سے آپ نے حصّہ لیا تو پھر بنی نوع پر رحمت کے لئے نزول فرمایا۔ یہ وہی رحمت تھی جس کا اشارہ ما ارسلناك الّا رحمةً للعالمین[3] میں فرمایا ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اسم قاسم کا بھی یہی سِر ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے لیتے ہیں۔ اور پھر مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔ پس مخلوق کو پہنچانے کے واسطے آپ کا نزول ہوا۔ اس دَنَا فَتَدَلّٰی میں اسی صعود اور نزول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے علوِ مرتبہ کی دلیل ہے۔

⊠ یہ ملفوظات بھی کسی پرانی تاریخ کے ہیں مگران پر تاریخ اور سن درج نہیں ۔ (مرتّب)

[1] الاحقاف: ۱۴ [2] النجم: ۹ [3] الانبیاء: ۱۰۸

دو قسم کے لوگ

انبیاء علیہم السلام کے آنے کے وقت دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو استعارات کو حقیقت پر محمول کر لیتے ہیں اور حقیقت کو استعارہ بنانا چاہتے ہیں۔ یہ گروہ ان کی شناخت سے محروم رہ جاتا ہے۔ لیکن ایک اور گروہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی تائید سے اصل حقیقت کو پا لیتے ہیں۔ وہ استعارہ کو استعارہ اور حقیقت کو حقیقت ٹھہراتے ہیں۔ جیسے یہودیوں نے مسیح کی آمد کے وقت ملاکی نبی کے صحیفہ کی بنا پر کہا کہ مسیح کے آنے کی یہ نشانی ہے کہ اس سے پہلے ایلیا آسمان سے آوے۔ مسیح علیہ السلام سے جب انہوں نے یہی سوال کیا تو انہوں نے اس پیشگوئی کو تو تسلیم کر لیا لیکن یہ فیصلہ کر لیا کہ آنے والے ایلیا سے مراد یحییٰ ہے یہودی اس فیصلہ کو سُنکر یحییٰ کے پاس پہنچے۔ وہ اس مباحثہ سے بکلی بے خبر اور ناواقف تھے۔ انہوں نے ایلیا ہونے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں کی مخالفت اور بھی تیز ہو گئی اور انہوں نے اصل حقیقت سے بے خبر رہ کر ظاہر الفاظ پر زور دیا اور اس طرح پر خدا تعالیٰ کے ایک سچے نبی کا انکار کر دیا۔ نہ صرف انکار کیا بلکہ ہر طرح سے اس کی بیحرمتی کرنے کی کوشش کی اور آخر خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک مغضوب اور لعنتی قوم ٹھہر گئے۔

اب غور کرو کہ اگر ایلیا کا آنا درست تھا اور حضرت یحییٰ کی شکل میں ایلیا کا بروزی رنگ میں آنا درست نہیں تو ہمارے مخالف مسلمان بتائیں کہ ملاکی نبی کے صحیفہ کی پیشگوئی کو مدنظر رکھ کر حضرت عیسیٰ کی نبوت کا کیا ثبوت ہے؟ پھر یقیناً وہ نبوت ثابت نہیں ہو سکتی اور دوسری مشکل یہ پڑتی ہے کہ حضرت عیسیٰ جو مُردوں کو زندہ کرنے والے تھے کیوں انہوں نے ایلیا کو زندہ نہ کر لیا؟ اس سے دو باتیں اور بھی ثابت ہو گئیں۔ اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت اور سُنّت نہیں کہ وہ مُردوں کو دوبارہ دنیا میں بھیجے اور زندہ کرے۔ دوسری یہ کہ مسیح نے کوئی مُردہ زندہ نہیں کیا۔ پس خوب غور کرو کہ اگر بروزی آمد ایلیا کی مُراد نہ ہوگی تو مسیح کی نبوت جاتی رہے گی اور پھر اس کی زد اسلام اور قرآن شریف پر پڑے گی۔

ضرورتِ مسیح

اس وقت مسیح کے آنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر دوسری وجوہ اور ضروریات کو چھوڑ

دیا جاوے تو سلسلہ مماثلت موسوی کے لحاظ سے بھی سخت ضرورت ہے۔ اس لئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں آئے تھے۔ غرض میں تو بروز کی ایک نظیر پیش کرتا ہوں لیکن جو یہ کہتے ہیں کہ نہیں خود حضرت مسیح ہی دوبارہ آئیں گے انہیں بھی تو کوئی نظیر پیش کرنی چاہیئے اور اگر وہ نہیں کر سکتے اور یقیناً نہیں کر سکتے تو پھر کیوں ایسی بات کرتے ہیں جو محدثات میں داخل ہے۔ محدثات سے پرہیز کرو کیونکہ وہ ہلاکت کی راہ ہے۔ یہودیوں پر غضب الٰہی اسی وجہ سے نازل ہوا کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے ایک رسول کا انکار کر دیا۔ اور اس انکار کے لئے ان کو یہ مصیبت پیش آئی کہ انہوں نے استعارہ کو حقیقت پر حمل کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مغضوب قوم ٹھہر گئی۔ اس کا ہم شکل مقدمہ اب بھی پیش ہے۔ مجھے مسلمانوں کی حالت پر افسوس آتا ہے کہ ان کے سامنے یہودیوں کی ایک نظیر پہلے سے موجود ہے اور پانچ وقت یہ اپنی نمازوں میں غیر المغضوب علیہم کی دعا کرتے ہیں اور یہ بھی بالاتفاق مانتے ہیں کہ اس سے مراد یہود ہیں۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس راہ کو یہ کیوں اختیار کرتے ہیں۔ ایک ہی رنگ کا مقدمہ جب کہ ایک پیغمبر کے حضور فیصلہ ہو چکا ہے۔ اب اس فیصلہ کے خلاف مسیح کو خود آسمان سے یہ کیوں اُتارتے ہیں؟ آپ ہی مسیح نے ایلیا کے مقدمہ کا فیصلہ کیا اور ثابت کر دیا کہ دوبارہ آمد سے بروز کی آمد مراد ہوتی ہے اور ایلیا کے رنگ میں یحییٰ آیا۔ مگر اب یہ مسلمان اس نظیر کے ہوتے ہوئے بھی اس وقت تک راضی نہیں ہوتے جبتک خود مسیح کو آسمان سے نہ اُتار لیں لیکن میں کہتا ہوں کہ تم اور تمہارے سب معاون مل کر دعائیں کرو کہ مسیح آسمان سے اُتر آوے پھر دیکھ لو کہ وہ اُترتا ہے یا نہیں۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ اگر ساری عمر ٹکریں مارتے رہو اور ایسی دعائیں کرتے کرتے ناک بھی رگڑے جاویں تب بھی وہ آسمان سے نہیں آئے گا کیونکہ آنے والا تو آچکا۔

پھر میں کہتا ہوں کہ یہی وقت تو ہے جو اُسے آسمان سے اُترنا چاہیئے اگر اُترتا ہے کیونکہ تمہارے خیال میں ایک مفتری اور کاذب مدعی مسیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر فی الواقعہ یہی سچ ہے کہ مسیح نے آسمان سے آنا ہے تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اب اُسے اُتارے تاکہ دنیا گمراہ نہ ہو کیونکہ ایک کثیر جماعت

تو مجھے مسیح موعود تسلیم کر چکی ہے۔ اگر اس وقت وہ نہ آیا تو پھر کب آئے گا؟ کیا ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کاذبوں اور مفتریوں کی مدد کرے؟ اگر ایسا کبھی ہوا ہے تو نظیر پیش کرو اور پھر بتاؤ کہ راستبازوں کی سچائی کا کیا معیار ہے۔

اس مقدمہ میں خوب غور کر کے دیکھ لو کہ حق پر کون ہے؟ عقل اور فراست ہمارے ساتھ ہے اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ ہیں کیونکہ آپ نے معراج کی رات حضرت مسیح کو مُردوں میں دیکھا۔ پھر صحابہؓ کا اجماع مسیح کی وفات پر ہو چکا ہے۔ قرآن شریف میری تائید کرتا ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خاص تائیدات سماویہ سے میرے دعویٰ کو سچا کیا۔ ہزاروں ارضی اور سماوی نشان میری سچائی کے ظاہر کئے۔ اس قدر شواہد اور دلائل کے ہوتے ہوئے میں کیونکر تسلیم کر لوں کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں صحیح ہے جبکہ خدا تعالیٰ کی کھلی کھلی وحی مجھے مسیح موعود ٹھہراتی ہے۔ پھر میں ملاؤں کی بات مانوں یا خدا تعالیٰ کی وحی پر ایمان لاؤں؟ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی وحی کو میں ہرگز نہیں چھوڑ سکتا خواہ ساری دنیا میری دشمن ہو جائے اور ایک بھی شخص میرے ساتھ نہ ہو۔

میں خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ کلام کو کیونکر جھٹلا سکتا ہوں۔ پھر ایسی حالت میں کہ اس کی روشن تائیدیں میرے ساتھ ہیں۔

اگر قرآن شریف اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح کے فیصلہ کو یہ سب دھکے دیتے ہیں تو دیں۔ خدا تعالیٰ خود اُن سے مطالبہ اور محاسبہ کرے گا۔

ایک اور عجیب بات ہے کہ جب ہم ایلیا کا قصہ پیش کرتے ہیں اور یہودیوں کا اعتراض سُناتے ہیں جو حضرت مسیح پر اُنہوں نے کیا اور کچھ جواب نہیں آتا تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ کتابیں محرف مبدل ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ سہی۔ قومی تواتر اور تاریخ کو کیا کہو گے؟ وہ بھی تو کوئی چیز ہے اسے کیونکر ردّ کرو گے؟ اگر قومی تاریخ اور تواتر بھی ردّ کرنے کے قابل ہے تو پھر بڑے بڑے عظیم الشان بادشاہوں کے وجود پر کیا دلیل ہو گی؟ یقیناً کوئی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قومی تواتر اور

تاریخ کو ہم کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ اور یہ مسئلہ نزول ایلیا کا ایسا ہے کہ یہودی اور عیسائی بالاتفاق اس کو مانتے ہیں۔ خود حضرت مسیح بھی اس پیشگوئی کے قائل تھے۔ اگر یہ پیشگوئی صحیح نہ تھی تو ان کو اس کی تاویل کرنے کی کیا حاجت تھی؟ وہ سرے سے اس کا انکار ہی کر دیتے اور کہدیتے کہ یہ جو ملاکی نبی کی کتاب میں لکھا ہوا تم پیش کرتے ہو بالکل غلط ہے۔ مگر نہیں انہوں نے اس کو صحیح تسلیم کیا اور پھر اس کی تاویل کی۔

یہودی تو یہانتک چلاتے ہیں کہ ایک یہودی کی کتاب میرے پاس ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اگر قیامت کو ہم سے مواخذہ ہوگا تو ہم ملاکی نبی کی کتاب کھول کر رکھ دیں گے۔

غرض نزول ایلیا کا مسئلہ بڑا صاف اور یقینی مسئلہ ہے اور خود حضرت مسیح کی زبان سے فیصلہ پا چکا ہے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی آمد کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ مگر افسوس ہے لوگ سمجھتے ہوئے نہیں سمجھتے۔ مگر کب تک انکار کریں گے۔ آخر یہ سچائی روز روشن کی طرح کھل جائے گی اور قومیں اس طرف رجوع کریں گی اسی طرح جیسے مسیح ابن مریم کے لئے ہوا۔

توحید کا ثبوت

اللہ تعالیٰ کی توحید پر یوں تو ہزاروں دلائل ہیں لیکن ایک دلیل بڑی عام اور صاف ہے اور وہ یہ ہے کہ وضع عالم میں ایک کرویت واقع ہوئی ہے اور کرویت میں توحید ہی پائی جاتی ہے۔ پانی کا قطرہ لو تو وہ بھی گول ہے۔ زمین کی شکل بھی گول ہے۔ آگ کا شعلہ بھی گول ہی ہے۔ ایسا ہی ستارے بھی گول ہیں۔ اگر تثلیث درست ہوتی تو چاہیئے تھا کہ ان اشیاء کی اشکال و صور بھی سہ گوشی اور مثلث نما ہوتیں اسی طرح پر اللہ تعالیٰ نے آدم سے ایک سلسلہ شروع کیا اور آدم پر اُسے ختم کیا چنانچہ مسیح موعود کا نام بھی آدم رکھا ہے۔ چونکہ یہ آدم نئی قسم کا ہے اس لئے اس کے ساتھ شیطانی جنگ بھی نئے ہی قسم کی ہے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۲ صفحہ ۸ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ء)

۷ستمبر ۱۹۰۵ء

وحی کا طریق

فرمایا کہ

بعض دفعہ وحی اس طرح پر نازل ہوتی ہے کہ کوئی کاغذ یا پتھر وغیرہ دکھایا جاتا ہے۔ جس پر کچھ لکھا ہوا ہوتا ہے۔

فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے نشان اس طرح کے ہوتے ہیں کہ ان میں قدرت اور غیب ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور انسان کی طاقت نہیں ہوتی کہ اُن کو ظاہر کر سکے۔

مولوی عبدالکریم صاحب کی علالت

فرمایا:-

مولوی صاحب[۱] کی زیادہ علالت کے وقت میں بہت دعا کرتا تھا۔ اور بعض نقشے میرے سامنے ایسے آئے جن سے نا امیدی ظاہر ہوتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا موت کا وقت ہے اور ظاہر طب کی رُو سے بھی معاملہ خوفناک تھا کیونکہ ذیابطیس والے کو سرطان ہو جائے تو پھر بچنا مشکل ہوتا ہے۔ اس دعا میں مَیں نے بہت تکلیف اُٹھائی یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے بشارت نازل کی۔ اور عبداللہ سنوری والا خواب میں نے دیکھا جس سے نہایت رنجناک دل کو تسلی ہوئی جو گذشتہ اخبار میں چھپ چکا ہے[۲]۔

اُمّت بمنزلہ عورت اس دعا میں مَیں نے ایک شفاعت کی تھی جیسا کہ خواب کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے کہ یہ شخص میرا دوست ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کا عالم الغیب ہونا ظاہر ہونا تھا کہ مولوی صاحب بچ گئے۔

---

[۱] حاشیہ۔ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ (مرتب)

[۲] حاشیہ۔ حضور کا یہ کشف ۳۱ اگست کی ڈائری میں چھپ چکا ہے۔ (مرتب)

خدا تعالیٰ کی کتب میں نبی کے ماتحت اُمّت کو عورت کہا جاتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ایک جگہ نیک بندوں کی تشبیہ فرعون کی عورت سے دی گئی ہے اور دوسری جگہ عمران کی بیوی سے مشابہت دی گئی ہے۔ اناجیل میں بھی مسیح کو دولہا اور اُمّت کو دُلہن قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُمّت کے واسطے نبی کی ایسی ہی اطاعت لازم ہے جیسی کہ عورت کو مرد کی اطاعت کا حکم ہے۔ اسی واسطے ہماری رؤیا میں عبداللہ نے کہا کہ میری بیوی بیمار ہے۔

تعبیر رؤیا

عبداللہ نبی کا نام ہے۔ قرآن شریف میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام عبداللہ آیا ہے۔ مٹھن سے مراد وہ لذّت اور راحت صحت کی ہے جو بیماری کی تلخی کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ مقبول سے مراد ہے کہ دعا قبول ہو گئی۔ یہ سب گہرے استعارات ہیں اور تمثلات ہیں جب تک آسمان پر نہ ہو زمین پر کچھ ہو نہیں سکتا۔ مولوی صاحب کا اس بیماری سے صحت پانا ایک بڑا معجزہ ہے

مطالعہ کتب کی تلقین

سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔ جس کو علم نہیں ہوتا مخالف کے سوال کے آگے حیران ہو جاتا ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی اور توبہ

مولوی محمد حسین بٹالوی کا ذکر تھا۔ ایک دوست نے عرض کی کہ کہیں مرنے کے وقت توبہ کرے گا۔ فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ ہر شئے پر غالب ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہماری جُوتیاں جھاڑ کر آگے رکھتا تھا۔ ہم کو وضو کرانا ایک بڑا ثواب جانتا تھا۔ براہین کا ریویو اس نے خود بخود لکھا۔ ہماری درخواست نہ

بھی۔ تعجب نہیں کہ وہ کسی وقت پہلی حالت پر پھر لَوٹ آئے جیسا کہ ہم رؤیا میں دیکھ چکے ہیں۔ بعض خوابیں مدت کے بعد پُوری ہوتی ہیں۔ یہ رؤیا چھپ چکا ہے جس میں مَیں نے دیکھا تھا کہ وہ ایک چھوٹا لڑکا ہے ننگا۔ رنگ سیاہ اور بدشکل ہے۔ میں نے اس کو اشارہ سے بُلایا۔ تب وہ آیا۔ اور میرے گلے لگا اور پُورے قد کا ہو گیا اور اس پر لباس بھی ہے اور رنگ سفید ہے۔ تب میں نے کہا کہ آپ کا ہمارا اس قدر مقابلہ رہا ممکن ہے کہ قلم سے یا زبان سے کوئی سخت لفظ نکل گیا ہو تم بخش دو۔ اس نے کہا اچھا میں نے بخشا۔ تب میں نے کہا کہ تم نے جو ایذا ہم کو دی تھی وہ بھی ہم نے بخش دی۔ تب ہم نے اس کی دعوت کی جس کو اس نے کچھ تردّد کے بعد قبول کیا اور ایک شخص جان کنڈن میں ہے۔ تب میں نے کہا کہ یہ مقدر تھا کہ جس دن یہ شخص مرے اس دن تم توبہ کرو گ

ہجرت

آج کے الہام مسیر العرب کا ذکر تھا۔ فرمایا

اس کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ عرب میں چلنا۔ شاید مقدر ہو کہ ہم عرب میں جائیں مدت ہوئی کہ کوئی پچیس۲۵ چھبیس سال کا عرصہ گذرا ہے ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک شخص میرا نام لکھ رہا ہے تو آدھا نام اُس نے عربی میں لکھا ہے اور آدھا انگریزی میں لکھا ہے۔ انبیاء کے ساتھ ہجرت بھی ہے لیکن بعض رؤیا نبی کے اپنے زمانہ میں پُورے ہوتے ہیں اور بعض اولاد یا کسی متبع کے ذریعہ سے پورے ہوتے ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قیصر و کسریٰ کی کنجیاں ملی تھیں، تو وہ ممالک حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوئے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۲۳ صفحہ ۲ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۰۵ء)

نیز

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۲ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ء)

۱۲؍ستمبر ۱۹۰۵ء

الہام اِنّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ

آج کے الہام اِنّی مُھِیْنٌ من اراد اھانتک کا ذکر تھا۔ فرمایا۔

بڑے بڑے مکفرین اور ایذا دہندہ جو ہیں اُن کو خدا تعالیٰ ہمارے سامنے ہی اس زمین سے ناکام اُٹھا رہا ہے اور ان کی مُرادوں کے برخلاف دن بدن اس سلسلہ کو ترقی دے رہا ہے۔ ابتدا میں جن لوگوں نے بہت زور شور سے مخالفت کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ اُن میں سے کوئی چودہ پندرہ ایسے یاد ہیں جو ہماری مخالفت کے معاملہ میں ناکام مَر چکے ہیں۔ اُن میں سے مولوی غلام دستگیر قصوری تھا جو مکّہ سے کُفر کا فتویٰ لایا تھا۔ نواب صدیق حسن خاں۔ لکھوکے کا مولوی محمد اور عبدالحق۔ رشید احمد گنگوہی۔ لُدھیانہ کے تین مولوی۔ سید احمد خاں جو کہتا تھا کہ ہماری تحریریں بے فائدہ ہیں۔ محمد عمر۔ مولوی شاہ دین لُدھیانوی۔ نذیر حسین دہلوی۔ محمد حسین بھیّنی۔ مولوی محمد اسماعیل علیگڈھی۔ رسل بابا امرتسری جس نے جلدی معجزہ دیکھنا ہو اُسے چاہیئے کہ دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کرے۔ یا تو سخت مخالف بنے۔ یا محبت کا کمال تعلق پیدا کرے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو تیری اہانت کرے گا اس کی میں اہانت کروں گا اور جو تیری اعانت کرے گا اس کی میں اعانت کروں گا۔ معمولی طور پر مخالفت کرنے والا اور اپنے کاروبار میں چلنے پھرنے والا ماخوذ نہیں ہوتا کیونکہ خدا حلیم اور کریم ہے وہ اس طرح نہیں پکڑتا۔

خدا تعالیٰ اور جھوٹ

بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[1] ہے اس واسطے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ جھوٹ بولے۔ ایسا اعتقاد بے ادبی میں داخل ہے۔ ہر ایک امر جو خدا تعالیٰ کے وعدہ اس کی ذات جلال اور صفات کے برخلاف ہے وہ اس کی طرف منسوب کرنا بڑا گناہ ہے۔ جو امر اس کی صفات کے برخلاف ہے اُن کی طرف اس کی توجہ ہی نہیں۔

[1] البقرۃ : ۲۱

ادریسؑ آسمان پر نہیں گئے

صدیق حسن خاں نے ادریس کے آسمان پر جانے کی تکذیب کی ہے اور لکھا ہے کہ اگر وہ آسمان پر گیا تو اس کی موت کس طرح سے ہوگی کیونکہ سب کا مرنا زمین پر ضروری ہے تعجب ہے کہ مسیح کے معاملہ میں یہ بات اس کو سمجھ نہیں آئی۔ اگر خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو موت نہیں دی اور ویسے ہی آسمان پر اُٹھا لیا ہے تو لفظ رفع کا قرآن شریف میں کافی تھا۔ رفع سے پہلے توفّی کا لفظ لانے کی پھر کوئی ضرورت نہ تھی۔ آسمان پر جانے کا مفہوم تو لفظ رفع سے ہی پُوری طرح نکل سکتا تھا۔

حضرت امام حسینؓ کی افضلیت

بعض اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ امام حسین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں اور اس پر دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام حسین کو شہادت کا درجہ ملا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نہ ملا تھا یہ ایک غلط خیال ہے کیونکہ شہادت صرف امام حسین کو نصیب نہیں ہوئی بلکہ ہزارہا اصحاب کو ہوئی اس میں سب برابر ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کسی کے ہاتھ سے قتل نہ کیا جانا ایک بڑا بھاری معجزہ ہے اور قرآن شریف کی صداقت کا ثبوت ہے کیونکہ قرآن شریف کی یہ پیشگوئی ہے کہ واللّٰہ یعصمک من النّاس[1] اور پہلی کتابوں میں پیشگوئی درج تھی کہ نبی آخر زمان کسی کے ہاتھ سے قتل نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں فضیلت کا معاملہ اللہ تعالےٰ کی کتاب سے ثابت ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ کی پاک کتاب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سب سے افضل قرار دیا۔ امام حسین نے یہ کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ میں سب سے افضل ہوں۔ نہ ان کی کسی تحریر سے اور نہ کسی تقریر سے ایسی بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ تمام امت سے افضل ہیں۔ اور اگر ان کا کوئی ایسا دعویٰ ہوتا تب بھی ماننے کے قابل نہ تھا کیونکہ قرآن شریف کے برخلاف تھا۔ امام حسین کی شہادت سے بڑھ کر حضرت مولوی عبداللطیف صاحب کی شہادت ہے جنہوں نے صدق اور وفا کا نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا اور جن

[1] المائدۃ : ۶۸

کا تعلق شدید بوجہ استقامت سبقت لے گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ لوگوں کے مراتب اور درجات کیا ہیں۔ اسی نے مجھے الہام کیا ہے اِنِّیْ فَضَّلْتُکَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ ۔ اگر سارا زمانہ ایک طرف ہو جاوے اور میں اکیلا ایک طرف رہ جاؤں تب بھی خدا تعالیٰ کے الہام کے بالمقابل کسی کا کہنا مان نہیں سکتا۔ اگر امام حسین کو یہ وحی ہوئی تھی کہ وہ قیامت تک سب سے افضل ہیں تو دوسری وحی اسی خدا نے اس کے برخلاف مجھے کس طرح کر دی۔ اگر یہ وحی شیطانی ہے تو دن رات خدا تعالیٰ کی تائید اور نصرت اس کے ساتھ کیوں ہے۔ خدا عجیب ہے جو پچیس ۲۵ تیس ۳۰ سال سے مفتری کو مہلت دیتا ہے بلکہ دن بدن اس کے سلسلہ کو ترقی دیتا ہے اور اس کے مخالفوں کو ہلاک کرتا ہے۔ اس طرح سارے انبیاء کی صداقت پر شُبہ پڑ سکتا ہے۔ افتراء اور کذب تو ایک مکروہ اور غیر طبعی امر ہے انسان کب تک اس کو اختیار کر سکتا ہے۔ ہمارے دشمن تو ہمیشہ منتظر رہتے ہیں کہ یہ اب مارے گئے اور اب ہلاک ہوئے مگر ہر دفعہ اُن کو ندامت اُٹھانی پڑتی ہے ہر طرح سے ایذا دیتے ہیں قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ ہمارے قتل کے جواز کے فتوے دیتے ہیں خُون کے مقدمات بناتے ہیں مگر خدا تعالیٰ ہر امر میں بقول اُن کے کاذب کی طرفداری کرتا ہے۔ ہماری دشمنی کے سبب ان کی شریعت بھی بدل گئی۔ خدا تعالیٰ جو صادق کا معاون ہوا کرتا تھا اب اُن کے نزدیک کاذب کا معاون ہونے لگا۔ یہ عداوت ان کو کشاں کشاں کہاں لے جائے گی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ عناد اُن کو رفتہ رفتہ لا الٰہ الا اللہ کے حلقہ سے باہر نکال دیگا۔ صادق کے لئے ایک امر مابہ الامتیاز ہوتا ہے اگر وہ نہیں تو انبیاء کی صداقت مشتبہ ہو جاتی ہے

(البدر جلد ۱ نمبر ۲۴ صفحہ ۲ مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۰۵ء)

نیز

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۲ صفحہ ۵ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۵ء)

۱۳؍ستمبر ۱۹۰۵ء

لوگوں کی تین قسمیں

فرمایا۔

اگر بعض لوگ خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے دُعا کی تھی تو بارش ہوگئی۔ مگر اُن کی یہ دعائیں قابل قدر نہیں ہیں کیونکہ یہ صرف مصیبت کے وقت کا رونا ہے اور مصیبت کے ذرا ہٹنے کے بعد پھر وہی سخت دلی اُن میں پائی جاتی ہے۔ اس بارش پر بھی خوش نہیں ہونا چاہیئے۔ جو بات الہام الٰہی سے ہم کو معلوم ہوئی ہے وہ یہی ہے کہ اس زمانہ کے لئے دن خیر کے نہیں ہیں اور یہ سچ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ان بلاؤں کو نازل نہ کرے تو پھر دین کی خیر نہیں۔ تین قسم کے لوگ ہیں۔ خواص۔ اوسط درجہ کے لوگ اور عوام۔ خواص تو دہریہ مذہب بن رہے ہیں۔ اُن کو دین کی کچھ پروا نہیں بلکہ دین پر ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اوسط درجہ کے لوگ خواص کے تابع ہیں عوام مثل وحشیوں کے ہیں۔ تمام دنیا کی حالت اس وقت بگڑی ہوئی ہے۔ مقدمہ والے ہیں تو جھوٹے گواہوں کے بنانے میں مصروف ہیں۔ زمیندار ہے تو شریعت کو چھوڑ بیٹھا ہے۔ ملازم ہے تو اپنی ملازمت کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ تاجر ہے تو اپنی تجارت میں قسما قسم کے دھوکوں میں مصروف ہے۔ جب تک لوگ تقویٰ اختیار نہیں کریں گے خدا تعالیٰ ہرگز اُن پر راضی نہ ہوگا اور نہ یہ بلائیں اُن کے سر سے ٹلیں گی۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۲۴ صفحہ ۲ مورخہ ۱۴؍ستمبر ۱۹۰۵ء)

نیز (الحکم جلد ۹ نمبر ۳۳ صفحہ ۵ مورخہ ۱۷؍ستمبر ۱۹۰۵ء)

۱۶؍ستمبر ۱۹۰۵ء

شیخ نور احمد صاحب جالندھر سے اور منشی نبی بخش صاحب کوٹلہ سے حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نور احمد صاحب نے اپنا ایک خواب عرض کیا۔ کہ

میں نے دیکھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مسجد میں کھڑے ہیں اور وعظ کرتے ہیں۔ اور یہ آیت پڑھتے ہیں۔ اولئك على هدى من ربّهم و اولئك هم المفلحون[1]۔

فرمایا۔

اس سے بظاہر مولوی صاحب کی صحت کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

فرمایا۔ یہ مرض مہلک ہے اور آثار مرض بھی خطرناک ہیں۔لیکن دعا بہت کی گئی ہے۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔جب وہ چاہتا ہے ایک تنکے سے شفا ہو جاتی ہے اور جب وہ نہیں چاہتا لاکھ دوائی بےسود ہے۔

میاں نبی بخش صاحب نے عرض کی کہ ایک ہندو نے مجھے تاکید کی تھی کہ میرے واسطے حضرت سے دعا کرائیں۔ فرمایا:۔

ہندو یا کسی اور مذہب کا آدمی جو دُعا کے واسطے درخواست کرے ہم سب کے واسطے دعا کرتے ہیں۔

ذکر آیا کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کا نام استغفراللہ رکھا ہے۔ فرمایا:۔

اچھا ہے جتنی دفعہ اس کو بُلائے گا خدا تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے گا۔

مولوی نورالدین صاحب کے صاحبزادہ عبدالحی کا ذکر تھا کہ اس کے متعلق پہلے سے خبر دی تھی۔ فرمایا:۔

اجنبی دشمن اور دُور رہنے والا کیا حاصل کر سکتا ہے جو لوگ قریب رہتے ہیں وہ ہمیشہ نشانات دیکھتے رہتے ہیں۔ پاس رہنے والے تو آپ بیتی کے نشان بھی دیکھ لیتے ہیں۔

صبح ایک دوست نے عرض کی کہ میرے گھر سے خبر آئی ہے کہ تمہارا لڑکا سخت بیمار ہے۔ جلد آؤ مگر بیماری کی تفصیل نہیں لکھی حضور دعا فرمائیں۔ فرمایا:۔

[1] البقرۃ : ۶

میں دُعا کروں گا۔ لیکن بعض دفعہ عورتیں صرف بلانے کے واسطے بھی ایسا لکھ دیا کرتی ہیں چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہم اس جگہ قادیان میں تھے کہ میر ناصر نواب صاحب کے گھر سے خط آیا کہ والدہ اسحاق فوت ہو گئی ہیں اور اسحاق بھی قریب المرگ ہے۔ یہ خط اسحاق کے بھائی کا لکھا ہوا تھا جو اس وقت بہت چھوٹی عمر کا تھا۔ میں اس خط کو پڑھ کر بہت پریشان ہوا۔ کیونکہ اس وقت ہمارے گھر میں بیمار تھے۔ بخار چڑھا ہوا تھا۔ ایسی حالت میں اُن کو والدہ کی وفات کی خبر سُنانا ہرگز مناسب نہ تھا۔ میں اسی فکر میں تھا کہ الہام ہوا۔ اِنَّ کَیۡدَکُنَّ عَظِیۡمٌ۔ جس سے میں نے سمجھ لیا کہ یہ صرف بلانے کا بہانہ ہے ورنہ در اصل خیر ہے۔ اس وقت مولوی عبد الکریم صاحب اس جگہ تھے اُن کو سُنایا گیا۔ اور حافظ حامد علی کو بھی سُنایا گیا اور اسی کو وہاں بھیجا گیا تو بات وہی نکلی جو خدا تعالیٰ نے بذریعہ الہام ہم کو بتلائی تھی۔

شیخ نور احمد صاحب نے عرض کی کہ اس دن میں بھی اسی جگہ تھا اور اس واقعہ کا گواہ ہوں۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۲۵ صفحہ ۲ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۰۵ء)

نیز الحکم جلد ۹ نمبر ۳۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء)

قبل دوپہر

جب سے حضرت مولنا مولوی عبد الکریم صاحب کی طبیعت ناساز ہوئی ہے۔ اور نیز اکثر احباب رخصت لے کر آئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا معمول سا ہو گیا ہے کہ قبل دوپہر تشریف لا کر مسجد میں بیٹھتے ہیں اور مناسب موقعہ کلام فرماتے ہیں۔ ۱۷ ستمبر کو شیخ نور احمد صاحب جالندھری، چوہدری نصر اللہ خاں صاحب سیالکوٹ سے آئے ہوئے تھے۔ اور بھی کئی احباب بیرونجات سے آئے ہوئے تھے۔ شیخ نور احمد صاحب نے بینک کے سود کے متعلق تذکرہ کیا کہ بینک والے ضرور سود دیتے ہیں[1] پھر اسے کیا کیا جاوے؟

---

[1] حاشیہ۔ بدر سے :- (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس پر فرمایا :-

ہمارا یہی مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہمارے دل میں ڈالا ہے کہ ایسا روپیہ اشاعت دین کے کام میں خرچ کیا جاوے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ سُود حرام ہے لیکن اپنے نفس کے واسطے۔ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں جو چیز جاتی ہے وہ حرام نہیں رہ سکتی کیونکہ حُرمت اشیاء کی انسان کے لئے ہے نہ اللہ تعالیٰ کے واسطے۔ پس سُود اپنے نفس کے لئے، بیوی بچوں، احباب، رشتہ داروں اور ہمسائیوں کے لئے بالکل حرام ہے[1]۔ لیکن اگر یہ روپیہ خالصتاً اشاعت دین کے لئے خرچ ہو تو حرج نہیں ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اسلام بہت کمزور ہو گیا ہے اور پھر اُس پر دوسری مصیبت یہ ہے کہ لوگ زکوٰۃ بھی نہیں دیتے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت دو مصیبتیں واقع ہو رہی ہیں اور دو حرمتیں روا رکھی گئی ہیں اوّل یہ کہ زکوٰۃ جس کے دینے کا حکم تھا وہ دیتے نہیں اور سُود جس کے لینے سے منع کیا تھا وہ لیتے ہیں یعنی جو خدا تعالیٰ کا حق تھا وہ تو دیا نہیں اور جو اپنا حق نہ تھا اُسے لیا گیا[2]۔

جب ایسی حالت ہو رہی ہے اور اسلام خطرناک ضعف میں مُبتلا ہے تو میں یہی فتویٰ دیتا

" اور بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر روپیہ جمع کرنے والا سُود سے فائدہ نہ اُٹھائے تو بینک والوں سے ایسا روپیہ مشنری عیسائی اشاعت دین عیسوی کے واسطے لے لیتے ہیں۔"

(بدر جلد ۱ نمبر ۲۶ صفحہ ۲۲ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء)

[1] بدر سے :- " سُود کا روپیہ بالکل حرام ہے کہ کوئی شخص اپنے نفس پر خرچ کرے۔ اور کسی قسم کے بھی ذاتی مصارف میں خرچ کرے یا اپنے بال بچے کو دے یا کسی فقیر مسکین کو دے۔ کسی ہمسایہ کو دے یا مسافر کو دے سب حرام ہے۔ سُود کے روپیہ کا لینا اور خرچ کرنا گناہ ہے"

(بدر جلد ۱ نمبر ۲۶ صفحہ ۴ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء)

[2] بدر میں لکھا ہے :- " اپنا جو حق نہ تھا وہ لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا جو حق تھا وہ بھی نہیں دیتے اور اپنے اندر دو گناہ ایک ہی وقت میں جمع کرتے ہیں"

(بدر بحوالہ مذکور)

ہوں کہ ایسے سودوں کی رقمیں جو بینک سے ملتا ہے یک مشت **اشاعت دین** میں خرچ کرنی چاہئیں۔ میں نے جو فتویٰ دیا ہے وہ عام ہے ورنہ سود کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔ مگر اس ضعف اسلام کے زمانہ میں جبکہ مالی ترقی کے ذریعے پیدا نہیں ہوئے اور مسلمان توجہ نہیں کرتے ایسا روپیہ اسلام کے کام میں لگنا حرام نہیں ہے۔

قرآن شریف کے مفہوم کے موافق جو حرمت ہے وہ یہی ہے کہ وہ اپنے نفس کے لئے اگر خرچ ہو تو حرام ہے۔ یہ بھی یاد رکھو جیسے سُود اپنے لئے درست نہیں کسی اَور کو بھی اس کا دینا درست نہیں۔ ہاں خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ایسے مال کا دینا درست ہے اور اس کا یہی طریق ہے کہ وہ صرف اشاعت اسلام میں خرچ ہو۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے جہاد ہو رہا ہو اور گولی بارود کسی فاسق فاجر کے ہاں ہو۔ اس وقت محض اس خیال سے رُک جانا کہ یہ گولی بارود مال حرام[1] ہے ٹھیک نہیں۔ بلکہ مناسب یہی ہوگا کہ اس کو خرچ کیا جاوے۔ اس وقت تلوار کا جہاد تو باقی نہیں رہا اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں ایسی گورنمنٹ دی ہے جس نے ہر ایک قسم کی مذہبی آزادی عطا کی ہے۔ اب قلم کا جہاد باقی ہے۔ اس لئے اشاعت اسلام میں ہم اس کو خرچ کر سکتے ہیں۔

---

[1] بدر میں یہ عبارت درج ہے:-

"اس کی مثال اس طرح ہے کہ گولی بارود کا چلانا کیسا ہی ناجائز اور گناہ ہو لیکن جو شخص اسے ایک جانی دشمن پر مقابلہ کے واسطے نہیں چلاتا وہ قریب ہے کہ خود ہلاک ہو جائے کیا خدا تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ تین دن کے بھوکے کے واسطے سؤر بھی حرام نہیں بلکہ حلال ہے۔ پس سُود کا مال اگر ہم خدا کے لئے لگائیں تو پھر کیونکر گناہ ہو سکتا ہے۔ اس میں مخلوق کا حصہ نہیں لیکن اعلائے کلمہ اسلام میں اور اسلام کی جان بچانے کے لئے اس کا خرچ کرنا ہم اطمینان اور ثلج قلب سے کہتے ہیں کہ یہ بھی فلا اثم علیہ[1] میں داخل ہے۔ یہ ایک استثناء ہے اسلام کے واسطے ہزاروں حاجتیں ایسی پڑتی ہیں جن میں مال کی ضرورت ہے" (بدر جلد ۱ نمبر ۲۶ صفحہ ...)

[1] البقرۃ: ۱۷۴

مسلمانوں کی عام حالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :-

"مسلمانوں کی حالت بہت خراب ہو گئی ہے۔ ہر ایک قسم کی علمی اور عملی کمزوریاں ان میں آگئی ہیں۔ ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا ہیں۔ جرائم پیشہ کثرت کے ساتھ مسلمان ہیں جیلخانوں میں جا کر دیکھو جس قدر شدید اور سنگین جرائم ہیں ان کے مرتکب مسلمان نظر آئیں گے۔ اب یہ کس قدر عار کی بات ہے۔

زکوٰۃ کیا ہے؟ توخذ من الاغنیاء و ترد الی الفقراء۔ امراء سے لے کر فقراء کو دی جاتی ہے۔ اس میں اعلیٰ درجہ کی ہمدردی سکھائی گئی تھی۔ اس طرح سے باہم گرم سرد ملنے سے مسلمان سنبھل جاتے ہیں۔ امراء پر یہ فرض ہے کہ وہ ادا کریں۔ اگر نہ بھی فرض ہوتی تو بھی انسانی ہمدردی کا تقاضا تھا کہ غرباء کی مدد کی جاوے۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ہمسایہ اگر فاقہ مرتا ہو تو پروا نہیں اپنے عیش و آرام سے کام ہے۔ جو بات خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالی ہے میں اس کے بیان کرنے سے نہیں رُک سکتا۔ اگر کسی کا ہمسایہ فاقہ میں ہو تو اس کے لئے شرعاً حج جائز نہیں۔ مقدم ہمدردی اور اس کی خبر گیری ہے کیونکہ حج کے اعمال بعد میں آتے ہیں مگر آجکل عبادات کی اصل غرض اور مقصد کو ہرگز مدنظر نہیں رکھا جاتا بلکہ عبادات کو رسوم کے رنگ میں ادا کیا جاتا ہے اور وہ نری رسمیں ہی رہ گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں میں حاجیوں کے متعلق بدظنیاں پیدا ہوئی ہوئی ہیں۔ کہتے ہیں ایک اندھی عورت بیٹھی تھی۔ کوئی شخص آیا تو اس کی چادر چھین کر لے گیا۔ وہ عورت چلائی کہ بچہ حاجیا! میری چادر دے جا۔ اس نے پوچھا کہ مائی تو یہ تو بتا کہ یہ کیونکر تجھے معلوم ہوا کہ میں حاجی ہوں۔ اس نے کہا تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایسے کام حاجی ہی کرتے ہیں۔ پس اگر ایسی ہی حالت ہو تو پھر ایسے حج سے کیا فائدہ؟

حج میں قبولیت کیونکر ہو جبکہ گردن پر بہت سے حقوق العباد ہوتے ہیں۔ ان کو تو ادا کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قد افلح من زکّٰھا[1]۔ فلاح نہیں ہوتی جب تک نفس کو پاک نہ کرے اور نفس تب ہی پاک ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے احکام کی عزت اور ادب کرے اور ان

[1] الشمس : ۱۰

راہوں سے بچے جو دوسرے کے آزار اور دُکھ کا موجب ہوتی ہیں ۔ انسان میں ہمدردی اعلیٰ درجہ کا جوہر ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ[1] یعنی تم ہرگز ہرگز اس نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی پیاری چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔

یہ طریق اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا نہیں کہ مثلاً کسی ہندو کی گائے بیمار ہو جاوے اور وہ کہے کہ اچھا اس کو منس (راہ خدا پر دینا) دیتے ہیں ۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ باسی اور سڑی بُسی روٹیاں جو کسی کام نہیں آسکتی ہیں فقیروں کو دے دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے خیرات کر دی ہے ۔ ایسی باتیں اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں اور نہ ایسی خیرات مقبول ہو سکتی ہے ۔ وہ تو صاف طور پر کہتا ہے ۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔ حقیقت میں کوئی نیکی نیکی نہیں ہو سکتی جب تک اپنے پیارے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کے دین کی اشاعت اور اس کی مخلوق کی ہمدردی کے لئے خرچ نہ کرو۔

(اس موقعہ پر ایک بھائی نے عرض کی کہ حضور بعض فقیر بھی کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی باسی روٹی دیدو ۔ پھٹا پُرانا کپڑا دے دو ۔ وہ مانگتے ہی پُرانا اور باسی ہیں) فرمایا ۔

کیا تم نئی دے دو گے ؟ وہ کیا کریں جانتے ہیں کہ کوئی نئی نہیں دے گا ۔ اس لئے وہ ایسا سوال کرتے ہیں ۔ جہاں تک ہو سکے مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کرو ۔ یاد رکھو ۔ شریعت کے دو ہی قسم کے حقوق ہیں ۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد ۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اگر کوئی بد قسمت نہ ہو تو حقوق اللہ پر قائم ہونا سہل ہے اس لئے کہ وہ تم سے کھانے کو نہیں مانگتا اور کسی قسم کی ضرورت اسے نہیں ۔ وہ تو صرف یہی چاہتا ہے کہ تم اسے وحدہٗ لا شریک خدا سمجھو ۔ اس کی صفات کاملہ پر ایمان لاؤ اور اس کے مرسلوں پر ایمان لا کر ان کی اتباع کرو ۔ لیکن حقوق العباد میں آکر مشکلات پیدا ہوتی ہیں ۔ جہاں نفس دھوکہ دیتا ہے ۔ ایک بھائی کا حق ہے اور اس کے دبا لینے کا فتویٰ دیتا ہے ۔ مقدمات ہوتے ہیں تو چاہتا ہے کہ شریک کو ایک حبّہ نہ ملے سب کچھ مجھ ہی کو مل جاوے ۔ غرض حقوق العباد میں بہت مشکلات ہیں ۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے اس کی بڑی رعایت

[1] آل عمران: ۹۳

اور حفاظت کرنی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ آدمی دوسرے کے حقوق تلف کرنے والا ٹھہرے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے ملتا ہے جس کے لئے دعا کی بڑی ضرورت ہے

یہاں تک آپ نے بیان فرمایا تھا کہ اور احباب تشریف لے آئے حضرت حکیم الامت بھی آگئے۔ اس لئے سلسلہ کلام بند کر دیا۔ اور پھر آپ نے مکرراً مسئلہ سود بینک کے متعلق فرمایا جو میں اوپر درج کر آیا ہوں۔ زاں بعد جاپان اور اشاعتِ اسلام کے مضمون پر سلسلہ کلام شروع ہو گیا۔ جس کا مفہوم درج ذیل ہے (ایڈیٹر الحکم)

مجھے معلوم ہوا ہے کہ جاپانیوں کو اسلام کی طرف توجہ ہوئی ہے۔ اس لئے کوئی ایسی جامع کتاب ہو جس میں اسلام کی حقیقت پورے طور پر درج کر دی جاوے گویا اسلام کی پوری تصویر ہو جس طرح پر انسان سراپا بیان کرتا ہے اور سر سے لے کر پاؤں تک کی تصویر کھینچ دیتا ہے۔[1] اسی طرح سے اس کتاب میں اسلام کی خوبیاں دکھائی جاویں۔ اس کی تعلیم کے سارے پہلوؤں پر بحث ہو اور اس کے ثمرات اور نتائج بھی دکھائے جاویں۔ اخلاقی حصہ الگ ہو اور ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جاوے۔

فرمایا۔

میرے نزدیک تو یہ ضرورت ایسی ضرورت ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہے۔ اُسے بھی

---

[1] بدر سے:۔ "اسلام کا پورا نقشہ کھینچا جاوے کہ اسلام کیا ہے۔ صرف بعض مضامین مثلاً تعددِ ازدواج وغیرہ پر چھوٹے چھوٹے مضامین لکھنا ایسا ہے۔ جیسا کہ کسی کو سارا بدن نہ دکھایا جائے اور صرف ایک اُنگلی دکھا دی جاوے۔ یہ مفید نہیں ہو سکتا۔ پوری طرح دکھانا چاہیئے کہ اسلام میں کیا کیا خوبیاں ہیں اور پھر ساتھ ہی دیگر مذاہب کا حال بھی لکھ دینا چاہیئے۔ وہ لوگ بالکل بے خبر ہیں کہ اسلام کیا شئے ہے۔ تمام اصول فروع اور اخلاقی حالات کا ذکر کرنا چاہیئے۔ اس کے واسطے ایک مستقل کتاب لکھنی چاہیئے جس کو پڑھ کر وہ لوگ دوسری کتاب کے محتاج نہ رہیں۔" (بدر جلد ۱ نمبر ۲۶ صفحہ ۲ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء)

چاہیئے۔ کہ وہ اپنا روپیہ اس دینی جہاد میں صرف کر دے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پانچوں نمازیں اکٹھی پڑھنی پڑی تھیں۔ لیکن اب چونکہ تلوار کا جہاد نہیں بلکہ صرف قلم کا جہاد رہ گیا ہے۔

اس لئے اسی ذریعہ سے اس میں ہمت، وقت اور مال کو خرچ کرنا چاہیئے۔ خوب سمجھ لو کہ اب مذہبی لڑائیوں کا زمانہ نہیں۔ اس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جو لڑائیاں ہوئی تھیں اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ جبراً مسلمان بنانا چاہتے تھے بلکہ وہ لڑائیاں بھی دفاع کے طور پر تھیں۔ جب مسلمانوں کو سخت دُکھ دیا گیا اور مکہ سے نکال دیا گیا اور بہت سے مسلمان شہید ہو چکے تب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسی رنگ میں ان کا مقابلہ کرو۔ پس وہ حفاظت خود اختیاری کے رنگ میں لڑائیاں کرنی پڑیں مگر اب وہ زمانہ نہیں ہے۔ ہر طرح سے امن اور آزادی ہے۔ ہاں اسلام پر جو حملے ہوتے ہیں وہ قلم کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ قلم ہی کے ذریعہ ان کا جواب دیا جاوے۔ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں ایک مقام پر فرماتا ہے کہ جس قسم کی تیاریاں تمہارے مخالف کرتے ہیں تم بھی ویسی ہی تیاریاں کرو۔ اب کفار کی تیاریاں جو اسلام کے خلاف ہو رہی ہیں اُن کو دیکھو وہ کس قسم کی ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ فوجیں جمع کرتے ہوں۔ نہیں بلکہ وہ تو طرح طرح کی کتابیں اور رسالے شائع کرتے ہیں۔[۱]

[۱] بدر میں ہے۔ "پادری لوگ طرح طرح کے مکر و فریب کے ساتھ اسلام کے برخلاف کتابیں شائع کرتے ہیں اور غلط باتیں افترا پردازی سے لکھتے ہیں۔ جب تک ان خبیث باتوں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا پاک ہونا ثابت نہ کیا جائے اسلام کی اشاعت کس طرح ہو سکتی ہے۔ پس ہم اس بات سے شرم نہیں کرتے کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ میرا مذہب جس پر خدا تعالیٰ نے مجھے قائم کیا ہے اور جو قرآن شریف کا مفہوم ہے وہ یہ ہے کہ اپنے نفس، عیال، اطفال، دوست، عزیز کے واسطے اس سُود کو مباح نہیں کر سکتے بلکہ یہ پلید ہے اور اس کا گناہ* حرام ہے۔ لیکن اس (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

* سہو کاتب ہے فقرہ یُوں چاہیئے "اس کا استعمال حرام ہے۔" (مرتب)

اس لئے ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم بھی ان کے جواب میں قلم اُٹھائیں اور رسالوں اور کتابوں کے ذریعہ ان کے حملوں کو روکیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ بیماری کچھ ہو اور علاج کچھ اور کیا جاوے۔ اگر ایسا ہو تو اس کا نتیجہ ہمیشہ غیر مفید اور بُرا ہوگا۔

یقیناً یاد رکھو کہ اگر ہزاروں جانیں بھی ضائع کر دی جائیں اور اسلام کے خلاف کتابوں کا ذخیرہ بدستور موجود ہو تو اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اصل یہی بات ہے کہ ان کتابوں کے اعتراضوں کا جواب دیا جاوے۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دامن پاک کیا جاوے۔ مخالفوں کی طرف سے جو کارروائی ہو رہی ہے اس کا انسداد بجز قلم کے نہیں ہو سکتا۔ یہ نری خام خیالی اور بیہودگی ہے جو مخالف تو اعتراض کریں اور اس کا جواب تلوار سے ہو۔ خدا تعالیٰ نے کبھی اس کو پسند نہیں کیا۔ یہی وجہ تھی جو مسیح موعود کے وقت میں اس قسم کے جہاد

حاشیہ: ضعف اسلام کے زمانہ میں جبکہ دین مالی امداد کا سخت محتاج ہے۔ اسلام کی مدد ضرور کرنی چاہئے جیسا کہ ہم نے مثال کے طور پر بیان کیا ہے کہ جاپانیوں کے واسطے ایک کتاب لکھی جاوے۔ اور کسی فصیح بلیغ جاپانی کو ایک ہزار روپیہ دے کر ترجمہ کرایا جائے اور پھر اس کا دس ہزار نسخہ چھاپ کر جاپان میں شائع کر دیا جاوے۔ ایسے موقعہ پر سُود کا روپیہ لگانا جائز ہے کیونکہ ہر ایک مال خدا کا ہے اور اس طرح پر وہ خدا کے ہاتھ میں جائے گا مگر بایں ہمہ اضطرار کی حالت میں ایسا ہوگا اور بغیر اضطرار یہ بھی جائز نہیں۔

ایک دوست نے عرض کی کہ اگر اس طرح سے ایک خاص امر کے واسطے سود کے روپے کمانے کی اجازت دی گئی ہو تو لوگوں میں اس کا رواج وسیع ہو کر عام قباحتیں پیدا ہو جائیں گی۔ فرمایا کہ

بیجا عذر تراشنے کے واسطے تو بڑے حیلے ہیں۔ بعض شریر لا تقربوا الصلوٰۃ[1] کے یہ معنے کر دیتے ہیں کہ نماز نہ پڑھو۔ ہمارا منشا صرف یہ ہے کہ اضطراری حالت میں جب خنزیر کھانے کی اجازت نفسانی ضرورتوں کے واسطے جائز ہے تو اسلام کی ہمدردی کے واسطے اگر انسان دین کو ہلاکت سے بچانے کے واسطے سُود کے روپے کو خرچ کرلے تو کیا قباحت ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] النساء : ۴۴

کو حرام کر دیا۔ اس ملک میں تو عیسائیوں کی ایسی تحریریں شائع ہوتی ہی رہتی ہیں اور سب سے بڑھکر یہ فتنہ اسی ملک میں ہے مگر معلوم ہوا ہے کہ دوسرے ملکوں میں بھی اس قسم کی شرارتیں ہو رہی ہیں۔ مصر اور بلاد شام بیروت وغیرہ میں بھی ایسی تحریریں شائع کی جاتی ہیں یہانتک کہ لغت تک کی کتابوں میں شرارتیں کی جاتی ہیں۔

اس مقام پر حضرت حکیم الامت نے عرض کیا کہ حضور فقہ اللغۃ ثعلبی کی ایک کتاب ہے۔ اُسے عیسائیوں نے چھاپا ہے۔ اس میں الحمد للہ والصلوٰۃ لِاٰلہٖ لکھ دیا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام ہی نکال دیا ہے۔ یہانتک دشمنی مدنظر ہے۔

پھر جاپان میں اشاعت اسلام کے سلسلہ پر فرمایا:۔

میں دوسری کتابوں پر جو لوگ اسلام پر لکھ کر پیش کریں بھروسہ نہیں کرتا۔ کیونکہ ان میں خود غلطیاں پڑی ہوئی ہیں۔ ان غلطیوں کو ساتھ رکھ کر اسلام کے مسائل جاپان یا دوسری قوموں کے سامنے پیش کرنا اسلام پر ہنسی کرانا ہے۔ **اسلام وہی ہے جو ہم پیش کرتے ہیں۔**

ہاں اشاعتِ اسلام کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے اور اس پر اگر وہ روپیہ جو بینکوں کے سُود سے آتا ہے خرچ کیا جاوے تو جائز ہے کیونکہ وہ خالص خدا کے لئے ہے۔ خدا تعالیٰ کے لئے وہ حرام نہیں ہے جیسے میں نے ابھی کہا ہے کہ کسی جگہ کا سکہ و بارود ہو وہ جہاد میں خرچ کرنا جائز ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ بلا تکلف سمجھ میں آجاتی ہیں کیونکہ بالکل صاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سؤر کو حرام کیا ہے لیکن باایں فرماتا ہے فمن اضطر غیر باغ و لا عاد فلا اثم علیہ[1] جب اضطراری حالت میں محض اپنی جان بچانے کی خاطر سؤر کا کھانا جائز ہے تو کیا ایسی حالت میں کہ اسلام کی حالت بہت ضعیف ہو گئی ہے اور اس کی جان پر آبنی ہے۔ اس کی جان بچانے

یہ اجازت مختص المقام اور مختص الزمان ہے۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ کے واسطے اس پر عمل کیا جائے جب اسلام کی نازک حالت نہ رہے تو پھر اس ضرورت کے واسطے بھی سُود لینا ویسا ہی حرام ہے کیونکہ دراصل سُود کا عام حکم تو حُرمت ہی ہے۔" (بدر جلد ۱ نمبر ۲۶ صفحہ ۲ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء)

[1] البقرۃ: ۱۷۴

کے لئے محض اعلائے کلمہ اسلام کے لئے سُود کا روپیہ خرچ نہیں ہو سکتا؟ میرے نزدیک یقیناً خرچ ہو سکتا ہے اور خرچ کرنا چاہیئے۔

فرمایا۔

دُنیا تو ایسی ہے کہ ؎

کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد

اللہ تعالےٰ کا یہ ایک سربستہ راز ہے جو کسی پر نہیں کھُلا کہ موت کس وقت آجاوے۔ پھر جب موت آگئی تو سب مال واسباب یہاں کا یہاں ہی رہ جاتا ہے اور بعض اوقات اُس کے وارث وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو اگر مرنے والا زندہ ہوتا تو ایک حبّہ بھی ان کو دینا پسند نہیں کرتا تھا۔ پھر کیسی غلطی ہے کہ انسان اپنے مال کو ایسی جگہ خرچ نہ کرے جو اس کے لئے ہمیشہ کے واسطے راحت اور آسائش کا موجب ہو جاوے۔ میں حیران ہوتا ہوں جب یورپ کی طرف دیکھتا ہوں کہ ایک عاجز انسان کو خدا بنانے کے لئے ان میں اس قدر جوش اور سرگرمی ہے اور ہم میں خدا تعالےٰ کی **عظمت** اور **جلال** کے ظاہر کرنے کے لئے کچھ بھی نہ ہو۔ یہ کس قدر بدقسمتی ہے۔

مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ محض اللہ تعالےٰ کی رضا کو مقدم کرلیں۔ اگر اُسے خوش کریں تو سب کچھ مل سکتا ہے۔ مگر ان کی یہی تو بدقسمتی ہے کہ وہ اس کو ناراض کر رہے ہیں۔ مجھے بہت ہی افسوس ہوتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کو خدا تعالیٰ نے ایک **سچا دین اسلام** عطا کیا تھا مگر انہوں نے اس کی قدر نہیں کی۔ خدا جانے یہ بے پروائی کیا نتیجہ پیدا کرے۔ دین کی کچھ بھی پروا اور غیرت نہیں۔ باہم اگر جنگ وجدل ہے تو اس میں نفسانی شیخی۔ ریا۔ عُجب مقصود ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا جلال اور اس کی عظمت۔ لیکن جو شخص ہر امر میں اللہ تعالےٰ کو مقدم کرے اور اس کے دین کی حمیت اور غیرت میں ایسا محو ہو کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی عظمت

اور جلال کا ظاہر کرنا اس کا مقصود خاطر ہو۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے دفتر میں **صدیق** کہلاتا ہے

ہم جس طریق پر اسلام کو پیش کر سکتے ہیں دوسرا نہیں کر سکتا۔ مگر مشکلات یہ ہیں کہ ہماری جماعت کا بہت بڑا حصہ **غربا** کا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ باوجودیکہ یہ غرباء کی جماعت ہے تاہم میں دیکھتا ہوں کہ ان میں صدق ہے اور ہمدردی ہے اور وہ اسلام کی ضروریات سمجھ کر حتی المقدور اس کے لئے خرچ کرنے سے فرق نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ساتھ ہو تو کام بنتا ہے اور ہم اس کے فضل کے امیدوار ہیں۔

جس طرح پر ایک طوفان قریب آتا ہو تو انسان کو فکر ہوتا ہے کہ یہ طوفان تباہ کر دے گا اسی طرح پر اسلام پر طوفان آرہے ہیں۔ مخالف ہر وقت ان کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ کہ اسلام تباہ ہو جاوے لیکن **میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو ان تمام حملوں سے بچائے گا اور وہ اس طوفان میں بھی اس کا بیڑا اسلامتی سے کنارہ پر پہنچا دے گا۔**

انبیاء علیہم السلام کے حالات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کو مشکلات نظر آتی تھیں تو بجز اس کے اَور کوئی صورت نہ ہوتی تھی کہ وہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دعائیں کرتے تھے۔ قوم تو صُمٌّ بُکمٌ ہوتی ہے۔ وہ ان کی باتیں سنتی نہیں بلکہ تنگ کرتی اور دُکھ دیتی ہے اس وقت راتوں کی دعائیں ہی کام کیا کرتی تھیں۔ اب بھی یہی صورت ہے۔ باوجودیکہ اسلام ضعف کی حالت میں ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کی بحالی کے لئے پوری کوشش کی جاوے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ہم جب اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ہر طرح سے ہماری مخالفت کے لئے سعی کی جاتی ہے۔ یہ میری مخالفت نہیں **خدا تعالیٰ سے جنگ ہے**۔ میں تو یہاں تک یقین رکھتا ہوں کہ اگر میری طرف سے کوئی کتاب اسلام پر جاپان میں شائع ہو تو یہ لوگ میری مخالفت کے لئے جاپان بھی جا پہنچیں گے۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے

وہ شخص بڑا ہی مبارک اور خوش قسمت ہے جس کا دل پاک ہو اور اللہ تعالیٰ کی عظمت

اور جلال کے اظہار کا خواہاں ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو دوسروں پر مقدم کر لیتا ہے۔ جو لوگ میری مخالفت کرتے ہیں۔ ان کا اور ہمارا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے ہے۔ وہ ہمارے اور ان کے دلوں کو خوب جانتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کس کا دل دنیا کی نمود اور نمائش کے لئے ہے اور کون ہے جو خدا تعالیٰ ہی کے لئے اپنے دل میں سوز و گداز رکھتا ہے۔

خوب یاد رکھو کہ کبھی رُوحانیت صعود نہیں کرتی جب تک دِل پاک نہ ہو جب دل میں پاکیزگی اور طہارت پیدا ہوتی ہے تو اس میں ترقی کے لئے ایک خاص طاقت اور قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے لئے ہر قسم کے سامان مہیا ہو جاتے ہیں اور وہ ترقی کرتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ بالکل اکیلے تھے اور اس بیکسی کی حالت میں دعویٰ کرتے ہیں۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا[1]۔ کون اس وقت خیال کر سکتا تھا کہ یہ دعویٰ ایسے بے یار و مددگار شخص کا بار آور ہوگا۔ پھر ساتھ ہی اس قدر مشکلات آپ کو پیش آئے کہ ہمیں تو ان کا ہزارواں حصہ بھی نہیں آیا۔ وہ زمانہ تو ایسا زمانہ تھا کہ سکھا شاہی سے بھی بدتر تھا۔ اب تو گورنمنٹ کی طرف سے پُورا امن اور آزادی ہے۔ اس وقت ایک چالاک آدمی ہر قسم کی منصوبہ بازی سے جو کچھ بھی چاہتا دُکھ پہنچاتا۔ مگر مکّہ جیسی جگہ میں اور پھر عربوں جیسی وحشیانہ زندگی رکھنے والی قوم میں آپ نے وہ ترقی کی جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ خود ان کی مذہبی تعلیم اور عقائد کے خلاف انہیں سُنایا کہ یہ لات اور عزیٰ جن کو تم اپنا معبود قرار دیتے ہو یہ سب پلید اور حطب جہنّم ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کون سی بات عربوں کی ضدی قوم کو جوش دلانے والی ہو سکتی تھی۔ لیکن انہیں عربوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نشو و نما پایا اور ترقی کی۔ انہیں میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے بھی نکل آئے۔ اس سے ہمیں امید ہوتی ہے کہ انہیں مخالفوں سے وہ لوگ بھی نکلیں گے جو خدا تعالےٰ کی مرضی کو پُورا کرنے والے اور پاک دل ہوں گے اور یہ جماعت

[1] الاعراف : ۱۵۹

جو اس وقت تک تیار ہوئی ہے آخر انہیں میں سے آئی ہے۔

کئی دفعہ میر صاحب[1] نے ذکر کیا کہ دلی سے کوئی امید نہیں رکھنی چاہیئے مگر میرے دل میں بھی آتا ہے کہ یہ بات درست نہیں۔ دلی میں بھی بعض پاک دل ضرور چھپے ہوئے ہوں گے۔ جو آخر اس طرف آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمارا تعلق دلی سے کیا ہے یہ بھی خالی از حکمت نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہم کبھی نا امید نہیں ہو سکتے۔ آخر خود میر صاحب بھی دلی ہی کے ہیں[2]۔ غرض یہ کوئی نا امید کرنے والی بات نہیں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا پاک اور کامل نمونہ ہمارے سامنے ہے کہ مکّہ والوں نے کیسی مخالفت کی اور پھر اسی مکّہ میں سے وہ لوگ نکلے جو دنیا کی اصلاح کرنے والے ٹھہرے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں میں سے تھے۔ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جن کی بابت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس بات سے ہے جو اس کے دل میں ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں مکّہ والوں میں سے تھے۔ حضرت عمرؓ بڑے بھاری مخالف تھے یہاں تک کہ ایک مرتبہ مشورہ قتل میں بھی شریک اور قتل کے لئے مقرر ہوئے لیکن آخر خدا تعالیٰ نے ان کو وہ جوش اظہار اسلام کا دیا کہ غیر قومیں بھی ان کی تعریفیں کرتی اور اُن کا نام عزت سے لیتی ہیں۔

غرض ہم کو وہ مشکلات پیش نہیں آئے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے۔ باوجود اس کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے جب تک پورے کامیاب نہیں ہو گئے۔ اور آپ نے اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح ورایت النّاس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجًا[3] کا نظارہ دیکھ نہ لیا۔

آج ہمارے مخالف بھی ہر طرح کی کوشش ہمارے نابود کرنے کی کرتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ

---

[1] حاشیہ۔ میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ (مرتب)

[2] حضرت حکیم الامت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کیا۔ منشی عبدالعزیز صاحب بابو محمد اسمٰعیل صاحب وغیرہ بھی دہلوی ہی ہیں۔ حضور:

[3] النصر ۲،۳

کا شکر ہے کہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے اور انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ جس قدر مخالفت اس سلسلہ کی انہوں نے کی ہے اسی قدر ناکامی اور نامرادی ان کے شامل حال رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو بڑھایا ہے۔ یہ تو خیال کرتے اور رائے لگاتے ہیں کہ یہ شخص مر جاوے گا اور جماعت متفرق ہو جاوے گی۔ یہ فرقہ بھی دوسرے فرقہ برہموؤں وغیرہ کی طرح ہے کہ جن میں کوئی کشش نہیں ہے اس لئے اس کے ساتھ ہی اس کا خاتمہ ہو جاویگا مگر وہ نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ نے خود ارادہ فرمایا ہے کہ اس سلسلہ کو قائم کرے اور اُسے ترقی دے۔ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرقے نہ تھے۔ اس وقت ان کے مخالف بھی یہی سمجھتے ہوں گے کہ بس اب ان کا خاتمہ ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اُن کو کیسا نشو و نما دیا اور پھیلایا۔ ان کو سوچنا چاہیئے کہ اگر کوئی فرقہ تھوڑی سی ترقی کر کے رُک جاتا ہے تو کیا ایسے فرقوں کی نظیر موجود نہیں جو عالم پر محیط ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے ارادوں پر نظر کر کے حکم کرنا چاہیئے۔ جو لوگ رہ گئے اور اُن کی ترقی رُک گئی اُن کی نسبت ہم یہی کہیں گے کہ وہ اس کی نظر میں مقبول نہ تھے۔ وہ اس کی نہیں بلکہ اپنی پرستش چاہتے تھے۔ مگر میں ایسے لوگوں کو نظیر میں پیش کرتا ہوں جو اپنے وجود سے جل جاویں اور اللہ تعالیٰ ہی کی عظمت اور جلال کے خواہشمند ہوں۔ اس کی راہ میں ہر دکھ اور موت کے اختیار کرنے کو آمادہ ہوں۔ پھر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں تباہ کر دے؟ کون ہے جو اپنے گھر کو خود تباہ کر دے؟ اُن کا سلسلہ خدا تعالیٰ کا سلسلہ ہوتا ہے اس لئے وہ خود اسے ترقی دیتا ہے اور اس کے نشو و نما کا باعث ٹھہرتا ہے۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں ہوئے ہیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ان میں سے کون تباہ ہوا؟ ایک بھی نہیں۔ اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مجموعی طور پر دیکھ لو کیونکہ آپؐ جامع کمالات تھے۔ ساری قوم آپ کی دشمن ہو گئی اور اس نے قتل کے منصوبے کئے۔ مگر آپؐ کی اللہ تعالیٰ نے وہ تائید کی جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔

ایک دفعہ اوائل دعوت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ساری قوم کو بُلایا۔ ابوجہل وغیرہ سب ان میں شامل تھے۔[1] اہل مجمع نے سمجھا تھا کہ یہ مجمع کبھی کسی دنیوی مشورہ کیلئے ہوگا۔ لیکن جب ان کو اللہ تعالیٰ کے آنے والے عذاب سے ڈرایا گیا تو ابوجہل[2] بول اُٹھا

تباً لك الهذا جمعتنا۔

غرض باوجود اس کے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ صادق اور امین سمجھتے تھے مگر اس موقعہ پر انہوں نے خطرناک مخالفت کی اور ایک آگ مخالفت کی بھڑک اُٹھی لیکن آخر آپ کامیاب ہوگئے اور آپ کے مخالف سب نیست و نابود ہوگئے۔

ترقی کرنے کے گُر

فرمایا:۔

لوگ چاہتے ہیں کہ ترقی ہو مگر وہ نہیں جانتے کہ ترقی کس طرح ہوا کرتی ہے۔ دُنیا داروں نے تو یہی سمجھ لیا ہے کہ یورپ کی تقلید سے ترقی ہوگی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ترقی ہمیشہ راستبازی سے ہوا کرتی ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے نمونہ رکھا ہوا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کا نمونہ دیکھو۔ ترقی اسی طرح ہوگی جیسے پہلے ہوئی تھی۔ اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ پہلے جو ترقی ہوئی وہ صلاح اور تقویٰ اور راستبازی سے ہوئی تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے جویا ہوئے اور اس کے احکام کے تابع ہوئے۔ اب بھی جب ترقی ہوگی۔ اسی طرح ہوگی۔

سید احمد خاں قومی قومی کہتے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ وہ ایک بیٹے کی بھی اصلاح نہ کرسکے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دعویٰ کرنا اَور چیز ہے اور اس دعویٰ کی صداقت کو دکھانا اَور بات۔ اصل یہی ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں سکھایا ہے۔ جبتک مسلمان قرآن شریف کے پُورے متبع اور پابند نہیں ہوتے وہ کسی قسم کی ترقی نہیں کرسکتے

[1] یہاں حضرت اقدس نے سارا واقعہ بیان فرمایا۔ (ایڈیٹر)

[2] ابولہب نے یہ بات کہی تھی۔ ڈائری نویس یا کاتب کی غلطی سے ابوجہل لکھا گیا ہے۔ (مرتب)

جس قدر وہ قرآن شریف سے دُور جا رہے ہیں اسی قدر وہ ترقی کے مدارج اور راہوں سے دُور جا رہے ہیں۔ **قرآن شریف پر عمل ہی ترقی اور ہدایت کا موجب ہے۔** اللہ تعالیٰ نے تجارت، زراعت اور ذرائع معاش سے جو حلال ہوں، منع نہیں کیا۔ مگر ہاں اس کو مقصود بالذات قرار نہ دیا جاوے بلکہ اس کو بطور خادمِ دین رکھنا چاہیئے۔ زکوٰۃ سے بھی یہی منشا ہے کہ وہ مال خادمِ دین ہو۔

خوب یاد رکھو کہ اصل طریق ترقی کا یہی ہے۔ جب تک قوم اللہ تعالیٰ کے لئے قدم نہیں اُٹھاتی اور اپنے دلوں کو پاک و صاف نہیں کرتی کبھی ممکن نہیں کہ یہ قوم ترقی کر سکے۔ یہ خیال محض غلط ہے کہ صرف انگریزی پڑھنے اور انگریزی لباس پہننے اور شراب پینے اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے سے ترقی ہو سکتی ہے۔ یہ تو ہلاک کرنے کی راہ ہے۔ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو قوم رہتی تھی کیا وہ معاش اور آسائش کے سامان نہ رکھتے تھے؟ کیا وہ انگریزی ہی پڑھے ہوئے تھے؟ اسی طرح لُوط علیہ السلام کے زمانہ میں بھی معاش کے ذریعے تھے۔ اسی طرح اس زمانہ میں بھی معاش کے بعض ذریعے ہیں جن میں سے ایک یہ زبان بھی ہے جو معاش کا ذریعہ سمجھی گئی ہے لیکن وہ **زبان جو خدا تعالےٰ کی زبان ہے۔** اُسے اللہ تعالیٰ نے علم و معرفت کی کنجی بنایا ہے۔ جب انسان تعصب سے پاک ہو کر تدبر سے قرآن شریف کو دیکھے گا اور اعراض صوری اور معنوی سے باز رہے گا بلکہ دعاؤں میں لگا رہے گا تب ترقی ہوگی۔

یہ لوگ جو قومی ترقی قومی ترقی کا شور مچا رہے ہیں۔ میں ان کی آوازوں کو سنکر حیران ہوا کرتا ہوں کہ شاید ان کو مرنا ہی بھُولا ہوا ہے اور ناپائیدار زندگی کو انہوں نے مقدم کر لیا ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ یورپ جیسے امیر کبیر بن جاویں۔ ہم منع نہیں کرتے کہ حدِ مناسب تک کوئی کوشش نہ کرے۔ مگر افراط تو مذموم امر ہے۔ افسوس ان ترقی چاہنے والوں کے نزدیک عملی طور پر ہر ایک بدی حلال ہے یہاں تک کہ زنا بھی۔ جیسا کہ یورپ کا عملی طرز بتا رہا ہے۔ اگر

یہی ترقی ہے تو پھر ہلاکت کیا ہوگی؟ پس تم اپنی نیتوں کو صاف کرو۔ اللہ تعالیٰ کو رضامند کرو۔ دعاؤں میں لگے رہو اور دین کی اشاعت کے لئے دُعا کرو۔ پھر منع نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس قسم کی استعداد اور مناسبت معاش کے لئے دی ہے اس سے کام لو۔ زراعت ہو یا ملازمت یا تجارت۔ کرو مگر یہ نہیں کہ اس کو مقصود بالذات سمجھ کر دل اس سے لگا لو۔ بلکہ دل اس سے ہمیشہ اُداس رکھو اور اسے ایک ابتلا سمجھو اور دعا کرتے رہو کہ خدا تعالیٰ وہ زمانہ لاوے کہ فراغت کا زمانہ یادِ الٰہی کے لئے میسّر آوے۔ میری غرض اور تعلیم تو یہ ہے۔ جو اس پر مخالفت کرے اس کا اختیار ہے۔ ہنسی کرے اختیار ہے۔ **مگر حق یہی ہے**

جو لوگ آزاد مشرب ہیں وہ ایسی باتوں پر سخت ہنسی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اطفال کے درجہ پر ہیں اور ہمیں تیرہ سو برس پیچھے لے جاتے ہیں مگر جن میں تقویٰ ہو اور موت کو یاد رکھتے ہیں وہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان دونوں میں سے حق پر کون ہے؟

میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ جب تک صحت ہے اس وقت تک یہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں لیکن جب ذرا مبتلا ہوتے ہیں تو ہوش میں آجاتے ہیں۔ نیچری مذہب کے لئے اسی قدر مستحکم ہوگا جس قدر دُنیوی آسائش و آرام میسّر ہوگا جس قدر مصائب ہونگے ڈھیلا ہوتا جائے گا۔ جو شخص دنیوی وجاہت اور عُہدہ پاتا ہے اور قوم میں ایک عزت دیکھتا ہے وہ کیا سمجھ سکتا ہے کہ دین کیا چیز ہے؟

جو گروہ نمازوں میں تخفیف کرنی چاہتا ہے اور روزوں کو اُڑانا چاہتا ہے اور قرآن شریف کی ترمیم کرنے کا خواہشمند ہے۔ اگر اُسے ترقی ہو تو تم سمجھ لو کہ انجام کیا ہو۔

اس کے ضمن میں آپ نے نواب محمد حیات خاں مرحوم کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح پر قبل از وقت مجھے اس کی بحالی کی اطلاع دی جس کی میں نے اس کو بھی خبر دیدی تھی۔ لیکن جب بحال ہو گیا تو پھر وہ ساری باتیں جو معطلی کے زمانہ میں تھیں بھول گئیں۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۲ صفحہ ۹ تا ۱۱ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء)

۱۷؍ستمبر ۱۹۰۵ء

فرمایا۔

خدا تعالیٰ کی طلب میں جو شخص پوری کوشش نہیں کرتا وہ بھی کافر ہے۔ ہر ایک چیز کو جب اس کی حدِ مقررہ تک پہنچایا جاتا ہے تب اس سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسے اس زمین میں چالیس یا پچاس ہاتھ کھودنے سے کنواں تیار ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص صرف چار پانچ ہاتھ کھود کر چھوڑ دے اور کہہ دے کہ یہاں پانی نہیں ہے تو یہ اس کی غلطی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس شخص نے حق محنت ادا نہیں کیا۔

افضلیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

(قبل از ظہر)

فرمایا۔ یہ جو قرآن شریف میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ[1] پس ان کی یعنی گذشتہ نبیوں کی جن کا اُوپر ذکر آیا ہے اقتدا کر۔ اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جس قدر گذشتہ انبیاء ہوئے انہوں نے مخلوق کی ہدایت مختلف پہلوؤں سے کی اور مختلف قسم کی ان میں خوبیاں تھیں کسی میں کوئی خوبی اور کمال تھا اور کسی میں کوئی۔ اور ان تمام نبیوں کی اقتدا کرنا یہ معنے رکھتا ہے کہ ان تمام متفرق خوبیوں کو اپنے اندر جمع کر لینا چاہیئے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص جامع ان تمام خوبیوں کا ہے جو متفرق طور پر تمام انبیاء میں پائی جاتی ہیں وہ تمام متفرق کمالات اپنے اندر جمع رکھتا ہے اس لئے وہ تمام انبیاء سے افضل ہے کیونکہ ہر ایک خوبی اس میں موجود ہے۔ اور وہ تمام متفرق خوبیوں کا جامع ہے مگر پہلے اس سے کوئی نبی ان تمام خوبیوں کا جامع نہ تھا۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۲۵ صفحہ ۲ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۰۵ء)

[1] الانعام: ۹۱

۲۰ر ستمبر ۱۹۰۵ء (بوقت صبح)

فرمایا:۔

طب کے ظنی امور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاس جو یقین ہوتا ہے وہ کہاں؟

پیشگوئیوں کا معاملہ مخفی رکھا جاتا ہے تاکہ تکالیف کا ثواب انسان حاصل کرے۔ دنیا فانی دُکھ ہیں اور انجام بخیر ہے۔

عاجز راقم[1] نے اپنی رویا بیان کی کہ "میں رات مولوی عبدالکریم صاحب کے واسطے بہت دُعا کرتا تھا تو تھوڑی غنودگی میں ایسا معلوم ہوا کہ میں کہتا ہوں یا کوئی کہتا ہے "بلائیں میں جندرے مارے گئے" فرمایا:۔

"مبشر ہے"

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے اپنا ایک خواب عرض کیا کہ کوئی کہتا ہے کہ مولوی صاحب کو خیر ہے۔ استغفار اور لاحول پڑھنا چاہیئے اور پھر میں نے ایک آواز سُنی۔ سلامٌ علیکم۔ فرمایا:۔

"لاحول سے یہ مراد ہے کہ بغیر فضل الٰہی کے کوئی حیلہ باقی نہیں رہا۔ اور سلامٌ علیکم سے مراد سلامتی ہے۔" فرمایا:۔

"سب اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں جہاں حکم ہوتا ہے وہاں چڑھائی کرتے ہیں۔

مولوی عبدالکریم صاحب کی بیماری کا اور اُن کے متعلق دعا کا ذکر کرتے ہوئے شیخ رحمت اللہ صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

---

[1] حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ (مرتب)

"آپ کے واسطے بھی پانچ وقت نماز میں دعا کی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ تکالیف سے اپنے بندوں کو ثواب دے۔ عبادات میں جو قصور رہ جاتے ہیں ان کا ازالہ قضا و قدر کے مصائب سے ہو جاتا ہے کیونکہ عبادت کی تکلیف میں تو انسان اپنا رگ پٹھا آپ بچا لیتا ہے۔ سردی ہو تو وضو کے لئے پانی گرم کر لیتا ہے۔ کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھ لیتا ہے۔ لیکن قضا و قدر سے جو آسمانی مار پڑتی ہے وہ رگ پٹھہ نہیں دیکھتی۔

دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ دنیا میں ہمیشہ کی خوشی صرف کافر کو حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کے لئے عذاب کا گھر آگے ہے۔ لیکن مومن کے لئے ایسی زندگی ہوتی ہے کہ کبھی آرام اور کبھی تکلیف۔ ہاں جان بخیر چاہیئے۔

یہ مصائب گناہ کا کفارہ ہوتے ہیں۔ کرب اور گھبراہٹ کی کوئی بات نہیں ہے خدا داری چہ غم داری۔ خدا تعالیٰ پر پورا ایمان اور بھروسہ ہو تو پھر انسان کو تنور میں ڈال دیا جاوے اُسے کوئی غم نہیں ہوتا۔ تکالیف کا بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر راحت ہے جیسا بچہ پیدا ہونے کے وقت عورت کو تکلیف ہے بلکہ ساتھ والے بھی روتے ہیں۔ لیکن جب بچہ پیدا ہو گیا تو پھر سب کو خوشی ہے۔ ایسا ہی مومن پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک تکلیف اور دکھ کا وقت آتا ہے تاکہ وہ آزمایا جائے اور صبر اور استقامت کا اجر پائے۔ اصل میں تکالیف کے دن ہی مبارک دن ہوتے ہیں۔ انبیاء تکالیف کے ساتھ موافقت کرتے ہیں۔ ہر ایک شخص پر نوبت بہ نوبت یہ دن آتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ اصلی ہے یا نہیں۔ مولوی رُومی نے خوب فرمایا ہے:۔

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است ـــــ زیر آں گنج کرم بنہادہ است

حدیث میں آیا ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی سے پیار کرتا ہے تو اُسے کچھ دُکھ دیتا ہے۔ انبیاء کے معجزات انہیں مصائب کے زمانہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا اپریشن ہے جو ہر صادق کے واسطے ضروری ہے۔

(قبل از ظہر)

فرمایا:-

آگے پھر طاعون کے دن آرہے ہیں۔ نہیں معلوم کون بچے گا اور کون مرے گا؟ آجکل توبہ کرنی چاہیئے اور راتوں کو اُٹھ کر دُعائیں کرنی چاہئیں تاکہ خدا تعالےٰ اسوقت کے عذاب سے بچائے۔ قادیان کے قریب دو گاؤں طاعون سے ملوث ہیں۔

فرمایا:-

اللہ تعالےٰ مخفی ہے مگر وہ اپنی قدرتوں سے پہچانا جاتا ہے۔ دعا کے ذریعہ سے اس کی ہستی کا پتہ لگتا ہے۔ کوئی بادشاہ یا شہنشاہ کہلائے۔ ہر شخص پر ضرور ایسے مشکلات پڑتے ہیں جن میں انسان بالکل عاجز رہ جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ اس وقت دعا کے ذریعہ سے مشکلات حل ہوسکتے ہیں

جموں والے چراغ الدین کا ذکر تھا کہ عیسائیوں کے ساتھ بہت تعلق محبت رکھتا ہے۔

فرمایا:-

بدقسمت اور بدبخت آدمی ہے۔ اسلام ایسے گندوں کو باہر پھینکتا جاتا ہے۔

یورپ کی شراب نوشی کا ذکر تھا۔ فرمایا:-

حقیقی تہذیب شراب خور کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ انجیل کی کسی آیت نے سؤر کو برخلاف توریت کے حلال نہیں کیا مگر یہ لوگ کثرت سے سؤر بھی کھاتے ہیں اور شراب بھی پیتے ہیں۔

عیسائیوں پر ایک سوال

جب شریعت توریت قابل عمل نہیں اور باوجود بہت سی اشیاء کی حرمت کے جن کا

حکم توریت میں موجود ہے۔ عیسائیوں کے واسطے ضروری نہیں کہ ان احکام پر عمل کریں تو پھر رشتہ ناطہ کے معاملہ میں اس قدیم شریعت پر عمل کرنے کی کیا حاجت ہے اور بہن یا سالی وغیرہ سے شادی کرنا انجیل کے کس حکم کے برخلاف ہے۔

بعض لوگوں کے بدیوں اور شرارتوں میں حد سے بڑھ جانے کا ذکر تھا۔ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ بڑا حلیم اور کریم ہے اور اس کے کام نہایت آہستگی کے ساتھ ہوتے ہیں معصیت میں پڑے ہوئے لوگوں کو وہ مہلت دیتا ہے اور لوگ اس پر حیران ہوتے اور گھبراتے ہیں۔ لیکن گذشتہ واقعات زمانہ ظاہر کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں پر جب عذاب آتا ہے نہایت سخت آتا ہے۔ زمانہ میں راحت کے دن بہت ہیں مگر آخر کار گرفتاری کا بھی ایک دن آ ہی جاتا ہے اور اس وقت ایسا پکڑا جاتا ہے کہ اس کے دُکھ کو دیکھ کر سخت سے سخت دل آدمی بھی دردناک ہو جاتا ہے ؎

ہاں مشو مغرور از حلیم خدا
دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

(قبل نماز ظہر)

جیسا اثر دُعا میں ہے ویسا اور کسی شئے میں نہیں ہے مگر دعا کے واسطے پُورا جوش معمولی باتوں میں پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ معمولی باتوں میں تو بعض دفعہ دعا کرنا گستاخی معلوم ہوتی ہے اور طبیعت صبر کی طرف راغب رہتی ہے۔ ہاں مشکلات کے وقت دعا کے واسطے پورا جوش دل میں پیدا ہوتا ہے تب کوئی خارق عادت امر ظاہر ہوتا ہے۔

کہتے ہیں دہلی میں ایک بزرگ تھا۔ بادشاہِ وقت اس پر سخت ناراض ہو گیا۔ اس وقت بادشاہ کہیں باہر جاتا تھا۔ حکم دیا کہ واپس آ کر میں تم کو ضرور پھانسی دوں گا اور اپنے اس حکم

پر قسم کھائی۔ جب اس کی واپسی کا وقت قریب آیا تو اس بزرگ کے دوستوں اور مریدوں نے غمگین ہو کر عرض کی کہ بادشاہ کی واپسی کا وقت اب قریب آگیا ہے۔ اس نے جواب دیا ہنوز دلی دُور است۔ جب بادشاہ ایک دو منزل پر آگیا تو انہوں نے پھر عرض کی۔ مگر اس نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ ہنوز دلی دُور است۔ یہانتک کہ بادشاہ عین شہر کے پاس آگیا اور شہر کے اندر داخل ہونے لگا۔ تب لوگوں نے اس بزرگ کی خدمت میں عرض کی کہ اب تو بادشاہ شہر میں داخل ہونے لگا ہے یا داخل ہو گیا ہے مگر پھر بھی اس بزرگ نے یہی جواب دیا کہ ہنوز دلی دُور است۔ اسی اثنا میں خبر آئی کہ جب بادشاہ دروازہ شہر کے نیچے پہنچا تو اُوپر سے دروازہ گرا اور بادشاہ ہلاک ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بزرگ کو کچھ منجانب اللہ معلوم ہو چکا تھا۔

ایسا ہی شیخ نظام الدین کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ کا سخت عتاب ان پر ہوا۔ اور حکم ہوا کہ ایک ہفتہ تک تم کو سخت سزا دی جائے گی۔ جب وہ دن آیا تو وہ ایک مُرید کی ران پر سر رکھ کر سوئے تھے۔ اس مرید کو جب بادشاہ کے حکم کا خیال آیا تو وہ رو دیا۔ اور اس کے آنسو شیخ پر گرے جس سے شیخ بیدار ہوا۔ اور پوچھا کہ تو کیوں روتا ہے۔ اس نے اپنا خیال عرض کیا اور کہا کہ آج سزا کا دن ہے۔ شیخ نے کہا کہ تم غم مت کھاؤ ہم کو کوئی سزا نہ ہوگی۔ میں نے ابھی خواب میں دیکھا ہے کہ ایک مارکھنڈ گائے مجھے مارنے کے واسطے آئی ہے۔ میں نے اس کے دونو سینگ پکڑ کر اس کو نیچے گرا دیا ہے۔ چنانچہ اسی دن بادشاہ سخت بیمار ہوا۔ اور ایسا سخت بیمار ہوا کہ اسی بیماری میں مَر گیا۔

یہ تصرفات الٰہی ہیں جو انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ جب وقت آجاتا ہے تو کوئی نہ کوئی تقریب پیدا ہو جاتی ہے۔ سب دل خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے اذن کے بغیر تو کوئی جان بھی نہیں نکل سکتی خواہ کیسے ہی شدید عوارض ہوں۔ ناامید ہونے والا

بُت پرست سے بھی زیادہ کافر ہے۔

آئندہ طاعُون سے بچنے کا علاج

عاجز راقم[1] نے اپنا آج کا خواب عرض کیا کہ طاعون بہت پھیلا ہوا دکھائی دیا۔ اور کوئی کہتا ہے یا میں کہتا ہوں کہ جو آجکل رات کو اُٹھ کر دُعا کرے گا وہ اس سے آئندہ طاعون کے وقت بچایا جائے گا۔ فرمایا:۔

یہ بالکل سچ ہے۔ راتوں کو اُٹھ کر بہت دعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ آنے والے عذاب سے اپنے فضل و کرم سے محفوظ رکھے۔

فرمایا:۔

ایک نجاست خور گائے ہوتی ہے جس کو جلالہ کہتے ہیں۔ اس کا گوشت حرام لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے جانور مثل بھیڑ، مرغی کی پرورش میں حفاظت کرنی چاہیئے اور ان کو نجاست خوری سے بچانا چاہیئے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۲۶ صفحہ ۳ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء)

---

۲۲ ستمبر ۱۹۰۵ء
قبل دوپہر

چراغ الدین جمُونی کا ذکر

آج اتفاق سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں میاں چراغ دین ساکن جموں کا ذکر اس تقریب پر شروع ہوگیا کہ اس نے ایک کتاب منارۃ المسیح حال میں شائع

[1] حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ ۔ (مرتب)

کی ہے جس میں اسلام کی سخت ہتک کی گئی ہے۔ اس کتاب کے تذکرہ پر اعلیحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

وہ اسلام کا سخت مخالف ہے۔ ہر امر میں اس نے حضرت مسیح کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دی ہے۔ پھر یہ بھی کہتا ہے کہ اسلام اور عیسائیت میں صلح کرانے آیا ہوں۔ یہ کیسی عجیب بات ہے۔ اسلام اور عیسائیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اور وہ صلح کراتا ہے۔ مجھے اس کتاب میں بہت گالیاں دی ہیں۔

مسیحؑ کی قبر

مسیح کی قبر واقع کشمیر کا ذکر تھا۔ اس کے متعلق جو کچھ فرمایا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

بہت سے شواہد اور دلائل سے یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ یہ مسیح علیہ السلام ہی کی قبر ہے۔ اور یہاں نہ صرف ان کی قبر ہی ہے بلکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ ان کے بعض دوستوں کی قبریں بھی اسی جگہ ہیں۔ اوّل یوسف آسف کا نام ہی اس پر دلالت کرتا ہے اس کے علاوہ چونکہ وہ اپنے وطن میں باغی ٹھہرائے گئے تھے۔ اس لئے اس گورنمنٹ کے تحت حکومت میں کسی جگہ رہ نہ سکتے تھے۔ پس اللہ تعالےٰ نے ان پر رحم کر کے پسند کیا کہ شام جیسا سرد ملک ہی ان کے لئے تجویز کیا جہاں وہ ہجرت کر کے آ گئے اور یہودیوں کی دس تباہ شدہ قومیں جن کا پتہ نہیں ملتا تھا۔ وہ بھی چونکہ یہاں ہی آباد تھیں۔ اس لئے اس فرض تبلیغ کو ادا کرنے کے لئے بھی یہاں اُن کا آنا ضروری تھا۔ اور پھر یہاں کے دیہات اور دوسری چیزوں کے نام بھی بلاد شام کے بعض دیہات وغیرہ سے ملتے جلتے ہیں۔

(اس موقعہ پر مفتی محمد صادق صاحب نے عرض کی کہ حضور کاشیر کا لفظ خود موجود ہے۔ یہ لفظ اصل میں کاشیر ہے۔ م تو ہم لوگ ملا لیتے ہیں۔ اصل کشمیری کاشیر بولتے ہیں اور کاشیر کہلاتے ہیں۔ اور آشیر عبرانی زبان میں ملک شام کا نام ہے اور

ک یعنے مانند ہے یعنی شام کی مانند۔ پھر اور بہت سے نام ہیں)

حضرت نے فرمایا کہ

وہ سب نام جمع کرو تاکہ ان کا حوالہ کسی جگہ دیا جاوے۔

اسی سلسلہ کلام میں فرمایا کہ

اکمال الدین جو پرانی کتاب ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ انیس سو برس کا ایک نبی ہے۔ پھر کشمیریوں کے رسم و رواج وغیرہ یہودیوں سے ملتے ہیں۔ برنیر فرانسیسی سیاح نے بھی اُن کو بنی اسرائیل ہی لکھا ہے۔ اس کے علاوہ تھوما حواری کا ہندوستان میں آنا ثابت ہے۔

(اس مقام پر مفتی صاحب نے عرض کی کہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ جب حضرت مریم بیمار ہوئیں تو انہوں نے تھوما سے جو اس وقت ہندوستان میں تھا۔ ملنا چاہا۔ چنانچہ ان کے تابوت کو ہندوستان میں پہنچایا گیا اور وہ تھوما سے مل کر بہت خوش ہوئیں اور اس کو برکت دی اور پھر تھوما نے اس کا جنازہ پڑھا۔ اس ذکر پر کہا گیا کہ کیا تعجب ہے اگر فی الحقیقت یہ ایک ذریعہ اختیار کیا گیا ہو بیٹے کے پاس آنے کا۔ اس کے متعلق مختلف باتیں ہوتی رہیں)

وفاتِ مسیح پر ایک اعتراض کا جواب

مندرجہ بالا سلسلہ کلام میں آپ نے فرمایا کہ

ہم جب مسیح کی موت کے لئے آیت فلمّا توفّیتنی[1] پیش کرتے ہیں تو اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام اگر واقعہ صلیب کے بعد کشمیر چلے آئے تھے تو پھر اُن کو بجائے فلمّا توفّیتنی کے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ جب تو نے مجھے کشمیر پہنچا دیا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض ایک مغسطہ ہے۔ یہ سچ ہے کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر سے زندہ اُتر آئے اور موقعہ پاکر وہ وہاں سے کشمیر کو چلے آئے۔ لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخالفوں کا حال

[1] المآئدۃ : ۱۱۸

تو پوچھا نہیں۔ وہ تو ان کی اپنی امت کا حال پوچھتا ہے۔ مخالف تو بدستور کا فر کذاب تھے۔

دوسرے یہاں مسیح علیہ السلام نے اپنے جواب میں یہ بھی فرمایا ہے مادمت فیھم[1] میں جب تک ان میں تھا۔ یہ نہیں کہا مادمت فی ارضھم۔ مادمت فیھم کا لفظ تقاضا کرتا ہے کہ جہاں مسیح جائیں وہاں ان کے حواری بھی جائیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ کا ایک مامور و مرسل ایک سخت حادثہ موت سے بچایا جاوے اور پھر وہ خدا تعالیٰ کے اذن سے ہجرت کرے اور اس کے پیرو اور حواری اسے بالکل تنہا چھوڑ دیں اور اس کا پیچھا نہ کریں۔ نہیں بلکہ وہ بھی اُن کے پاس یہاں آئے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دفعہ ہی سارے نہ آئے ہوں بلکہ متفرق طور پر آگئے ہوں۔ چنانچہ تھوما کا تو ہندوستان میں آنا ثابت ہی ہے اور خود عیسائیوں نے مان لیا ہے۔ اس قسم کی ہجرت کے لئے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی نظیر موجود ہے۔ حالانکہ مکّہ میں آپؐ کے وفادار اور جاں نثار خدام موجود تھے۔ لیکن جب آپؐ نے ہجرت کی تو صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے لیا۔ مگر اس کے بعد جب آپ مدینہ پہنچ گئے تو دوسرے اصحاب بھی یکے بعد دیگرے وہیں جا پہنچے۔ لکھا ہے کہ جب آپ ہجرت کر کے نکلے اور غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے تو دشمن بھی تلاش کرتے ہوئے وہاں جا پہنچے۔ اُن کی آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ گھبرائے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا۔[2] کہتے ہیں کہ وہ نیچے اُتر کر اس کو دیکھنے بھی گئے مگر خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا۔ اسے دیکھ کر ایک نے کہا کہ یہ جالا تو (آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی) پیدائش سے بھی پہلے کا ہے۔ اس لئے وہ واپس چلے آئے۔ یہی وجہ ہے جو اکثر اکابر عنکبوت سے محبت کرتے آئے ہیں۔

غرض جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے باوجود ایک گروہ کثیر کے اس وقت ابوبکرؓ ہی کو ساتھ لینا پسند کیا اسی طرح پر حضرت عیسٰی علیہ السلام نے صرف تھوما کو ساتھ لے لیا۔ اور چلے آئے۔ پس جب حواری ان کے ساتھ تھے تو پھر کوئی اعتراض نہیں رہتا۔

[1] المائدہ : ۱۱۸ [2] التوبۃ : ۴۰

دوسرا سوال اس پر یہ کرتے ہیں کہ جب کہ وہ ۸۷ سال تک زندہ رہے تو ان کی قوم نے ترقی کیوں نہ کی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا ثبوت دینا ہمارے ذمہ نہیں۔ ہم کہتے ہیں ترقی کی ہوگی لیکن حوادث روزگار نے ہلاک کر دیا ہوگا۔ کشمیر میں اکثر زلزلے اور سیلاب آتے رہتے ہیں۔ مدت دراز کے بعد قوم بگڑ گئی۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک قوم تھی۔ اٰوَیْنٰهُمَآ اِلٰی رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ[1] کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ وہ شام ہی میں تھا۔ میں کہتا ہوں یہ بالکل غلط ہے۔ قرآن شریف خود اس کے مخالف ہے اس لئے کہ اٰوٰی کا لفظ تو اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں ایک مصیبت کے بعد نجات ملے اور پناہ دی جاوے۔ یہ بات اس رُومی سلطنت میں رہ کر انہیں کب حاصل ہو سکتی تھی۔ وہ تو وہاں رہ سکتے ہی نہ تھے۔ اس لئے لازمی طور پر انہوں نے ہجرت کی۔

فرمایا:-

زندگی اعتبار کے لائق نہیں۔ اس پر مختلف امراض اور خصوصاً طاعون نے اَور بھی خوف پیدا کر دیا ہے۔

(قبل نماز عصر)

حضرت مخدوم الملت کی بیماری کا تذکرہ تھا۔ ایک بزرگ نے باتوں ہی باتوں میں حکایتاً عن الغیر ذکر کیا کہ بعض مسمریزم کے عامل توجہ سے مرض کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پر بدل دینے کے دعوے کرتے ہیں۔ اس پر فرمایا:-

یہ کچھ چیز نہیں۔ میری طبیعت اس سے سخت نفرت کرتی ہے۔ اصل طریق دُعا ہے اس سے بہتر اَور کوئی راہ نہیں ہے۔ میں تو اس کے سوا دوسرے طریقوں کو ایسا سمجھتا

[1] المومنون: ۵۱

ہوں جیسے قے کے ساتھ کسی بیماری کا علاج کیا جاوے۔ پس کون پسند کرتا ہے کہ قے کے ساتھ علاج ہو۔ سچا اور خداشناسی کا جو طریق ہے جسے انبیاء علیہم السلام نے استعمال کیا وہ یہی دُعا ہے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۵ صفحہ ۴ و ۵ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء

(قبل دوپہر)

مخدوم الملت[1] کی بیماری کے تذکرہ پر مندرجہ ذیل تقریر فرمائی :-

اگر انسان کا وجود اللہ تعالیٰ کے بغیر ہوتا تو کچھ شک نہیں بڑی مصیبت ہوتی۔ مگر اب تو ذرہ ذرہ کی حفاظت وہ ایک ذات کر رہی ہے۔ پھر کس بات کا غم اور خوف ہے۔ اس کی قدرتیں عجیب ہیں اور اس کے تصرفات بے نظیر۔ قادر خدا کو مان کر مومن کبھی غمگین نہیں ہوتا۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے۔ اسی میں خیر و برکت ہوتی ہے۔ مومن اور غیر مومن میں ایمان ہی کا تو فرق ہے۔ دہریہ مزاج اور اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لانے والے کی زندگی اس وقت تک عمدہ اور بے خوف و خطر ہوتی ہے۔ جب تک اس پر مصائب اور مشکلات کا حملہ نہیں ہوتا لیکن جب خفیف سی مشکلات بھی آکر ظاہر ہوتی ہیں تو اس کی عقل ماردیتی ہیں اور وہ ان کی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کی امید اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہی نہیں اور اسباب اُسے مایوس کر دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں ذرا ذرا سی بات خلاف مزاج پیش آجانے پر بعض اوقات یہ لوگ خودکشیاں کر لیتے ہیں۔ یورپ میں جہاں دہریوں کی کثرت ہے وہاں اس قدر خودکشیاں ہوتی ہیں کہ کسی اور ملک میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ وہ ہم و غم اور مصائب کی برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کے دل کمزور ہو جاتے ہیں۔ لیکن برخلاف اس کے مومن قوی دل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا بھروسہ خدا تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ اس پر اگر مصائب آئیں تو وہ اس کو پست ہمت نہیں

[1] حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ (مرتب)

بناتیں بلکہ وہ مصائب میں اَور بھی قدم آگے بڑھاتا ہے۔ اس کا ایمان پہلے سے اَور زیادہ مضبوط ہوتا ہے اور سچ پوچھو تو ایمان کا مزہ اور لذت انہیں دنوں میں آتی ہے اور ایمان انہیں ایام کے لئے ہوتا ہے۔ صحت کی حالت میں جبکہ نہ کوئی مالی غم ہو نہ جانی بلکہ ہر قسم کی آسائش اور امن ہو اس وقت کافر اور غیر کافر کی حالت یکساں ہو سکتی ہے لیکن مصیبت اور بیماری اور دوسری مشکلات میں ان باتوں کا امتحان ہو جاتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ کون اللہ تعالیٰ سے قوی تعلق رکھتا ہے اور اس کی قدرتوں پر ایمان لاتا ہے اور کون اس کا شکوہ کرتا ہے اور اس سے ناراض ہوتا ہے۔ مصیبت اور دُکھ ایمان کا ایک کامل معیار ہے اسی سے پہچانا جاتا ہے کہ کون صبر کرتا ہے۔ صبر کیا ہے؟ یہ بھی ایمان ہی کا نتیجہ ہے۔ مصیبتوں میں جب مومن صبر کرتا ہے تو یہ صبر بھی ایک نئے رنگ کا صبر معلوم ہوتا ہے کہ کافر اس صبر میں مشابہت نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ کا معاملہ بھی ایک نئے رنگ کا معاملہ ہوتا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ایک نیا خدا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس پر ایمان لا کر معرفت میں ترقی ہوتی ہے۔ جب مشکلات اور مصائب کی وجہ سے مومن دعائیں کرتا ہے۔ تو دو فائدے ہوتے ہیں ایک تو وہ مصائب بجائے خود اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں دوسرے ان دعاؤں کے ذریعہ ان سے نجات بھی ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر اور اس کی قدرتوں پر ایمان بڑھتا ہے۔ مصیبت سے انسان کی زندگی کبھی خالی نہیں رہ سکتی۔ کسی نہ کسی رنگ میں کوئی نہ کوئی مصیبت انسان پر آ ہی جاتی ہے۔ خواہ بیماری کے رنگ میں ہو خواہ عزت و آبرو کے متعلق ہو یا مال و اسباب کی صورت میں ہو۔ لیکن مومن کی مصیبت اس پر سہل ہو جاتی ہے اور اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ وہ اس مصیبت کو اپنے لئے خدا تعالیٰ سے تعلقات بڑھانے کا ایک ذریعہ یقین کرتا ہے اور فی الحقیقت ایسا ہی ہوتا ہے مگر وہی مصیبت بے ایمانوں کے لئے عذاب کے رنگ میں ہو جاتی ہے۔ کبھی دوسرے کو مصیبت میں دیکھ کر خوش نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ وہ تو ایک عبرت کا مقام ہے۔ خود بھی

اس کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ مصیبت کے زخم کے لئے کوئی مرہم ایسا تسکین دہ اور آرام بخش نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ سخت سے سخت مشکلات اور مصائب میں بھی اندر ہی اندر تسلی اور اطمینان پاتا ہے وہ اپنے قلب میں تلخی اور عذاب کو محسوس نہیں کرتا۔ نہایت کار اس مصیبت کا انجام یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تقدیر مبرم ہے تو موت آجاوے۔ لیکن اس سے کیا ہوا؟ دنیا کوئی ایسی جگہ تو ہے ہی نہیں جہاں کوئی ہمیشہ رہ سکے۔ آخر ایک دن اور وقت سب پر آتا ہے کہ اس دنیا کو چھوڑنا پڑے گا۔ پھر اگر اُسے موت آگئی تو ہرج کیا ہوا؟ مومن کے لئے تو یہ موت اَور بھی راحت رساں اور وصالِ یار کا ذریعہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان اور اس کی قدرتوں پر بھروسہ کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اگلا جہان اس کے لئے ابدی راحت کا ہے۔ پس نری مصیبت خواہ بیماری کی ہو یا کسی اور قسم کی تکلیف عذاب کا موجب نہیں ہو سکتی بلکہ وہ مصیبت دُکھ دینے والا عذاب ٹھہرتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ پر ایمان اور بھروسہ نہ ہو۔ ایسے شخص کو البتہ سخت عذاب ہوتا ہے اور اگر کوئی یہ خیال کرے کہ موت نہ آوے تو یہ خیال خام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دُنیا کو ناپائیدار قرار دیا ہے۔ ایسے شخص کے لئے دوسرے جہان میں سخت دردناک جہنم ہوگا جس کے لئے اسے تیار رہنا چاہیئے

موت اٹل ہے

مُوت آنے والی ہے۔ اس سے کسی کو چارہ نہیں، یقیناً سمجھو کہ اس پیالہ کے پینے سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ خدا تعالیٰ کے تمام برگزیدہ بندوں اور انبیاء و رسل کو بھی اس راہ سے گذرنا پڑا تو اَور کون ہے جو بچ جاوے۔ حکیم اور فلاسفر جو سخت دل ہوتے ہیں ان کو بھی یہ بات سُوجھ گئی ہے اور انہوں نے اعتراف کیا بلکہ موت کو ضروری سمجھا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ زمین تو ربع مسکون ہے اور اس میں بہت ہی تھوڑا حصہ آباد ہے۔ اگر وہ تمام لوگ جو ابتدائے آفرینش

سے پیدا ہوئے اب تک زندہ رہتے تو ان کے رہنے کو کوئی جگہ اور مقام نہ ملتا۔ یہاں تک کہ وہ کھڑے بھی نہ ہو سکتے۔ پس اس قدر کثرت خود چاہتی ہے کہ **موت** ہو تاکہ پہلے چلے جاویں تو دوسروں کے لئے جگہ ہو۔ موت کو یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیئے کہ مَر کر انسان بالکل گُم ہو جاتا ہے نہیں بلکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کوٹھڑی سے نکل کر انسان دوسری کوٹھری میں چلا جاتا ہے۔ اس کی حقیقت کسی قدر خواب سے سمجھ میں آسکتی ہے کیونکہ خواب بھی گویا ہمشیرِ موت ہے خواب[1] میں بھی ایک قسم کا قبض رُوح ہی ہوتا ہے۔ دوسروں کے خیال میں جو سونے والے کے

[1] اس موقعہ پر خواب کی فلاسفی بیان کرنے کی خاطر ایڈیٹر صاحب "الحکم" نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک مکتوب گرامی حاشیہ میں شائع کیا ہے جو درج ذیل ہے۔ یہ مکتوب کس کے نام تھا۔ اس کا ایڈیٹر صاحب نے ذکر نہیں کیا۔ (مرتب)

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مشفقی مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی خواب کے آثار یوں ہی نظر آتے ہیں کہ انشاء اللہ رؤیا صالحہ و واقعہ صحیحہ ہوگا۔ مگر اس بات کے لئے کہ مضمونِ خواب حیزِ قوت سے حدِّ فعل میں آوے۔ بہت سی محنتیں درکار ہیں۔ خواب کے واقعات اس پانی سے مشابہ ہیں کہ جو ہزاروں من مٹی کے نیچے زمین کی تہہ تک میں واقع ہے جس کے وجود میں تو کچھ شک نہیں لیکن بہت سی جانکنی اور محنت چاہیئے تا وہ مٹی پانی کے اُوپر سے بکلّی دُور ہو جائے اور نیچے سے پانی شیریں اور مصفا نکل آوے ہمت مرداں مدد خدا۔ صدق اور وفا سے خدا تعالیٰ کو طلب کرنا موجب فتحیابی ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا۔[2]

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر
آرے شود ولیک بخون جگر شود
گرچہ وصالش نہ بکوشش دہند
ہر قدر اے دل کہ توانی بکوش

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[2] العنکبوت : ۷۰

کے پاس بیٹھے ہیں وہ بالکل بےخبری اور محویت کے عالم میں ہیں۔ لیکن خواب دیکھنے والا معاً دوسرے عالم میں ہوتا ہے۔ اور وہ سیاحت کر رہا ہوتا ہے۔ اب بظاہر اس کے حواس اور قویٰ سب معطل ہوتے ہیں۔ لیکن سونے والا اور خواب دیکھنے والا خوب جانتا ہے کہ اس کے حواس اور قویٰ سب کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اسی طرح پر مرنے والا موت کے بعد اپنے آپ کو

آپ کی ملاقات کے لئے میں بھی چاہتا ہوں مگر وقت مناسب کا منتظر ہوں۔ بے وقت حج بھی فائدہ نہیں کرتا۔ اکثر حاجی جو بڑی خوشی سے حج کرنے کو جاتے ہیں اور پھر دل سخت ہو کر آتے ہیں۔ اس کا یہی باعث ہے کہ انہوں نے بے وقت بیت اللہ کی زیارت کی اور بجز ایک کوٹھہ کے اور کچھ نہ دیکھا اور اکثر مجاورین کو صدق اور صلاح پر نہ پایا۔ دل سخت ہو گیا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ ملاقات جسمانی سے بھی کئی قسم کے ابتلا پیش آ جاتے ہیں۔ الا ما شاء اللہ

آپ کے سوالات کا جواب جو اس وقت میرے خیال میں آتا ہے۔ مختصر طور پر عرض کیا جاتا ہے۔ آپ نے پہلا سوال یہ کیا ہے کہ پورا پورا علم جیسا بیداری میں ہوتا ہے خواب میں کیوں نہیں ہوتا۔ اور خواب کا دیکھنے والا اپنی خواب کو خواب کیوں نہیں سمجھتا؟ سو آپ پر واضح ہو کہ خواب اس حالت کا نام ہے جب بباعث غلبہ رطوبت مزاجی جو دماغ پر طاری ہوتی ہے۔ حواس ظاہری و باطنی اپنے کاروبار معمولی سے معطل ہو جاتے ہیں۔ پس جب خواب کو تعطل حواس لازم ہے تو ناچار جو علم اور امتیاز اور تیقظ بذریعہ حواس انسان کو حاصل ہوتا ہے وہ حالتِ خواب میں بباعث تعطل حواس نہیں رہتا کیونکہ جب حواس بوجہ غلبہ رطوبت مزاجی معطل ہو جاتے ہیں تو بالضرورت اس فعل میں بھی فتور آ جاتا ہے پھر بعلت اس فتور کے انسان نہیں سمجھ سکتا کہ میں خواب میں ہوں یا بیداری میں۔ لیکن ایک اور حالت ہوتی ہے کہ جس سے اربابِ طلب اور اصحاب سلوک کبھی کبھی متمتع اور محظوظ ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ بباعث دوام مراقبہ و حضور و استیلاء

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

معاً دوسرے عالم میں دیکھتا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جب موت آتی ہے تو وہ شخص جس نے اپنی عمر عزیز کو دنیا کے حصول میں ہی ضائع کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا نہیں کیا تھا۔ وہ چونکہ ابھی بہت سے کاموں کو ناتمام اور ادھورا پاتا ہے۔ اس لئے اس پر حسرت اور افسوس کا استیلاء ہو جاتا ہے اور وہ موت اسے تلخ گھونٹ معلوم ہوتی ہے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ انسان دلبستگی پیدا نہ کرے اور اپنے اوقات کو ضائع نہ کرے۔ ہر لحظہ کو غنیمت سمجھ کر اور یہ یقین کر کے کہ شاید ابھی موت آجاوے مرنے کے واسطے تیار رہنا چاہئے

شوق و غلبہ محبت ایک حالت غیبت حواس ان پر وارد ہو جاتی ہے جس کا یہ باعث نہیں ہوتا کہ دماغ پر رطوبت مستولی ہو بلکہ اس کا باعث صرف ذکر اور شہود کا استیلاء ہوتا ہے۔ اس حالت میں چونکہ تعطل حواس بہت کم ہوتا ہے۔ اس جہت سے انسان اس بات پر متنبہ ہوتا ہے کہ وہ کسی قدر بیدار ہے خواب میں نہیں اور نیز اپنے مکان اور اس کی تمام وضع پر بھی اطلاع رکھتا ہے۔ یعنی جس مکان میں ہے اس مکان کو برابر شناخت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ لوگوں کی آواز بھی سنتا ہے اور کل مکان کو بچشم خود دیکھتا ہے۔ صرف کسی قدر بجذبہ غیبی غیبت حس ہوتی ہے۔ اور جو انسان خواب کی حالت میں اپنی رؤیا میں اپنے تئیں بیدار معلوم کرتا ہے۔ یہ علم بذریعہ حواس نہیں بلکہ اس علم کا منشاء فقط رُوح ہے

دُوسرا سوال آپ کا یہ ہے کہ فنا اتم اعنی غایت المواج و نہایت الوصال میں علم حق رہتا ہے یا نہیں۔

اول سمجھنا چاہیئے کہ فنا اتم عین وصال کا نام نہیں۔ بلکہ امارات اور آثارِ وصال میں سے ہے کیونکہ فنا اتم مراد اس حالت سے ہے کہ طالب حق خلق اور ارادت اور نفس سے بکلی باہر ہو جاوے اور فعل اور ارادت الٰہی میں بکلی کھویا جاوے۔ یہانتک کہ اسی کے ساتھ دیکھتا ہو اور اسی کے ساتھ سُنتا ہو۔ اور اسی کے ساتھ پکڑتا ہو اور

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جب اس تیاری کی فکر دامنگیر رہے گی تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان اپنے تعلقات کو بڑھائے گا اور اس دوسرے جہان میں آرام پانے کا خیال کرے گا۔

یہ خوب یاد رکھو کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ جیسے زمیندار اپنی فصل کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے لئے ہر قسم کے دُکھ اور تکالیف اُٹھاتا ہے۔ اسی طرح پر مومن کو اس کی حفاظت کے لئے کرنا چاہیئے۔ تاکہ دوسرے جہاں میں آرام پاوے۔ اگر اب بے پروائی کریگا اور وقت کی قدر نہیں کرے گا تو پھر اس کو اس وقت سخت افسوس اور حسرت ہوگی جب اس

بقیہ حاشیہ: اسی کے ساتھ چھوڑتا ہو۔ پس یہ تمام آثار وصال کے ہیں نہ عین وصال کے۔ اور عین وصال ایک بیچوں اور بیچگوں نور ہے کہ جس کو اہل وصال شناخت کرتے ہیں مگر بیان نہیں کر سکتے۔ خلاصہ کلام یہ کہ جب طالب کمال وصال کا خدا تعالیٰ کے لئے اپنے تمام وجود سے الگ ہو جاتا ہے اور کوئی حرکت اور سکون اس کا اپنے لئے نہیں رہتا بلکہ سب کچھ خدا کے لئے ہو جاتا ہے۔ تو اس حالت میں اس کو ایک رُوحانی موت پیش آتی ہے جو بقا کو مستلزم ہے۔ پس اس حالت میں گویا وہ بعد موت کے زندہ کیا جاتا ہے اور غیر اللہ کا وجود اس کی آنکھ میں باقی نہیں رہتا۔ یہانتک کہ غلبہ شہود ہستی الٰہی سے وہ اپنے وجود کو بھی نابود ہی خیال کرتا ہے۔ پس یہ مقام عبودیت و فنا اتم ہے جو غایت سیر اولیاء ہے اور اسی مقام میں غیب سے باذن اللہ ایک نور سالک کے قلب پر نازل ہوتا ہے جو تقریر و تحریر سے باہر ہے۔ غلبہ شہود کی ایک ایسی حالت ہے کہ جو علم الیقین اور عین الیقین کے مرتبہ سے برتر ہے۔ صاحب شہود تام کو ایک علم تو ہے مگر ایسا علم جو اپنے ہی نفس پر وارد ہو گیا ہے جیسے کوئی آگ میں جل رہا ہے۔ سو اگرچہ وہ بھی جلنے کا ایک علم رکھتا ہے مگر وہ علم الیقین اور عین الیقین سے برتر ہے۔ کبھی شہود تام بے خبری تک بھی نوبت پہنچا دیتا اور حالت سکر اور بے ہوشی کی غلبہ کرتی ہے۔ اس حالت سے یہ آیت مشابہ ہے فلمّا تجلّٰی ربّہ للجبل جعلہ دکّا وّ خرّ موسٰی صعقًا[1]۔ لیکن حالت تام وہ ہے جس کی طرف اشارہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] الاعراف: ۱۴۴

جہان سے رخصت ہو کر دوسرے عالم میں جانا پڑے گا اور وہاں اس کے لئے بجز دُکھ اور درد کے اَور کیا ہوگا؟ اس دنیا میں وہ اس دنیا کے ہم و غم میں مبتلا رہا اور اُس عالم میں اس ہم و غم کے نتائج ہیں۔

جو شخص اس عالم کے ہم و غم میں مبتلا ہو رہا ہے اور دوسرے عالم کا اسے کوئی فکر بھی نہیں۔ اگر اسے یکدفعہ ہی پیغام موت آجاوے تو خیال کرو اس کا کیا حال ہوگا؟ موت تو ایک بازی گاہ ہے ہمیشہ ناگاہ آتی ہے اور جسے آتی ہے۔ وہ یہی سمجھتا ہے کہ میں تو قبل از وقت جاتا ہوں۔ ایسا خیال اسے کیوں پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ چونکہ خیالات اَور طرف لگے ہوئے تھے اور وہ اس کے لئے تیار نہ تھا۔ اگر تیاری ہو تو قبل از وقت نہ سمجھے بلکہ ہر وقت اسے قریب اور دروازہ پر یقین کرے۔ اس لئے تمام راستبازوں نے یہی تعلیم دی ہے کہ انسان ہر وقت اپنا محاسبہ کرتا رہے اور آزماتا رہے کہ اگر اس وقت موت آجاوے تو کیا وہ تیار ہے یا نہیں؟ حافظ نے کیا اچھا کہا ہے ؎

چو کار عمر ناپیدا است بارے آں اولیٰ

کہ روز واقعہ پیش نگار خود باشیم

ان کا مطلب یہی ہے کہ ہر وقت تیار اور مستعد رہنا چاہیئے۔ اور کسی وقت بھی اس تیاری سے بے فکر اور غافل نہ ہونا چاہیئے ورنہ عذاب ہوگا۔ یہ بالکل صاف بات ہے کہ جو شخص ہر وقت سفر کی تیاری میں ہے اور کمر بستہ بیٹھا ہے۔ اگر یکایک اُسے سفر کرنا پڑے تو اُسے کوئی تکلیف اور گھبراہٹ نہ ہوگی۔ لیکن اگر اس نے کبھی یہ خیال بھی نہیں کیا تو پھر ایسے

بقیہ حاشیہ: ہے۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی[1]۔ یہ حالت اہل جنّت کے نصیب ہوگی۔ پس غایت یہی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ[2]۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب ۔

خاکسار مرزا غلام احمد۔ ۱۸؍ مارچ ۱۸۸۲ء مطابق ۸ جمادی الاوّل ۱۳۰۰ھ

۱ : النجم : ۱۸ ۲ القیامۃ ۲۳، ۲۴

موقع پر سخت گھبراہٹ کا سامنا ہوگا۔ایک شاعر نے کیا اچھا کہا ہے ؎

ولم یتفق حتی مضی فی سبیلہ

وکم حسرات فی بطون المقابر

یعنی اس وقت تک اس امر سے اتفاق نہ کیا یہاں تک کہ کوچ کرنا پڑا۔ تب اقرار کیا کہ بہت ساری حسرتیں قبروں میں دفن کی گئی ہیں۔

مگر یہ بات اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر میسر نہیں ہوسکتی کہ انسان غفلت کی زندگی چھوڑ کر عالم آخرت کی تیاری میں لگا رہے۔ سُننے کو تو ہر ایک کان سُن سکتا ہے کیونکہ سُننا سہل ہے مگر عمل کرنے کے لئے مشکل پڑتی ہے۔انسان کی عادت میں داخل ہے کہ جبتک ایک مجلس میں بیٹھا ہے۔اس مجلس کی باتوں سے متأثر ہوتا ہے لیکن جب وہاں سے اُٹھتا ہے اور مجلس منتشر ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ہی وہ باتیں بھی بھول جاتی ہیں گویا وہ وہیں کے لئے تھیں۔ ایسے لوگ سخت نقصان اُٹھاتے ہیں اور دفعتہً موت کے آجانے پر انہیں بہت کچھ حسرت اور افسوس کرنا پڑتا ہے۔موت انہیں کی اچھی ہوتی ہے جو مرنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں۔

فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ عطاری کی دوکان کیا کرتے تھے۔ایک دن صبح ہی صبح جب آکر انہوں نے دوکان کھولی تو ایک فقیر نے آکر سوال کیا۔ فریدالدین نے اس سائل کو کہا کہ ابھی بوہنی نہیں کی۔ فقیر نے ان کو کہا کہ اگر تو ایسا ہی دنیا کے دھندوں میں مشغول ہے تو تیری جان کیسے نکلے گی۔ فریدالدین نے اس کو جواب دیا کہ جیسے تیری نکلے گی۔ فقیر یہ سُنکر وہیں لیٹ گیا اور کہا لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ اور اس کے ساتھ ہی جان نکل گئی۔ فریدالدین نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو بہت متاثر ہوا۔ اسی وقت ساری دکان لٹادی اور ساری عمر یادِ الٰہی میں گذار دی۔ یہ تیاری ہوتی ہے۔ تیاری میں رنج نہیں ہوتا۔ کش مکش ہو تو پھر رنج اور افسوس ہوتا ہے۔

فرمایا:-

صوفیوں کی جو کتابیں ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں موت کا خیال دامنگیر رہا ہے۔ لیکن مولویوں کے نام سے جو لوگ گذرے ہیں وہ عموماً محجوب رہے ہیں۔ بہت ہی کم جو دراصل وہ بھی فقیر تھے۔ وہ تو اس حجاب سے بچے ہیں ورنہ اہل تصوف سے عموماً الگ رہے ہیں اور ایسے پاکباز لوگوں پر کفر ہی کے فتوے دیتے رہے جو دنیا سے انقطاع کرنے والے تھے صوفی تو ایسے ہیں جیسے ہر وقت کوئی مرنے کو تیار رہتا ہے۔ ان کی کتابوں کو پڑھ کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ ان سے خوشبو آتی ہے کہ وہ صاحبِ حال ہیں صاحبِ قال نہیں۔ اگر فراستِ صحیحہ ہو تو انسان ان باتوں کو سمجھ لیتا ہے۔ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فتوح الغیب بڑی ہی عمدہ کتاب ہے۔ میں نے اس کو کئی مرتبہ پڑھا ہے۔ بدعات سے پاک ہے۔ بعض کتابیں صوفیوں کی اس قسم کی بھی ہیں کہ ان میں بدعات بھی داخل ہو گئی ہیں۔ لیکن یہ کتاب بہت ہی عمدہ ہے۔ فقیروں میں بھی ایک آفت پڑی ہے یعنی بعض فقیہ تو ہوئے مگر وحدت وجودی ہو گئے اور خود ہی خدا بن بیٹھے۔

ہمارے ملک میں دوآبہ (بست جالندھر) میں اکثر وجودی ہیں۔ اور جو وجودی کہلاتے ہیں ان کا مذہب عموماً اباحتی دیکھا گیا ہے۔ اور حقیقت میں اس مذہب کا خاصہ اور اثر ہونا بھی یہی چاہیئے کیونکہ جو شخص اللہ تعالےٰ کو ان صفات سے متصف نہیں مانتا جو قرآن شریف میں بیان ہوئی ہیں اور اپنے اور خدا تعالےٰ میں کوئی فرق نہیں کرتا بلکہ خود ہی خدا بنتا ہے وہ اگر اباحتی نہ ہو تو اور کیا ہو۔ زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ دوزخ اور بہشت پر ایمان بھی لاتے ہیں اور ایمان لا کر بھی سمجھتے ہیں کہ ہم ہی خدا ہیں۔ اور ایک اور بڑی غلطی ہے جس میں یہ لوگ مبتلا ہیں اور وہ یہ ہے کہ اپنے مذہب کو اکابر سے منسوب کرتے ہیں۔

وجودی اور شہودی

اصل یہ ہے کہ مذہب دو ہیں۔ وجودی اور شہودی۔ وجودیوں نے فلسفیوں کی طرح یہ سمجھ

لیا ہے کہ انسان کے سوا خدا کچھ نہیں ہے یا خدا کے سوا اور کچھ نہیں۔ مگر شہودی اس کے سوا ہیں اور وہ ٹھیک ہیں جنہوں نے استیلاء محبت اور تجلیات صفات الٰہی سے ایسا معلوم کیا کہ خدا ہے۔ انہوں نے اس کی ہستی اور وجود کے سامنے اپنی ہستی اور وجود کی نفی کر لی اور من تو شدم تو من شدی کے مصداق ہوئے۔ حقیقت میں محبت کے ثمرات میں سے نفی وجود ضروری ہے۔ اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ بلکہ قرآن شریف سے یہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جو فنافی اللہ کہلاتا ہے۔ لیکن وجودیوں کا یہ حال نہیں۔ ان کا تو یہ حال ہے کہ گویا انہوں نے ڈاکٹروں کی طرح تشریح کر کے خدا تعالیٰ کو دیکھ لیا ہے۔ تب ہی تو یہ خود بھی خدا بنتے ہیں۔ حالانکہ یہ صریح غلط اور بے ہودہ امر ہے۔ اللہ تعالیٰ تو صاف فرماتا ہے لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ[1]۔ وجودیوں کا یہ مذہب ہے کہ ہم ہی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتے ہیں اور ہم ہی سچے موحد ہیں۔ باقی سب مشرک ہیں۔ اس کا نتیجہ عوام میں یہ ہوا کہ اباحت پھیل گئی اور فسق و فجور میں ترقی ہوگئی۔ کیونکہ وہ اسے حرام نہیں سمجھتے اور نماز روزہ اور دوسرے اوامر کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اس سے اسلام پر بہت بڑی آفت آئی ہے۔ میرے نزدیک وجودیوں اور دہریوں میں ۱۹ اور ۲۰ کا فرق ہے۔

یہ وجودی سخت قابل نفرت اور قابل کراہت ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ جس قدر گدیاں ہیں ان میں سے شاید ایک بھی ایسی نہیں ہوگی جو یہ مذہب نہ رکھتی ہو۔ سب سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرقہ جو قادری کہلاتا ہے وہ بھی وجودی ہو گئے ہیں۔ حالانکہ سید عبدالقادر جیلانیؒ وجودی نہ تھے۔ ان کا طرز عمل اور ان کی تصنیفات اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ[2] کی عملی تصدیق دکھاتی ہیں۔

علماء صرف یہ سمجھتے ہیں کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صرف پڑھنے کے لئے ہے لیکن اس کے اثرات اور نتائج کچھ نہیں۔ مگر وہ عملی طور پر دکھاتے ہیں کہ ان منعم علیہ لوگوں کے نمونے اس امت میں ہوتے ہیں۔

غرض یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ گو ایسے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں۔ لیکن ہیں ضرور

[1] الانعام: ۱۰۴ [2] الفاتحہ: ۶

جو خدا تعالیٰ سے کامل محبت کرتے ہیں اور اسی دنیا میں رہ کر انقطاع اور سفر آخرت کی تیاری کرتے ہیں۔ یہ امور ایسے ہی لوگوں کے حصہ میں آئے ہیں جیسے سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ مگر اب برخلاف ان کے وجودیوں کی کثرت ہے اور اسی وجہ سے فسق و فجور میں ترقی ہے

قرآن شریف کی تعلیم کا خلاصہ مغز کے طور پر یہی بتایا ہے کہ خدا تعالےٰ کی محبت اس قدر استیلاء کرے کہ ماسوی اللہ جل جاوے۔ یہی وہ عمل ہے جس سے گناہ جلتے ہیں اور یہی وہ نسخہ ہے جو اسی عالم میں انسان کو وہ حواس اور بصیرت عطا کرتا ہے جس سے وہ اس عالم کی برکات اور فیوض کو اس عالم میں پاتا ہے اور معرفت اور بصیرت کے ساتھ یہاں سے رخصت ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو اس زمرہ سے الگ ہیں۔ من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی[1]۔ اور ایسے ہی لوگوں کے لئے فرمایا ہے ولمن خاف مقام ربّہ جنّتان[2]۔ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں ان کو دو جنت ملتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک جنت تو وہ ہے جو مرنے کے بعد ملتی ہے۔ دوسری جنت اسی دنیا میں عطا ہوتی ہے اور یہی جنت اس دوسری جنت کے ملنے اور عطا ہونے پر بطور گواہ واقعہ ٹھہر جاتی ہے۔ ایسا مومن دنیا میں بہت سے دوزخوں سے رہائی پاتا ہے۔ مختلف قسم کی بداخلاقیاں یہ بھی دوزخ ہی ہیں۔ جن چیزوں سے شدید تعلق ہو جاتا ہے۔ وہ بھی ایک قسم کا دوزخ ہی ہے۔ کیونکہ پھر ان کو چھوڑنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ مثلاً مال سے محبت ہو اور اسے چور لے جائیں تو اُسے سخت تکلیف ہوتی ہے یہانتک کہ بعض اوقات ایسے لوگ مَر ہی جاتے ہیں یا ان کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پہ اور جن فانی اشیاء سے محبت ہے وہ اگر تلف ہو جائیں یا مر جاویں تو اُس کو سخت رنج اور صدمہ ہوتا ہے۔

مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص کا ایک دوست مر گیا۔ جس کے غم میں وہ رو رہا تھا۔ اس سے پوچھا گیا تو کیوں روتا ہے تو اس نے کہا کہ میرا ایک نہایت ہی عزیز

[1] بنی اسرائیل: ۷۳ [2] الرحمٰن: ۴۷

مرگیا۔ اس نے کہا کہ تو نے مرنیوالے سے دوستی ہی کیوں کی؟

اصل بات یہ ہے کہ مفارقت تو ضروری ہے اور جُدائی ضروری ہوگی۔ یا یہ خود جائیگا یا وہ جس سے دوستی اور محبت کی ہے۔ پس وہ مفارقت عذاب کا موجب ہو جائے گی لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتے ہیں اور ان فانی اشیاء کے دلدادہ اور گرویدہ نہیں ہوتے۔ وہ اس عذاب سے بچا لئے جاتے ہیں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

دشت دنیا جُز دد جز دام نیست
جُز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ہمارا اصل منشا اور آنے کی غرض یہ نہیں کہ علیٰسی فوت ہو گیا۔ یہ تو ایک سچائی تھی جو ہم نے پیش کی۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہی ظاہر کیا۔ ہم نے اسی طرح اس کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ ہمیں حضرت علیٰسی کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ایک رسُول اور پیغمبر ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ وہ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پہ نہیں گئے ہم کو اُن کی تذلیل منظور نہیں مگر ہم کیا کریں۔ اصل بات ہی یہ ہے۔ جو امر ہم کسی نبی اور رسُول کے لئے نہیں مانتے۔ ہم کیونکر ان کے ساتھ اسے مختص کریں۔ ہاں ہم کو بخل نہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جس جسم کے ساتھ دوسرے پیغمبر آسمان پر گئے ہیں۔ حضرت علیٰسیؑ بھی اسی جسم کے ساتھ گئے ہیں۔ مگر ان لوگوں کی غلطیوں اور خود تراشیدہ خیالات کو کیسے مان لیں

یہ خوب یاد رہے کہ ہم حضرت علیٰسیؑ علیہ السّلام کو آسمان پر رُوح بلا جسم ہرگز نہیں مانتے ہم مانتے ہیں کہ وہ وہاں جسم ہی کے ساتھ ہیں۔ ہاں فرق اتنا ہے کہ یہ لوگ جسم عنصری کہتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ وہ جسم وہی ہے جو دوسرے رسولوں کو دیا گیا ہے۔ دوزخیوں کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ لا تفتح لهم ابواب السماء[1] یعنی کافروں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاویں گے اور مومنوں کے لئے فرماتا ہے۔ مفتحة لهم

---

[1] الاعراف: ۴۱

الالبواب[1]۔ اب ان آیات میں لھم کا لفظ اجسام کو چاہتا ہے تو کیا یہ سب کے سب پھر اسی جسم عنصری کے ساتھ جاتے ہیں؟ نہیں۔ ایسا نہیں۔ جسم تو ہوتے ہیں مگر وہ جسم ہیں جو مرنے کے بعد دیئے جاتے ہیں۔ ایسا ہی فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی[2] بھی اجسام کو چاہتا ہے۔ پھر تیسری شہادت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رؤیت ہے۔ معراج میں آپ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو حضرت یحیٰی کے ساتھ دیکھا۔ وہاں آپ نے رُوحیں تو نہ دیکھی تھیں۔ یعنی جسم صرف حضرت عیسٰی کا ہو اور باقی نبیوں کی رُوحیں تھیں اور مسیح ہی کا جسم تھا۔

سچی اور بالکل سچی اور صاف بات یہی ہے کہ اجسام ضرور ملتے ہیں لیکن یہ عنصری اجسام یہاں ہی رہ جاتے ہیں یہ اُوپر نہیں جا سکتے۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار کے جواب میں فرمایا۔ قل سبحان ربّی ھل کنت الا بشرًا رسولًا[3]۔ یعنی ان کو کہدے میرا رب اس سے پاک ہے جو اپنے وعدوں کے خلاف کرے جو وہ پہلے کر چکا ہے میں تو صرف ایک بشر رسُول ہوں۔ سبحان کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ سابق جو وعدے ہو چکے ہیں ان کی خلاف ورزی وہ نہیں کرتا۔ وہ وعدہ کیا ہے؟ ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین[4] اور ایسا ہی فرمایا الم نجعل الارض کفاتاً[5] اور پھر فیھا تحیون و فیھا تموتون[6]۔ ان سب آیتوں پر اگر یکجائی نظر کی جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جسم جو کھانے پینے کا محتاج ہے آسمان پر نہیں جاتا۔ پھر ہم دوسرے نبیوں سے بڑھ کر مسیح میں یہ خصوصیت کیونکر تسلیم کرلیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کفار نے شرارت سے یہی سوال کیا تھا کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے وہ آیات سُن چکے تھے جس میں اس امر کی نفی کی گئی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ اگر اب اقرار کریں تو اعتراض کا موقعہ ملے۔ لیکن وہ تو اللہ تعالےٰ کا کلام تھا۔ اس میں اختلاف نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ان کو یہی جواب ملا قُل سبحان ربّی

[1] ص: ۵۱ [2] الفجر: ۳۰، ۳۱ [3] بنی اسرائیل: ۹۴ [4] البقرہ: ۳۷ [5] المرسلٰت: ۲۶
[6] الاعراف: ۲۶

هل کنت إلّا بشراً رسولاً[1] یعنی ان کو کہدو کہ ایسا معجزہ اللہ تعالیٰ کے قول کے خلاف ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اپنے پہلے قول کے خلاف کرے۔

غرض یہ کس قدر موٹی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بار بار پیش کی ہیں۔ مگر تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ یہ ان کو سمجھتے نہیں اور خواہ مخواہ حضرت مسیح میں ایسی خصوصیت پیدا کرنا چاہتے ہیں جو دوسروں میں نہیں ہے۔ قرآن شریف کی یہ تعلیم اور بخاری اور مسلم کو دیکھو اور صحاح کو پڑھو وہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رؤیت موجود ہے۔ آپ نے حضرت مسیح کو یحییٰ کے ساتھ دیکھا ویسے ہی۔ حضرت مسیح کو اس وقت ان میں کوئی خاص بات نہ تھی جو بطور جسم کے الگ ہو۔ یعنی ان کا تو جسم ہو اور حضرت یحییٰ کی مجرد رُوح ہو۔ جب قرآن اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صریح شہادت موجود ہے پھر یہ نرالا جسم کیسا ؟ اگر نرالا نہیں تو بسم اللہ ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ جسم جو مرنے کے بعد دیا جاتا ہے وہ مسیح کو بھی دیا گیا۔ پھر نزاع لفظی نکلی۔ یہ ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ مسیح کو کوئی الگ جسم دیا جاوے کیونکہ یہ شرک ہے۔ ہم جسم کے قائل ہیں لیکن اس جسم عنصری کے قائل نہیں۔

انجیل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جلالی جسم تھا اور ایسا جسم مرنے کے بعد ملتا ہے ہمارا مذہب یہی ہے کہ بہشت میں بھی جسم ہوں گے۔

نعماء بہشت کی حقیقت

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ جو لکھا ہے کہ بہشت میں دودھ اور شہد کی نہریں ہوں گی تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہاں گایوں کا ایک گلہ ہوگا اور بہت سارے گوالے ہوں گے جو دودھ دودھ کر ایک نہر میں ڈالتے رہیں گے یا بہت سے چھتے شہد کی مکھیوں کے ہونگے اور پھر ان کا شہد جمع کر کے نہروں میں گرایا جاوے گا۔ یہ مطلب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو مجھ پر ظاہر کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ بات نہ ہوگی۔ اگر یہی خربوزہ اور تربوز یا انار ہوں گے تو پھر یہ بات ہی کیا ہوئی ؟ کافر بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے یہاں اس دنیا میں کھا لئے۔ تم نے آگے

[1] بنی اسرائیل : ۹۴

جاکر کھلائے۔ اس کی حقیقت جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھولی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ وبشّر الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات انّ لھم جنّٰتٍ تجری من تحتھا الانھار[1] یعنی جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل بجالاتے ہیں وہ ان باغوں کے وارث ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو باغ کے ساتھ مشابہت دی جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اس آیت میں بہشت کی حقیقت اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے۔ گویا جو رشتہ نہروں کو باغ کے ساتھ ہے۔ وہی تعلق اور رشتہ اعمال کا ایمان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جس طرح پر کوئی باغ یا درخت بغیر پانی کے سرسبز نہیں رہ سکتا اسی طرح پر کوئی ایمان بغیر اعمال صالحہ کے زندہ اور قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر ایمان ہو اور اعمال صالحہ نہ ہوں تو ایمان ہیچ ہے اور اگر اعمال ہوں اور ایمان نہ ہو تو وہ اعمال ریاکاری ہیں۔ پس قرآن شریف نے جو بہشت پیش کیا ہے اس کی حقیقت اور فلاسفی یہی ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان اور اعمال کا ایک ظل ہے اور ہر شخص کی بہشت اس کے اپنے اعمال اور ایمان سے شروع ہوتی ہے اور اس دنیا میں ہی اس کی لذت محسوس ہونے لگتی ہے اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ اور نہریں نظر آتی ہیں۔ لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہوں گے اور ان کا ایک خارجی وجود نظر آجائے گا۔ قرآن شریف سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کی آبپاشی اعمال صالحہ سے ہوتی ہے بغیر اس کے وہ خشک ہوجاتا ہے پس یہاں دو باتیں بیان کی ہیں ایک یہ کہ وہ بہشت باغ ہے۔ دوسرا ان درختوں کی نہروں سے آبپاشی ہوتی ہے۔ قرآن شریف کو پڑھو اور اول سے آخر تک اس پر غور کرو تب اس کا مزہ آئے گا کہ حقیقت کیا ہے۔ ہم مجاز اور استعارہ ہرگز پیش نہیں کرتے بلکہ یہ حقیقت الامر ہے وہ خدا تعالیٰ جس نے عدم سے انسان کو بنایا ہے اور جو خلق جدید پر قادر ہے وہ یقیناً انسان کے ایمان کو اشجار سے متمثل کردے گا اور اعمال کو انہار سے متمثل کرے گا اور واقعی طور پر دکھادے گا یعنی اُن کا وجود فی الخارج بھی نظر آئے گا۔

[1] البقرۃ : ۲۶

اس کی مختصر سی مثال یوں بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جیسے انسان خواب میں عمدہ اور شیریں پھل کھاتا ہے اور ٹھنڈے اور خوشگوار پانی پیتا ہے اور فی الواقعہ وہ پھل اور آب سرد ہوتا ہے۔ اس وقت اس کے ذہن میں کوئی دوسرا امر نہیں ہوتا۔ پھلوں کو کھا کر سیری ہوتی اور پانی پی کر فی الواقعہ پیاس دُور ہوتی ہے۔ لیکن جب اُٹھتا ہے تو نہ اُن پھلوں کا کوئی وجود ہوتا ہے اور نہ اس پانی کا۔ اسی طرح پر جیسے اس حالت میں اللہ تعالیٰ ان اشیاء کا ایک وجود پیدا کر دیتا ہے عالم آخرت میں بھی ایمان اور اعمال صالحہ کو اس صورت میں متمثل کر دیا جائے گا۔ اسی لئے فرمایا ہے ھٰذا الّذی رُزقنا من قبل و اتوا بہٖ متشابھًا[1]۔ اس کے اگر یہ معنے کریں کہ وہ جنتی جب ان پھلوں اور میووں کو کھائیں گے تو یہ کہیں گے کہ یہ وہ پھل اور خربوزے یا تربوز یا انار ہیں جو ہم نے دنیا میں کھائے تھے تو یہ ٹھیک نہیں کیونکہ اس طرح پر تو وہ لذت بخش چیز نہیں ہو سکتے اور نعماء جنت کی حقارت ہے۔ اگر کوئی شخص مثلاً کشمیر میں جاوے اور وہاں کی ناشپاتیاں کھا کر کہے کہ یہ تو وہی ناشپاتیاں ہیں جو پنجاب میں کھائی تھیں تو صریح ان ناشپاتیوں کی حقارت ہے۔ پس اگر بہشت کی نعماء کی بھی یہی مثال ہے تو یہ خوشی نہیں بلکہ اُن سے بیزاری ہے۔ اس لئے اس کا یہ مفہوم اور مطلب نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بہشتی لوگ جو اس دنیا میں بڑے عابد اور زاہد تھے جب وہ اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کے متمثلات سے لطف اُٹھائیں گے تو اُن کو وہ ایمانی لذت آ جائے گی اور ان مجاہدات اور اعمال صالحہ کا مزا آجائے گا جو اس عالم میں انہوں نے کئے تھے اس لئے وہ کہیں گے ھٰذا الّذی رزقنا من قبل

غرض جس قدر قرآن شریف کو کوئی تدبر اور غور سے پڑھے گا اسی قدر وہ اس حقیقت کو سمجھ لے گا کہ ان لذات کا تمثیلی رنگ میں فائدہ اُٹھائے گا۔ محبت الٰہی کی لذات ہیں۔ لذت کا لفظ جو مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے وہ جسمانی لذت کے مفہوم سے ہزاروں درجہ زیادہ رُوحانی لذت میں رکھتا ہے۔ اگر اس کی محبت کی لذت میں غیر معمولی سیری اور سیرابی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے

[1] البقرہ : ۲۶

محب جسمانی لذات کو ترک کیوں کریں یہانتک کہ بعض اس قسم کے بھی ہو گذرے ہیں جنہوں نے سلطنت تک کو چھوڑ دیا ۔چنانچہ ابراہیم ادھم نے سلطنت چھوڑ دی۔ اور انبیاء علیہم السلام نے ہزاروں لاکھوں مصائب کو برداشت کیا۔ اگر وہ لذت اور ذوق اس محبت الٰہی کی تہہ میں نہ تھا جو انہیں کشاں کشاں لئے جاتا تھا تو پھر کیا بات تھی کہ اس قدر مصائب کو انہوں نے خوشی کے ساتھ اُٹھا لیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ اس درجہ میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے آپ کی زندگی کا نمونہ بھی سب سے افضل و اعلیٰ ہے۔ کفار مکہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے دُنیا کی ساری نعمتیں اور عزتیں پیش کیں۔ مال و دولت، سلطنت، عورتیں۔ اور کہا کہ آپ ہمارے بتوں کی مذمت نہ کریں اور یہ توحید کا مذہب پیش نہ کریں۔ اس خیال کو جانے دیں۔ وہ دنیا دار تھے۔ ان کی نظر دنیا کی فانی اور بے حقیقت لذتوں سے پَرے نہ جا سکتی تھیں۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ تبلیغ انہیں اغراض کے لئے ہوگی مگر آپ نے ان کی ان ساری پیش کردہ باتوں کو ردّ کر کر دیا۔ اور کہا کہ اگر میرے دائیں بائیں آفتاب اور ماہتاب بھی لا کر رکھ دو تب بھی میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔ پھر اس کے بالمقابل انہوں نے آپ کو وہ تکالیف پہنچائیں جن کا نمونہ کسی دوسرے شخص کی تکالیف میں نظر نہیں آتا۔ لیکن آپ نے ان تکالیف کو بڑی لذت اور سرور سے منظور کیا مگر اس راہ کو نہ چھوڑا۔ اب اگر کوئی لذت اور ذوق نہ تھا تو پھر کیا وجہ تھی جو ان مصائب اور مشکلات کو برداشت کیا؟ وہ وہی لذت تھی جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں ملتی ہے اور جس کی مثال اور نمونہ کوئی پیش نہیں کیا جا سکتا۔

خدا تعالیٰ نے اس وقت ایک صادق کو بھیج کر چاہا ہے کہ ایسی جماعت تیار کرے جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرے۔ میں دیکھتا ہوں کہ بعض کچے لوگ داخل ہو جاتے ہیں اور پھر ذرا سی دھمکی ملتی ہے اور لوگ ڈراتے ہیں تو پھر خط لکھ دیتے ہیں کہ کچھ تقیہ کر لیا ہے۔ بتاؤ۔ انبیاء علیہم السلام اس قسم کے تقیہ کیا کرتے ہیں؟ کبھی نہیں۔ وہ دلیر ہوتے ہیں اور انہیں کسی مصیبت اور دکھ کی پروا نہیں ہوتی۔ وہ جو کچھ لے کر آتے ہیں اسے چھپا نہیں سکتے خواہ ایک شخص

بھی دنیا میں ان کا ساتھی نہ ہو۔ وہ دنیا سے پیار نہیں کرتے۔ ان کا محبوب ایک ہی خدا ہوتا ہے۔ وہ اس راہ میں ایک مرتبہ نہیں ہزار مرتبہ قتل ہوں اس کو پسند کرتے ہیں۔ اس سے سمجھ لو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے تعلق کا مزا اور لُطف نہیں تو پھر یہ گروہ کیوں مصائب اُٹھاتے ہیں؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات کو پڑھو کہ کفار نے کس قدر دُکھ آپ کو دیئے۔ آپ کے قتل کا منصوبہ کیا گیا۔ طائف میں گئے تو وہاں سے خون آلود ہو کر پھرے۔ آخر مکہ سے نکلنا پڑا۔ مگر وہ بات جو دل میں تھی اور جس کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے اُسے ایک آن کے لئے بھی نہ چھوڑا۔

یہ مصائب اور تکالیف کبھی برداشت نہیں ہوسکتیں جب تک اندرونی کشش نہ ہو۔ ایک غریب انسان کے لئے دو چار دشمن بھی ہوں وہ تنگ آجاتا ہے اور آخر صلح کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مگر وہ جس کا سارا جہان دشمن ہو وہ کیونکر اس بوجھ کو برداشت کرے گا۔ اگر قوی تعلق نہ ہو۔ عقل اس کو قبول نہیں کرتی۔

مختصر یہ کہ خدا تعالےٰ کی محبت کی لذّت ساری لذّتوں سے بڑھ کر ترازو میں ثابت ہوتی ہے۔ پس وہ لذات جو بہشت میں ملیں گی۔ یہ وہی لذّتیں ہیں جو پہلے اُٹھا چکے ہیں۔ اور وہی ان کو سمجھتے ہیں جو پہلے اٹھا چکے ہیں۔

اگر کہو کہ وہ نعمتیں کیونکر ہوں گی؟ تو اس کا جواب صاف ہے۔ اللہ تعالیٰ خلق جدید پر قادر ہے۔ خود انسان کا اپنا وجود بھی خیالی ہے۔ جس قطرہ سے پیدا ہوتا ہے وہ کیا چیز ہے؟ پھر خیال کرو کہ اس سے کیسا اچھا انسان بناتا ہے۔ کیسے عقلمند، خوبصورت۔ بہادر۔ پھر وہی خدا ہے جو دوسرے عالم میں **خلق جدید** کرے گا۔ دیکھنے میں وہ لذات اور میوہ جات ہم رنگ ہونگے لیکن کھانے میں ایسے لذیذ ہوں گے کہ نہ کسی آنکھ نے ان کو دیکھا نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی زبان نے ان کو چکھا اور نہ وہ کسی خیال میں گذرے۔

بہشت کی لذات میں ایک اور بھی خوبی ہے جو دنیا کی لذّتوں میں اور جسمانی لذتوں میں

نہیں ہے مثلاً انسان روٹی کھاتا ہے تو دوسری لذتیں اسے یاد نہیں رہتی ہیں۔ مگر بہشت کی لذات نہ صرف جسم ہی کے لئے ہوں گی بلکہ رُوح کے لئے بھی لذت بخش ہوں گی۔ دونوں لذتیں اس میں اکٹھی ہوں گی اور پھر اس میں کوئی کثافت نہ ہوگی اور سب سے بڑھ کر جو لذت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا مگر دیدار الٰہی کیلئے یہ ضروری ہے کہ یہاں ہی سے تیاری ہو۔ اور اس کے دیکھنے کے لئے یہاں ہی سے انسان آنکھیں لے جاوے جو شخص یہاں تیاری کرکے نہ جاوے گا وہ وہاں محروم رہے گا۔ چنانچہ فرمایا من کان فی ھٰذِہٖ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ[1]۔ اسکے یہ معنے نہیں کہ جو لوگ یہاں نابینا اور اندھے ہیں وہ وہاں بھی اندھے ہوں گے نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ دیدار الٰہی کے لئے یہاں سے حواس اور آنکھیں لے جاوے اور ان آنکھوں کے لئے ضرورت ہے تبتّل کی، تزکیہ نفس کی اور یہ کہ خدا تعالےٰ کو سب پر مقدم کرو۔ اور خُدا تعالیٰ کے ساتھ دیکھو، سُنو اور بولو۔ اسی کا نام فنافی اللہ ہے اور جب تک یہ مقام اور درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ نجات نہیں۔

ہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق قوی اور محبت صافی تب ہو سکتی ہے جب اس کی ہستی کا پتہ لگے۔ دنیا اس قسم کے شبہات کے ساتھ خراب ہوئی ہے۔ بہت سے تو کھُلے طور پر دہریہ ہو گئے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو دہریہ تو نہیں ہوئے مگر ان کے رنگ میں رنگین ہیں اور اسی وجہ سے دین میں سُست ہو رہے ہیں۔ اس کا علاج یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے رہیں تا ان کی معرفت زیادہ ہو اور صادقوں کی صحبت میں رہیں جس سے وہ اللہ تعالےٰ کی قدرت اور تصرف کے تازہ بتازہ نشان دیکھتے رہیں۔ پھر وہ جس طرح پر چاہے گا اور جس راہ سے چاہے گا معرفت بڑھا دے گا اور بصیرت عطا کرے گا اور ثلج قلب ہو جائے گا یہ بالکل سچ ہے کہ جس قدر اللہ تعالےٰ کی ہستی اور اس کی عظمت پر ایمان ہوگا۔ اسی قدر اللہ تعالیٰ سے محبت اور خوف ہوگا ورنہ غفلت کے ایام میں جرائم پر دلیر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کی عظمت اور جبروت کا رُعب اور خوف ہی دو ایسی چیزیں ہیں جن سے گناہ جل جاتے ہیں اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ انسان جن اشیاء سے ڈرتا ہے، پرہیز کرتا ہے۔ مثلاً

[1] بنی اسرائیل ۷۳

جانتا ہے کہ آگ جلا دیتی ہے اس لئے آگ میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔ یا مثلاً اگر یہ علم ہو کہ فلاں جگہ سانپ ہے تو اس راستہ سے نہیں گذرے گا۔ اسی طرح اگر اس کو یہ یقین ہو جاوے کہ گناہ کا زہر اس کو ہلاک کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت سے ڈرے اور اس کو یقین ہو کہ وہ گناہ کو ناپسند کرتا ہے اور گناہ پر سخت سزا دیتا ہے تو اس کو گناہ پر دلیری اور جرأت نہ ہو۔ زمین پر بھی اس طرح سے چلتا ہے جیسے مردہ چلتا ہے۔ اس کی رُوح ہر وقت خدا تعالیٰ کے پاس ہوتی ہے

یہ امور ہیں جو ہم اپنی جماعت میں پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ان کی ہی اشاعت ہمارا مقصود ہے میں یقیناً جانتا ہوں اور کھول کر کہتا ہوں کہ انہیں امور کی پابندی سے مسلمان مسلمان ہوں گے اور اسلام دوسرے ادیان پر غالب آئیگا۔ اگر اللہ تعالیٰ مسیح کی موت یا مسیح موعود ہونے کے امور کو ہماری راہ میں نہ ڈال دیتا تو ہمیں کچھ بھی ضرورت نہ تھی کہ عیسیٰ کہلاتے مگر میں کیا کر سکتا ہوں۔ جب خود اس نے مجھے اس نام سے پکارا اور اس کی اشاعت اور اعلان پر مجھے حکم دیا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلقات بڑھانے کے لئے مجھے عیسیٰ کہلانے کی کچھ بھی حاجت نہ تھی اور منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے اس کی کچھ بھی حاجت نہیں اور نہ قرآن شریف میں یہ لکھا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی چاہا اور اس لئے چاہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت اور عظمت کا اظہار ہو اور ایک عاجز انسان جس کو غلطی سے خدا بنا لیا گیا ہے۔ اس کی حقیقت دنیا پر کھل جاوے۔

میں یہ بھی ظاہر کرتا ہوں کہ ہم نیکی کے ثمرات کو محدود نہیں کرتے اور نہ خدا تعالیٰ کے فضل اور فیوض کی حد بندی کرتے ہیں کہ وہ اب ختم ہو گئے ہیں اور کسی دوسرے کو نہیں مل سکتے۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی بات کی کمی نہیں ہے اور کوئی شخص بھی جو مجاہدہ کرے اور اس راہ پر جو اس نے بتائی ہے چلے محروم نہیں رہ سکتا۔ ہاں یہ بالکل سچ ہے کہ جو کچھ ملے گا وہ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور کامل اطاعت اور اتباع پر ملے گا**۔ اگر یہ مان لیا جاوے کہ بس اب خدا تعالیٰ کے برکات کا دروازہ بند ہے تو اللہ تعالیٰ کو یا تو بخیل ماننا پڑے گا اور یا یہ کہنا پڑے گا کہ خاتمہ ہو گیا۔ مگر **سبحان ربی**۔ وہ اس قسم کے

نقصوں سے پاک ہے۔ جو شخص سچے دل سے خدا تعالیٰ کے حضور آتا ہے وہ خالی نہیں جاتا۔ پاکیزہ قلب ہونے کی ضرورت ہے ورنہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم[1] کی تعلیم اور تاکید بے فائدہ ہو جاتی ہے۔ اگر وہ انعام و اکرام اب کسی کو ملنے ہی نہیں ہیں تو پھر پانچ وقت اس دعا کے مانگنے کی کیا حاجت ہے؟ یہ بڑی غلطی ہے جو مسلمانوں میں پھیل گئی ہے۔ حالانکہ یہی تو اسلام کا حُسن اور خوبی تھی کہ اس کے برکات اور فیوض اور اس کی پاک تعلیم کے ثمرات تازہ بتازہ بہت مل سکتے ہیں۔ تمام صوفیوں اور اکابران امت کا یہی مذہب ہے بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ کامل متبع ہوتا ہی نہیں۔ جب تک بروزی رنگ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات کو اپنے اندر نہ رکھتا ہو اور حقیقت میں یہ بات صحیح بھی ہے۔ کیونکہ کامل اتباع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے لازم ہے کہ اس کے ثمرات اپنے اندر پیدا کرے۔ جب ایک شخص کامل اطاعت کرتا ہے اور گویا اطاعتِ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں محو اور فنا ہو کر گم ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے ایک شیشہ سامنے رکھا ہوا ہو اور تمام و کمال عکس اس میں پڑے۔

میں کبھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور برکات اور ان تاثیرات کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع سے ملتی ہیں محدود نہیں کر سکتا بلکہ ایسا خیال کرنا کفر سمجھتا ہوں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ بہشت میں ایک مقام ہے جو مجھے ہی ملے گا۔ ایک صحابی یہ سُنکر رو پڑا۔ آپ نے جو پوچھا کہ تو کیوں رو پڑا؟ تو اس نے کہا یا رسول اللہ مجھے آپ کے ساتھ محبت ہے جب آپ اس مقام میں ہوں گے تو میں کہاں ہوں گا؟ آپ نے فرمایا کہ تو میرے ساتھ ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اس کے وجود کو اپنے اندر لے لیا۔

غرض یہ یقیناً یاد رکھو کہ کامل اتباع کے ثمرات ضائع نہیں ہو سکتے۔ یہ تصوف کا مسئلہ ہے اگر ظلی مرتبہ نہ ہوتا تو اولیاء امت تو مر جاتے۔ یہی کامل اتباع اور بروزی اور ظلی مرتبہ ہی تو تھا جس سے بایزیدؒ محمد کہلایا اور اس کہنے پر ستر مرتبہ کفر کا فتویٰ ان کے خلاف دیا گیا۔

[1] الفاتحہ: ۶، ۷

اور انہیں شہر بدر کیا گیا۔

مختصر یہ کہ لوگ ہماری مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات کا علم نہیں اور وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔ کاش وہ ان حالی کیفیات سے واقف ہوتے تو انہیں معلوم ہوتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قدر اور حقیقت ان لوگوں نے سمجھی ہی نہیں۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تاثیرات اور ثمرات بھی باقی نہیں ہیں تو پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ثبوت ہی کیا ہے؟ اور اسلام کی فضیلت ہی کیا؟ اور اس شریعت کے اتباع کی حاجت ہی کیا جبکہ اس کے نتائج و برکات ہم کو مل نہیں سکتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ ایک بیہودہ اور کفریہ خیال ہے۔ اسلام کی اتباع کے ثمرات اب بھی اور ہمیشہ مل سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی ذات میں بخل نہیں اور نہ اس کے ہاں کسی بات کی کمی ہے۔

بعض آدمی اپنی بیوقوفی اور شتابکاری سے یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ کیا ہم نے ولی بننا ہے میرے نزدیک ایسے لوگ کفر کے مقام پر ہیں۔ اللہ تعالےٰ تو سب کو ولی کہتا ہے اور سب کو ولی بنانا چاہتا ہے اسی لئے وہ اھدنا الصراط المستقیم کی ہدایت کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ تم منعم علیہ گروہ کی مانند ہو جاؤ۔ جو کہتا ہے کہ میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ پر بخل کی تہمت لگاتا ہے اور اس لئے یہ کلمہ کفر ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا مقام تو یہ تھا کہ آپ محبوب الٰہی تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں کو بھی اس مقام پر پہنچنے کی راہ بتائی جیسا کہ فرمایا قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ[1] یعنی ان کو کہدو کہ اگر تم چاہتے ہو کہ محبوب الٰہی بن جاؤ تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالےٰ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا۔ اب غور کرو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع محبوب الٰہی بنا دیتی ہے تو پھر اور کیا چاہیئے؟ مگر اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالےٰ ہی کو شناخت نہیں کیا۔ ماقدروا اللہ حق قدرہٖ[2]

ایسا ہی شیعہ ہیں۔ انہوں نے فقط اتنا ہی سمجھ لیا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے لئے

[1] آل عمران: ۳۲ [2] الانعام: ۹۲

روپیٹ لینا ہی نجات کے واسطے کافی ہے۔ یہ کبھی ان کو خواہش نہیں ہوتی کہ ہم امام حسین رضی اللہ عنہ کی اتباع میں ایسے کھوئے جائیں کہ خود حسین بن جاویں۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ تو کہتا ہے کہ اس وقت تک نجات نہیں جب تک انسان نبی کا روپ نہ ہو جاوے۔ وہ انسان جو اپنے مراتب اور مدارج میں ترقی نہیں چاہتا وہ مخنثوں کی طرح ہے۔ میں کھول کر کہتا ہوں کہ جس قدر انبیاء و رسل گذرے ہیں۔ ان سب کے کمالات حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے آنے کی غرض اور غائت ہی یہی تھی کہ لوگ اس نمونہ اور اسوہ پر چلیں۔

یہ امور ہیں جن کی وجہ سے ہم کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ موت و حیات مسیح کا مسئلہ تو یونہی راہ میں آگیا۔ بہت سے مصالح الٰہی تھے جو یہ مسئلہ پیش آگیا۔ ورنہ اصل مقاصد اور اغراض ہماری بعثت کے اور ہیں۔ ہاں یہ مسئلہ چونکہ تعلیم الٰہی کے خلاف تھا۔ اور اس میں توحید کے مصفّٰی چشمہ کو مکدر کرنے والے اجزا موجود تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ کر دیا اور صاف کر دیا کہ سب نبی فوت ہو گئے ہیں۔ مسیح علیہ السلام میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں جو دوسرے نبیوں کو نہ ملی ہو۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ مسیح جسم کے ساتھ آسمان پر گیا ہے لیکن میں یہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ دوسرے نبی جسم کے بغیر آسمان پر گئے ہیں۔ جس قسم کے جسم ان کو عطا ہوئے ہیں وہی جسم مسیح کو دیا گیا ہے اور یہ وہ جسم ہے جو مرنے کے بعد عطا ہوتا ہے۔ یہ پرانی باتیں ہیں جو نئی نہیں۔ چونکہ انہوں نے قرون ثلاثہ کی باتیں بھلا دی ہیں اس لئے بار بار کہتے ہیں کہ کیا ہمارے باپ دادے غلطی پر تھے؟ میں نہیں کہتا کہ وہ غلطی پر تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ وہ زمانہ فیج اعوج ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر بھی کفار ایسا ہی کہتے تھے کہ یہ ہمارے باپ دادوں کے خلاف ہے۔ یہ باپ دادوں کی سنت صحیح نہیں ہو سکتی۔ ایک زمانہ قرون ثلاثہ کے بعد گذرا ہے جس کو شیطانی زمانہ کہتے ہیں یہ درمیانی زمانہ ہزار سال کا زمانہ ہے جس قدر خرابیاں اور فسق و فجور پھیلا ہے اس زمانہ میں ہی پھیلا ہے۔ اگر صحابہ کرام رض ہوتے تو وہ بھی اشتا خت

نہ کر سکتے۔ اس زمانہ کا تو حوالہ دینا ہی عقلمندی نہیں۔ **وفات مسیح** کا مسئلہ تو ایسا صاف ہو چکا ہے کہ اب کوئی عقل اس کے خلاف تجویز نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ فوت ہو گئے۔ خود مسیحؑ نے اپنی وفات کا اقرار کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مُردوں میں دیکھا اور پھر صحابہؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر پہلا اجماع اسی پر کیا اور فیصلہ کر دیا۔ صحابہؓ کا اجماع غلطی پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صحابہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے کی فضیلت ہے۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسلؑ میں کہتے ہیں کہ **خلت** کے معنے موت کے نہیں۔ مگر یہ تو ان کی غلطی ہے اس لئے کہ خود اللہ تعالیٰ نے **خلت** کے معنے کر دیئے ہیں افائن مات او قتلؑ۔ اگر اس کے سوا کوئی اور معنے ہوتے جو یہ کرتے ہیں تو پھر رفع الجسد العنصری بھی ساتھ ہوتا۔ مگر قرآن شریف میں تو ہے نہیں پھر ہم کیونکر تسلیم کر لیں۔ ایسی صورت میں درمیانی زمانہ کی شہادت کو ہم کیا کریں؟ اور پھر تعجب یہ ہے کہ اس زمانہ میں بھی اسی مذہب کے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اس کی وفات کا اقرار کیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اگر میرا نام عیسیٰ رکھا تو اس میں اسلام کا کیا بُرا ہوا؟ یہ تو اسلام کا فخر ہوا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فخر ہوا کہ وہ شخص جسے چالیس کروڑ انسان خدا سمجھتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا ایک فرد ان کمالات کو پا لیتا ہے بلکہ اس سے بڑھ جاتا ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے لکھا ہے کہ ہارون رشید نے مصر کا ایک علاقہ ایک حبشی کو دے دیا۔ کسی نے پُوچھا تو جواب دیا کہ یہ وہی مصر ہے جس کی حکومت سے فرعون نے خدائی کا دعویٰ کر دیا تھا اسی طرح پر **مسیح کی خدائی پر زد مارنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے مسیح بنا دیا**۔ تا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی علو شان اس سے ظاہر ہو۔

میں حیران ہوتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ ان لوگوں نے مسیح کو بہت سی خصوصیتیں ایسی دے رکھی ہیں جو اور کسی کو نہیں دی گئیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ **مس شیطان** سے وہی پاک ہے حالانکہ

ؑ آل عمران ۱۴۵

ہمارا ایمان یہ ہے کہ کسی نبی کو بھی مسّ شیطان نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کے راستباز اور صادق بندوں میں سے بھی کسی کو مسِّ شیطان نہیں ہوتا۔ مطلب اس سے اَور تھا۔ اور انہوں نے کچھ اَور سمجھ لیا۔ اگر صاف یہ اعتقاد رکھا جاوے کہ مسیح ہی مسِّ شیطان سے پاک تھے اور کوئی پاک نہ تھا تو یہ تو کلمۂ کُفر ہے

اصل بات یہ ہے کہ یہودی مریم علیہا السلام کو معاذ اللہ زانیہ اور حضرت مسیح کو نعوذ باللہ ولدالزنا کہتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کے اس الزام سے بریت کی اور مریم کا نام صدیقہ رکھا۔ اور حضرت مسیح کے لئے کہا کہ وہ مسّ شیطان سے پاک ہے۔

اولاد دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جو مسِّ شیطان سے ہو وہ ولدالحرام کہلاتی ہے۔ دوسری وہ جو روح القدس کے مسّ سے ہو۔ وہ ولدالحلال ہوتی ہے۔ یہودیوں کا اس پر زور تھا کہ مسیح پر ناجائز پیدائش کا الزام لگاتے تھے اور ان کے ہاں یہ لکھا تھا کہ ولدالحرام سات پُشت تک بھی خدا تعالےٰ کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ چونکہ ان کے اس شبہ اور الزام کا جواب ضروری تھا اس لئے ان کے متعلق یہ کہا گیا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معاذ اللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مسِّ شیطان سے پاک نہ تھے۔ ایسا اعتقاد کُفر صریح ہے۔ کیا کسی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت آمنہ کی نسبت ایسا الزام لگایا؟ کبھی نہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ مخالفوں نے امین اور صادق تسلیم کیا۔ برخلاف اس کے مسیح اور ان کی والدہ کی نسبت یہودیوں کے بیہودہ الزام تھے خود عیسائیوں نے انسائیکلو پیڈیا میں مان لیا ہے کہ نعوذ باللہ وہ ولدالحرام تھے پھر ایسی صورت میں کس قدر ضروری تھا کہ اس کا ازالہ ہوتا۔ اب یہ ہمارے مخالف اندھے ہو کر ان کی خصوصیت بتاتے ہیں اور منبروں پر چڑھ کر بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو حضرت مسیح کا ایک داغ تھا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دھویا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ مثلاً اگر ایک شخص کے چہرہ پر سیاہی کا داغ ہو اور اسے صاف

کردیا جائے تو یہ کیسی حماقت ہو کہ ایک شخص جس کے چہرہ پر وہ داغ ہی نہیں بلکہ خوبصورت اور روشن چہرہ رکھتا ہو اس سے اس سیاہی کے داغ والے کو افضل کہا جاوے۔ صرف اس لئے کہ اس کا داغ صاف ہوا ہے۔

اس قسم کی غلطیوں میں ہمارے مخالف مبتلا ہیں۔ ہم ان پر صبر کرتے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور ملت پر زد نہ ہوتی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے تو جب آسمان پر جانے کا معجزہ مانگا جاوے تو انہیں قل سبحان ربی[1] کا جواب ملے اور مسیح کے لئے تجویز کرلیا جاوے کہ وہ آسمان پر چڑھ گئے۔

ایسی خصوصیتوں کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اسے خدا بنایا جاوے۔ پھر توحید کہاں رہی؛ انہوں نے تو ان چالیس کروڑ کی مدد کی جو اسے خدا بنا رہے ہیں۔ افسوس ان لوگوں نے اصل شریعت کو چھوڑ دیا اور عجوبہ پسند ہو گئے۔

میرے متعلق یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ مسیح نے مردے زندہ کئے تھے انہوں نے کتنے کئے ہیں؟ میں اس کا کیا جواب دوں۔ پہلے یہ تو معلوم کرلیں کہ مسیح نے کتنے مُردے زندہ کئے تھے؟ پھر اس کے سوا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مجھ سے پہلے ہے میں تو آپ کا ایک خادم ہوں۔ آپ کے پاس ایک مُردہ کی بابت کہا گیا جس کو سانپ نے کاٹا تھا اور کہا کہ اس کی نئی شادی ہوئی ہے۔ آپ اسے زندہ کردیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اپنے بھائی کو دفن کرو۔

اگر حقیقی مُردے زندہ ہوسکتے تو سب سے پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ معجزہ دیا جاتا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ بعض اوقات سخت امراض میں مبتلا اور ایسی حالت میں کہ اس میں آثار حیات مفقود ہوں اللہ تعالیٰ اپنے ماموروں اور مرسلوں کی دعاؤں کی وجہ سے انہیں شفا دے دیتا ہے۔ اس قسم کا احیاء ہم مانتے ہیں اور یہاں بھی ہوا ہے اور اس کے سوا دوسری حیات **رُوحانی حیات** ہے۔ غرض یہ دو قسم کا احیاء موتٰی ہم مانتے ہیں۔ رُوحانی طور پر مسیح کا اثر

[1] بنی اسرائیل : ۹۴

بہت کم ہوا۔ کیونکہ یہودیوں نے مانا نہیں اور جنہوں نے مانا ان کی تکمیل نہ ہوئی۔ ایک نے لعنت بھیجدی، دوسرے نے پکڑوا دیا اور باقی بھاگ گئے۔ ہاں جسمانی طور پر بعض کے لئے دعائیں کیں اور وہ مریض اچھے ہو گئے، اب بھی ہو رہے ہیں۔

غرض ہماری اصل غرض اور مقصد اور تعلیم وہ ہے جس کا میں ذکر کر آیا ہوں۔ یہ امور وفات مسیح وغیرہ ہماری راہ میں آ گئے جو مشرکین کا غلبہ توڑنے کے لئے مصلحتِ الٰہی نے ایسا ہی پسند فرمایا کہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے آخری سلسلہ میں مسیح آیا تھا ویسے ہی یہاں بھی ضروری تھا کہ مسیح آتا چنانچہ آ گیا۔

بعض یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام مثیلِ موسیٰ تھا اس لئے یہاں بھی مثیل مسیح ہونا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہاں موسیٰ ہوتا تو شُبہ پڑ جاتا۔ لیکن یہاں ایلیاں کی نظیر موجود تھی اس لئے یہاں مسیح ہی کہدیا۔

فرمایا

ہماری جماعت کو قیل و قال پر محدود نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ اصل مقصد نہیں۔ تزکیہ نفس اور اصلاح ضروری ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۵ صفحہ ۵ تا ۱۲ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

---

۲۶ ستمبر ۱۹۰۵ء

قبل دوپہر

یہ بھی غنیمت ہے کہ انسان اس جگہ کی صحبت کو غنیمت سمجھے۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہاں آنے یا بیٹھنے سے دنیاوی کاروبار میں ہرج ہو گا وہ بیمار ہے۔ اسے اس بیماری کا علاج کرنا چاہیئے۔ دنیا کے کام تو کبھی ختم نہیں ہوتے اور نہ ہو سکتے ہیں جب تک خود انسان خدا تعالےٰ سے توفیق پا کر ان کا خاتمہ نہ کر دے۔

ابھی ہماری جماعت کو سمجھنے کے لئے بہت سی باتیں ہیں۔ رفتہ رفتہ تحریک ہوتی ہے کسی مجمع میں کوئی تحریک ہو گئی اور کسی میں کوئی۔ اس لئے جب تک یہاں انسان ایک عرصہ تک نہ رہے یا کثرت کے ساتھ نہ آتا رہے کم فائدہ ہوتا ہے اور یہ بڑی خامی اور بے قدری ہوتی ہے اور سلسلہ کی بدنامی کا موجب ہوتا ہے۔ جب ایک شخص سلسلہ میں داخل ہوتا ہے اور وہ توجہ کے ساتھ ان مسائل پر جو ہم پیش کرتے ہیں نظر نہیں کرتا اور پھر اگر اس سے کوئی سوال کرتا ہے تو اُسے چُپ ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہماری کتابوں کو غور سے پڑھیں اور فکر کریں اور یہاں رہیں اور ان ایام کی قدر کریں۔

جو لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ کیا یہ دن وہ نہیں ہیں جن کے لئے بہت سے سعید لوگ حسرت کرتے چلے گئے ہیں اور یہ امور کتابوں میں درج ہیں کہ کس طرح پر ہزاروں روحیں اس آرزو میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں کہ وہ مسیح موعود کے زمانہ کو پالیتیں۔ مگر اس زمانہ کے لوگ جس طرح پر ان ایام کی قدر نہیں کرتے اور مخالفت سے پیش آتے ہیں کیا تعجب اگر وہ یہ زمانہ پاتے تو وہ سیر ہو جاتے۔

اسی طرح پر آجکل لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر ہم نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے تو ہم اس طرح خدمت کرتے اور یہ اخلاص دکھاتے اور یہ کرتے اور وہ کرتے۔ لیکن سچ یہی ہے کہ اگر یہ لوگ اس وقت ہوتے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی وہی سلوک کرتے جو آجکل ہمارے ساتھ کر رہے ہیں۔ زمانہ کی معاصرت بھی ایک روک ہے اس سے لوگوں کے دل تنگ ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ایک رنگ کا ابتلا ہے۔

ذوالنون مصری ایک باکمال شخص تھا اور اس کی شہرت باہر دور دور پہنچی ہوئی تھی۔ ایک شخص اس کے کمال کو سُنکر اس کے ملنے کے واسطے گیا اور گھر پر جا کر اسے پکارا تو اس کو جواب ملا کہ خدا جانے کہاں ہے۔ کہیں بازار میں ہوگا۔ وہ جب بازار میں ان کی تلاش کرتا ہوا پہنچا تو وہ بازار میں معمولی طور پر سادگی سے کچھ سودا خرید رہا تھا۔ لوگوں سے پوچھا تو

انہوں نے بتایا کہ وہ **ذوالنون** ہے۔ اس نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ پست قامت آدمی ہے۔ معمولی سا لباس ہے۔ چہرہ پر کچھ وجاہت نہیں۔ معمولی آدمیوں کی طرح بازار میں کھڑا ہے اس سے اس کا سارا اعتقاد جاتا رہا اور کہا کہ یہ تو ہماری طرح ایک معمولی آدمی ہے۔ ذوالنون نے اس کو کہا کہ تو کس لئے میرے پاس آیا ہے جبکہ تیرا ظاہر پر خیال ہے۔ ذوالنون نے اس کے مافی الضمیر کو دیکھ لیا۔ اس لئے کہا کہ تیری نظر ظاہر پر ہے۔ تجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

ایمان تب سلامت رہتا ہے کہ باطن پر نظر رکھی جاوے۔ کہتے ہیں۔ لقمان بھی سیاہ منظر تھے۔ یہی وجہ ہے جو لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں اور برگزیدوں کے پاس ارادت سے جانا سہل ہے لیکن ارادت سے واپس آنا مشکل ہے کیونکہ ان میں بشریت ہوتی ہے۔ اور ان کے پاس جانے والے لوگوں میں سے اکثر ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے دل میں اس کی ایک فرضی اور خیالی تصویر بنا لیتے ہیں لیکن جب اس کے پاس جاتے ہیں تو وہ اس کے برخلاف پاتے ہیں جس سے بعض اوقات وہ ٹھوکر کھاتے ہیں اور اُن کے اخلاص اور ارادت میں فرق آجاتا ہے اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کھول کر بیان کر دیا کہ قل انّما انا بشر مّثلکم[1]۔ یعنی کہدو کہ بیشک میں تمہارے جیسا ایک انسان ہوں یہ اس لئے کہ وہ لوگ اعتراض کرتے تھے وقالوا مال ھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق[2]۔ اور انہوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے۔ ان کو آخر یہی جواب دیا گیا کہ یہ بھی ایک بشر ہے اور بشری حوائج اس کے ساتھ ہیں۔ اس سے پہلے جس قدر نبی اور رسُول آئے وہ بھی بشر ہی تھے۔ یہ بات انہوں نے بنظر استخفاف کہی تھی وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود ہی بازاروں میں عموماً سودا سلف خرید اکرتے تھے۔ ان کے دلوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جو نقشہ تھا وہ تو نری بشریت تھی۔ جس میں کھانا۔ پینا۔ سونا۔ چلنا۔ پھرنا وغیرہ تمام امور اور لوازم بشریت کے موجود تھے۔ اس واسطے ان لوگوں نے رَدّ کر دیا۔ یہ مشکل اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ لوگ اپنے دل سے ہی ایک خیالی تصویر بنا لیتے

[1] الکھف : ۱۱۱ [2] الفرقان : ۸

ہیں کہ نبی ایسا ہونا چاہیئے اور چونکہ اس تصویر کے موافق وہ اسے نہیں پاتے اس لحاظ سے ٹھوکر کھاتے ہیں۔ یہ مرض یہانتک ترقی کر گیا ہے کہ بعض شیعوں کا بعض ائمہ کی نسبت خیال ہے کہ وہ منہ کے راستہ پیدا ہوئے تھے۔ لیکن یہ باتیں ایسی ہیں کہ ایک عقلمند ان کو کبھی قبول نہیں کر سکتا بلکہ ہنسی کرتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو شخص گذر جاوے اس کی نسبت جو چاہو تجویز کر لو کہ وہ آسمان سے اُترا تھا یا مُنہ کے راستہ پیدا ہوا تھا لیکن جو موجود ہیں ان میں بشری کمزوریاں موجود ہیں۔ وہ روتا بھی ہے۔ کھاتا بھی ہے اور پیتا بھی ہے۔ غرض ہر قسم کی بشری ضرورتوں اور کمزوریوں کو اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کو دیکھ کر ان لوگوں کو جو انبیاء و رسل کی حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی جو اللہ تعالےٰ کو ان کے اس قسم کے اعتراضوں کا ردّ کرنا پڑا اور قل انما انا بشر مثلکم یوحٰی الیّ[1] کہنا پڑا۔ یعنی مجھ میں بشریت کے سوا جو امر تمہارے اور میرے درمیان فارق اور مابہ الامتیاز ہے وہ یہ ہے کہ مجھ پر اللہ تعالےٰ کی وحی آتی ہے۔ دوسری جگہ قرآن شریف میں یہ اعتراض بھی منقول ہوا ہے کہ یہ تو بیویاں کرتا ہے۔ اس کے جواب میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ کوئی نبی اور رسُول ایسا نہیں جو بیوی نہ رکھتا ہو۔ غرض ایسی باتوں سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔

اسی طرح پر بعض لوگ حج کو جاتے ہیں۔ اس وقت ان کے دل میں بڑا جوش اور اخلاص ہوتا ہے۔ لیکن جس جوش اور تپاک سے جاتے ہیں اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہی جوش اور اخلاص لے کر واپس نہیں آتے۔ بلکہ واپس آنے پر بسا اوقات پہلے سے بھی گئے گذرے ہو جاتے ہیں۔

سہل است رفتن بارادت
مشکل است آمدن بارادت

واپس آکر ان کے اخلاق میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ وہ تبدیلی کچھ الٹی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ وہ جانے سے پہلے سمجھتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں ایک عظیم الشان تجلی نور کی ہو گی۔

[1] الکھف : ۱۱۱

اور وہاں سے انوار و برکات نکلتے ہوں گے اور وہاں فرشتوں کی آبادی ہو گی لیکن جب وہاں جاتے ہیں۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ جس کی تصویر انہوں نے اپنے خیال اور ذہن سے کچھ اور ہی قسم کی تجویز کی تھی وہ محض ایک کوٹھہ ہے اور اس کے ہمسایہ میں جو لوگ رہتے ہیں ان میں بعض جرائم پیشہ بھی ہیں وہ دنگا فساد بھی کر لیتے ہیں اور اکثر ان میں ایسے مفسد طبع دیکھے جاتے ہیں کہ بعض خام طبیعت کے آدمی انہیں دیکھ کر متردد ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو دیکھ کر وہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ یہاں کی ساری آبادی کا یہی حال ہے۔ اور کل عرب ایسے ہی ہیں اور اس طرح پر ان کے دل میں کئی قسم کے شبہات پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ نہ وہاں وہ تجلی انوار و برکات کی دیکھتے ہیں۔ جو انہوں نے بطور خود تجویز کر لی تھی اور نہ ملائک کی بستی پاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ خود خام طبع ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ ٹھوکر کھاتے ہیں۔ یہ ان کی اپنی غلطی ہے جو وہ ایسا سمجھ لیتے ہیں۔ اس میں خانہ کعبہ کا کیا قصور؟ یہ کوئی ضروری امر نہیں ہے کہ خانہ کعبہ میں سارے قطب اور ابدال اور اولیاء اللہ ہی رہتے ہوں۔ خانہ کعبہ نے اس وقت بھی تو گذارہ کر ہی لیا تھا جب اس کے چاروں طرف بت پرست ہی بت پرست رہتے تھے اور خود خانہ کعبہ بتوں سے بھرا ہوا تھا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ خانہ کعبہ انوار و برکات کی تجلی گاہ ہے اور اس کی بزرگی میں کوئی کلام اور شبہ نہیں۔ پہلی کتابوں میں بھی اس کی بزرگی کا ذکر ہے مگر یہ تجلیات اور انوار و برکات اس ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آسکتے۔ اس کے لئے دوسری آنکھ کی حاجت ہے۔ اگر وہ آنکھ کھلی ہو تو یقیناً انسان دیکھ لے گا کہ خانہ کعبہ میں کس قسم کے برکات نازل ہو رہے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ بتوں سے بھرا ہوا تھا اور اس کے زائرین میں ابوجہل جیسے شریر تھے پھر اُن سے مقابلہ کر کے اگر ایسے خام طبع لوگ کوئی بات کہتے تو انہیں شرمندہ ہونا پڑتا کیونکہ اگر غور سے دیکھا جاوے تو وہ لوگ جو بیت اللہ کے جوار میں رہتے ہیں۔ عوام سے ہزارہا درجہ اچھے ہیں اور یہ امر مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت میں کثرت کے ساتھ ان میں نیک اور اچھے

لوگ ہیں اور ان کو دیکھ کر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ خانہ کعبہ کی مجاورت نے ان کو بہت بڑا فائدہ پہنچایا ہے۔

یہ تو قانون قدرت ہی نہیں کہ دنیا میں آکر فرشتے آباد ہوں۔ پھر ایسا خیال کرنا کیسی غلطی اور نادانی ہے۔ انسانیت کے لازم حال زلات تو ضرور ہیں۔ پس مکہ میں جب انسان آباد ہیں تو ان کی کمزوریوں پر نظر کر کے مکہ کو بدنام کرنا یا اس کی بزرگی اور عظمت کی نسبت شک کرنا بڑی غلطی ہے۔ سچ یہی ہے کہ کعبہ کی بزرگی اور نورانیت دوسری آنکھوں سے نظر آتی ہے جیسا کہ سعدی نے فرمایا ہے ؎

چو بیت المقدس درون پُر ز تاب
رہا کردہ دیوار بیرون خراب

اولیاء اللہ کی بھی ایسی ہی حالت ہوتی ہے کہ ان میں تکلفات نہیں ہوتے بلکہ وہ بہت ہی سادہ اور صاف دل لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے لباس اور دوسرے امور میں کسی قسم کی بناوٹ اور تصنع نہیں ہوتا مگر اس وقت اگر پیرزادوں اور مشائخوں کو دیکھا جاوے تو ان میں بڑے بڑے تکلفات پائے جاتے ہیں۔ ان کا کوئی قول اور فعل ایسا نہ پاؤ گے جو تکلف سے خالی ہو گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ امت محمدیہ ہی میں سے نہیں ہیں۔ ان کی کوئی اور ہی شریعت ہے۔ ان کی پوشاک دیکھو تو اس میں خاص قسم کا تکلف ہوگا۔ یہانتک کہ لوگوں سے ملنے جُلنے اور کلام میں بھی ایک تکلف ہوتا ہے۔ ان کی خاموشی محض تکلف سے ہوتی ہے۔ گویا ہر قسم کی تاثیرات کو وہ تکلف ہی سے وابستہ سمجھتے ہیں۔ برخلاف اس کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے۔ وما انا من المتکلفین۔[1] اور ایسا ہی دوسرے تمام انبیاء و رسل جو وقتاً فوقتاً آئے وہ نہایت سادگی سے کلام کرتے اور اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن کے قول و فعل میں کوئی تکلف اور بناوٹ نہ ہوتی تھی مگر ان کے چلنے پھرنے اور بولنے میں تکلف ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن کی اپنی شریعت جُدا ہے۔ جو اسلام سے الگ اور

[1] صٓ ۸۷

مخالف ہے۔

بعض ایسے پیر بھی دیکھے گئے ہیں جو بالکل زنانہ لباس رکھتے ہیں یہانتک کہ رنگین کپڑے پہننے کے علاوہ ہاتھوں میں چوڑیاں بھی رکھتے ہیں۔ پھر ایسے لوگوں کے بھی بہت سے مُرید پائے جاتے ہیں۔ اگر کوئی ان سے پُوچھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کب ایسی زنانہ صورت اختیار کی تھی تو اس کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں ہے۔ وہ ایک نرالی شریعت بنانا چاہتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ کو چھوڑ کر اپنی تجویز اور اختیار سے ایک راہ بنانا چاہتے ہیں۔

میں یقیناً جانتا ہوں کہ اس قسم کی باتیں شعائر اسلام میں سے نہیں ہیں بلکہ ان لوگوں نے یہ امور بطور رسُوم ہندوؤں سے لئے ہیں اور نہ صرف یہی بلکہ اَور بھی بہت سی باتیں ہیں جو انہیں سے لی گئی ہیں جیسے **دم کشی** وغیرہ۔

خوب سمجھو کہ یہ امور اسلام کے بالکل برخلاف ہیں اور ان سے کوئی بھی مطلب اور مُراد حاصل نہیں ہو سکتی۔ اصل غرض تو انسان کی یہ ہونی چاہیئے تھی کہ دل پاک ہو جاوے۔ اور ہر قسم کے گند اور ناپاک مواد جو **رُوح** کو تباہ کرتے ہیں دُور ہو جائیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے فیضان اور برکات نازل ہونے لگیں۔ اگر یہ امر حاصل نہیں تو پھر نرے تکلفات کو لے کر کیا کرو گے۔ تمہارا مقصود ہمیشہ یہی ہونا چاہیئے کہ جس طرح ممکن ہو دل صاف ہو جاوے اور **عبُودیت** کا منشا اور مقصد پورا ہو اور خطرناک زہر جو گناہ کی زہر ہے جس سے انسان کی رُوح ہلاک ہو جاتی ہے اس سے نجات ملے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک صاف اور سچّا تعلق پیدا ہو جاوے۔ مگر یہ باتیں تکلف سے پیدا نہیں ہو سکتی ہیں۔ ان کے حصول کا ذریعہ تو وہی اسلام ہے جس میں سادگی ہے۔

یقیناً یاد رکھو کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ نے ایسی سادگی رکھی ہے کہ اگر دوسری قوموں کو اس کی حقیقت پر اطلاع ہو تو وہ اس کی سادگی پر رشک کریں۔ ایک سچے مسلمان کے لئے

کچھ ضرور نہیں کہ ہزار دانہ کی تسبیح اس کے ہاتھ میں ہو۔ اور اس کے کپڑے بھگوے یا سبز یا اور کسی قسم کے رنگین ہوں اور وہ خدا رسی کے لئے دم کشی کرے یا اور اسی قسم کے حیلے حوالے کرے۔ اس کے لئے ان امور کی ہرگز ہرگز ضرورت نہیں اس لئے کہ یہ سب امور زائدہ ہیں اور اسلام میں کوئی امر زائد نہیں ہوتا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اسلام چاہتا ہے کہ تم اندرونی طور پر بڑی بڑی ترقیاں کرو اور اپنے اندر خصوصیتیں پیدا کرو۔ بیرونی خصوصیتیں نری ریاکاریاں ہیں اور ان کی غرض بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ لوگوں پر ظاہر کیا جاوے۔ کہ ہم ایسے ہیں اور وہ رجوع کریں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ کے پیرزادوں اور فقیروں کے عجیب عجیب حالات لکھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ افسوس ہے بڑی ابتری پھیل گئی ہے کیونکہ یہ فقیر جو اس زمانہ میں پائے جاتے ہیں وہ **فقیر اللہ** نہیں ہیں بلکہ **فقیر الخلق** ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ہر حرکت و سکون، لباس، خورد و نوش اور کلام میں حکمت عمل کرتے ہیں۔ مثلاً کپڑوں کے لئے وہ دیکھتے ہیں کہ اگر ہم عام غریبوں کی طرح گزی گاڑھے کے کپڑے پہنیں تو وہ عزت نہ ہوگی جو امراء سے توقع کی جاتی ہے وہ ہم کو کم حیثیت اور ادنیٰ درجہ کے لوگ سمجھیں گے۔ لیکن اگر اعلیٰ درجہ کے کپڑے پہنتے ہیں تو پھر وہ ہم کو کامل دنیادار سمجھ کر توجہ نہ کریں گے اور دنیادار ہی قرار دیں گے اس لئے اس میں یہ حکمت نکال لی کہ کپڑے تو اعلیٰ درجہ کے اور قیمتی اور باریک لے لئے۔ لیکن ان کو رنگ دے لیا جو فقیری کے لباس کا امتیاز ہو گئے۔

اسی طرح حرکات بھی عجیب ہوتی ہیں۔ مثلاً جب بیٹھتے ہیں تو آنکھیں بند کر کے بیٹھتے ہیں . . . . اور اس حالت میں لب ہل رہے ہیں گویا اس عالم ہی میں نہیں ہیں حالانکہ طبیعت فاسد ہوتی ہے۔ نمازوں کا یہ حال ہے کہ بڑے آدمیوں سے ملیں تو بہت ہی لمبی لمبی پڑھتے ہیں اور لبطور خود سرے سے ہی نہ پڑھیں۔ ایسا ہی روزوں میں عجیب عجیب حالات پیش آتے ہیں مثلاً یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ نفلی روزے ہم رکھتے

ہیں وہ یہ طریق اختیار کرتے ہیں کہ جب کسی امیر کے ہاں گئے اور وہاں کھانے کا وقت آگیا اور کھانا رکھا گیا تو یہ کہدیتے ہیں کہ آپ کھائیے مجھے کچھ عذر ہے۔ اس کے معنے دوسرے الفاظ میں یہ ہوئے کہ مجھے روزہ ہے۔ اس طرح پر وہ گویا اپنے روزوں کو چھپاتے ہیں اور دراصل اس طرح پر ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ ظاہر کریں کہ ہم نفلی روزے رکھتے ہیں۔

غرض انہوں نے اپنے زمانہ کے فقرار کے اس قسم کے بہت سے گند لکھے ہیں۔ اور صاف طور پر لکھا ہے کہ ان میں تکلفات بہت ہی زیادہ ہیں۔ ایسی حالت اس زمانہ میں بھی قریب قریب واقع ہو گئی ہے۔ جو لوگ ان پیروں اور پیرزادوں کے حالات سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ قسم قسم کے تکلفات اور ریاکاریوں سے کام لیتے ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اسی سے امید رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لئے درست کرتا ہے اور اس طرح پر درست کرتا ہے جس طرح پر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے لیکن جو شخص مخلوق سے ڈرتا اور مخلوق سے امید رکھتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو مخلوق کے لئے درست کرتا ہے۔ خدا والوں کو مخلوق کی پروا نہیں ہوتی بلکہ وہ اسے مرے ہوئے کیڑے سے بھی کمتر سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ ان بلاؤں میں نہیں پھنستے [1] اور دراصل وہ ان کو کیا کرے۔ اللہ تعالیٰ خود اس کے ساتھ ہوتا ہے اور وہی اس کی تائید اور نصرت فرماتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ خدا اپنی مخلوق کو خود اس کے ساتھ کر دے گا۔ یہی سر ہے کہ انبیاء علیہم السلام خلوت کو پسند کرتے ہیں اور میں یقیناً اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ وہ ہرگز ہرگز پسند نہیں کرتے کہ باہر نکلیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کو مجبور کرتا ہے اور پکڑ کر باہر نکالتا ہے۔

دیکھو موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے مامور کرنا چاہا اور فرعون کی طرف ہدایت اور تبلیغ کی خاطر بھیجنے کی بشارت دی تو انہوں نے عذر شروع کر دیا کہ میں نے اُن کا ایک

---

[1] حاشیہ۔ الحکم جلد ۹ نمبر ۳۷ صفحہ ۴ و ۵ مورخہ ۲۴ ؍اکتوبر ۱۹۰۵ء

خوان کیا ہوا ہے بھائی کو بھیج دیا جاوے۔ یہ کیا بات تھی؟ یہ ایک قسم کا استغنار اور اہلِ عالَم سے الگ رہنے کی زندگی کو پسند کرنا تھا۔ یہی استغنا ہر مأمور اور مُرسل کو ہوتا ہے اور وہ اس تنہائی کی زندگی کو بہت پسند کرتا ہے اور یہی ان کے اخلاص کا نشان ہوتا ہے۔ اور اسی لئے اللہ تعالےٰ ان کو اپنے لئے منتخب کرتا ہے کیونکہ وہ ان کے دل پر نظر کرکے خوب دیکھ لیتا ہے کہ اس میں غیر کی طرف قطعاً توجہ نہیں ہوتی اور وہ اللہ تعالےٰ کی رضا اور تعمیل امرِ الٰہی کو اپنی زندگی اور حیات کا ذریعہ سمجھتے ہیں ؎

آں کس کہ ترا شناخت جہاں را چہ کُند
فرزند و عیال و خانماں را چہ کُند
دیوانہ کنی و ہر دو جہانش بخشی،
دیوانۂ تو دو جہاں را چہ کند

اس کے دل میں بڑا بننے سے طبعاً نفرت اور کراہت ہوتی ہے۔ مگر وہ لوگ جو خود اس قسم کی کبریائی کی بیہودہ خواہشوں کے غلام اور اسیر ہوتے ہیں وہ اپنے نفس پر قیاس کرکے ان کی نسبت بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ بڑا بننے کی خواہشوں سے ایسے دعوے کرتے ہیں حالانکہ وہ اتنا نہیں دیکھتے کہ ان کا دعویٰ تو ان پر ایک آفتوں اور مصائب کا طوفان لے آتا ہے اور ان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ ہر طرف سے ان کی مخالفت کے لئے ہاتھ اور زبان چلتی ہے اور کوئی دقیقہ اُن کو دُکھ دینے میں اُٹھا نہیں رکھا جاتا۔ پھر یہ کیسی بے انصافی اور ظلم ہے کہ ان کی نسبت یہ وہم کیا جاوے کہ وہ خواہش کبریائی سے ایسا کرتے ہیں۔ یہ بہتانِ عظیم ہے وہ تو صرف اللہ تعالےٰ کا جلال اور اس کی عظمت کے اظہار اور اس کی کبریائی کے اعلان کو پسند کرتے ہیں اور ان کے لئے اپنی جان ایک جان کیا ہزار جان بھی دینے کو تیار ہوتے ہیں۔ افسوس اہلِ دنیا ان کے حالات سے بے خبر اور ناواقف ہوتے ہیں اس لئے اس قسم کے اعتراض کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے

مصالح پسند فرماتے ہیں کہ ان کو باہر نکالا جاوے اور وہ دنیا کے سامنے نکلیں اور وہ خدا جو اہلِ دنیا سے مخفی ہوتا ہے ان کے وجود میں نظر آوے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ جس چیز سے انسان نفرت کرتا ہے وہی اس کو دیتا ہے اور جس کی طرف بھاگتا ہے اس سے محروم کیا جاتا ہے۔ انبیاء و رسل کا گروہ ہرگز ہرگز اپنی جاہ و حشمت کو نہیں چاہتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے مصالح کی بناء پر انہیں عطا کرتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر گذرے ہیں اور اس لحاظ سے ان سب کو گویا ایک ہی سمجھو کیونکہ سب کے ساتھ ایک ہی معاملہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن میں سے کسی ایک کو بھی ذلیل اور خوار نہیں کیا اس لئے کہ اُن کی ذلّت اللہ تعالیٰ کی ذلت ہے (تعالیٰ شانہٗ) جو لوگ ان کے خلاف کرتے ہیں اور مخلوق کو عظمت دیتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی ردا مخلوق کو پہناتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں مردود ہوتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایک طرف انبیاء و رُسل اور خدا تعالیٰ کے مامورین اہلِ دنیا سے نفور ہوتے ہیں اور دوسری طرف مخلوق کے لئے ان کے دل میں اس قدر ہمدردی ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے لئے بھی خطرہ میں ڈال دیتے ہیں اور خود ان کی جان جانے کا اندیشہ ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن شریف میں فرماتا ہے لعلك باخع نفسك الا یکونوا مومنین[۱]۔ یہ کس قدر ہمدردی اور خیر خواہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں فرمایا ہے کہ تو ان لوگوں کے مومن نہ ہونے کے متعلق اس قدر ہمّ و غم نہ کر۔ اس غم میں شاید تو اپنی جان ہی دے دے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمدردئ مخلوق میں کہاں تک بڑھ جاتے ہیں۔ اس قسم کی ہمدردی کا نمونہ کسی اور میں نہیں پایا۔ یہاں تک کہ ماں باپ اور دوسرے اقارب میں بھی ایسی ہمدردی نہیں ہوسکتی مخلوق تو انہیں کاذب اور مفتری کہتی ہے اور وہ مخلوق کے لئے مرتے ہیں۔ یقیناً یاد رکھو کہ یہ ہمدردی والدین میں بھی نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ جب دیکھتے ہیں کہ اولاد سرکش اور نافرمان ہے یا اور نقص اس میں پاتے ہیں۔ مگر انبیاء رُسل کی یہ عادت نہیں ہوتی

[۱] الشعراء ۴

وہ مخلوق کو دیکھتے ہیں کہ اُن پر حملہ کرتی اور ستاتی ہے لیکن وہ اِس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ہدایت کے لئے اس قدر دُعا کرتے تھے جس کا نمونہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایک پیاس لگا دی تھی کہ لوگ مسلمان ہوں اور خدائے واحد کے پرستار ہوں۔ جس قدر کوئی نبی عظیم الشان ہوتا ہے اسی قدر یہ پیاس زیادہ ہوتی ہے اور یہ پیاس جس قدر تیز ہوتی ہے اسی قدر جذب اور کشش اس میں ہوتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم الانبیاء اور جمیع کمالات نبوت کے مظہر تھے اسی لئے یہ پیاس آپ میں بہت زیادہ تھی اور چونکہ یہ پیاس بہت تھی اسی واسطے آپ میں جذب اور کشش کی قوت بھی تمام راستبازوں اور ماموروں سے بڑھ کر تھی جس کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ آپ کی زندگی ہی میں کل عرب مسلمان ہوگیا۔ یہ کشش اور جذب جو مامورین کو دیا جاتا ہے وہ مستعد دلوں کو تو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور ان لوگوں کو جو اس سے حصہ نہیں رکھتے دشمنی میں ترقی کرنے کا موقعہ دیتا ہے ۔

باران کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست ٭ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم وخس

اسی طرح پر انبیاء علیہم السلام کی خاصیت ہوتی ہے کہ مومن اور کافر ان کے طفیل سے اپنے کفر اور ایمان میں کمال کرتے ہیں۔ لکھا ہے کہ ابوجہل کا کفر پورا نہ ہوتا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتے پہلے اس کا کفر مخفی تھا لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر اس کا اظہار ہوگیا اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا صدق بھی مخفی تھا جو اس وقت ظاہر ہوا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے روحانی دعوت کی۔ ایک نے اس دعوت کو قبول کیا اور دوسرے نے انکار کر دیا۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔[1] انبیاء و رُسل اس خباثت اور شقاوت کو جو اُن کے اندر ہوتی ہے ظاہر کر دیتے ہیں۔ قرآن شریف نے انبیاء و رُسل کی بعثت کی مثال مینہ سے دی ہے۔

والبلد الطیب یخرج نباتہ باذن ربہٖ ۰ والذی خبث لایخرج الا نکدا۔[2]

[1] البقرۃ : ۱۱ [2] الاعراف : ۵۹

یہ تمثیل اسلام کی ہے۔ جب کوئی رسُول آتا ہے تو انسانی فطرتوں کے سارے خواص ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ان کے ظہور کا یہ خاصہ اور علامات ہیں کہ مخلص سعید الفطرت اور مستعد طبیعت کے لوگ اپنے اخلاص اور ارادت میں ترقی کرتے ہیں اور شریر شرارت میں بڑھ جاتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب خبیث اور منکر گروہ نے شرارتیں کرنی شروع کیں اور دُکھ اور ایذا رسانی کے منصوبے کئے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ کیسی کیسی خبیث روحیں ہیں۔ ایک وہ لوگ تھے کہ انہوں نے آپ کی راہ میں سر کٹوا ڈالے۔ ان کے حالات اور واقعات کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ ان میں کیسا اخلاص اور ارادت تھی۔ فی الحقیقت ان کا اُسوہ حَسنہ ہے۔ یہانتک کہ ان میں سے اگر کسی کا ایک ضرب سے سر نہیں کٹا تو اس کو شک ہوا۔ کہ شہید نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کی راہ میں کیسے فدا تھے۔ لکھا ہے کہ ایک صحابی نے اپنے مخالف کو ایک تلوار ماری۔ اس کے نہ لگی مگر اپنے لگی۔ دوسرے نے کہا کہ شہید نہیں ہوا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور پوچھا کہ کیا شہید نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ دو اجر ملیں گے۔ ایک یہ کہ دشمن پر حملہ کیا اور دوسرا اس لئے کہ اپنے آپ کو محض خدا تعالیٰ کے لئے خطرہ میں ڈالا۔ اس قسم کا ایمان ان لوگوں کا تھا۔ پس جب تک اس قسم کا اخلاص اور استقامت اللہ تعالیٰ کے لئے حاصل نہ ہو کچھ نہیں بنتا۔

میں یہی نمونہ صحابہ کا اپنی جماعت میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کو وہ مقدم کرلیں اور کوئی امر ان کی راہ میں روک نہ ہو۔ وہ اپنے مال وجان کو ہیچ سمجھیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگوں کے کارڈ آتے ہیں۔ کسی تجارت یا اور کام میں نقصان ہوا یا اور کسی قسم کا ابتلا آیا تو جھٹ شبہات میں پڑ گئے۔ ایسی حالت میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اصل مطلب اور مقصد سے وہ کس قدر دُور ہیں۔ غور کرو کیا فرق ہے صحابہ میں اور ان لوگوں میں۔ صحابہ یہ چاہتے تھے کہ خدا تعالےٰ کو راضی کریں خواہ اس راہ میں کیسی ہی سختیاں اور تکلیفیں اُٹھانی پڑیں۔ اگر کوئی مصائب اور مشکلات میں نہ پڑتا اور اسے دیر ہوتی تو وہ روتا اور چلاتا تھا۔ وہ سمجھ چکے

ہیں کہ ان ابتلاؤں کے نیچے خدا تعالیٰ کی رضا کا پروانہ اور خزانہ مخفی ہے ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است زیرآں گنج کرم بنہادہ است

قرآن شریف ان کی تعریف سے بھرا ہوا ہے۔ اسے کھول کر دیکھو۔ صحابہؓ کی زندگی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا عملی ثبوت تھا۔ صحابہؓ جس مقام پر پہنچے تھے اس کو قرآن شریف میں اس طرح پر بیان فرمایا ہے منھم مّن قضٰی نحبہ ومنھم مّن ینتظر[1] یعنے بعض ان میں سے شہادت پا چکے اور انہوں نے گویا اصل مقصود حاصل کر لیا۔ اور بعض اس انتظار میں ہیں کہ چاہتے ہیں کہ شہادت نصیب ہو۔ صحابہؓ دنیا کی طرف نہیں جھکے کہ عمریں لمبی ہوں اور اس قدر مال و دولت ملے اور یوں بے فکری اور عیش کے سامان ہوں۔ میں جب صحابہؓ کے اس نمونہ کو دیکھتا ہوں تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کمال فیضان کا بے اختیار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ کس طرح پر آپ نے ان کی کایا پلٹ دی اور انہیں بالکل رُو بخدا کر دیا۔ اللّٰھم صلّ علےٰ محمّد و علےٰ اٰل محمّد و بارک وسلّم۔

خلاصہ یہ کہ ہمارا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی **رضامندی** کے جویا اور طالب رہیں اور اسی کو اپنا اصل مقصود قرار دیں۔ ہماری ساری کوشش اور تگ و دَو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حاصل کرنے میں ہونی چاہیئے۔ خواہ وہ شدائد اور مصائب ہی سے حاصل ہو۔ یہ رضائے الٰہی دنیا اور اس کی تمام لذات سے افضل اور بالاتر ہے۔

شہید کون ہے؟

یہ بھی یاد رکھو کہ یہی شہادت نہیں کہ ایک شخص جنگ میں مارا جائے بلکہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ثابت قدم رہتا ہے اور اس کے لئے ہر دکھ درد اور مصیبت کو اُٹھانے کے لئے مستعد رہتا ہے اور اٹھاتا ہے وہ بھی شہید ہے۔ شہید کا مقام وہ مقام ہے جہاں وہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھتا اور مشاہدہ کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی اس کی قدرتوں اور تصرفات پر وہ اس طرح ایمان لاتا ہے جیسے کسی چیز کو انسان مشاہدہ کر لیتا

[1] الاحزاب: ۲۴

ہے جب اس حالت پر انسان پہنچ جاوے۔ پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینا کچھ بھی مشکل نہیں ہوتا بلکہ وہ اس میں راحت اور لذت محسوس کرتا ہے۔ شہادت کا ابتدائی درجہ خدا کی راہ میں استقلال اور ثبات قدم ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص نہ مرا اللہ کی راہ میں اور نہ تمنا کی مر گیا وہ نفاق کے شعبہ میں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرنا دُنیا کی زندگی سے وہ مقدم نہ کرے۔ پھر یہ کیسا گراں مرحلہ ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے دنیا کی حیات کو عزیز سمجھا۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں مرنے کے یہ معنے نہیں کہ انسان خواہ مخواہ لڑائیاں کرتا پھرے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام اور اوامر کو اس کی رضا کو اپنی تمام خواہشوں اور آرزوؤں پر مقدم کرے اور پھر اپنے دل میں غور کرے کہ کیا وہ دنیا کی زندگی کو پسند کرتا ہے یا آخرت کو اور خدا کی راہ میں اگر اس پر مصائب اور شدائد بھی پڑیں تو وہ ایک لذت اور خوشی کے ساتھ انہیں برداشت کرے اور اگر جان بھی دینی پڑے تو تردّد نہ ہو۔

پس یہی وہ امر ہے جو میں اپنی جماعت میں پیدا کرنا چاہتا ہوں کہ ان میں صحابہ کا نمونہ قائم ہو۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ جب کثرت سے ایسے خطوط آتے ہیں کہ جن میں دُنیا اور اس کی خواہشوں کا ذکر ہوتا ہے اور لکھا جاتا ہے کہ میرے لئے فلاں امر کے واسطے دُعا کرو میری فلاں آرزو پوری ہو جائے۔ بہت ہی تھوڑے لوگ ہوتے ہیں جو محض خدا کی رضا ہی کو مقدم کرتے ہیں اور اسی کی ہی خواہش اور آرزو کرتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ مکر سے لکھتے ہیں یعنی پہلے تو ذکر کرتے ہیں کہ آپ دعا کریں کہ ہمارے دل میں ذوق شوق عبادت کا پیدا ہو جاوے اور یہ ہو اور وہ ہو۔ پھر آخر میں اپنی دنیوی خواہشوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ میں بدلو دا تحریر ان کو شناخت کر لیتا ہوں کہ ان کی اصل غرض کیا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے اور وہ نیات کو خوب دیکھتا ہے۔ اس طرح پر گویا خدا کو دھوکہ دینا ہے۔ اس طریق کو بالکل چھوڑ دینا چاہیئے۔ تمہیں چاہیئے کہ خالصۃً اللہ کے لئے ہو جاؤ۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کو

مقدم کرو گے تو یقیناً سمجھو دنیا میں بھی ذلیل اور خوار نہیں رہو گے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے لئے غیرت ہوتی ہے وہ خود ان کا تکفل فرماتا ہے اور ہر قسم کی مشکلات سے انہیں نجات اور مخلصی عطا فرماتا ہے۔ میں یقیناً جانتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اگر تم میں وہ تخم بویا گیا جو صحابہؓ میں بویا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ ہر طرح اپنے فضل کرے گا۔ ایسے شخص پر کوئی شخص حملہ نہیں کر سکتا۔ اس امر کو خوب یاد رکھو۔ اگر خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا اور مضبوط تعلق ہو جاوے تو پھر کسی کی دشمنی کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ میرے نزدیک عیسیٰ یا موسیٰ کا دعویٰ حقیقت نہیں رکھتا۔ اصل غرض تو یہ ہے کہ میں مقامِ رضا حاصل کرنا چاہتا ہوں اور یہی سب کو کرنا چاہیئے یہ اس کا فضل اور محض فضل ہے کہ وہ اپنے انعامات سے حصہ دے اور اس کے حضور کوئی کمی اور اس کی ذات میں کوئی بُخل نہیں۔ یہ کبھی خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ میرے نزدیک جو شخص ایسا گمان کرتا ہے۔ وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اگر انبیاء و رسل کے انعامات کو حاصل نہیں کر سکتا تو پھر دُنیا میں آنے سے اس کا کیا فائدہ اور کیا حاصل؟ خدا تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرنے والوں اور راستبازوں کی ساری امیدوں کا خون ہو جاوے۔ اور وہ تو گویا زندہ ہی مر جاویں مگر نہیں ایسا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص پر وہی انعام کر سکتا ہے جو اس نے اپنے برگزیدہ بندوں پر کئے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اس قسم کا دل اور اخلاص لے کر اس کے حضور آؤ۔

میں نے از خود کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ میں اپنی خلوت کو پسند کرتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے مصالح نے ایسا ہی چاہا اور اس نے خود مجھے باہر نکالا۔ چونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ جب کسی شخص کو اس کی مناسب عزت سے بڑھ کر عظمت دی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس عظمت کا دشمن ہو جاتا ہے کیونکہ یہ اس کی توحید کے خلاف ہے۔ اسی طرح پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے وہ عظمت تجویز کر دی گئی تھی۔ جس کے وہ مستحق نہ تھے۔ یہاں تک کہ انہیں خدا بنا دیا گیا اور خانۂ خدا خالی ہو گیا۔ عیسائیوں سے پوچھ کر دیکھ لو۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح ہی خود خدا ہے۔ اب جس انسان کو اس قدر عظمت دی گئی اور اسے خدا بنایا گیا۔ (نعوذ باللہ)

اور اس طرح پر خدا کا پہلو گم کر دیا گیا تو کیا خدا تعالےٰ کی غیرت مخلوق کو اس انسان پرستی سے نجات دینے کے لئے جوش میں نہ آتی؟ پس اس تقاضا کے موافق اس نے مجھے مسیح کر کے بھیجا تا کہ دنیا پر ظاہر ہو جاوے کہ مسیح بجز ایک عاجز انسان کے اور کچھ نہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس کفر کی اصلاح کرے اور اس کے لئے یہی راہ اختیار کی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے ایک فرد کو اسی نام سے بھیج دیا تا ایک طرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار ہو اور دوسری طرف مسیح کی حقیقت معلوم ہو۔ یہ ایسی موٹی بات ہے کہ معمولی عقل کا انسان بھی اس کو سمجھ سکتا ہے۔ دیکھو اگر ایک بڑے آدمی کو معمولی اردلی سے مشابہت دی جاوے تو وہ چڑتا ہے یا نہیں؟ پھر کیا خدا تعالےٰ میں اتنی بھی غیرت نہیں کہ ایک عاجز انسان کو اس کی اُلوہیت کے عرش پر بٹھایا جاوے اور مخلوق تباہ ہو اور وہ انسداد نہ کرے؟ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مسیح نے ہرگز ایسا دعویٰ نہیں کیا کہ میں خدا ہوں۔ اگر وہ ایسا دعویٰ کرے تو میں جہنم میں ڈال دُوں۔ ایک مقام پر یہ بھی فرمایا ہے کہ مسیح سے اس کا جواب طلب ہو گا کہ کیا تو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو۔ تو حضرت مسیح اس مقام پر اس سے اپنی بریت ظاہر کریں گے اور آخر یہ کہیں گے۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم[1]۔ یعنی جب تک میں ان میں زندہ رہا تھا۔ میں نے ہرگز نہیں کہا۔ ہاں جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تُو آپ ان کا نگران تھا۔ اس سے پہلے مادمتُ فیھم[1] کا لفظ صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ جب تک حضرت مسیح زندہ رہے ان کی قوم میں یہ بگاڑ پیدا نہیں ہوا۔ ساری ضلالت بعد وفات ہوئی ہے اگر حضرت مسیح ابھی تک زندہ ہیں تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ عیسائی نہیں بگڑے بلکہ حق پر ہیں۔ پس غور کر کے بتاؤ اسلام کی حقانیت پر یہ کس قدر خطرناک حملہ ہو گا۔ کیونکہ جب ایک سچا مذہب موجود ہے اور اس میں کوئی خرابی ہی پیدا نہیں ہوئی تو پھر جو کچھ وہ کہتے ہیں مان لینا چاہیئے۔ مگر نہیں خدا تعالےٰ کا کلام حق ہے کہ یہی سچ ہے کہ وہ مر گئے اور عیسائی مذہب بھی اُن کے ساتھ ہی مر گیا اور اس میں کوئی

[1] المائدۃ : ۱۱۸

رُوح حق اور حقیقت کی نہیں رہی۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں نہیں آئیں گے کیونکہ وہ عیسائیوں کے بگڑنے کا اقرار اپنی موت کے بعد کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے آنا تھا تو وہ یہ جواب نہ دیتے۔ ورنہ یہ جواب اللہ تعالیٰ کے حضور جھوٹ سمجھا جاوے گا۔ اور رب العرش العظیم کے حضور حلف دروغی ہوگی کیونکہ اس صورت میں تو انہیں کہنا چاہئے تھا کہ میں گیا اور جا کر ان صلیبوں کو توڑا اور ان میں پھر توحید قائم کی وغیرہ وغیرہ۔

غرض یہ میرا دعویٰ جو اللہ تعالیٰ کے ایماء اور حکم صریح سے کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے عظیم الشان مصالح اور حکمت سے ایسا ہی چاہا ہے تاکہ مسیح کی عظمت کو توڑا جاوے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا ہے۔ یہودی خدا تعالیٰ کی برگزیدہ قوم کہلاتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے شریعت کی بے حرمتی کی اور وہ حد سے زیادہ بگڑ گئے تو اللہ تعالیٰ کی غیرت نے نہ چاہا کہ اُن میں نبوت کا سلسلہ رہے اور نبوت کو خاندان بنو اسمٰعیل میں منتقل کر کے ختم کر دیا جیسا کہ خود حضرت عیسیٰؑ نے بھی باغ والی تمثیل میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہودیوں کی اس شوخی اور گستاخی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر ذلت کی مار ماری گئی۔ اب وہ ہر سلطنت کے ماتحت ذلیل ہیں بلکہ بعض سلطنتوں سے کئی دفعہ نکالے گئے ہیں۔ اب جبکہ یہود پر ذلت پڑ چکی اور نبوت ان کے خاندان سے منتقل ہو چکی۔ تو کیا یہ انتقال نبوت تنزل کے طور پر تھا اور ناقص تھا؟ اگر ایسا تھا تو پھر یہودی ناز کر سکتے ہیں اور وہ یہ پیش کر سکتے ہیں کہ ہم پر یہ فضل ہوا۔ اور وہ انعام ہوا۔

منجملہ اس کے ایک یہ بھی کہ توریت کی خدمت اور اس کے استحکام کے لئے برابر خلفاء و رسل آتے رہے۔ لیکن قرآن شریف کو یہ مرتبہ حاصل نہ ہوا (نعوذ باللہ من ذالک) سوچ کر بتاؤ۔ کہ کیا یہ اسلام کی بے عزتی اور نقص کی دلیل ہوگی یا اس کے لئے عظمت کا ذریعہ؟

مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میرے مخالفوں نے میری مخالفت میں یہاں تک غلو کیا ہے کہ اسلام کی بھی سخت ہتک کر لینی انہوں نے گوارا کی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو جو خاتم الانبیاء اور تمام نبیوں سے افضل اور اکمل تھے (صلے اللہ علیہ وسلم) معاذ اللہ ناقص نبی ٹھہرایا۔ جب یہ تسلیم کر لیا اور اپنا عقیدہ بنا لیا کہ اب کوئی شخص ایسا نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ سے شرف مکالمہ پا سکے اور خدا تعالیٰ اس کے ہاتھ پر تائیدی نشان ظاہر کر سکے تو تم خود بتاؤ کہ اس عقیدہ سے اسلام کا کیا باقی رہتا ہے؟ اگر خدا تعالیٰ پہلے بولتا تھا مگر اب نہیں بولتا تو اس کا ثبوت کیا ہے کہ وہ پہلے بولتا تھا۔ اگر خدا تعالےٰ پہلے خارق عادت تصرفات دکھاتا تھا مگر اب نہیں دکھاتا تو اس کا کیا ثبوت ہے؟ قصے کہانیاں کون قوم بیان نہیں کرتی۔ افسوس ان کو تعصب نے ایسا اندھا کر دیا ہے کہ کچھ بھی ان کو سجھائی نہیں دیتا اور میری مخالفت میں یہ اسلام کو بھی ہاتھ سے دیتے ہیں۔

غرض اگر یہودی ضربت علیھم الذلّۃ[1] کے مصداق ہو چکے ہیں اور نبوت اس خاندان سے منتقل ہو چکی ہے تو پھر یہ ناممکن ہے کہ مسیح دوبارہ اسی خاندان سے آوے۔ اگر یہ تسلیم کیا جاوے تو اس کا نتیجہ یہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ادنیٰ نبی مانا جاوے اور اس امت کو بھی ادنیٰ اُمت۔ حالانکہ یہ قرآن شریف کے منشاء کے صریح خلاف ہے کیونکہ قرآن شریف نے تو صاف طور پر فرمایا کنتم خیر امۃ اخرجت للناس[2]۔ پھر اس امت کو خیر الامت کی بجائے شر الامت کہو گے؟ اور اس طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ پر حملہ ہوگا۔ مگر یقیناً یہ سب جھوٹ ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ اعلیٰ درجہ کی تھی اور ہے اس لئے کہ وہ اب تک اپنا اثر دکھا رہی ہے اور تیرہ سو سال گذرنے کے بعد مطہر اور مقدس وجود پیدا کرتی ہے۔

اللہ تعالےٰ کا انتقال نبوت سے یہی منشاء تھا کہ وہ اپنا فضل وکمال دکھانا چاہتا تھا جو اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کیا تھا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اھدنا الصراط المستقیم میں۔ یعنی اے اللہ ہم پر وہ انعام و اکرام کر جو پہلے نبیوں اور صدیقوں شہیدوں اور صالحین پر تو نے کئے ہیں ہم پر بھی کر۔ اگر خدا تعالےٰ یہ انعام و اکرام کر ہی نہیں سکتا تھا

[1] البقرۃ : ۶۲ [2] آل عمران : ۱۱۱

اور ان کا دروازہ بند ہو چکا تھا تو پھر اس دعا کی تعلیم کی کیا ضرورت تھی ؟ اسرائیلیوں پر تو یہ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اگر یہاں بھی بند ہو گیا تو پھر کیا فائدہ ہوا ؟ اور کس بات میں بنی اسرائیل پر اس امت کو فخر ہوا ؟ جو خود اندھا ہے وہ دوسرے اندھے پر کیا فخر کر سکتا ہے ؟

اگر وحی ، الہام ، خوارق یہودیوں پر بند ہو چکے ہیں تو پھر یہ بتاؤ کہ یہ دروازہ کسی جگہ جا کر کھلا بھی یا نہیں ؟ ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ نہیں ہم پر بھی یہ دروازہ بند ہے۔ یہ کیسی بدنصیبی ہے۔ پانچ وقت اھدنا الصراط المستقیم[1] کی دعا کرتے ہیں اور اس پر بھی کچھ نہیں ملتا۔ تعجب۔ اللہ تعالےٰ کا خود ایسی تعلیم کرنا تو یہ معنے رکھتا ہے کہ میں تم پر انعام و اکرام کرنے کیلئے تیار ہوں جیسے کسی حاکم کے سامنے پانچ امیدوار ہوں اور وہ ان میں سے ایک کو کہے کہ تم یہاں حاضر رہو تو اس کے یہی معنے ہوتے ہیں کہ اس کو ضرور کام دیا جاوے گا۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ نے یہ دُعا تعلیم کی اور پانچ وقت یہ پڑھی جاتی ہے مگر ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ اس کا کچھ بھی اثر اور نتیجہ نہیں ہوتا۔ کیا یہ قرآن شریف کی ہتک اور اسلام کی ہتک نہیں ؟ میرے اور ان کے درمیان یہی امر دراصل متنازع فیہ ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اسلام کے برکات اور تاثیرات جیسے پہلے تھیں ویسے ہی اب بھی ہیں۔ وہ خدا اپنے تصرفات اب بھی دکھاتا ہے اور کلام کرتا ہے۔ مگر یہ اس کے مقابلہ میں کہتے ہیں کہ اب یہ دروازہ بند ہو چکا ہے اور خدا تعالےٰ خاموش ہو گیا وہ کسی سے کلام نہیں کرتا۔ دعاؤں میں تاثیر اور قبولیت نہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک تاثیرات پیچھے رہ گئی ہیں اب نہیں۔ افسوس ان پر۔ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف اور خدا تعالےٰ کی قدر نہیں کی۔

اسلام زندہ مذہب اور ہماری کتاب زندہ کتاب اور ہمارا خدا زندہ خدا اور ہمارا رسُول زندہ رسُول۔ پھر اس کے برکات ، انوار اور تاثیرات مُردہ کیونکر ہو سکتی ہیں ؟ میں اس مخالفت کی کچھ پروا نہیں کر سکتا۔ ان کی مخالفت کے خیال سے میں خدا تعالےٰ اور اس کے رسُول اور اس کی کتاب کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔

[1] الفاتحۃ : ۶

لاہور میں عبدالحکیم نام ایک شخص سے میری گفتگو ہوئی۔ اس نے کہا کہ الہام پہلی امتوں کا خاصہ تھا۔ یہانتک کہ عورتوں کو بھی وحی ہوتی تھی مگر اس امت میں یہ دروازہ بند ہے کیسے شرم کی بات ہے۔ کیا یہ امت بنی اسرائیل کی عورتوں سے بھی گئی گذری ہو گئی اور خدا تعالیٰ نے اس کے لئے یہی چاہا ہے کہ وہ خیرالامم کہلا کر بھی محروم رہے ؟

اس عبدالحکیم نے تو یہانتک کہدیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی محدّث نہ تھے۔ وہ بھی صرف ان کو ایک خوش کرنے کی بات تھی۔ محدّث وہ بھی نہ تھے۔

مختصر یہ کہ اس قسم کی ہتک اسلام اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ لوگ کرتے ہیں۔ پھر میں ان کی مخالفت کی کیا پروا کروں ؟ یہ لوگ اسلام کے دوست نہیں۔ دشمن ہیں۔ اگر بقول ان کے سب بے نصیب ہیں تو پھر کیا فائدہ ؟ ہزار اتباع کریں۔ معرفت نہ بڑھے گی تو کوئی احمق اور نادان ہی ہوگا جو اس پہ بھی اتباع ضروری سمجھے۔ حضرت عیسٰی کا آنا نہ آنا تو امر ہی الگ ہے۔ اس سوال کو پیچھے چھوڑو۔ پہلے یہ تو فیصلہ کرو کہ کیا اس امت پر بھی وہ برکات اور **فیوض** ہوں گے یا نہیں ؟ جب یہ فیصلہ ہو لے تو پھر عیسٰی کی آمد کا سوال جھٹ حل ہو سکتا ہے۔

یہ لوگ جن ہلکات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ وہ بہت خطرناک مرض ہے اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہوگی کہ اس اُمت کی نسبت باوجود خیرالامم ہونے کے یہ یقین کر لیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل شرف مکالمہ سے محروم ہے۔ اور خواہ ساری عمر کوئی مجاہدہ کرتا رہے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا (نعوذ باللہ) جیسے کہدیا جاوے کہ خواہ ہزار ہاتھ تک کھودتے چلو مگر پانی نہیں ملے گا۔ اگر یہ سچ ہے جیسا کہ ہمارے مخالف کہتے ہیں۔ تو مجاہدہ اور دعا کی کیا حاجت ہے ؟ کیونکہ انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ جس کو ممکن الحصول سمجھتا ہے۔ اسے تلاش کرتا ہے اور اس کے لئے سعی کرتا ہے اور اگر اسے یہ خیال اور یقین نہ ہو تو وہ مجاہدہ اور سعی کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ جیسے ہُما یا عنقا کی کوئی تلاش نہیں کرتا۔ اس لئے

کہ سب جانتے ہیں کہ یہ چیزیں ناممکن الحصول ہیں۔ پس اسی طرح جب یہ یقین کر لیا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے مکالمہ کا شرف ملنے کا ہی نہیں اور خوارق اب دیئے ہی نہیں جا سکتے۔ تو پھر مجاہدہ اور دُعا جو اس کے لئے ضروری ہیں۔ محض بیکار ہوں گے اور اس کے لئے کوئی جرأت نہ کرے گا اور اس امت کے لئے نعوذ باللہ مَن کان فی ھٰذہٖ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ[1] صادق آئے گا اور اس سے خاتمہ کا بھی پتہ لگ جائے گا کہ وہ کیسا ہوگا کیونکہ اس میں تو کوئی شک وشبہ ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ جہنمی زندگی ہے۔ پھر آخرت میں بھی جہنم ہی ہوگا اور اسلام ایک جھوٹا مذہب ٹھہرے گا اور نعوذ باللہ خدا تعالیٰ نے بھی اس امت کو دھوکا دیا کہ خیر الامت بنا کر پھر کچھ بھی نہ دیا۔

اس قسم کا عقیدہ رکھنا ہی کچھ کم بد قسمتی اور اسلام کی ہتک نہ تھی کہ اس پر دوسری مصیبت یہ آئی کہ اس کے لئے وجوہات اور دلائل پیدا کرنے لگے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ یہ دروازہ **مکالمات ومخاطبات** کا اس وجہ سے بند ہو گیا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ما کان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین[2] یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین ہیں اس لئے آپ کے بعد یہ فیض اور فضل بند ہو گیا مگر ان کی عقل اور علم پر افسوس آتا ہے کہ یہ نادان اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اگر ختم نبوت کے ساتھ ہی معرفت اور بصیرت کے دروازے بھی بند ہو گئے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) خاتم النبیین تو کجا نبی بھی ثابت نہ ہوں گے۔ کیونکہ نبی کی آمد اور بعثت تو اس غرض کے لئے ہوتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ پر ایک یقین اور بصیرت پیدا ہو اور ایسا ایمان ہو جو لذیذ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے تصرفات اور اس کی قدرتوں اور صفات کی تجلی کو انسان مشاہدہ کرے اور اس کا ذریعہ بھی اس کے مکالمات ومخاطبات اور خوارق عادات ہیں۔ لیکن جب یہ دروازہ ہی بند ہو گیا تو پھر اس بعثت سے فائدہ کیا ہوا؟

میں بڑے افسوس سے کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہرگز ہرگز قدر

[1] بنی اسرائیل : ۷۳ [2] الاحزاب : ۴۱

نہیں کی اور آپ کی شان عالی کو بالکل نہیں سمجھا ورنہ اس قسم کے بیہودہ خیالات یہ نہ تراشتے اس آیت کے اگر یہ معنے جو یہ پیش کرتے ہیں تسلیم کر لئے جاویں تو پھر گویا آپ کو نعوذ باللہ ابتر ماننا ہوگا۔ کیونکہ جسمانی اولاد کی نفی تو قرآن شریف کرتا ہے اور رُوحانی کی یہ نفی کرتے ہیں تو پھر باقی کیا رہا؟

اصل بات یہ ہے کہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان کمال اور آپ کی قوت قدسیہ کا زبردست اثر بیان کرتا ہے کہ آپ کی روحانی اولاد اور روحانی تاثیرات کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ آئندہ اگر کوئی فیض اور برکت کسی کو مل سکتی ہے تو اسی وقت اور حالت میں مل سکتی ہے جب وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع میں کھویا جاوے اور فنا فی الرسول کا درجہ حاصل کرلے۔ بدوں اس کے نہیں اور اگر اس کے سوا کوئی شخص ادعائے نبوت کرے تو وہ کذّاب ہوگا۔ اس لئے نبوت مستقلہ کا دروازہ بند ہوگیا اور کوئی ایسا نبی جو بجز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور وراثت شریعت اور فنا فی الرسول ہونے کے مستقل نبی صاحب شریعت نہیں ہوسکتا۔ ہاں فنا فی الرسول اور آپ کے امتی اور کامل متبعین کے لئے یہ دروازہ بند نہیں کیا گیا۔ اسی لئے براہین میں یہ الہام درج ہے۔

كلُّ بركةٍ من محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فتبارك من علّم وتعلّم

یعنی یہ مخاطبات اور مکالمات کا شرف جو مجھے دیا گیا ہے یہ محض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا طفیل ہے اور اس لئے یہ آپ ہی سے ظہور میں آرہے ہیں۔ جس قدر تاثیرات اور برکات وانوار ہیں وہ آپ ہی کے ہیں۔

اب حضرت عیسٰی کے لئے تم خود فتویٰ دو کہ اس کے متعلق تم کیا سمجھتے ہو اور یقین کرتے ہو۔ کیا یہ مانتے ہو کہ اس کو جو کچھ دیا جائے گا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک اُمتی ہونے اور آپ کی کامل اتباع کی وجہ سے نصیب ہوگا یا پہلے سے انہیں دیا گیا ہے؟ یہ مانتے ہیں کہ وہ توریت اور حضرت موسٰی علیہ السلام کا متبع تھا۔ پھر یہ تو توریت

کافر ہوا نہ کہ قرآن مجید کا۔ پھر کیسی بیہودگی ہے کہ ایسا عقیدہ رکھا جاوے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی ہتک شان کا موجب ہو۔ اس لئے یہ ضرور ہے کہ آنے والا مسیح اسی امت سے ہو اور وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے برکت اور تعلیم پائے اور آپ ہی کے فیض اور ہدایت سے روشنی حاصل کرے۔

میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے مخالف اس موقعہ پر چالاکی سے کہہ دیتے ہیں کہ آنے والا عیسٰی امتی ہوگا۔ یہ مصیبت انہیں بخاری اور مسلم سے آئی کیونکہ اس میں اماکم منکم اور امکم منکم لکھا ہوا ہے اس لئے حضرت عیسٰی کو امتی بناتے ہیں مگر نہیں سمجھتے کہ امتی تو وہ ہوتا ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے بغیر گمراہ تھا جو رُشد اور ہدایت اس نے پائی وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور تعلیم سے پائی۔ مگر یہ وہ تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام پہلے گمراہ تھے اور اب بھی گمراہ ہیں۔ جس وقت آئیں گے اس وقت آپ کی ہدایت اور تعلیم پر عمل کرنے سے وہ درجہ اور عزت انہیں ملے گی۔ پھر اماکم منکم کا مفہوم اس صورت میں تو درست نہ ٹھہرا۔

افسوس کا مقام ہے کہ ان لوگوں نے قرآن شریف اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر غور کرنا چھوڑ دیا ہے اور جو حَکَم ہو کر آیا تھا اس کا انکار کر دیا۔ پھر ان کو سمجھ آوے تو کیونکر آوے۔

اماکم منکم صاف طور پر یہی ظاہر کرتا تھا کہ آنے والا امام تم میں سے ہی ہوگا مگر یہ اس پر راضی نہیں ہوتے۔ یہ امت کو شر الامم اور یہودی بنا کر تو خوش ہو جاتے ہیں لیکن مسیح اور امام کا آنا اس اُمت سے تسلیم نہیں کرتے۔ اب یا تو حضرت مسیح کی نسبت یہ اقرار کریں کہ وہ گمراہ ہیں (معاذ اللہ) جیسا کہ عیسائیوں نے اقرار کر لیا کہ وہ ملعون ہیں۔ (نعوذ باللہ)۔ عیسائیوں نے لعنتی تو ان کو کہدیا مگر لعنت کے مفہوم سے بے خبر ہیں۔ اگر ان کو پہلے خبر ہوتی کہ لعنت کا یہ مفہوم ہے تو کبھی نہ کہتے۔ میں نے فتح مسیح کو لکھا کہ لعنت

. . . . کا مفہوم تو یہ ہے کہ ملعون لا ندہ درگاہ ہو اور خدا اس سے بیزار اور وہ خدا سے بیزار ہو اور شیطان سے جا ملے۔ اب بتاؤ کہ تم مسیح کے لئے یہ لفظ تجویز کرتے ہو؟ تو آخر وہ جواب نہ لکھ سکا۔ اور حقیقت میں اس کا جواب ہے ہی نہیں۔ انہوں نے غلطی سے لعنت کے مفہوم سے بے خبر رہ کر یہ لفظ ان کے لئے تراش لیا۔ اب جو خبر ہوئی تو فکر پڑی کہ کیا کیا جاوے۔[1]

اسی طرح پر اگر یہ لوگ امتی کے مفہوم پر نظر ڈالیں اور غور کریں تو غلطی نہ کھائیں۔ کیونکہ امتی کے معنے یہی ہیں کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فیضان و برکات سے مستفیض ہو۔ اور ترقی کرے۔ لیکن جس کے لئے یہ کہتے ہیں وہ تو پہلے ہی پیغمبر ہے۔ اس کو کونسا موقعہ ملا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے استفاضہ کرے۔

پھر نبی کے لفظ پر بھی بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دعویٰ نبوت ہے۔ میں کہتا ہوں یہ تو نری لفظی نزاع ہے نبی تو خبر دینے والے کو کہتے ہیں اب جس شخص کیساتھ اللہ تعالیٰ کے مخاطبات اور مکالمات ہوتے ہیں۔ اس کا کیا نام رکھا جاوے گا۔ اور یہ نبوت تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہی طفیل اور اتباع کا نتیجہ ہے۔ میں اس کو کفر اور لعنت سمجھتا ہوں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے استفاضہ کئے بغیر کوئی شخص نبوت کے چشمہ سے حصہ لیتا ہے اور مستقل نبوت کا مدعی ہے۔ یہ نرے دھوکے ہیں جو ان لوگوں کو لگے ہوئے ہیں اور بعض باوجودیکہ اس امر کو بخوبی سمجھتے ہیں لیکن جہلاء اور عوام کو بھڑکانے کیلئے ایسی باتیں کرتے ہیں تا کہ وہ میری کتابوں سے بیزار ہو جائیں اور انہیں پڑھ کر فائدہ نہ اٹھا سکیں

کاش یہ لوگ سمجھتے کہ انہوں نے حضرت مسیح کے لئے جو خصوصیتیں تجویز کی ہیں ان کا نتیجہ کیا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ مس شیطان سے وہی پاک ہے اور روح القدس کے سایہ سے پیدا ہوا ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر وہی گئے ہیں اور کوئی دوسرا

[1] حاشیہ۔ الحکم جلد ۹ نمبر ۳۸ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔

اس میں شریک نہیں۔ پھر وہی آسمان سے اُترے گا اور قیامت کے قریب آخری قاضی وہی ہوں گے اور پھر یہ بھی خصوصیت کہ دو ہزار برس ہونے کو آئے وہ اب تک آسمان پر ہیں اور کھانے پینے اور دیگر حوائج انسانی کے محتاج نہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو بھوک سے پتھر پیٹ پر باندھ لیتے مگر ان کو اس کی بھی ضرورت نہیں۔ کوئی اثر زمانہ کا اس پر نہیں ہوا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بیماری کا اثر ہو مسیح پر بالکل نہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر شیب اور پیرانہ سالی کے آثار ظاہر ہوں مگر مسیح ان سے بھی محفوظ۔ اب سوچو اور بتاؤ کہ اس کا کیا نتیجہ نکلیگا۔ یقیناً یہی نتیجہ ہوگا کہ انہیں ساری دنیا سے الگ اور نرالا مانا جاوے یا دوسرے الفاظ میں ان کو خدا ہی کہا جاوے اس لئے کہ ایسی خصوصیتیں یقیناً انہیں خدا بناتی ہیں اور عیسائی اس کو پیش کرتے ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کو یہودیوں کے ہاتھ سے نجات دے کر اُن کے الزاموں سے اُن کو بَری کیا تھا تاکہ اُن کو زک دے اور پھر اس سلسلہ محمدیہ کو قائم کر کے بتا دیا تھا کہ خدا تعالےٰ کا فضل جس طرف وہ چاہتا ہے آتا ہے خواہ اسرائیلیوں میں ہو خواہ اسماعیلیوں میں۔ اب تو یہودیوں کے ہاتھ میں نرا حسد ہے۔ لیکن اگر وہ دیکھیں کہ ان کے کمالات کا سلسلہ بند نہیں ہوا تو پھر نری رسالت سے کیا حسد۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود عدم وجود معاذاللہ برابر ہو جائے گا۔ کیونکہ آپ کے کمالات فیوض اور برکات کا سلسلہ بجائے آگے چلنے کے انہیں پر ختم ہو گیا۔

مجھے سخت تعجب آتا ہے کہ یہ لوگ میری مخالفت میں کچھ ایسے اندھے ہو رہے ہیں کہ وہ اس کے انجام اور نتائج سے بالکل بے خبر اور بے پروا ہو رہے ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اگر آپ کا سلسلہ آپ سے ہی شروع ہو کر آپ ہی پر ختم ہو گیا تو آپ ابتر ٹھہریں گے (معاذاللہ) حالانکہ اللہ تعالےٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ[1]۔ یعنی تجھے تو ہم نے کثرت کے ساتھ رُوحانی اولاد عطا کی ہے جو تجھے بے اولاد کہتا ہے وہی ابتر ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جسمانی فرزند تو کوئی تھا نہیں۔ اگر رُوحانی طور پر

[1] الکوثر: ۴

بھی آپ کی اولاد کوئی نہیں تو ایسا شخص خود بتاؤ کیا کہلاوے گا ؟ میں تو اس کو سب سے بڑھ کر بے ایمانی اور کفر سمجھتا ہوں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس قسم کا خیال بھی کیا جاوے۔ انّا اعطیناک الکوثر[1] کسی دوسرے نبی کو نہیں کہا گیا۔ یہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا خاصہ ہے۔ آپ کو اس قدر رُوحانی اولاد عطا کی گئی جس کا شمار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ قیامت تک یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔ رُوحانی اولاد ہی کے ذریعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم **زندہ نبی** ہیں کیونکہ آپ کے **انوار و برکات** کا سلسلہ برابر جاری ہے اور جیسے اولاد میں والدین کے نقوش ہوتے ہیں اسی طرح رُوحانی اولاد میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور فیوض کے آثار اور نشانات موجود ہیں۔ الولد سرّ لابیہ

صوفیوں نے اس حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کو صحیح مانا ہے اور فی الحقیقت یہ صحیح ہے اور یہودیوں پر اسی سے مار پڑتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس امت کو ایسا شرف عطا فرمایا کہ علماء امت کو انبیاء بنی اسرائیل کی مثل ٹھہرایا۔ علماء کے لفظ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ عالم وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ إنّما یخشی اللہ من عبادہ العلمؤا[2] یعنی بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس کے بندوں میں سے وہی عالم ہیں۔ ان میں عبودیت تامہ اور خشیت اللہ اس حد تک پیدا ہوتی ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے ایک علم اور معرفت سیکھتے ہیں اور اسی سے فیض پاتے ہیں اور یہ مقام اور درجہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع اور آپ سے پوری محبت سے ملتا ہے یہانتک کہ انسان بالکل آپ کے رنگ میں رنگین ہو جاوے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم[3]

یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اس اتباع کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریگا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ پس اب اس آیت سے صاف ثابت ہے کہ جب تک انسان کامل متبع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ سے فیض و

[1] الکوثر: ۲ [2] فاطر: ۲۹ [3] آل عمران: ۳۲

برکات پا نہیں سکتا اور معرفت اور بصیرت جو اس کی گناہ آلود زندگی اور نفسانی جذبات کی آگ کو ٹھنڈا کر دے عطا نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ ہیں جو علماء امتی کے مفہوم کے اندر داخل ہیں۔

غرض ایک طرف تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرمایا کہ انا اعطیناک الکوثر اور دوسری طرف اس اُمت کو کنتم خیر اُمّۃ کہا تاکہ یہودیوں پر زد ہو۔ مگر میرے مخالف عجیب بات کہتے ہیں کہ یہ امت باوجود خیر الامت ہونے کے پھر شر الامت ہے۔ بنی اسرائیل میں تو عورتوں تک کو شرف مکالمہ الہیہ دیا گیا۔ مگر اس امت کے مرد بھی خواہ کیسے ہی متقی ہوں اور خدا تعالےٰ کی رضا جوئی میں مریں اور مجاہدہ کریں مگر ان کو حصہ نہیں دیا جائے گا اور یہی جواب ان کے لئے خدا کی طرف سے ہے کہ بس تمہارے لئے مُہر لگ چکی۔ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور گستاخی اور اس پر سُوء ظن اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین اور اسلام کی ہتک کیا ہوگی۔ دوسری قوموں کو ملزم کرنے کے لئے یہی تو زبردست اور بے مثل اوزار ہمارے ہاتھ میں ہے اور اسی کو تم ہاتھ سے دیتے ہو۔

پھر ایک اَور بات قابل غور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو سلسلے قائم کئے تھے۔ پہلا سلسلہ سلسلۂ موسوی تھا۔ دوسرا سلسلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ یعنی محمدی سلسلہ۔ اور اس دوسرے سلسلہ کو مثیل ٹھہرایا۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی مثیلِ موسیٰ کہا گیا تھا۔ توریت کی کتاب استثنار میں یہی لکھا تھا کہ تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی اُٹھاؤنگا اور قرآن شریف میں یہ فرمایا۔ انّا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً[1]۔ یعنی بیشک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا جو تم پر شاہد ہے اسی طرح یہ رسُول بھیجا گیا ہے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسُول بھیجا گیا تھا (یعنی موسیٰ کی طرح) اب غور کرو کہ اس میں کما کا لفظ صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ اس سلسلہ میں بھی کمالات و برکات کی کمی نہ ہوگی۔

پھر سورہ نور میں آیت استخلاف میں بھی یہی کما کا لفظ آیا۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا

[1] المزمّل : ۱۶

منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم[1] اسی امت کے اب مومنین اور اعمال صالحہ بجالانے والوں سے خلافت کا وعدہ کیا گیا اسی طرح پر جس طرح بنی اسرائیل میں خلفاء کیئے گئے تھے۔ یہاں بھی وہی کما کا لفظ موجود ہے۔ ایک طرف تو اس سلسلہ کو سلسلہ موسویہ کا مثیل ٹھہرایا۔ دوسری جگہ سلسلہ موسوی کی طرح خلفاء بنانے کا وعدہ کیا۔ پھر کیا دونو سلسلوں کا طبعی توافق ظاہر نہیں کرتا کہ اس امت میں خلفاء اسی رنگ کے قائم ہوں؟ ضرور کرتا ہے۔

اور اس میں تو کوئی کلام ہی نہیں کہ سلسلہ موسویہ میں تیرھواں خلیفہ مسیح تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سلسلہ محمدیہ میں تیرھواں خلیفہ مسیح نہ کہلائے؟ اس لئے ضرور تھا کہ آنے والے کا نام مسیح لکھا جاتا۔ یہی بھید ہے جو خدا تعالیٰ نے اس امت میں بھی ایک مسیح کا وعدہ کیا۔

بعض نادان اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام تو مثیل موسیٰ رکھا ہے۔ مگر آخر میں آنے والے خلیفہ کا نام عیسیٰ رکھا ہے مثیل عیسیٰ نہیں رکھا اس لئے وہ آپ ہی آجائے گا۔

اس قسم کے اعتراض بظاہر دھوکا دہ ہیں اور ممکن ہے کہ وہ آدمی جو اصل حالات سے واقف نہیں۔ اس کو سنکر گھبرا جاوے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام تو مثیل موسیٰ ہی ہونا چاہیئے تھا۔ اس لئے کہ توریت کی کتاب استثناء میں مثیل موسیٰ ہی کہا گیا تھا۔ لیکن اگر آپ موسیٰ ہونے کا دعویٰ کرتے تو کتاب والے کہتے کہ ہمیں تو مثیل موسیٰ کا وعدہ دیا گیا ہے نہ کہ موسیٰ کا۔ اس لئے ان کو توجہ دلانے کے واسطے وہی لفظ رکھا جو وہاں موجود تھا مگر یہاں اس کے خلاف بات تھی۔ پہلی کتابوں سے اور انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ آئے گا۔ مگر جب یہ ثابت ہو چکا کہ وہ وفات پا چکے ہیں اور آچکے ہیں تو کوئی خیال بھی نہیں کرے گا کہ وہ زندہ ہو کر آجائیں گے۔

رہا وفات کا مسئلہ۔ وہ ایسا صاف ہے کہ اس پر زیادہ لکھنے کی حاجت ہی نہیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے قول سے یاعیسیٰ انی متوفیک[2] اور حضرت مسیح نے اپنے اقرار سے فلما توفیتنی[3] اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی رؤیت سے جبکہ معراج کی رات حضرت عیسیٰ کو حضرت یحییٰ (علیہما السلام) کے ساتھ اکٹھا دیکھا۔ ثابت کر دیا ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں ورنہ اگر وہ زندہ ہیں تو مُردہ

[1] النور: ۵۶ [2] اٰل عمران: ۵۶ [3] المائدۃ: ۱۱۸

کے پاس رہنے کا کیا تعلق؟ اور اس کے علاوہ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر پہلا اجماع یہی کیا کہ مسیح فوت ہو گیا جیسا کہ بارہا میں نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی وفات پر تلوار نکال لی اور کہا اگر کوئی آپ کو مُردہ کہیگا تو اس کا سر اُڑا دوں گا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا۔ وما محمدٌ الّا رسول قد خلت من قبله الرسل[1]۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی ایک رسُول ہیں اور آپ سے پیشتر سب رسُول وفات پا چکے ہیں۔ اب بتاؤ۔ اس میں مسیح یا کسی اَور کی کیا خصوصیت ہے؟ کیا حضرت ابوبکرؓ نے کسی کو باہر رکھ لیا تھا اور صحابہؓ کب گوارا کر سکتے تھے کہ وہ کسی اور کو تو زندہ تسلیم کریں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ تجویز کریں کہ آپ نے وفات پائی ہے۔

غرض صحابہ کا اجماع بھی موت پر مُہر کرتا ہے اور پھر عقل سلیم تو دُور سے اس کو دھکے دیتی ہے۔ عام طور پر ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اگر عقل کے سامنے یہ پیش کریں کہ کانوں سے دیکھتے ہیں۔ . . . . تو وہ کب اس کو مان لے گی۔ اسی طرح جب آدم سے لے کر اب تک آسمان پر زندہ اسی جسم کے ساتھ جانے کی کوئی نظیر نہیں ملتی تو ہم کیونکر مان لیں کہ مسیح زندہ اور اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلا گیا۔ نظیر اگر کوئی ملتی ہے تو وہ **ایلیاء** کی آمد کی نظیر ہے جس کا وعدہ ملاکی نبی کی کتاب میں کیا گیا تھا اور اس کے آنے کا فیصلہ خود حضرت مسیح نے کیا کہ آنے والا ایلیا، یہی **یوحنّا** ہے۔ چاہو تو قبول کرو۔ اب اس نظیر سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ آمد کے یہی معنے ہوتے ہیں اور ایسے الفاظ بطور استعارہ کے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر فیصلہ موت میں شک ہو تو پہلے ان دلائل کو توڑو اور پھر آنے والے کا جو فیصلہ حضرت عیسٰی کی اپنی عدالت سے ہوا۔ اس کے خلاف کوئی فیصلہ پیش کرو۔ انہوں نے تو ثابت کیا کہ آنے والا بروزی رنگ میں آیا کرتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ وہ حقیقی مُردے زندہ کر دیا کرتے تھے۔ پس اگر یہ سچ ہے تو کیوں انہوں نے ایلیاء کو زندہ نہ کر لیا تاکہ ان کی نبوت مشتبہ نہ ہوتی اور یہودیوں کی قوم تباہ نہ ہوتی۔ انہوں نے ملاکی نبی کی پیشگوئی ہی کا تو

[1] آل عمران : ۱۴۵

سوال کیا تھا۔ ان کی راہ میں روک اور پتھر وہی امر ہوا نہ کوئی اَور۔ اس تاویل پر جو حضرت مسیح نے کی تھی وہ راضی نہ ہوئے اور انکار کرکے لعنتی ٹھہرے۔

بعض اوقات جب اس دلیل کا نقض ہمارے مخالف نہیں کر سکتے تو پھر کہدیتے ہیں کہ یہ کتابیں محرّف مبدّل ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ محرّف مبدّل ہی سہی، لیکن تواتر قومی کو کیا کرو گے؟ یہودی اب تک موجود ہیں۔ ان سے پُوچھ لو کہ کیا وہ اس امر کے منتظر نہیں ہیں کہ مسیح سے پہلے ایلیاء ضرور آئے گا۔ اور عیسائی بھی اس کے قائل۔ اگر وہ قائل نہ ہوتے تو ایلیاء کا بروز یُوحنّا کو کیوں تسلیم کرتے؟

پس یہودی اور عیسائی باوجودیکہ وہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ مگر اس امر پر بالکل متفق ہیں۔ ایسی صورت میں یہ امر بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ یہ امور ہمارے زبردست مؤید ہیں جیسے یحییٰ کا نام الیاس رکھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ رکھا۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ اس نام میں حکمت کیا ہوئی؟ اس کے جواب میں یاد رہے کہ یہود اسی شرارت کی وجہ سے منحرف ہوئے تھے کہ الیاس نہیں آیا۔ چنانچہ ایک فاضل یہودی کی کتاب میرے پاس موجود ہے اس نے اس امر پر بڑا زور دیا ہے بلکہ یہانتک لکھا ہے کہ اگر قیامت کو ہم سے سوال ہوگا تو ہم ملاکی نبی کا صحیفہ پیش کریں گے کہ اس میں کہاں لکھا ہے کہ مثیل آئے گا؟

پس یہودیوں کے لعنتی اور منحرف ہونے کے لئے یہ ابتلا انہیں آگیا۔ اس امت کے لئے سلسلہ موسوی کی مماثلت کے لحاظ سے ضروری تھا کہ ایک مسیح آئے اور علاوہ بریں چونکہ اس امت کے لئے یہ کہا گیا تھا کہ آخری زمانہ میں وہ یہود کے ہمرنگ ہو جائے گی۔ چنانچہ بالاتفاق غیر المغضوب علیھم میں مغضوب سے مراد یہود لی گئی ہے۔ پھر یہ یہودی تو اسی وقت ہوتے جب ان کے سامنے بھی ایک عیسیٰ پیش ہوتا اور اسی طرح پر یہ بھی انکار کر دیتے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آنیوالا عیسیٰ آگیا اور انہوں نے انکار کر دیا۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ یہ تو زیادہ ملزم ہیں۔ اس لئے کہ ان کے سامنے ایلیاء والی نظیر موجود تھی۔ مگر افسوس

یہ ہے کہ انہوں نے غور ہی نہیں کیا اور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ آمین۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۹ صفحہ ۲،۳ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۵ء)

۲۷ ستمبر ۱۹۰۵ء

فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ بہت رحیم و کریم ہے۔ وہ ہر طرح انسان کی پرورش فرماتا اور اس پر رحم کرتا ہے اور اسی رحم کی وجہ سے وہ اپنے ماموروں اور مرسلوں کو بھیجتا ہے تا وہ اہل دنیا کو گناہ آلود زندگی سے نجات دیں۔ مگر تکبر بہت خطرناک بیماری ہے۔ جس انسان میں یہ پیدا ہو جاوے اس کے لئے رُوحانی موت ہے۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ بیماری قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ متکبر شیطان کا بھائی ہو جاتا ہے اس لئے کہ تکبر ہی نے شیطان کو ذلیل و خوار کیا۔ اس لئے مومن کی یہ شرط ہے کہ اس میں تکبر نہ ہو بلکہ انکسار، عاجزی، فروتنی اس میں پائی جائے اور یہ خدا تعالیٰ کے ماموروں کا خاصہ ہوتا ہے۔ ان میں حد درجہ کی فروتنی اور انکسار ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں یہ وصف تھا۔ آپ کے ایک خادم سے پوچھا گیا کہ تیرے ساتھ آپ کا کیا معاملہ ہے۔ اس نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ وہ میری خدمت کرتے ہیں (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ)

یہ ہے نمونہ اعلیٰ اخلاق اور فروتنی کا۔ اور یہ بات بھی سچ ہے کہ زیادہ تر عزیزوں میں خدام ہوتے ہیں جو ہر وقت گرد و پیش حاضر رہتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی کے انکسار و فروتنی اور تحمل و برداشت کا نمونہ دیکھنا ہو تو ان سے معلوم ہو سکتا ہے۔ بعض مرد یا عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ خدمتگار سے ذرا کوئی کام بگڑا۔ مثلاً چائے میں نقص رہا تو جھٹ گالیاں دینی شروع کر دیں یا تازیانہ لیکر مارنا شروع کر دیا اور ذرا شوربے میں نمک زیادہ ہو گیا۔ بس بیچارے خدمتگاروں پر آفت آئی۔

دوسرے غرباء کے ساتھ معاملہ تب پڑتا ہے کہ وہ فاقہ مست ہوتے ہیں اور خشک روٹی پر

گذارہ کر لیتے ہیں مگر یہ باوجود علم ہونے کے بھی پروا نہیں کرتے۔ وہ ان کو امتحان میں ڈالتے ہیں جب بصورت سائل آتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو ذرہ ذرہ کا خالق ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ غریبوں کے ساتھ ہی معاملہ کر کے سمجھا جاتا ہے کہ کس قدر ناخدا ترسی[1] یا خدا ترسی سے حصہ لیتا ہے یا لے گا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ بعض بندوں سے فرمائے گا کہ تم بڑے برگزیدہ ہو اور میں تم سے بہت خوش ہوں کیونکہ میں بہت بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں ننگا تھا تم نے کپڑا دیا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا۔ میں بیمار تھا تم نے میری عیادت کی۔ وہ کہیں گے کہ یا اللہ تُو تو ان باتوں سے پاک ہے تو کب ایسا تھا جو ہم نے تیرے ساتھ ایسا کیا؟ تب وہ فرمائے گا کہ میرے فلاں فلاں بندے ایسے تھے تم نے ان کی خبر گیری کی وہ ایسا معاملہ تھا کہ گویا تم نے میرے ساتھ ہی کیا۔ پھر ایک اَور گروہ پیش ہوگا۔ ان سے کہیگا کہ تم نے میرے ساتھ بُرا معاملہ کیا۔ میں بُھوکا تھا۔ تم نے مجھے کھانا نہ دیا۔ پیاسا تھا پانی نہ دیا ننگا تھا مجھے کپڑا نہ دیا۔ میں بیمار تھا میری عیادت نہ کی۔ تب وہ کہیں گے کہ یا اللہ تعالیٰ تُو تو ایسی باتوں سے پاک ہے۔ تو کب ایسا تھا جو ہم نے تیرے ساتھ ایسا کیا۔ اس پر فرمائے گا کہ میرا فلاں فلاں بندہ اس حالت میں تھا اور تم نے ان کے ساتھ کوئی ہمدردی اور سلوک نہ کیا وہ گویا میرے ہی ساتھ کرنا تھا۔

غرض نوع انسان پر شفقت اور اس سے ہمدردی کرنا بہت بڑی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے یہ ایک زبردست ذریعہ ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اس پہلو میں بڑی کمزوری ظاہر کی جاتی ہے۔ دوسروں کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ ان پر ٹھٹھے کئے جاتے ہیں۔ ان کی خبر گیری کرنا اور کسی مصیبت اور مشکل میں مدد دینا تو بڑی بات ہے۔ جو لوگ غرباء کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش نہیں آتے بلکہ ان کو حقیر سمجھتے

[1] حاشیہ۔ "خدا ناترسی" ہونا چاہئیے۔ سہو کتابت سے "ناخدا ترسی" لکھا گیا ہے۔ (مرتب)

ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ خود اس مصیبت میں مبتلا نہ ہو جاویں۔ اللہ تعالیٰ نے جن پر فضل کیا ہے اس کی شکر گذاری یہی ہے کہ اس کی مخلوق کے ساتھ احسان اور سلوک کریں۔ اور اس خدا داد فضل پر تکبر نہ کریں اور وحشیوں کی طرح غرباء کو کچل نہ ڈالیں۔

خوب یاد رکھو کہ امیری کیا ہے؟ امیری ایک زہر کھانا ہے۔ اس کے اثر سے وہی بچ سکتا ہے جو شفقت علیٰ خلق اللہ کے تریاق کو استعمال کرے اور تکبر نہ کرے لیکن اگر وہ اس کی شیخی اور گھمنڈ میں آتا ہے تو نتیجہ ہلاکت ہے۔ ایک پیاسا ہو اور ساتھ کنواں بھی ہو لیکن کمزور ہو اور غریب ہو اور پاس ایک متموّل انسان ہو تو وہ محض اس خیال سے کہ اس کو پانی پلانے سے میری عزت جاتی رہے گی اس نیکی سے محروم رہ جائے گا۔ اس نخوت کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ نیکی سے محروم رہا اور خدا تعالیٰ کے غضب کے نیچے آیا۔ پھر اس سے کیا فائدہ پہنچا۔ یہ زہر ہوا یا کیا؟ وہ نادان ہے سمجھتا نہیں کہ اس نے زہر کھائی ہے۔ لیکن تھوڑے دنوں کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ اس نے اپنا اثر کر لیا ہے اور وہ ہلاک کر دے گی۔

یہ بالکل سچی بات ہے کہ بہت سی سعادت غرباء کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے انہیں امیروں کی امیری اور تمول پر رشک نہیں کرنا چاہیئے اس لئے کہ انہیں وہ دولت ملی ہے۔ جو ان کے پاس نہیں۔ ایک غریب آدمی بے جا ظلم۔ تکبر۔ خود پسندی۔ دوسروں کو ایذا پہنچانے اتلاف حقوق وغیرہ بہت سی برائیوں سے مفت میں بچ جائے گا۔ کیونکہ وہ جھوٹی شیخی اور خود پسندی جو ان باتوں پر اسے مجبور کرتی ہے، اس میں نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی مامور اور مرسل آتا ہے تو سب سے پہلے اس کی جماعت میں غرباء داخل ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں تکبر نہیں ہوتا۔ دولت مندوں کو یہی خیال اور فکر رہتا ہے کہ اگر ہم اس کے خادم ہو گئے تو لوگ کہیں گے کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر فلاں شخص کا مرید ہو گیا ہے اور اگر ہو بھی جاوے تب بھی وہ بہت سی سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ الاماشاء اللہ۔ کیونکہ غریب تو اپنے مرشد اور آقا کی کسی خدمت سے عار نہیں کرے گا مگر یہ عار کرے گا۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ اپنا فضل

کرے اور دولت مند آدمی اپنے مال و دولت پر ناز نہ کرے اور اس کو بندگانِ خدا کی خدمت میں صرف کرنے اور ان کی ہمدردی میں لگانے کے لئے موقع پائے اور اپنا فرض سمجھے تو پھر وہ ایک خیر کثیر کا وارث ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ سب سے مشکل اور نازک مرحلہ حقوق العباد ہی کا ہے کیونکہ ہر وقت اس کا معاملہ پڑتا ہے اور ہر آن یہ ابتلا سامنے رہتا ہے۔ پس اس مرحلہ پر بہت ہی ہوشیاری سے قدم اُٹھانا چاہیئے۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی حد سے زیادہ سختی نہ ہو۔ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ جہانتک ہو سکے اس کی تخریب اور بربادی کیلئے سعی کی جاوے پھر وہ اس فکر میں پڑ کر جائز اور ناجائز امور کی بھی پروا نہیں کرتے۔ اس کو بدنام کرنے کے واسطے جھوٹی تہمت اس پر لگاتے، افترا کرتے اور اس کی غیبت کرتے اور دوسروں کو اس کے خلاف اکساتے ہیں۔ اب بتاؤ کہ معمولی دشمنی سے کس قدر برائیوں اور بدیوں کا وارث بنا اور پھر یہ بدیاں جب اپنے بچے دیں گی تو کہاں تک نوبت پہنچے گی۔

میں سچ کہتا ہوں کہ تم کسی کو اپنا ذاتی دشمن نہ سمجھو اور اس کینہ توزی کی عادت کو بالکل ترک کر دو۔ اگر خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور تم خدا تعالیٰ کے ہو جاؤ۔ تو وہ دشمنوں کو بھی تمہارے خادموں میں داخل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر تم خدا ہی سے قطع تعلق کئے بیٹھے ہو اور اس کے ساتھ ہی کوئی رشتہ دوستی کا باقی نہیں۔ اس کی خلاف مرضی تمہارا چال چلن ہے۔ پھر خدا سے بڑھ کر تمہارا دشمن کون ہوگا؟ مخلوق کی دشمنی سے انسان بچ سکتا ہے لیکن جب خدا دشمن ہو تو پھر اگر ساری مخلوق دوست ہو تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تمہارا طریق انبیاء علیہم السلام کا سا طریق ہو۔ خدا تعالےٰ کا منشاء یہی ہے کہ ذاتی اعداء کوئی نہ ہوں۔

خوب یاد رکھو کہ انسان کو شرف اور سعادت تب ملتی ہے جب وہ ذاتی طور پر کسی کا دشمن نہ ہو۔ ہاں اللہ اور اس کے رسُول کی عزت کے لئے الگ امر ہے۔ یعنی جو شخص خدا اور اس کے رسُول کی عزت نہیں کرتا بلکہ ان کا دشمن ہے اسے تم اپنا دشمن سمجھو۔ اس دشمنی سمجھنے

کے یہ معنے نہیں ہیں کہ تم اس پر افتراء کرو اور بلا وجہ اس کو دکھ دینے کے منصوبے کرو۔ نہیں۔ بلکہ اس سے الگ ہو جاؤ اور خدا تعالیٰ کے سپرد کرو۔ ممکن ہو تو اس کی اصلاح کے لئے دُعا کرو۔ اپنی طرف سے کوئی نئی بھاجی اس کے ساتھ شروع نہ کرو۔

یہ امور ہیں جو تزکیہ نفس سے متعلق ہیں۔ کہتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک دشمن سے لڑتے تھے اور محض خدا کے لئے لڑتے تھے۔ آخر حضرت علیؓ نے اس کو اپنے نیچے گرا لیا اور اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھے۔ اُس نے جھٹ حضرت علیؓ کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ فوراً اس کی چھاتی پر سے اُتر آئے اور اسے چھوڑ دیا۔ اس لئے کہ اب تک تو میں محض خدا تعالیٰ کے لئے تیرے ساتھ لڑتا تھا لیکن اب جبکہ تو نے میرے مُنہ پر تھوک دیا ہے۔ تو میرے اپنے نفس کا بھی کچھ حصہ اس میں شریک ہو جاتا ہے۔ پس میں نہیں چاہتا کہ اپنے نفس کے لئے تمہیں قتل کروں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے نفس کے دشمن کو دشمن نہیں سمجھا۔ ایسی فطرت اور عادت اپنے اندر پیدا کرنی چاہیئے۔ اگر نفسانی لالچ اور اغراض کے لئے کسی کو دُکھ دیتے اور عداوت کے سلسلوں کو وسیع کرتے ہیں تو اس سے بڑھ کر خدا تعالےٰ کو ناراض کرنے والی کیا بات ہوگی ؟

ایک شخص نے ایک جائیداد کے متعلق جو فروخت ہونے والی ہے کہا کہ آپ اس کو خرید لیں۔ ایسا نہ ہو کہ فلاں سکھ یا کوئی اَور خرید لے

فرمایا :-

ہمیں ان باتوں سے کیا غرض۔ ہم جائیدادیں اور زمینیں خریدنے کے واسطے نہیں آئے۔ ہم کو کیا سکھ خرید لے یا کوئی اَور خرید لے۔ ہمیشہ اس شعر کو یاد رکھا جاوے ؎

خواجہ در بند نقش ایوان است

خانہ از پائے بست ویران است

ہم سے دو شغل نہیں ہو سکتے۔ یہی خدمت جو خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کی ہے پورے طور پر ادا ہو جائے تو کافی ہے۔اس کے سوا نہیں اور کسی کام کے لئے نہ فرصت ہے نہ ضرورت۔

ایک شخص نے کہا کہ تجارت کے متعلق خواہ نخواہ سود دینا پڑتا ہے۔ فرمایا:۔

ہم جائز نہیں رکھتے۔ مومن ایسی مشکلات میں پڑتا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود اس کا تکفل کرتا ہے۔عذرات سے شریعت باطل ہو جاتی ہے۔ کون امر ہے جس کے لئے کوئی عذر آدمی نہیں تراش سکتا ہے۔خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔

کسی نے پوچھا کہ بعض آدمی غلہ کی تجارت کرتے ہیں اور خرید کر اُسے رکھ چھوڑتے ہیں جب مہنگا ہو جاوے تو اسے بیچتے ہیں۔ کیا ایسی تجارت جائز ہے؟

فرمایا:۔

اس کو مکروہ سمجھا گیا ہے۔میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ میرے نزدیک شریعت اَور ہے اور طریقت اَور ہے۔ ایک آن کی بھی بدنیتی جائز نہیں اور یہ ایک قسم کی بدنیتی ہے ہماری غرض یہ ہے کہ بدنیتی دور ہو۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بابت لکھا ہے کہ آپ ایک مرتبہ بہت ہی تھوڑی سی نجاست جو ان کے کپڑے پر تھی دھو رہے تھے۔ کسی نے کہا کہ آپ نے اس قدر کے لئے تو فتویٰ نہیں دیا۔اس پر آپ نے کیا لطیف جواب دیا کہ آں فتویٰ است و ایں تقویٰ۔ پس انسان کو دقائق تقویٰ کی رعایت رکھنی چاہیئے۔ سلامتی اسی میں ہے اگر چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا نہ کرے تو پھر ایک دن وہی چھوٹی چھوٹی باتیں کبائر کا مرتکب بنادیں گی اور طبیعت میں کسل اور لاپروائی پیدا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔ تم اپنے زیرِ نظر تقویٰ کے اعلیٰ مدارج کو حاصل کرنا رکھو اور اس کے لئے دقائق تقویٰ کی رعایت ضروری ہے۔

اسی طرح کہتے ہیں۔ ذوالنون مصری سے کسی نے پوچھا کہ چالیس مُہر کی کیا زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ ذوالنون نے کہا کہ چالیس مُہر کی زکوٰۃ چالیس مُہر۔ سائل اس جواب پر حیران ہوا۔ اور پوچھا کہ یہ کیوں؟ اس پر ذوالنون نے کہا کہ چالیس مہر اس نے رکھی ہی کیوں؟ گویا کیوں خدا تعالےٰ کی راہ میں خرچ نہ کر دیں۔ جمع ہی کیوں کیا؟ شریعت سے ایسا ہی پایا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ کوئی محدث وعظ کرتا تھا۔ ایک صُوفی نے بھی سُنا اور اس کو کہا کہ محدث صاحب زکوٰۃ بھی دیا کرو۔ اس نے کہا کہ میرے پاس تو مال ہی نہیں۔ زکوٰۃ کس چیز کی دُوں؟ صُوفی بولا۔ چالیس حدیثیں لوگوں کو سُنایا کرو تو ایک پر آپ بھی عمل کر لیا کرو۔

فرمایا:-

اسلام میں انسان کے تین طبقے رکھے ہیں۔ ظالم لنفسہ۔ مقتصد۔ سابق بالخیرات

ظالم لنفسہ تو وہ ہوتے ہیں جو نفس امارہ کے پنجے میں گرفتار ہوں اور ابتدائی درجہ پر ہوتے ہیں۔ جہانتک ان سے ممکن ہوتا ہے وہ سعی کرتے ہیں کہ اس حالت سے نجات پائیں۔

مقتصد وہ ہوتے ہیں جن کو میانہ رو کہتے ہیں۔ ایک درجہ تک وہ نفس امارہ سے نجات پا جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھی اس کا حملہ ان پر ہوتا ہے اور وہ اس حملہ کے ساتھ ہی نادم بھی ہوتے ہیں۔ پورے طور پر ابھی نجات نہیں پائی ہوتی۔

مگر سابق بالخیرات وہ ہوتے ہیں کہ ان سے نیکیاں ہی سرزد ہوتی ہیں اور وہ سب سے بڑھ جاتے ہیں۔ ان کی حرکات و سکنات طبعی طور پر اس قسم کی ہو جاتی ہیں کہ ان سے افعالِ حسنہ ہی کا صدور ہوتا ہے۔ گویا اُن کے نفسِ امارہ پر بالکل موت آجاتی ہے اور وہ مطمئنہ حالات میں ہوتے ہیں۔ ان سے اس طرح پر نیکیاں عمل میں آتی ہیں گویا وہ ایک معمولی امر ہے۔ اس لئے ان کی نظر میں بعض اوقات وہ امر بھی گناہ ہوتا ہے جو اس حدتک دوسرے اس کو نیکی ہی سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی معرفت اور بصیرت بہت بڑھی ہوئی

ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے جو صوفی کہتے ہیں حسنات الابرار سیئات المقربین۔

مثلاً چندہ کی حالت پر ہی لحاظ کرو۔ ایک آدمی غریب اور دو آنہ روز کا مزدور ہے اور ایک دوسرا آدمی دو لاکھ روپیہ حیثیت رکھتا ہے اور ہزاروں کی روزانہ آمدنی ہے۔ وہ دو آنہ کا مزدور بھی اس میں سے دو پیسہ دیتا ہے اور وہ لاکھ پتی ہزاروں کی آمدنی والا دو روپیہ دیتا ہے۔ تو اگرچہ اُس نے اس مزدور سے زیادہ دیا ہے مگر اصل یہ ہے کہ اس مزدور کو تو ثواب ملے گا مگر اس دولت مند لاکھ پتی کو ثواب نہیں بلکہ عذاب ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنی حیثیت اور طاقت کے موافق قدم نہیں بڑھایا بلکہ گونہ بخل کیا ہے۔

غرض یہ ہے کہ جس قسم کا انسان ہو اسے اپنی طاقت اور قدرت کے موافق قدم بڑھانا چاہیئے۔ ہر شخص اپنی معرفت کے لحاظ سے پوچھا جائے گا۔ جس قدر کسی کی معرفت بڑھی ہوئی ہوگی اسی قدر وہ زیادہ جواب دہ ہوگا۔ اس لئے ذوالنون نے زکوٰۃ کا وہ نکتہ سنایا یہ خلاف شریعت نہیں ہے۔ اس کے نزدیک شریعت کا یہی اقتضاء تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مال رکھنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اُسے خدمتِ دین اور ہمدردی نوع انسان میں صرف کرنا چاہیئے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں آخری وقت ایک مُہر تھی۔ آپ نے اسے نکلوا دیا۔ اصل یہی ہے کہ ہر امر کے مراتب ہوتے ہیں۔ بعض آدمی شبہ کریں گے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غنی کہلاتے تھے۔ انہوں نے کیوں مال جمع کیا؟ یہ ایک بیہودہ شبہ ہے۔ اس لئے کہ وہ مہاجن نہ تھے۔ خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس غنی کے کیا معنے ہیں۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ جو مال خدمتِ دین کے لئے وقف ہو۔ وہ اس کا نہیں ہے۔ اس نیت اور غرض سے جو شخص رکھتا ہے وہ اپنے لئے جمع نہیں کرتا وہ خدا کا مال ہے لیکن جو اپنے اغراض نفسانی اور دنیاوی کو ملحوظ رکھ کر جمع کرتا جاتا ہے۔ وہ مال داغ لگانے کے لئے ہے جس سے آخر اس کو داغ دیا جائے گا۔

بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اولاد کے لئے کچھ مال چھوڑنا چاہیئے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ مال چھوڑنے کا تو ان کو خیال آتا ہے۔ مگر یہ خیال ان کو نہیں آتا کہ اس کا فکر کریں

کہ اولاد صالح ہو طالح نہ ہو۔ مگر یہ وہم بھی نہیں آتا اور نہ اس کی پروا کی جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسے لوگ اولاد کے لئے مال جمع کرتے ہیں اور اولاد کی صلاحیت کی فکر اور پروا نہیں کرتے۔ وہ اپنی زندگی ہی میں اولاد کے ہاتھ سے نالاں ہوتے ہیں اور اس کی بداطواریوں سے مشکلات میں پڑ جاتے ہیں اور وہ مال جو انہوں نے خدا جانے کن کن حیلوں اور طریقوں سے جمع کیا تھا آخر بدکاری اور شراب خوری میں صرف ہوتا ہے اور وہ اولاد ایسے ماں باپ کے لئے شرارت اور بدمعاشی کی وارث ہوتی ہے۔

اولاد کا ابتلا بھی بہت بڑا ابتلا ہے۔ اگر اولاد صالح ہو تو پھر کس بات کی پروا ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ وھو یتولی الصالحین[1] یعنی اللہ تعالیٰ آپ صالحین کا متولی اور متکفل ہوتا ہے۔ اگر بدبخت ہے تو خواہ لاکھوں روپیہ اس کے لئے چھوڑ جاؤ۔ وہ بدکاریوں میں تباہ کر کے پھر قلاش ہو جائے گی۔ اور ان مصائب اور مشکلات میں پڑے گی جو اس کے لئے لازمی ہیں۔ جو شخص اپنی رائے کو خدا تعالیٰ کی رائے اور منشا سے متفق کرتا ہے وہ اولاد کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے اور وہ اسی طرح پر ہے کہ اس کی صلاحیت کے لئے کوشش کرے اور دعائیں کرے۔ اس صورت میں خود اللہ تعالیٰ اس کا تکفل کرے گا۔ اور اگر بدچلن ہے تو جائے جہنم میں۔ اس کی پروا تک نہ کرے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک قول ہے کہ میں بچہ تھا۔ جوان ہوا۔ اب بوڑھا ہو گیا۔ میں نے متقی کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا کہ اسے رزق کی مار ہو اور نہ اس کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ تو کئی پشت تک رعایت رکھتا ہے۔

پس خود نیک بنو اور اپنی اولاد کے لئے ایک عمدہ نمونہ نیکی اور تقویٰ کا ہو جاؤ اور اس کو متقی اور دیندار بنانے کے لئے سعی اور دعا کرو۔ جس قدر کوشش تم ان کے لئے مال جمع کرنے کی کرتے ہو اسی قدر کوشش اس امر میں کرو۔

خوب یاد رکھو کہ جب تک خدا تعالیٰ سے رشتہ نہ ہو اور سچا تعلق اس کے ساتھ نہ ہو

[1] الاعراف: ۱۹۷

جاوے۔ کوئی چیز نفع نہیں دے سکتی۔ یہودیوں کو دیکھو کہ کیا وہ پیغمبروں کی اولاد نہیں؟ یہی وہ قوم ہے جو اس پر ناز کیا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی۔

نحن ابنٰؤا اللّٰہ واحبّاؤہٗ[1]

ہم اللہ تعالیٰ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں مگر جب انہوں نے خدا تعالیٰ سے رشتہ توڑ دیا اور دُنیا ہی دُنیا کو مقدم کر لیا تو کیا نتیجہ ہوا؟ خدا تعالیٰ نے اسے سؤر اور بندر کہا۔ اور اب جو حالت ان کی مال و دولت ہوتے ہوئے بھی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

پس وہ کام کرو جو اولاد کے لئے بہترین نمونہ اور سبق ہو اور اس کے لئے ضروری ہے کہ سب سے اول خود اپنی اصلاح کرو۔ اگر تم اعلیٰ درجہ کے متقی اور پرہیز گار بن جاؤ گے۔ اور خدا تعالےٰ کو راضی کر لوگے تو یقین کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کرے گا۔ قرآن شریف میں خضر اور موسیٰ علیہما السلام کا قصہ درج ہے کہ ان دونو نے مل کر ایک دیوار کو بنا دیا جو یتیم بچوں کی تھی وہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وکان ابوھما صالحاً[2]۔ ان کا والد صالح تھا۔ یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ آپ کیسے تھے۔ پس اس مقصد کو حاصل کرو اولاد کے لئے ہمیشہ اس کی نیکی کی خواہش کرو۔ اگر وہ دین اور دیانت سے باہر چلے جاویں۔ پھر کیا؟ اس قسم کے امور اکثر لوگوں کو پیش آجاتے ہیں۔ بد دیانتی خواہ تجارت کے ذریعہ ہو۔ یا رشوت کے ذریعہ یا زراعت کے ذریعہ جس میں حقوق شرکاء کو تلف کیا جاتا ہے۔

اس کی وجہ یہی میری سمجھ میں آتی ہے کہ اولاد کے لئے خواہش ہوتی ہے کیونکہ بعض اوقات صاحب جائیداد لوگوں کو یہ کہتے سُنا ہے کہ کوئی اولاد ہو جاوے جو اس جائیداد کی وارث ہو تاکہ غیروں کے ہاتھ میں نہ چلی جاوے مگر وہ نہیں جانتے کہ جب مر گئے تو شرکاء کون اور اولاد کون۔ سب ہی تیرے لئے تو غیر ہیں۔

اولاد کے لئے اگر خواہش ہو تو اس غرض سے ہو کہ وہ خادم دین ہو۔

[1] المآئدہ: ۱۹ [2] الکہف: ۸۳

غرض حق العباد میں پیچ در پیچ مشکلات ہیں۔ جب تک انسان ان میں سے نکلے نہیں مومن نہیں ہو سکتا۔ نری باتیں ہی باتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا کسی سے رشتہ ناطہ نہیں۔ اس کے ہاں اس کی بھی کچھ پروا نہیں کہ کوئی سید ہے یا کون ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ یہ خیال مت کرنا کہ میرا باپ پیغمبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر کوئی بھی بچ نہیں سکتا۔ کسی نے پوچھا کہ کیا آپ بھی؟ فرمایا ہاں۔ میں بھی۔

مختصر یہ کہ نجات نہ قوم پر منحصر ہے نہ مال پر بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے اور اس کو اعمال صالحہ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کامل اتباع اور دعائیں جذب کرتی ہیں۔ قوم کا ابتلا بھی مال کے ابتلا سے کم نہیں۔ بعض لوگ دوسری قوموں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اس ابتلا میں سید سب سے زیادہ مبتلا ہیں۔ ایک عورت گداگر ہمارے ہاں آئی۔ وہ کہتی تھی میں سیدانی ہوں۔ اس کو پیاس لگی اور پانی مانگا تو کہا کہ پیالہ دھو کر دینا کسی امتی نے پیا ہوگا اس قسم کے خیالات ان لوگوں میں پیدا ہوئے ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے حضور ان باتوں کی کچھ قدر نہیں۔ اس نے فیصلہ کر دیا ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ [1]

ایک مخلص اور معزز خادم نے عرض کی کہ حضور میرے والد صاحب نے ایک مسجد بنائی تھی وہاں جو امام ہے اس کو کچھ معاوضہ وہ دیتے تھے اس غرض سے کہ مسجد آباد رہے۔ وہ اس سلسلہ میں داخل نہیں۔ میں نے اس کا معاوضہ بدستور رکھا ہے۔ اب کیا کیا جاوے؟ فرمایا:۔

خواہ احمدی ہو یا غیر احمدی جو روپیہ کے لئے نماز پڑھتا ہے اس کی پروا نہیں کرنی چاہیئے۔ نماز تو خدا کے لئے ہے۔ اگر وہ چلا جائے گا تو خدا تعالیٰ ایسے آدمی بھیج دے گا۔ جو

[1] الحجرات : ۱۴

محض خدا کے لئے نماز پڑھیں اور مسجد کو آباد کریں۔ ایسا امام جو محض لالچ کے لئے نماز پڑھتا ہے میرے نزدیک خواہ وہ کوئی ہو۔ احمدی یا غیر احمدی۔ اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ امام اتقیٰ ہونا چاہیئے۔ بعض لوگ رمضان میں ایک حافظ مقرر کر لیتے ہیں اور اس کی تنخواہ بھی ٹھہرا لیتے ہیں۔ یہ درست نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی محض نیک نیتی اور خدا ترسی سے اس کی خدمت کر دے تو یہ جائز ہے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۹ صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۵ء)

---

۲۸ ستمبر ۱۹۰۵ء

قبل دوپہر

آج ایک ترک اور ایک یہودی اعلیحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت اقدس سے چند سوالات پوچھے۔ جواب سمیت ذیل میں درج کرتا ہوں۔ یہ یاد رہے کہ سوال جواب عربی زبان میں تھے ہیں اُن کا مفہوم لے کر اردو میں لکھتا ہوں (ایڈیٹر الحکم)

ترک۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ میں مہدی ہوں اور احادیث میں آیا ہے کہ مہدی جب آئے گا تو لڑائی کرے گا۔

حضرت اقدس۔ آپ کو معلوم نہیں۔ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ مہدی کے متعلق جس قدر احادیث اس قسم کی ہیں۔ وہ محدثین نے مجروح قرار دی ہیں۔ صرف ایک حدیث لا مھدی الا عیسیٰ ہے یعنی بجز مسیح موعود کے اور کوئی مہدی آنے والا نہیں ہے وہی موعود جس کو بخاری میں امامکم منکم فرمایا ہے یعنی اسی امت میں سے آنے والا۔ اور اس کے متعلق کہیں نہیں لکھا کہ وہ لڑائیاں کرے گا بلکہ بخاری میں جو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے صاف لکھا ہے کہ یضع الحرب۔ یعنی اس کے وقت میں

مذہبی لڑائیاں نہ ہوں گی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اب حرب کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے مخالف ہمارے ساتھ جنگ نہیں کرتے۔ وہ تو قلم کے ساتھ اعتراض کرتے ہیں۔پس یہ کیسی کمزوری ہوتی کہ قلم کا جواب قلم سے نہ دیا جاتا بلکہ اس کے لئے ہتھیار استعمال ہوتے۔ایسی صورت میں جبکہ قلم کے حملے ہو رہے ہیں ہمارا یہی فرض ہے کہ قلم کے ساتھ ان کو روکیں۔

علاوہ بریں اگر اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی ہوتی کہ ایسے زمانہ میں اسلام کی ترقی جنگ سے وابستہ ہوگی تو ہر قسم کے ہتھیار مسلمانوں کو دیئے جاتے۔حالانکہ جس قدر ایجادیں آلات حربیہ کے متعلق یورپ میں ہو رہی ہیں کسی جگہ نہیں ہوتی ہیں۔جس سے اللہ تعالیٰ کی مصلحت کا صاف پتہ لگتا ہے کہ یہ لڑائی کا زمانہ نہیں ہے۔ اور کبھی بھی کوئی دین اور مذہب لڑائی سے نہیں پھیل سکتا۔پہلے بھی اسلام کی ترقی اور اشاعت کے لئے تلوار نہیں اُٹھائی گئی۔اسلام اپنے برکات ، انوار اور تاثیرات کے ذریعہ پھیلا ہے اور ہمیشہ اسی طرح پھیلے گا۔پس یہ نہایت ہی غلط اور مکروہ خیال ہے کہ مسیح کے وقت جنگ ہوگی اور نہ مسیح کو اس کی حاجت۔ وہ قلم سے کام لے گا اور اسلام کی حقانیت اور صداقت کو پُر زور دلائل اور تاثیرات کے ساتھ ثابت کر کے دکھائے گا اور دوسرے ادیان پر اس کو غالب کرے گا اور یہ ہو رہا ہے۔

ترک۔ یہ بھی تو آیا ہے کہ مسیح کے زمانہ میں قرآن اُٹھایا جائے گا۔اب کہاں اُٹھایا گیا ہے؟

حضرت اقدس۔آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی ایک صحابی نے یہ پوچھا تھا کہ اس وقت قرآن شریف کیسے اُٹھایا جائے گا؟ آپ نے اس کو یہ جواب دیا تھا کہ میں تو تجھے عقلمند سمجھتا تھا۔یہی جواب میرا ہے۔کیا آپ نہیں دیکھتے کہ قرآن شریف پر کوئی عمل نہیں کیا جاتا۔ اس کی حمایت اور حمیت کے لئے کچھ بھی سعی نہیں ہوتی۔ قرآن شریف سے صوری اور معنوی اعراض کیا گیا ہے۔اس کے حقائق اور معارف اور اس کی تعلیم سے

مسلمان بالکل بے خبر ہو رہے ہیں۔ اور کس طرح قرآن اُٹھایا جاوے گا؟

(ترک صاحب تو دو سوالوں کے بعد خاموش ہو گئے۔ پھر یہودی صاحب نے اپنے سوالات پیش کرنے شروع کئے)

یہودی۔ یہودیوں میں بھی تو توحید موجود ہے۔ اسلام اس سے بڑھ کر کیا پیش کرتا ہے؟

حضرت اقدس۔ یہودیوں میں توحید تو نہیں ہے۔ ہاں قشر التوحید بے شک ہے اور نرا قشر کسی کام نہیں آسکتا۔ توحید کے مراتب ہوتے ہیں۔ بغیر ان کے توحید کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ نرا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہی کہدینا کافی نہیں۔ یہ تو شیطان بھی کہہ دیتا ہے۔ جبتک عملی طور پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی حقیقت انسان کے وجود میں متحقق نہ ہو۔ کچھ نہیں۔ یہودیوں میں یہ بات کہاں ہے؟ آپ ہی بتادیں۔ توحید کا ابتدائی مرحلہ اور مقام تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول کے خلاف کوئی امر انسان سے سرزد نہ ہو۔ اور کوئی فعل اس کا اللہ تعالیٰ کی محبت کے منافی نہ ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ ہی کی محبت اور اطاعت میں محو اور فنا ہو جاوے۔ اسی واسطے اس کے معنے یہ ہیں۔ لامعبود لی ولا محبوب لی ولا مطاع لی الا اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی میرا معبود ہے اور نہ کوئی محبوب ہے اور نہ کوئی واجب الاطاعت ہے۔

یاد رکھو۔ شرک کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک **شرک جلی** کہلاتا ہے دوسرا **شرک خفی**۔ شرک جلی کی مثال تو عام طور پر یہی ہے جیسے یہ بُت پرست لوگ بتوں، درختوں یا اور اشیاء کو معبود سمجھتے ہیں۔ اور شرک خفی یہ ہے کہ انسان کسی شئی کی تعظیم اسی طرح کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کی کرتا ہے۔ یا کرنی چاہیئے۔ یا کسی شئی سے اللہ تعالیٰ کی طرح محبت کرے۔ یا اس سے خوف کرے یا اس پر توکل کرے۔

اب غور کرکے دیکھ لو کہ یہ حقیقت کامل طور پر توریت کے ماننے والوں میں پائی جاتی

ہے یا نہیں۔ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں جو کچھ اُن سے سرزد ہوا۔ وہ آپ کو بھی معلوم ہوگا۔ اگر توریت کافی ہوتی تو چاہیئے تھا کہ یہودی اپنے نفوس کو مزکی کرتے مگر ان کا تزکیہ نہ ہوا۔ وہ نہایت قسی القلب اور گستاخ ہوتے گئے۔ یہ تاثیر قرآن شریف ہی میں ہے کہ وہ انسان کے دل پر بشرطیکہ اس سے صوری اور معنوی اعراض نہ کیا جاوے ایک خاص اثر ڈالتا ہے اور اس کے نمونے ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں چنانچہ **اب بھی موجود ہے۔**

قرآن شریف نے فرمایا۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔[1] یعنی اے رسُول تو ان لوگوں کو کہہ دے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنالے گا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع انسان کو محبوب الٰہی کے مقام تک پہنچا دیتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ **کامل موحد** کا نمونہ تھے۔ پھر اگر یہودی توحید کے ماننے والے ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ایسے موحد سے دُور رہتے۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے تھا کہ خدا تعالیٰ کے **خاتم الرسل** کا انکار اور عناد نہایت خطرناک امر ہے۔ مگر انہوں نے پروا نہیں کی۔ اور باوجودیکہ ان کی کتاب میں آپ کی پیشگوئی موجود تھی مگر انکار کر دیا۔ اس کی وجہ بجُز اس کے اَور کیا ہو سکتی ہے کہ قست قلوبھم

سوال۔ کیا کسی اَور مذہب میں رہ کر انسان نجات نہیں پاسکتا؟

جواب۔ اس کا جواب خود قرآن شریف نفی میں دیتا ہے۔ انّ الدّین عند اللہ الاسلام۔[2] ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا فلن یقبل منہ۔[3] اسلام کے سوا اور کوئی دین قبول نہیں ہو سکتا۔ اور یہ نرا دعویٰ نہیں۔ تاثیرات ظاہر کر رہی ہیں۔ اگر کوئی اہلِ مذہب اسلام کے سوا اپنے مذہب کے اندر انوار و برکات اور تاثیرات رکھتا ہے تو پھر وُہ آئے ہمارے ساتھ **مقابلہ** کر لے۔ اور ہم نے ہمیشہ ایسی دعوت کی ہے کوئی

[1] آل عمران: ۳۲ [2] آل عمران ۲۰ [3] آل عمران: ۸۶

مقابلہ پر نہیں آیا۔

سوال۔ اگر اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب اپنے اندر انوار و برکات نہ رکھتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول نہیں ہو سکتا تھا تو پھر جزیہ کیوں رکھا تھا؟

جواب۔ یہ تو ایک الگ امر ہے۔ اس سے یہ تو نہیں ثابت ہوتا کہ دوسرے مذاہب سچے تھے۔ ہاں اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام جبر سے نہیں پھیلایا گیا۔ ان لوگوں کو سوچنے اور غور کرنے کا موقعہ دیا گیا ہے اور جیسا فرمایا تھا لا اکراہ فی الدین قد تبیّن الرشد من الغیّ[1]۔ اس پر عمل کیا گیا۔ مجھے افسوس ہے کہ یہ تو قابلِ قدر بات تھی جس پر آپ اعتراض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رحمت۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ وما ارسلناك الّا رحمة للعالمین[2]۔ یعنی اے رسُول ہم نے تجھ کو رحمۃ للعالمین کر کے بھیجا ہے۔ پس یہ آپ کی رحمت کا ایک نمونہ تھا۔ قرآن شریف میں اگر تدبر کریں تو اس کی روشن حقیقت آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ توریت میں کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ ورنہ چاہیئے تھا کہ ان میں اولیاء اللہ اور صلحاء ہوتے۔

یہودی۔ چونکہ توریت پر عمل نہیں رہا۔ اس لئے ولی اور صلحاء نہیں ہوتے۔

حضرت اقدس۔ اگر توریت میں کوئی تاثیر باقی ہوتی تو اسے ترک ہی کیوں کرتے؟ اگر آپ کہیں کہ بعض نے ترک کیا ہے تو پھر بھی اعتراض بدستور قائم ہے کہ جنھوں نے ترک نہیں کیا۔ ان پر جو اثر ہوا ہے وہ پیش کرو۔ اور اگر کُل نے ہی ترک کر دیا ہے تو یہ ترک تاثیر کو باطل کرتا ہے۔ ہم قرآن شریف کے لئے یہی نہیں مانتے۔ یہ سچ ہے کہ اکثر مسلمانوں نے قرآن شریف کو چھوڑ دیا ہے لیکن پھر بھی **قرآن شریف کے انوار و برکات اور اس کی تاثیرات ہمیشہ زندہ اور تازہ بتازہ ہیں۔ چنانچہ میں اس وقت اسی ثبوت کے لئے بھیجا گیا ہوں**۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے اپنے وقت پر

[1] البقرة : ۲۵۷ [2] الانبیاء : ۱۰۸

اپنے بندوں کو اس کی حمایت اور تائید کے لئے بھیجتا رہا ہے۔ کیونکہ اُس نے وعدہ فرمایا تھا۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون[1]۔ یعنی بے شک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن شریف) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن شریف کی حفاظت کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ توریت یا کسی اور کتاب کے لئے نہیں۔ اسی لئے ان کتابوں میں انسانی چالاکیوں نے اپنا کام کیا۔ قرآن شریف کی حفاظت کا یہ بڑا زبردست ذریعہ ہے کہ اس کی تاثیرات کا ہمیشہ تازہ بتازہ ثبوت ملتا رہتا ہے اور یہود نے چونکہ توریت کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور ان میں کوئی اثر اور قوت باقی نہیں رہی جو اُن کی موت پر دلالت کرتی ہے۔

یہودی ۔مسلمان قیامت پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ کون سی علامات ہیں جن کی وجہ سے وہ ایمان لاتے ہیں۔

حضرت اقدس ۔ انسان کا اپنا جسم ہی اس کو حشر نشر پر ایمان لانے کے لئے مجبور کرتا ہے کیونکہ ہر آن اس میں حشر نشر ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ تین سال کے بعد یہ جسم رہتا ہی نہیں اور دوسرا جسم آجاتا ہے۔ یہی **قیامت** ہے۔ اس کے سوا یہ ضروری امر نہیں کہ کُل مسائل کو عقلی طور پر ہی سمجھ لے۔ بلکہ انسان کا فرض ہے کہ وہ اس بات پر ایمان لائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال اور صفات کے ساتھ موجود ہے اور اس کی صفات میں سے یہ بھی ہے یخلق مایشاء[2] اور علی کل شیئ قدیر[3]۔ تو اس بات کے ماننے میں کہ قیامت ہوگی کیا شک ہو سکتا ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ہم اس کا ثبوت یہاں بھی رکھتے اور دیکھتے ہوں۔ بے شک **قیامت حق ہے**۔ اور اس کی قدرتوں کا ایک نمونہ۔ الم تعلم ان اللہ علیٰ کل شیئ قدیر[4] سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ حشر نشر پر بھی قادر ہے اور حشر نشر قدرت ہی پر موقوف ہے۔ یہ اسلام کی خصوصیات ہیں کہ اسلام نری تعلیم ہی نہیں دیتا بلکہ جب انسان اس

[1] الحجر: ۱۰ [2،3] المائدہ: ۱۸ [4] البقرۃ: ۱۰۷

تعلیم پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے نشانات اور آیات بھی دکھاتا ہے۔ چنانچہ جب وہ اپنے نفس کا تزکیہ کرتا ہے اور اس پر ایمان لاتا ہے تو وہ آیات اللہ کو دیکھتا ہے جس سے اس کا ایمان عرفان کے رنگ میں مضبوط ہو جاتا ہے۔

دوسرے ادیان کے متبعین میں یہ آیات اور نشانات نہیں ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل متبعین ہی کو ملتے ہیں جو اپنے دل کو صاف کرتے ہیں اور ان میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا۔ اس وقت انہیں یہ نشانات دیئے جاتے ہیں جو ان کی معرفت اور قوت یقین کو بڑھا دیتے ہیں

یہودی۔ اگر خدا قادر ہے تو کیوں نہیں ہو سکتا کہ وہ مسیح کو آسمان سے لے آوے؟

حضرت اقدس۔ بے شک خدا تعالیٰ قادر ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ خلاف وعدہ کرتا ہے یا ایسے افعال بھی اس سے صادر ہوتے ہیں جو اس کی صفات کاملہ اور اس کی قدوسیت کے خلاف ہوں۔ کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے آپ کو قتل کر دے یا کوئی اپنا مثیل پیدا کر لے۔ اسی طرح پر جبکہ وہ عہد کر چکا ہے کہ مُردے واپس اس دنیا میں نہیں آتے تو وہ اس کا خلاف کیونکر کرے؟

قادر سمجھ کر خدا تعالیٰ کے لئے ایسے امور تجویز کر لینا جو اس کی صفاتِ کاملہ کے منافی ہوں اللہ تعالیٰ کی سخت ہتک اور توہین ہے اور اس سے ڈرنا چاہیئے۔ یہ محل ادب ہے

(اس مقام پر یہودی صاحب بھی خاموش ہو گئے اور سلسلہ کلام ختم ہو گیا اور اعلیٰ حضرت تشریف لے گئے)

(الحکم جلد ۹ نمبر ۴۰ صفحہ ۷۔۸ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۵ء)

۲۹؍ستمبر ۱۹۰۵ء

قبل دوپہر

ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا آپ کے بعد بھی مجدد آئے گا؟ اس پر فرمایا:۔

اس میں کیا حرج ہے کہ میرے بعد بھی کوئی مجدد آجاوے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ختم ہوچکی تھی اس لئے مسیح علیہ السلام پر آپ کے خلفاء کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ قیامت تک ہے اس لئے اس میں قیامت تک ہی مجدد دین آتے رہیں گے۔ اگر قیامت نے فنا کرنے سے چھوڑا تو کچھ نہیں کہ کوئی اور بھی آجائے گا۔ ہم ہرگز اس سے انکار نہیں کرتے کہ صالح اور ابرار لوگ آتے رہیں گے اور پھر بغتۃً قیامت آجائے گی۔

مولویوں کے ذکر پر فرمایا:۔

اگر تزکیہ نفس اور اتباع سُنّت ان میں ہوتا تو اس قدر اختلاف اور جھگڑا کیوں ہوتا۔ کوئی حرج اسلام کا بھی نہ ہوتا۔ مگر اب تو عام طور پر ہر شخص جانتا ہے کہ ان لوگوں کی حالت کیسی ہوگئی ہے۔ آزمائش کے لئے دو چار مولوی لے آؤ۔ پھر دیکھ لو کہ کیا ہوتا ہے۔ ہم ایک بات کہیں گے قطع نظر اس کے کہ وہ اس پر غور کریں فوراً اس کی تردید پر آمادہ ہوجائیں گے۔ میں افسوس سے کہتا ہوں کہ جیسا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہودیوں کی سی حالت ہوجاوے گی۔ وہی حالت ہوچکی ہے۔ مجھے اس امر سے بہت محبت اور خواہش تھی اور ہے کہ کوئی ان میں درندگی چھوڑ کر انسانیت سے ہم پر اعتراض کرے اور اس کا جواب غور سے سُنے۔ میں اس بات پر بھی رضامند اور خوش تھا کہ یہاں آکر ہمارے پاس رہے۔ ہم ہر طرح سے ان کی خاطرداری اور تواضع کرتے۔ وہ ٹھنڈے دل سے اپنے اعتراض پیش کرتے اور سعید الفطرت لوگوں کی طرح جواب سُنتے۔ پھر جو اعتراض رہتا یا جو اس جواب پر ہوتا۔ پیش کرتے۔ مگر انہوں

نے اس طریق کو بالکل چھوڑ دیا اور عمداً حق پوشی کی ہے۔ وہ چاہتے نہیں کہ ان کی آنکھ کھُلے اور حق ظاہر ہو۔ اگرچہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے اس لئے کہ یہ ارادہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا صریح مخالف ہے۔ کونسی گالی ہے جو انہوں نے ہم کو نہیں دی اور کونسا نام ہے جو انہوں نے ہمارا نہیں رکھا۔ انسان کا فرض تو یہ ہے کہ اگر اسے راستی ملے تو اس کے لینے میں چون وچرا نہ کرے مگر انہوں نے ذرا سے اختلاف کی وجہ سے (جو وہ بھی اختلاف نہ تھا) ساری صداقتوں کا خون کر دیا۔ ہمارا ان کا بہت سے امور میں اتفاق تھا۔ صرف ایک بات پیش کی تھی کہ مسیح ابن مریم مرگیا ہے اور آنے والا موعود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق تم ہی میں سے آیا ہے۔ میں حیران ہوں کہ ایک طرف تو یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آنے والا موعود حکم ہو کر آئے گا۔ دوسری طرف حالت یہ ہے کہ ایک بات بھی ماننے کو تیار نہیں۔ پھر وہ حکم کس بات کا ہوگا؟ اگر ان کے زعم اور خیال کے موافق مسیح آسمان سے بھی آجاتا تب بھی یقینی امر تھا کہ اُسے ہرگز تسلیم نہ کرتے کیونکہ بحیثیت حکم ہونے کے اس کا تو کام یہ ہوتا کہ وہ سب کی غلطیاں نکال کر صراط مستقیم پر سب کو لاتا اور یہ اپنی غلطیوں کو چھوڑنے والے نہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، شیعہ، خوارج وغیرہ وغیرہ ہر فرقہ والا اپنی بات اسے منوانی چاہتا ہے اور جس کی وہ نہ مانتا اس کے نزدیک ہی کافر اور بے دین ٹھہرتا۔ پس ایسی صورت میں ہم کیونکر مان لیں کہ یہ اپنے فرضی مسیح کو مان لیں گے۔

حکم اسے کہتے ہیں جو قاضی ہو اور غلطیاں نکال کر اصلاح کرے۔ ہم نے تو ذرا سی ہی غلطی پیش کی تھی کہ مسیح مرگیا ہے اور وہ نہیں آئیں گے۔ آنے والا اُمتی ہے جیسا کہ قرآن شریف منکم کہتا ہے اور بخاری اور مسلم میں بھی منکم ہی آیا ہے۔ اب اس غلطی کو جو اسلام کی عظمت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جلالتِ شان کی صریح مخالف ہے یہ چھوڑ نہیں سکتے اور میرا فیصلہ تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ خود مجھ پر حکم ہونا چاہتے ہیں۔

افسوس ہے کہ میں اس اختلاف کی وجہ سے جو اسلام کی زندگی کا اصل ذریعہ ہے کافر۔ اور یہ اپنے ہزاروں خطرناک اختلافوں کی وجہ سے بھی مسلمان کے مسلمان ہی ہیں۔

شیعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخلص اور جان نثار صحابہؓ کو سب وشتم کرتے ہیں اور ان کو کافر اور مُرتد بتاتے ہیں اور پھر بھی وہ سچے کے سچے۔ اب کوئی انصاف کرے کہ وہ آنے والا حکم ان میں آکر کیا کرے گا؟ کیا وہ بھی ان کے ساتھ تبرا میں شامل ہوگا یا اس سے ان کو باز رہنے کی ہدایت کرے گا؟

اگر ان میں خوفِ خدا ہوتا اور یہ تقویٰ سے کام لیتے اور لا تقف ما لیس لک بہ علمٌ[1] پر عمل کرتے اور میری باتوں کو غور سے سُنتے اور پھر ان پر فکر کرتے۔ اس کے بعد حق تھا جو چاہتے کہتے۔ مگر انہوں نے اس کی پروا نہ کی اور خدا تعالیٰ کے خوف سے نہ ڈرے۔ جو منہ میں آیا کہہ گذرے۔

میں سخت افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ ان لوگوں کی حالت مسخ ہوگئی ہے۔ یہی توفی کا لفظ یوسف علیہ السلام کے لئے ہو تو موت کے معنے کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہو تو موت کے معنے کریں لیکن مسیح کی نسبت ہو تو اس کے معنے جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر جانا ہو۔ کس قدر جرأت اور دلیری ہے۔ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذرا بھی عزت ان کے دل میں نہیں۔ اگر وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی یہی معنے کرتے تو ہم سمجھ لیتے کہ یہ کوئی خصوصیت پیدا نہیں کرتے۔ مگر اب تو یہ خاص طور پر مسیح ہی کے ساتھ اس امر کو مخصوص کرتے ہیں حالانکہ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر جانے کا کوئی بھی قائل نہیں نہ یہودی قائل نہ عیسائی۔ یہودی تو رفع رُوحانی کے بھی قائل نہیں۔ عیسائی جلالی جسم کے قائل ہیں گو وہ اس میں جھوٹے ہیں اس لئے کہ انہوں نے جب مسیح کو دیکھا تو وہ وہی عنصری جسم تھا کیونکہ اس میں زخم موجود تھے اور خود انہوں نے ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ بایں عیسائیوں نے سمجھ لیا کہ جسم عنصری آسمان پر نہیں جاتا۔ اسی لئے انہوں نے جلالی جسم تجویز کیا۔

[1] بنی اسرائیل : ۳۷

حضرت مسیح کی وفات کا مسئلہ بہت صاف تھا اور اس کے لئے خود مسیح کا اپنا اقرار۔ اللہ تعالیٰ کا قول اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی چشم دید شہادت، صحابہؓ کا اجماع کافی دلائل تھے مگر انہوں نے ذرا بھی پروانہ کی اور سچ پوچھو تو یہودیوں سے بھی گئے گذرے ہوئے اس لئے کہ وہ تو ایک جماعت بنا کر مسیح کے پاس گئے اور اُن سے اُن کے دعاوی کی تحقیق کی۔ مگر یہ کب میرے پاس آئے اور انہوں نے پوچھا؟

(الحکم جلد ۹ نمبر ۴۰ صفحہ ۸ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۵ء)

---

۳۰ ستمبر ۱۹۰۵ء
قبل دوپہر

(مولوی غلام رسول صاحب راجیکی نے اپنا بے نقط عربی قصیدہ سنایا۔ اسی تحریک سے فرمایا:)

ایک پادری نے مجھ پر اعتراض کیا کہ فیضی کی تفسیر اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت میں ہے کیونکہ ساری بے نقط لکھی ہے۔ میں نے اس کا جواب دیا کہ بے نقط لکھنا کوئی اعلیٰ درجہ کی بات نہیں۔ یہ ایک قسم کا تکلف ہے اور تکلفات میں پڑنا لغو امر ہے۔ مومنوں کی شان یہ ہے وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ[1]۔ یعنی مومن وہ ہوتے ہیں جو لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ اگر بے نقط ہی کو معجزہ سمجھتے ہو تو قرآن شریف میں بھی ایک بے نقط معجزہ ہے اور وہ یہ ہے لَا رَیْبَ فِیْہِ[2]۔ اس میں ریب کا کوئی لفظ نہیں۔ یہی اس کا معجزہ ہے۔ لَا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ[3]۔ اس سے بڑھ کر اور کیا خوبی ہوتی۔

میں نے کئی بار اشتہار دیا ہے کہ کوئی ایسی سچائی پیش کرو جو ہم قرآن شریف سے نہ نکال سکیں۔ لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ[4]۔ یہ ایک ناپیدا کنار سمندر ہے اپنے حقائق اور معارف کے لحاظ سے اور اپنی فصاحت و بلاغت کے رنگ میں۔ اگر لیشو کا

[1] المومنون: ۴ [2] البقرۃ: ۳ [3] حٰمٓ السجدۃ: ۴۳ [4] الانعام: ۶۰

کلام ہوتا تو سطحی خیالات کا نمونہ دکھایا جاتا۔ مگر یہ طرز ہی اَور ہے جو بشری طرزوں سے الگ اور ممتاز ہے۔ اس میں باوجود اعلیٰ درجہ کی بلند پروازی کے نمود و نمائش بالکل نہیں۔ خود فرمایا کہ اُمّیوں کے لئے ہے۔ اور پھر اَور لطف یہ ہے کہ ظاہر تو اُمّیوں کے لئے ہے اور باطن ہر ایک کے سیراب کرنے والا ہے۔

خواجہ صاحب[1] نے پُوچھا کہ سورہ رحمان میں اعادہ کیوں ہوا ہے؟

فرمایا:۔

اس قسم کا التزام اللہ تعالیٰ کے کلام کا ایک ممتاز نشان ہے۔ انسان کی فطرت میں یہ امر واقع ہوا ہے کہ موزون کلام اسے جلد یاد ہو جاتا ہے۔ اسی لئے فرمایا۔ ولقد یسرنا القرآن للذکر[1]۔ یعنی بے شک ہم نے یاد کرنے کے لئے قرآن شریف کو آسان کر دیا ہے۔

یاد رکھو اللہ تعالےٰ کی ساری چیزوں میں حُسن ہے تو کیا یہ ضروری نہیں کہ اس کے کلام میں بھی حُسن ہو؟ یہ اس کا ایک حُسن ہے۔ اگر قرآن مجید ژولیدہ بیان ہوتا تو اس سے کیا فائدہ ہوتا۔ طبائع کو اس کی طرف توجہ ہی نہ ہوتی۔ اللہ تعالےٰ کی مخلوقات میں عجیب عجیب قسم کی مخلوق دیکھی جاتی ہے۔ عجائب خانہ میں جا کر بعض جانور اس قسم کے دیکھے گئے ہیں کہ گویا وہ ایک خوبصورت چھینٹ ہیں۔ ان ساری باتوں پر نظر کر کے معلوم ہوتا ہے کہ رنگینی خلق خدا تعالےٰ کی عادت ہے

یہانتک بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض جانور انڈے خود دیتے ہیں اور اس کے بچے اَور جانور نکالتے ہیں۔ کوئل انڈے خود دیتی ہے اور کوے کے آشیانہ میں رکھ دیتی ہے۔ پس جس جس قدر کوئی مخلوقات الٰہی کا اور افعال اللہ کا مشاہدہ کرے گا۔ اسی قدر اس کا تعجب بڑھتا جائے گا۔ اسی طرح اس کے اقوال میں لا انتہا اسرار ہوتے ہیں جن کا مشاہدہ افعال اللہ

[1] حاشیہ۔ غالباً خواجہ کمال الدین صاحب مراد ہیں (مرتب)

[1] القمر: ۱۸

کی خوردبین سے ہوجاتا ہے۔

حضرت حکیم الامت نے عرض کیا کہ شاعر اور فصیح تو اس طرز بیان پر اعتراض کر ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ خود ان کو اس امر کا التزام کرنا پڑتا ہے۔

پھر حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی سلسلہ کلام میں فرمایا کہ

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ [1]

بار بار توجہ دلانے کے واسطے ہے۔ اسی تکرار پر نہ جاؤ۔ قرآن شریف میں اور بھی تکرار ہے میں خود بھی تکرار کو اسی وجہ سے پسند کرتا ہوں۔ میری تحریروں کو اگر کوئی دیکھتا ہے تو وہ اس تکرار کو بکثرت پائے گا۔ حقیقت سے بےخبر انسان اس کو منافی بلاغت سمجھ لے گا۔ اور کہے گا کہ یہ بھول کر لکھا ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ شاید پڑھنے والا پہلے جو کچھ لکھا ہے اُسے بھول گیا ہو۔ اس لئے بار بار یاد دلاتا ہوں۔ تاکہ کسی مقام پر تو اس کی آنکھ کھلے۔ انما الاعمال بالنیات۔

علاوہ بریں تکرار پر اعتراض ہی بے فائدہ ہے اس لئے کہ یہ بھی تو انسانی فطرت میں ہے کہ جب تک بار بار ایک بات کو دہرائے نہیں وہ یاد نہیں ہوتی۔ سبحان ربی الاعلیٰ اور سبحان ربی العظیم بار بار کیوں کہلوایا؟ ایک بار ہی کافی تھا۔ نہیں۔ اس میں یہی سِر ہے کہ کثرت تکرار اپنا ایک اثر ڈالتی ہے اور غافل سے غافل قوتوں میں بھی ایک بیداری پیدا کر دیتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

واذکروا اللّٰہ کثیراً لعلکم تفلحون [2]

یعنی اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔ جس طرح پر ذہنی تعلق ہوتا ہے اور کثرت تکرار ایک بات کو حافظہ میں محفوظ کر دیتی ہے۔ اسی طرح ایک رُوحانی تعلق بھی ہے اس میں بھی تکرار کی حاجت ہے۔ بدوں تکرار وہ رُوحانی پیوند اور رشتہ قائم نہیں رہتا اور پھر سچ تو یہ ہے کہ اصل بات نیّت پر موقوف ہے۔ جو شخص صرف حفظ کرنے کی نیت سے پڑھتا

[1] الرحمٰن: ۱۴ [2] الانفال: ۴۶

ہے وہ تو وہیں تک رہتا ہے اور جو شخص رُوحانی تعلق کو بڑھا لیتا ہے[1]

حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک آیت اتنی مرتبہ پڑھتا ہوں کہ وہ آخر وحی ہو جاتی ہے۔ صوفی بھی اسی طرف گئے ہیں اور واذکروا اللہ کثیراً کے یہ معنے ہیں۔ کہ اس قدر ذکر کرو کہ گویا اللہ تعالیٰ کا نام کنٹھ ہو جاوے۔ انبیاء علیہم السلام کے طرز کلام میں میں یہ بات عام ہوتی ہے کہ وہ ایک امر کو بار بار اور مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔ ان کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ تا مخلوق کو نفع پہنچے۔ میں خود دیکھتا ہوں اور میری کتابیں پڑھنے والے جانتے ہیں کہ اگر چار صفحے میری کسی کتاب کے دیکھے جاویں تو ان میں ایک ہی امر کا ذکر پچاس مرتبہ آئے گا اور میری غرض یہی ہوتی ہے کہ شاید پہلے مقام پر اس نے غور نہ کیا ہو اور یونہی سرسری طور سے گذر گیا ہو۔

قرآن شریف میں اعادہ اور تکرار کی بھی یہی حکمت ہے۔ یہ تو احمقوں کی خشک منطق ہے جو کہتے ہیں کہ بار بار تکرار سے بلاغت جاتی رہتی ہے۔ وہ کہتے رہیں۔ قرآن شریف کی غرض تو ایک بیمار کا اچھا کرنا ہے۔ وہ تو ضرور ایک مریض کو بار بار دوا دے گا۔ اگر یہ قاعدہ صحیح نہیں تو پھر ایسے معترض جب کوئی ان کے ہاں بیمار ہو جاوے تو اسے بار بار دوا کیوں دیتے ہیں۔ اور آپ کیوں دن رات کے تکرار میں اپنی غذا لباس وغیرہ امور کا تکرار کرتے ہیں؟

پچھلے دنوں میں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ ایک انگریز نے محض اسی وجہ سے خودکشی کر لی تھی کہ بار بار وہی دن رات اور غذا مقرر ہے اور میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا

---

[1] ڈائری نویس یا کاتب کی غلطی سے فقرہ چھوٹ جانے کی وجہ سے مفہوم واضح نہیں ہو سکا غالباً یہ عبارت یوں ہو گی۔
"اور جو شخص رُوحانی تعلق بڑھانے کی خاطر پڑھتا ہے وہ اس تکرار سے روحانی تعلق کو بڑھا لیتا ہے" واللہ اعلم بالصواب۔ (خاکسار مرتب)

معجزات مسیح کے متعلق کہا گیا کہ ازالہ اوہام میں جو تصریح کی گئی ہے۔ اس سے انکار پایا جاتا ہے۔ فرمایا:-

تعجب کی بات ہے کہ وہ انکار ہے یا اقرار؟ معجزاتِ مسیح کا تو اقرار کیا گیا ہے اور ہم اب بھی اقرار کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے خوارق کا ظہور ہوا۔ لیکن یہ سچ ہے کہ ان معجزات کی حقیقت جو خدا تعالیٰ نے ہم پر کھولی اسے ہم نے بحیثیت حکم ظاہر کر دیا ہے۔ اس کی ہم کو کچھ پروا نہیں کہ یہ لوگ اس پر گالیاں دیتے ہیں یا کیا کہتے ہیں۔ یہ لوگ اگر میری بات سے انکار کرتے ہیں تو پھر مجھ سے نہیں بلکہ قرآن شریف سے انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اپنی طرف سے تو لکھا ہی نہیں۔ قرآن شریف ہی سے لکھا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ قرآن شریف نے صاف طور پر فرما دیا ہے کہ حقیقی مُردے واپس نہیں آتے۔ فیمسك التی قضٰی علیھا الموت[۱] کے کیا معنے ہیں۔ پھر اگر میں نے یہ کہا کہ وہ مُردے جو حضرت مسیح نے زندہ کئے وہ حقیقی مُردے نہ تھے جو آیت فیمسك التی قضٰی علیھا الموت[۲] کے موافق واپس نہیں آتے تو کیا بُرا کیا؟ اس سے معجزات کا انکار کیونکر ثابت ہوا؟

میرا معجزات سے انکار تو ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ ایسا اعتراض کرنے والے کا قرآن شریف سے انکار ثابت ہوتا ہے کیونکہ نہ ایک جگہ نہ دو جگہ بلکہ قرآن شریف کے متعدد مقامات سے یہ امر ثابت ہو رہا ہے۔ ایک اَور جگہ فرمایا وحرامٌ علیٰ قریۃٍ اھلکناھا انھم لا یرجعون[۳]۔ اب بتاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ کھول کھول کر ایک امر کو بیان کر دے کہ مُردہ حقیقی واپس نہیں آیا کرتا تو پھر قرآن شریف کی تعلیم سے یہ کیسا انحراف ہے کہ خواہ نخواہ یہ تجویز کیا جاوے کہ فلاں شخص ایسا کرتا تھا۔ خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔ ایسی باتوں کو منہ سے نکالتے وقت اللہ تعالیٰ کا ادب کرو۔

ہاں یہ سچ ہے کہ بعض لوگ جو مُردہ ہی کی طرح ہو جاتے ہیں اور کوئی امید زندگی کی

[۱، ۲] الزمر: ۴۳ [۳] الانبیاء: ۹۶

باقی نہیں ہوتی۔ صرف دم باقی ہوتا ہے۔ ہر قسم کی تدابیر کی راہ بند ہوتی ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اپنے کسی بندہ کی دعاؤں سے اس مُردہ کو زندہ کر دیتا ہے۔ یہ بھی احیاء موتیٰ ہی ہوتا ہے۔ اور یہاں بھی اس قسم کی مثالیں موجود ہیں۔

نواب صاحب کے لڑکے عبدالرحیم کو جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ اس کی شہادت دے سکتے ہیں کہ اس کی کیا حالت تھی۔ اس کی زندگی کی کوئی بھی امید باقی نہ تھی۔[1] ایسا ہی خود میرا لڑکا مبارک احمد ایسی حالت تک پہنچ گیا تھا کہ گھر والوں نے انا للہ و انا الیہ راجعون بھی پڑھ دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے پھر اُسے زندہ کر دیا۔ یہ احیاء موتیٰ ہوتا ہے۔

اور علاوہ اس کے رُوحانی احیاء بھی ہوتا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ہدایتوں سے بیخبر ہوتے ہیں اور ان کی زندگی ایک گمراہی کی زندگی ہوتی ہے وہ بھی مُردہ ہی ہوتے ہیں کیونکہ رُوحانی طور پر مر چکے ہوتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کا ہدایت یاب ہو جانا یہ ان کا زندہ ہونا ہے۔ یہ حقیقت احیاء موتیٰ کی ہے جو قرآن شریف نے بیان کی ہے۔ اور اسی کے موافق خدا تعالیٰ سے علم پا کر میں نے اس کی تصریح کی۔ اب اگر یہ انکار معجزات ہے تو ایسا الزام لگانے والا خود سوچ لے کہ وہ مجھے منکر نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ قرآن شریف سے انحراف اور انکار کرتا ہے۔

یہ کس قدر ناسمجھی اور ناواقفی کی بات ہے کہ انسان اس طرز اور کلام کو اختیار کرے جس میں قرآن شریف پر حملہ ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر حملہ ہو۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ کیا ان کو معجزات مسیح پیارے ہیں یا خدا تعالیٰ کا کلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم؟ یہ اگر معجزات مسیح کے لئے خدا تعالیٰ کے کلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ سکتے ہیں تو چھوڑ دیں۔ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ کے کلام کو چھوڑ دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کریں۔ اس عقیدہ پر اگر ساری دُنیا مجھ کو چھوڑتی ہے تو چھوڑ دے مجھے اس کی پروا نہیں اس لئے کہ خدا میرے ساتھ ہے۔

[1] حاشیہ۔ بفضلہٖ تعالیٰ میں نے خود اس مُردہ کو زندہ ہوتے دیکھا (ایڈیٹر الحکم)

ان کو اعتراض کا حق تو اس وقت ہوتا جب ہم خدا تعالیٰ کے کلام کے خلاف کرتے۔
لیکن جب ہم خدا تعالیٰ کے کلام کے بالکل موافق کہتے ہیں تو اس پر اعتراض کرنا خدا تعالیٰ کے
کلام پر اعتراض ہے نہ مجھ پر۔ اگر مسیح واقعی مُردوں کو زندہ کرتے تھے یعنی ایسے مردوں کو
جو قضیٰ علیہا الموت کے نیچے آچکے تھے تو پھر کیوں انہوں نے ایلیا کو زندہ کر کے نہ
دکھا دیا۔ تا کہ یہودی ٹھوکر نہ کھاتے اور خود بھی صلیبی ابتلا سے بچ جاتے۔
سعدی بھی یہی مذہب رکھتا تھا اور یہی سچا مذہب ہے۔ کوئی اکابر اس کے خلاف
نہیں ہو سکتا۔ سعدی کہتا ہے ؎

دہ کہ گر مردہ باز گردیدے ۔۔۔ رد میراث سخت تر بودے
بہرائے قبیلۂ پیوند ۔۔۔ وارثاں را ز مرگ خویشاوند

(الحکم جلد ۹ نمبر ۴۰ صفحہ ۹ - ۱۰ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۵ء)

بلا تاریخ[1]

حضرت اقدس علیہ السلام کے کلمات طیبات

(ایک شخص کے اپنے الفاظ میں)

انسان اور آدم

فرمانے لگے کہ
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان کو آدم بننا چاہیئے۔ آدم سے مراد کامل انسان ہے جب انسان

---

[1] مندرجہ عنوان کے ماتحت بلا تاریخ یہ ملفوظات الحکم جلد ۹ نمبر ۵ کے صفحہ ۴ پر درج
ہیں۔ جن کے آخر میں محمد خاں صاحب مرحوم کا نام لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مکرم محمد خاں صاحب
نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی مجلس میں یہ کلمات سُنے اور انہیں اپنے الفاظ
میں قلمبند کر کے الحکم میں اشاعت کے لئے بھیجا۔ (مرتب)

کامل آدم بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم سجدہ (اطاعت) کا دیتا ہے اور اس کے ہر ایک
کام کو خدا تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ سے سرانجام کرتا ہے۔ لیکن آدم کامل بننے کے لئے ضروری ۱۸۹۶
ہے کہ انسان کا خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہو۔ جب انسان ہر ایک حرکت اور سکون حکم الٰہی کے
نیچے ہو کر کرتا ہے تو انسان خدا کا ہو جاتا ہے۔ تب خدا تعالیٰ انسان کا والی وارث ہو جاتا ہے
اور پھر اس پر کوئی مخالفت سے دست اندازی نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ آدمی جو احکام الٰہی کی پروا
نہیں کرتا خدا تعالیٰ بھی اس کی پروا نہیں کرتا جیسے کہ آیت کریمہ ولا یخاف عقبٰھا[1] سے
ظاہر ہے یعنی نافرمانوں پر جب وہ عذاب کرنے پر آتا ہے تو ایسی لاابالی سے عذاب کرتا ہے
کہ عذاب کسی ہلاکت سے ان کے بال بچوں کی بھی پروا نہیں کرتا کہ ان کا حال ان کے نافرمان
والدین کے بعد کیا ہوگا۔ جیسے کہ آیت کریمہ ما یعبؤا بکم ربّی لولا دعاؤکم[2] یعنی خدا تعالیٰ
کو تمہاری پروا ہی کیا ہے اگر تم اس کی فرماں برداری میں کوشاں نہ ہو اور اس کے احکاموں
کو بے پروائی سے دیکھو۔

فرمایا کہ

دُنیا میں لاکھوں بکریاں بھیڑیں ذبح ہوتی ہیں لیکن کوئی ان کے سرہانے بیٹھ کر نہیں روتا
اس کا کیا باعث ہے؟ یہی کہ ان کا خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایسے انسان
کی ہلاکت کی بھی آسمان پر کوئی پروا نہیں ہوتی جو اس سے سچا تعلق نہیں رکھتا۔ انسان اگر خدا
تعالیٰ سے سچا تعلق رکھتا ہے تو اشرف المخلوقات ہے ورنہ کیڑوں سے بھی بدتر ہے۔ اس
میں دو اُنس ہیں۔ ایک انس احکام الٰہی سے رجوع ہو تو وہ کامل آدم ہے ورنہ وہ مُردہ کیڑا ہے
دوم مخلوق الٰہی سے۔ دُنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ کئی ایک محض بے گناہ قید ہو جاتے ہیں اور
ظالمانہ دست اندازیوں کا نشانہ بنتے ہیں مگر اس کا باعث یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ
کے احکام کی پوری پروا نہیں کرتے اور دعاؤں سے اس کی پناہ نہیں چاہتے اور شریعت میں
بالکل لاپروا ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ بھی ان سے لاابالی کا معاملہ کرتا

[1] الشمس: ۱۶ [2] الفرقان: ۷۸

ہے ورنہ ان کا خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہوتا تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے دوست کو دشمنوں کے ہاتھوں میں یُوں چھوڑے کیونکہ وہ ولی المؤمنین ہے اور نحن اولیاؤکم فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ[1] کا وعدہ کرتا ہے۔

آدم علیہ السلام کامل انسان تھے تو فرشتوں کو سجدہ (اطاعت) کا حکم ہوا۔ اسی طرح اگر ہم میں ہر ایک آدم بنے تو وہ بھی فرشتوں سے سجدہ کا مستحق ہے۔

فرمایا کہ:۔

کامل انسان محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون ہوگا؟ دیکھو جب انہوں نے اپنی جان اپنا مال اپنی حیات ممات رب العالمین پر قربان کر دیئے یعنی سارے کے سارے خدا کے ہو گئے تو کیسا خدا ان کا ہوا۔ اور کیسے فرشتوں سے ان کی مدد کی۔ اگر وہ فرشتوں سے مدد نہ کرتا تو ممکن نہ تھا ایک یتیم بچہ دنیا کو مغلوب کر لیتا۔ حکم اذکروا اللہ ذکراً کثیراً[2] کا وہی عامل گذرا ہے۔ یعنی لڑائی کے وقت جب جھاگ منہ سے جاری ہے اور مارے غصہ کے آدمی جل رہا ہے۔ اس وقت بھی یہ حکم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو یاد کر کے کسی پر وار چلاتا۔ ان دشمنان دین کے مقابلہ پر جنہوں نے سینکڑوں صحابہؓ کو ذبح کر دیا تھا۔ فتح مکہ پر کیسا خدا کو یاد کیا اور کیسا ترحم دکھایا۔

فرمایا کہ

خدا کا بننا اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہر ایک گھنٹہ اور رات میں انسان ذکر الٰہی میں رہے۔ ذکر الٰہی سے مراد یہ نہیں کہ تسبیح پکڑ لے بلکہ ذکر سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک کام شروع کرتے وقت اس کو اس بات کا دھیان ہو کہ آیا یہ کام خدا تعالےٰ کی مرضی کے خلاف تو نہیں۔ جب اس طرح انسان کامل بن جاتا ہے تو خدا اس کا بن جاتا ہے اور حسب ولیُّ المومنین اس کو ہر موقعہ پر غموم وہموم سے بچاتا ہے

بظاہر اکثر ایسے لوگ ہیں کہ وہ آدمی ہوتے ہیں لیکن حالت کشف میں ان کو کتوں

---

[1] حٰمٓ السجدۃ : ۳۲ [2] الاحزاب : ۴۲

اور گدھوں کی شکل میں دیکھا جاتا ہے

پھر فرمایا کہ

خدا تعالیٰ کا قرب اور نزدیکی بھی اور زندگی بھی انعام (انعمت علیھم) میں شامل ہے۔ مخالفین اس انعام میں مسیح کو تو شامل کرتے ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بے نصیب رکھتے ہیں۔ کیوں ان کو اس عقیدہ سے شرم نہیں آتی۔ اور لمبی زندگی اس طرح انعام میں شمار ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ اما ماینفع الناس فیمکث فی الارض[1] اور ما یعبؤا بکم ربی لولا دعاؤکم[2] یعنی نافع چیز کو درازی عمر نصیب ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ دین سے غافلوں کو ہلاکت میں ڈالنے سے پروا نہیں کرتا۔ پس ثابت ہوا کہ جو دین سے غافل نہ ہوں۔ ان کی ہلاکت اور موت میں خدا تعالےٰ جلدی نہیں کرتا۔

سلسلہ کا منہاج نبوت پر ہونا

فرمایا کہ

ہمارا سلسلہ منہاج نبوت پر ہے جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہود اور نصاریٰ سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اسی طرح ہم کو بھی ان یہود صفت مسلمانوں اور نصاریٰ سے مقابلہ کرنا پڑا۔ کیا یہ مولوی ہم کو رطب و یابس اور ضعیف حدیثوں اور قولوں سے جیتنا چاہتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان تمام تورات اور انجیل کی آیات کو محرف قرار دیا جو آپ کے حَکم ہونے کی معارض تھیں یا ان کے ایسے معنے کئے جو آپ کے سلسلہ اسلام کے موافق ثابت ہوں اور ان آیات کے معنے خداداد فراست اور الہام سے کئے اور اہل کتاب کے غلط معنوں کو رد کیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ساری موجودہ تورات اور انجیل کو صحیح قبول نہ کیا۔ بلکہ کئی ایک آیات کو محرف اور کئی ایک کے معنے صحیح طور سے بذریعہ الہام کئے۔ اسی طرح ہمارا سلسلہ ہے۔

ہم بطور حَکم کے آئے ہیں۔ کیا حَکم کو یہ لازم ہے کہ کسی خاص فرقہ کا مرید بن جاوے؟

---

[1] الرعد: ۱۸ [2] الفرقان: ۷۸

بہتّر فرقوں میں سے کس کی حدیثوں کو مانے ؟ حَکَم تو بعض احادیث کو مردود اور متروک قرار دے گا اور بعض کو صحیح۔

فرمایا :-

بڑے بڑے صریح ظلم مظلوموں پر ڈھائے جاتے ہیں۔ اور ہمارے سامنے ظالموں سے کوئی چنداں باز پُرس نہیں ہوتی۔ اس کا باعث بھی خدا تعالیٰ نے اسی آیت میں فرمایا ہے ما یعبؤا بکم ربی لو لا دعاؤکم[1]۔ یعنی خدا تعالیٰ کو تمہاری پروا کیا ہے اگر تم دعاؤں اور عبادت الٰہی میں تغافل اختیار کرو۔ بے شک ظلم اور دست درازیاں مظلوموں پر ہو دیں کوئی پروا نہیں کی جائے گی۔ جب تک وہ مظلوم خدا تعالیٰ سے سچا تعلق بذریعہ صراط مستقیم پیدا نہ کر لیں۔ اور مظلوم پر ظلم اس لئے ہوتے ہیں کہ مظلوم خود ذبیحہ بکری یا کیڑے کی طرح ہوتا ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے سچا تعلق نہیں رکھتا۔ ورنہ ممکن ہے کہ خدا جو اُس کا دین و دنیا کا متکفل ہو اور اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ پھر اس پر کسی کی ظالمانہ مخالفت کا وار چلنے دے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۵ صفحہ ۴ و ۵ مورخہ ۱۰ر فروری ۱۹۰۵ء)

۱۳ر اکتوبر ۱۹۰۲ء[1]

ندوۃ العلماء اور طریق اصلاح

۱۹۰۲ء میں ندوۃ العلماء کا سالانہ جلسہ بمقام امرتسر ہوا تھا۔ اس جلسہ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنے رسل بغرض تبلیغ بھیجے تھے۔ ۱۲ر اکتوبر کو

---

[1] ترتیب کے لحاظ سے یہ ملفوظات جلد سوم میں درج ہونے چاہئیں۔ چونکہ وہاں درج ہونے سے رہ گئے۔ اس لئے اس جلد کے شروع میں درج کئے جاتے ہیں۔ نئے ایڈیشنوں میں نئے سرے سے ترتیب دے دی جائے گی۔ انشاء اللہ (مرتب)

[1] الفرقان : ۷۸

جلسہ سے واپس آنے پر بعض اور لوگ بھی دارالامان آئے۔ سلسلہ کلام میں ندوہ کے متعلق ذکر آیا کہ وہ بحث مباحثہ سے الگ رہ کر اصلاح چاہتے ہیں۔ اس پر فرمایا:-

اگر ندوہ کا دعویٰ اصلاح ہے تو امر تنقیح طلب یہ ہے کہ اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے اور کن راہوں سے ہو رہی ہے اور اسلام پر کیا حملہ ہو رہا ہے؟ اس کی مدافعت اور انسداد کی تدابیر کا سوال بے محل اور ایسا دعویٰ خیالی دعویٰ ہوگا۔

پھر قابلِ غور امر یہ ہے کہ ان ساری خرابیوں کا انسداد ارضی طاقت سے ہو سکتا ہے یا آسمانی تائیدات سے؟ اگر ندوہ والے چاہتے ہیں کہ لوگ پڑھ کر یعنی انگریزی تعلیم حاصل کر کے نوکر ہو جائیں اور ان کو ملازمت کے لئے آسانیاں ہوں تو یہ دین کا کام نہیں ہے۔ یہ تو قوم کو غلام بنانے کی تدابیر ہیں۔ اور اگر ان کی غرض دینی اصلاح ہے تو پھر یاد رکھیں کہ

خدا را بخدا تواں شناخت

اس اصل کو چھوڑ کر جو شخص چاہتا ہے کہ دینی اصلاح ہو جاوے۔ وہ کبھی اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس خشک اور خیالی اصلاح سے کیا فائدہ ہوگا جس کے ساتھ خدا تعالیٰ کی تائیدیں اور نصرتیں نہیں ہیں۔ وہ باتیں جو نری لفاظی کے طور پر بیان کی جاویں یا قصہ اور کہانی کی طرح گذشتہ امور پر جس کا حوالہ ہو۔ ان کی پہلے سے کیا کمی ہے۔ جو ایک خاص جماعت اپنا وقت اور غریب مسلمانوں کا روپیہ لے کر صرف کرے اور نتیجہ کچھ بھی نہ ہو۔ میں اس قسم کی کارروائیوں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ ایسی باتوں سے ریاکاری اور نفاق کی بُو آتی ہے۔ کیونکہ یہ طریق اس مطلب اور غرض کے حصول سے کوسوں دُور ہے جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے اور جس طرح دُنیا کی اصلاح ہوا کرتی ہے۔ وہ رنگ اس میں موجود نہیں ہے۔

اصلاح کا طریق ہمیشہ وہی مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے اذن اور ایماء سے ہو۔ اگر ہر شخص کی خیالی تجویزوں اور منصوبوں سے بگڑی ہوئی قوموں کی اصلاح

ہو سکتی تو پھر دُنیا میں انبیاء علیہم السلام کے وجود کی کچھ حاجت نہ رہتی جب تک کامل طور پر ایک مرض کی تشخیص نہ ہو اور پھر پُورے وثوق کے ساتھ اس کا علاج معلوم نہ ہو لے کامیابی علاج میں نہیں ہو سکتی۔

اسلام کی جو حالت نازک ہو رہی ہے وہ ایسے ہی طبیبوں کی وجہ سے ہو رہی ہے جنہوں نے اس کی مرض کو تو تشخیص نہیں کیا اور جو علاج اپنے خیال میں گذرا اپنے مفاد کو مدنظر رکھ کر شروع کر دیا۔ مگر یقیناً یاد رکھو کہ اس مرض اور علاج سے یہ لوگ محض ناواقف ہیں۔ اس کو وہی شناخت کرتا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اسی غرض کے لئے بھیجا ہے اور وہ میں ہوں۔

اسلام کی قابل رحم حالت

اسلام کے اندر ایک خطرناک پھوڑا ہو گیا ہے اور ایک جذام باہر کی طرف سے اُسے لگ رہا ہے۔ اندرونی پھوڑے کا باعث خود مسلمان ہوئے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیمات اور اُسوہ حسنہ کو چھوڑ کر اپنی تجویز اور رائے کے موافق اس میں اصلاح اور ترمیم شروع کر دی۔ وہ باتیں جو کبھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وہم وگمان میں بھی نہ آئی تھیں آج عبادت قرار دی گئی ہیں اور زہد و ریاضت کا بہت بڑا مدار انہیں پر رکھا گیا ہے۔ ان باتوں کو دیکھ کر بیرونی دشمنوں کو بھی موقع ملا اور وہ تیر و تفنگ لے کر اسلام پر حملہ آور ہوئے اور اس کے پاک وجود کو چھلنی کر دیا اور اسے ایسی مکروہ ہیئت میں دشمنوں نے دکھانا شروع کر دیا کہ غیر تو غیر تھے ہی اپنوں کو بھی متنفر کر دیا۔ ہر شخص نے اپنی طرز پر اس کی تصویر کو بھیانک بنانے کی فکر کی۔ ایسی صورت میں زمینی حربہ اور ارضی تدابیر کام نہیں دے سکتی ہیں۔ اس کے لئے آسمانی حربہ اور آسمانی تدابیر کی حاجت ہے۔ اس لئے جب تک آسمانی کشش اور آسمانی تائیدات کسی کو نہ دی جاویں کامیابی ہو نہیں سکتی۔ ضرورت انبیاء کا یہی بڑا بھاری ثبوت ہے کیونکہ اگر بگڑے وقت اصلاح دنیا ہو سکتی تو ہر زمانہ میں فلاسفر اور دانشمند مدبر ہوتے

ہی رہے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں بھی ایسے لوگ ہو گذرے ہیں۔ اب بھی موجود ہیں۔ لیکن وہ فلاسفر اور ریفارمر خدا تعالیٰ سے اس قدر دُور جا پڑے ہیں کہ ان کے نزدیک شاید خدا تعالیٰ کا نام لینا بھی ایک گناہ اور غلطی قرار دیا گیا ہے۔ پھر بتاؤ کہ یہ فلسفہ اور یہ اصلاح تمہیں کہاں تک لے جائے گی؟ اس سے کسی بہتری کی امید رکھنا خطرناک غلطی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ خدا تعالیٰ نے یہی سنت رکھی ہے کہ اصلاح کے واسطے نبیوں کو مامور کر کے بھیجا ہے انبیاء علیہم السلام جب آتے ہیں تو بظاہر دنیا میں ایک فسادِ عظیم نظر آتا ہے۔ بھائی بھائی سے باپ بیٹے سے جُدا ہو جاتا ہے۔ ہزاروں ہزار جانیں بھی تلف ہو جاتی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت طوفان سے ان کے مخالفوں کو تباہ کر دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے وقت اور دوسرے کئی عذاب وارد ہوئے اور فرعون کے لشکر کو غرق کیا گیا۔

غرض خوب یاد رکھو کہ **قلوب کی اصلاح اسی کا کام ہے جس نے قلوب کو پیدا** کیا ہے۔ نرے کلمات اور چرب زبانیاں اصلاح نہیں کر سکتی ہیں۔ بلکہ ان کلمات کے اندر ایک رُوح ہونی چاہیئے۔ پس جس شخص نے قرآن شریف کو پڑھا اور اس نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ ہدایت آسمان سے آتی ہے تو اس نے کیا سمجھا؟

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ[1] کا جب سوال ہوگا تو پتہ لگے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ ؎

خدا را بخدا تواں شناخت

اور یہ ذریعہ بغیر امام نہیں مل سکتا۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشانوں کا مظہر اور اس کی تجلیات کا مورد ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةً الْجَاهِلِيَّة یعنی جس نے زمانہ کے امام کو شناخت نہیں کیا وہ جہالت کی موت مر گیا۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۰ مورخہ ۲۴؍ مئی ۱۹۰۵ء)

---

[1] الملک : ۹

بلا تاریخ[1]

نشانِ صداقت

راستباز اور مامور من اللہ کی صداقت کا بڑا نشان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو غیب کی خبریں دیتا ہے اور پھر ان خبروں میں ایک طاقت ہوتی ہے جو دوسروں کو نہیں دی جاتی نجومی جو خبریں دیتا ہے۔ ان میں وہ طاقت اور جبروت نہیں ہوتی جو مامور کی خبروں میں ہوتی ہے۔ علاوہ بریں مامور کی خبریں ایسی ہوتی ہیں کہ فراست اور قیافہ پر ان کی بنا نہیں ہو سکتی۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّی زندگی میں جو بالکل بے سرو سامانی اور بیکسی کی زندگی تھی۔ اپنی کامیابی اور دشمنوں کی ناکامی اور نامرادی کی پیشگوئی کی تھی کیا کوئی عقلمند اور ملکی مدبّر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اس وقت کی حالت کو دیکھ کر اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ شخص کامیاب ہو جائے گا اور وہ قوم جو اس کی مخالفت پر آمادہ ہے۔ ذلت کے ساتھ نامراد رہے گی ؟ پھر دیکھ لو کہ انجام کیا ہوا؟ پس یہ ایک زبردست نشان مامور کو دیا جاتا ہے۔

عیسائیوں کی اسلام دشمنی

عیسائیوں کے حملے اسلام پر اس صدی میں بہت تیزی کے ساتھ ہوئے ہیں۔ اُن کی زبان درازی اور چھیڑ چھاڑ بہت بڑھ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایک دم میں ان کی مخالفانہ کاروائیوں کا فیصلہ کر دیتا مگر وہ اپنا فیصلہ روزِ روشن کی طرح دکھانا چاہتا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اس مذہب کی حقیقت دنیا پر کھُل جاوے۔ شیطان کی آدم کے ساتھ یہ آخری جنگ ہے۔ ملائکۃ اللہ آدم کے ساتھ ہیں اور اب شیطان ہمیشہ کے لئے ہلاک کر دیا جائے گا۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر میری طرف سے اس مُردہ پرستی کے دُور کرنے کے لئے کوئی تحریک

---

[1] ایڈیٹر صاحب الحکم نے "پُرانی نوٹ بُک کا ایک صفحہ" کے زیرِ عنوان یہ ملفوظات درج کئے ہیں۔ مگر ان پر کوئی تاریخ درج نہیں (خاکسار مرتب)

نہ بھی ہوتی اور خدا تعالیٰ مجھے بھی نہ بھیجتا۔ تب بھی اس مذہب کی حالت ایسی ہو چکی تھی۔ کہ یہ خود بخود نمک کی طرح پگھل جاتا۔ میں خدا تعالےٰ کی تائیدوں اور نصرتوں کو دیکھ رہا ہوں۔ جو وہ اسلام کے لئے ظاہر کر رہا ہے اور میں اس نظارہ کو بھی دیکھ رہا ہوں۔ جو موت کا اس صلیبی مذہب پر آنے کو ہے۔ اس مذہب کی بنیاد محض ایک لعنتی لکڑی پر ہے جس کو دیمک کھا چکی ہے اور یہ بوسیدہ لکڑی اسلام کے زبردست دلائل کے سامنے اب ٹھہر نہیں سکتی اس عمارت کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ اب وقت آتا ہے کہ یکدم یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو اسلام کی طرف توجہ ہو گی۔ اور وہ اس مُردہ پرستی کے مذہب سے بیزار ہو کر حقیقی مذہب اسلام کو اپنی نجات کا ذریعہ یقین کریں گے۔

اسلام، عیسائیت اور آریوں کا خدا کے متعلق نظریہ

توحید ماننے والوں میں ایک خاص رُعب اور جلال ہوتا ہے جو بُت پرست کو حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا قلب ملزم کرتا رہتا ہے اور اس کے اعتقاد کی بنیاد علوم حقّہ پر نہیں ہوتی بلکہ ظنیات اور اوہام پر ہوتی ہے۔ مثلاً عیسائیوں نے یسُوع کو خدا بنا لیا مگر کوئی ایسی خصوصیت آجتک دو ہزار برس ہونے کو آئے نہیں بتائی جو یسُوع میں ہو اور دوسرے انسانوں میں نہ ہو بلکہ جہانتک انجیل کے بیان کے موافق یسُوع کی حالت پر غور کرتے ہیں۔ اسی قدر اسے انسانی کمزوریوں کا بہت بڑا نمونہ پاتے ہیں۔

بڑی خصوصیت اقتداری معجزات کی ہوتی ہے لیکن یسُوع کی لائف میں اقتداری معجزات کا پتہ نہیں ملتا اور اگر عیسائیوں کے بیان کے موافق بعض مان بھی لیں تو پھر ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ اسی رنگ کے اقتداری معجزات یسُوع کے معجزات سے کہیں بڑھ چڑھ کر پہلے نبیوں کے بائیبل میں موجود ہیں۔ پھر خصوصیت کیا رہی ؟ وہ کیا بات تھی جس پر اُسے خدا مان لیا گیا۔ اگر ایک مجلس میں اللہ تعالیٰ کے صفات بیان کئے جاویں اور اس میں آریہ عیسائی

اور مسلمان موجود ہوں تو اگر کسی کا ضمیر مر نہیں گیا تو بجز مسلمان کے ہر ایک خدا تعالیٰ کے صفات بیان کرنے سے شرمندہ ہوگا۔ مثلاً آریہ کیا یہ بیان کرکے خوش ہوگا کہ میں ایسے خدا پر ایمان لاتا ہوں جس نے دنیا کا ایک ذرہ بھی پیدا نہیں کیا۔ وہ میری روح اور جسم کا خالق نہیں۔ مجھے جو کچھ ملتا ہے میرے اپنے اعمال اور افعال کا ثمرہ ہے۔ خدا تعالیٰ کا کوئی عطیہ اور کرم نہیں۔ میرا خدا مجھے کبھی ہمیشہ کی نجات نہیں دے سکتا۔ میرے لئے لازمی ہے کہ میں جونوں کے چکر میں آکر کیڑے مکوڑے بنتا رہوں۔ یا کیا عیسائی صاحب یہ بیان کرکے راضی ہوگا کہ میں ایک ایسے خدا پر ایمان لاتا ہوں جو ناصرہ بستی میں یوسف نجار کے گھر معمولی بچوں کی طرح پیدا ہوا تھا۔ وہ معمولی بچوں کی طرح روتا چلاتا اور کبھی اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ماں باپ سے تھپڑ بھی کھاتا تھا۔ اسے اتنی بھی خبر نہ تھی کہ وہ انجیر کے پھل کے موسم کا علم رکھتا۔ وہ ایسا غصہ ور تھا کہ درختوں تک کو بد دعائیں دیتا تھا۔ وہ آخر میرے گناہوں کی وجہ سے صلیب پر لعنتی ہوا۔ اور تین دن ہاویہ میں رہا۔ بتاؤ کیا وہ یہ باتیں خوشی کے ساتھ بیان کرے گا یا اندر ہی اندر اس کا دل کھایا جائے گا۔ لیکن ایک مسلمان بڑی جرأت اور دلیری سے کہیگا کہ میں اس خدا پر ایمان لایا ہوں جو تمام صفات کاملہ سے موصوف اور تمام بدیوں اور نقائص سے منزہ ہے۔ وہ رب ہے۔ بلا مانگے دینے والا رحمان ہے۔ سچی محنتوں کے ثمرات ضائع نہ کرنے والا ہے۔ وہ حیّ و قیوم، ارحم الراحمین خدا ہے۔ وہ ہمیشہ کی نجات دیتا ہے۔ اس کی عطا غیر مجذوذ ہے۔ پس جب مسلمان اپنے خدا کی صفات بیان کرے گا تو ہرگز شرمندہ نہیں ہوگا اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جو ہم پر ہے۔ ایسا ہی اور بہت سی باتیں ہیں۔ غرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مان کر ہم کبھی کسی کے سامنے شرمندہ نہیں ہو سکتے۔

معجزات مسیح کی حقیقت ڈوئی نے خوب کھولی ہے وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں بھی سلب امراض کرتا ہوں۔ اسی طرح پر جس طرح یسوع مسیح کیا کرتا تھا۔ اور عجیب تر یہ بات ہے کہ جہاں کوئی شخص اچھا نہیں ہوتا وہاں وہ شرمندہ نہیں ہوتا بلکہ کہدیتا ہے کہ یسوع مسیح سے بھی

فلاں شخص اچھا نہیں ہوا۔

سلب امراض فی الحقیقت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر ناز کیا جا سکے۔ یہودی بھی اس زمانہ میں سلب امراض کرتے تھے اور ہندوستان میں بھی بہت لوگ اس قسم کے ہوئے ہیں اور آجکل تو ہزاروں ہزار دہریئے اور ملحد بھی ایسے ہیں جو سلب امراض کر سکتے ہیں کیونکہ یہ ایک فن اور مشق ہے جس کے لئے یہ بھی ضرور نہیں کہ اس فن کا عامل خدا تعالیٰ پر یقین رکھتا ہو یا نیک چلنی ہو۔ جس طرح پر دوسرے علوم کے حصول کے لئے نیک چلنی اور خدا پرستی شرط نہیں ہے اس کے لئے بھی نہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص ریاضی کے قواعد کی مشق کرے تو قطع نظر اس کے کہ وہ دہریہ ہے یا موحد خدا پرست، وہ قواعد اس کے لئے کوئی روک پیدا نہیں کریں گے۔ برخلاف اس کے وہ رُوحانی کمالات جو اسلام سکھاتا ہے اُن کے لئے ضروری ہے کہ اعمال میں پاکیزگی اور صدق اور وفاداری ہو۔ بغیر اس کے وہ باتیں حاصل ہی نہیں ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلب امراض والے مسیح کے اچھے کئے ہوئے مَر گئے لیکن قد افلح من زکّٰھا[1] کی تعلیم دینے والے کے زندہ کئے ہوئے آجتک بھی زندہ ہیں اور اُن پر کبھی فنا آ ہی نہیں سکتی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقابلہ میں حواریوں کو پیش کرتے ہوئے بھی شرم آجاتی ہے۔ حواریوں کی تعریف میں ساری انجیل میں ایک بھی ایسا فقرہ نظر نہ آئیگا۔ کہ انہوں نے میری راہ میں جان دے دی۔ بلکہ برخلاف اس کے ان کے اعمال ایسے ثابت ہوں گے جس سے معلوم ہو کہ وہ حد درجہ کے غیر مستقل مزاج، غدار اور بے وفا اور دنیا پرست تھے اور صحابہ کرامؓ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کی راہ میں وہ صدق دکھلایا کہ انہیں رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ[2] کی آواز آگئی۔ یہ اعلیٰ درجہ کا مقام ہے جو صحابہؓ کو حاصل ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ اس مقام کی خوبیاں اور کمالات الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جانا ہر شخص کا کام نہیں

[1] الشمس: ۱۰ [2] المجادلہ: ۲۳

بلکہ یہ توکّل، تبتّل اور رضا و تسلیم کا اعلیٰ مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان کو کسی قسم کا شکوہ شکایت اپنے مولیٰ سے نہیں رہتی اور اللہ تعالےٰ کا اپنے بندہ سے راضی ہونا یہ موقوف ہے بندے کے کمال صدق و وفاداری اور اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی اور طہارت اور کمال اطاعت پر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے معرفت اور سلوک کے تمام مدارج طے کر لئے تھے۔ اس کا نمونہ حواریوں میں اگر تلاش کریں تو ہرگز نہیں مل سکتا۔ پس نرے سلب امراض پر خوش ہو جانا یہ کوئی دانشمندی نہیں ہے اور رُوحانی کمالات کا شیدائی ان باتوں پر خوش نہیں ہو سکتا اس لئے میں تمہارے لئے یہی پسند کرتا ہوں کہ تم اپنے دل کو پاک کرو کہ مولیٰ کریم تم سے راضی ہو جاوے اور تم اس سے راضی ہو جاؤ۔ پھر وہ تمہارے جسم میں تمہاری باتوں میں ایسی برکت رکھ دے گا۔ جو سلب امراض کرنے والے بھی انہیں دیکھ کر حیران اور شرمندہ ہوں گے

نُکتہ

قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ کوئی صفت مفعول کے صیغہ میں نہیں ہے۔ قدّوس تو ہے مگر معصُوم نہیں ہے۔ کیونکہ معصوم کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ اس کو بچانے والا کوئی اَور ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اپنی ذات ہی میں بے عیب پاک خدا ہے اور وحدہٗ لاشریک اکیلا خدا ہے۔ اس کو بچانے والا کون ہو سکتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں مفتی محمد صادق صاحب رسالہ بے گناہی مسیح سُنا رہے تھے۔ اس میں ایک مقام پر مصنف نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر محض اس بنا پر حملہ کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیوں کیا؟ اس پر فرمایا۔

افسوس یہ لوگ ایسے بیہودہ اعتراض کرتے ہیں جن کو کوئی سلیم الفطرت پسند نہیں کر سکتا ایسی باتیں کرکے یہ لوگ کچھ سُننا چاہتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کرنے سے پہلے اتنا سوچ لیتے۔ کہ

ایک شخص جو بیگانی اور بدوضع مشہور عورتوں سے تعلق رکھتا ہے اس کی زندگی کو تو وہ بے عیب اور خدا کی زندگی قرار دیتے ہیں۔ پھر جائز طور پر نکاح کرنے والے پر اعتراض کیوں ہے ؟ کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے۔ اپنے گھر میں انجیل کا مطالعہ کرے اور کفارہ کی برکات جو یورپ کو اخلاقی طور پر ورثہ میں ملی ہیں ان پر نظر کرلے۔ پھر وہ اسلام پر اعتراض کرنے کے لئے منہ کھولے جس کے گھر میں اس قدر گند ہو۔ اُسے تو شرم آنی چاہیئے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۱۹ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۵ء)

بلاتاریخ[1]

افسوس کا مقام ہے کہ یہ دنیا چند روزہ ہے لیکن اس کے لئے وہ وہ کوششیں کی جاتی ہیں گویا کبھی یہاں سے جانا ہی نہیں۔ انسان کیسا غافل اور ناسمجھ ہے کہ علانیہ دیکھتا ہے کہ یہاں کسی کو ہمیشہ کے لئے قیام نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی اس کی آنکھ نہیں کھلتی۔ اگر یہ لوگ جو بڑے کہلاتے ہیں اس طرف توجہ کرتے تو کیا اچھا ہوتا۔ دنیا کی عجیب حالت ہو رہی ہے جو ایک دردمند دل کو گھبرا دیتی ہے۔ بعض لوگ تو کھلے طور پر طالب دُنیا ہیں اور ان کی ساری کوششیں اور تگ و دَو دنیا تک محدود ہے۔ لیکن بعض لوگ ہیں تو اسی مردُود دنیا کے طلبگار۔ مگر وہ اس پر دین کی چادر ڈالتے ہیں۔ جب اس چادر کو اُٹھایا جاوے تو وہی نجاست اور بدبُو موجود ہے یہ گروہ پہلے گروہ کی نسبت زیادہ خطرناک اور نقصان رساں ہے۔ اکثر لوگ جب ان دینداروں کی حالت کو دیکھتے ہیں تو وہ دہریئے ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے اعمال کو ان کے اقوال کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا۔ سُننے والے جب ان کی باتوں کو سُنکر پھر ان کے اعمال

---

[1] یہ ملفوظات جن پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ ایڈیٹر صاحب الحکم نے "پرانی نوٹ بک میں سے ایک صفحہ" کے زیر عنوان الحکم میں شائع کئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ۱۹۰۵ء سے پہلے کی کسی تاریخ کے یہ ملفوظات ہیں۔ واللہ اعلم (خاکسار مرتب)

کو دیکھتے ہیں تو ان کا ایمان بالکل جاتا رہتا ہے اور وہ دہریہ ہو جاتے ہیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت قریباً علماء کی یہی حالت ہو رہی ہے لم تقولون مالا تفعلون[1] کے مصداق اکثر پائے جاتے ہیں اور قرآن شریف پر مگفتن ایمان رہ گیا ہے۔ ورنہ قرآن شریف کی حکومت سے لوگ بکلی نکلے ہوئے ہیں۔ احادیث سے پایا جاتا ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا تھا کہ قرآن شریف آسمان پر اُٹھ جائے گا۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ وہی وقت آگیا ہے حقیقی طہارت اور تقویٰ جو قرآن شریف پر عمل کرنے سے پیدا ہوتا ہے آج کہاں ہے؟ اگر ایسی حالت نہ ہوگئی ہوتی تو خدا تعالیٰ اس سلسلہ کو کیوں قائم کرتا۔ ہمارے مخالف اس بات کو نہیں سمجھ سکتے لیکن وہ دیکھ لیں گے کہ آخر ہماری سچائی روز روشن کی طرح کھُل جائے گی۔ خدا تعالیٰ خود ایک ایسی جماعت تیار کر رہا ہے جو قرآن شریف کی ماننے والی ہوگی۔ ہر ایک قسم کی ملونی اس میں سے نکال دی جائے گی اور ایک خالص گروہ پیدا کیا جاوے گا اور وہ یہی جماعت ہے۔ اس لئے میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ تم خدا تعالیٰ کے احکام کے پورے پابند ہو جاؤ اور اپنی زندگیوں میں ایسی تبدیلی کرو جو صحابہ کرامؓ نے کی تھی۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تمہیں دیکھ کر ٹھوکر کھاوے۔ ہاں میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ افتراء اور کذب کے سلسلہ سے الگ ہو جاوے۔ پس تم دیکھو اور منہاج نبوت پر اس سلسلہ کو دیکھو۔ یہ میں جانتا ہوں کہ جب خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے اور زمین پر بارش ہوتی ہے تو جہاں مفید اور نفع رساں بوٹیاں اور پودے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی زہریلی بوٹیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس وقت خدا تعالیٰ کا کلام اُتر رہا ہے اور آسمان کے دروازے کھُلے ہوئے ہیں۔ چونکہ ایک سلسلہ حقہ قائم ہوا ہے۔ ضروری تھا کہ اس کے ساتھ جھوٹے مدعی اور مفتری بھی ہوتے جو اکثروں کو گمراہ کرتے۔ پس ہر شخص کا فرض ہے کہ اس وقت خدا تعالیٰ سے کشود کار کے لئے دُعا کرے اور دعاؤں میں لگا رہے۔ ہمارے سلسلہ کی بُنیاد نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ پر ہے۔ پھر اس سلسلہ کی تائید اور تصدیق کے لئے اللہ تعالیٰ نے

[1] الصف : ۳

آیات ارضیہ اور سماویہ کی ایک خاتم ہم کو دی ہے۔ یہ بخوبی یاد رکھو کہ جو شخص خدا تعالےٰ کی طرف سے آتا ہے اسے ایک مہر دی جاتی ہے اور وہ مہر محمدی مہر ہے جس کو ناعاقبت اندیش مخالفوں نے نہیں سمجھا۔

میں بڑے یقین اور دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کمالات نبوت ختم ہوگئے۔ وہ شخص جھوٹا اور مفتری ہے جو آپ کے خلاف کسی سلسلہ کو قائم کرتا ہے۔ اور آپ کی نبوت سے الگ ہو کر کوئی صداقت پیش کرتا اور چشمۂ نبوت کو چھوڑتا ہے۔ میں کھول کر کہتا ہوں کہ وہ شخص لعنتی ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا آپ کے بعد کسی اور کو نبی یقین کرتا ہے اور آپ کی ختم نبوت کو توڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ایسا نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آسکتا جس کے پاس وہی مُہر نبوت محمدی نہ ہو۔ ہمارے مخالف الرائے مسلمانوں نے یہی غلطی کھائی ہے کہ وہ ختم نبوت کی مُہر کو توڑ کر اسرائیلی نبی کو آسمان سے اُتارتے ہیں۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی اور آپ کی ابدی نبوت کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ تیرہ سو سال کے بعد بھی آپ ہی کی تربیت اور تعلیم سے مسیح موعود آپ کی اُمت میں وہی مُہر نبوت لے کر آیا ہے۔ اگر یہ عقیدہ کفر ہے تو پھر میں اس کفر کو عزیز رکھتا ہوں۔ لیکن یہ لوگ جن کی عقلیں تاریک ہوگئی ہیں جن کو نُور نبوت سے حصہ نہیں دیا گیا اس کو سمجھ نہیں سکتے اور اس کو کفر قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ وہ بات ہے جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کمال اور آپ کی زندگی کا ثبوت ہوتا ہے۔

غرض ہر مامور اور راستباز کو اللہ تعالیٰ ایک نشان نبوت دیتا ہے اور وہ وہ آیات ارضیہ اور سماویہ ہوتے ہیں جو اس کی تائید اور تصدیق کے لئے ظاہر ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے میری تائید اور تصدیق میں ایک دو نہیں لاکھوں لاکھ نشان ظاہر کئے ہیں کوئی دیکھنے والا بھی ہو۔

پھر میری تائید اور تصدیق اور اس سلسلہ کی سچائی کے لئے دلائل عقلیہ موجود ہیں۔ کاش یہ لوگ اگر نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ سے واقف نہیں تھے اور ان آیات ارضیہ اور سماویہ کو جو میری صداقت کے ثبوت میں میرے ہاتھ پر ظاہر ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے تو عقل ہی سے کام لیتے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن کریم میں ذکر آیا ہے کہ جب وہ دوزخ میں داخل ہوں گے تو اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی اور اپنی غلطی پر اطلاع ہوگی تو کہیں گے۔

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ[1]

اے کاش اگر ہم سنتے اور پھر سنکر عقل سے کام لیتے تو ہم جہنمی نہ ہوتے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر دوسرے امور پر نظر نہ بھی کریں تو ایک ضرورت موجودہ ہی ایسی ہے جو میری سچائی پر مہر کر دیتی ہے۔ کیا اس طوفان اور جنگ کے وقت جب عیسائیوں نے اسلام کو نابود کرنا چاہا ہے اور ہر طرف سے اور ہر رنگ سے اس پر حملے کر رہے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں اخبارات اور رسالے اس کی مخالفت میں شائع کر رہے ہیں اس لئے کہ اسلام اُن کی راہ میں ایک روک اور پتھر ہے۔ اسلام ہی ان کی عیش میں تلخ ہے۔ اخبارات یورپ پکار پکار کر کہتے اور وہاں کے مدبر اور اہل الرائے اسلام ہی کو اپنی ترقی کی راہ میں روک قرار دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں اسلام کے نیست و نابود کرنے کی جس قدر فکر عیسائیوں کو ہو سکتی ہے اس سے وہ لوگ جو حجروں میں رہتے ہیں کب آشنا اور واقف ہو سکتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ آئے دن دو چار آدمی مسلمان ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی ترقی ہو رہی ہے انہیں ان حملوں کی خبر نہیں جو مقدس اسلام پر مختلف رنگوں میں ہو رہے ہیں۔ عیسائیت کی برباد کن آگ اسلام کے گھر کو لگ چکی ہے۔ ۲۹ لاکھ تو ایسے ہیں جو اس آگ کی نذر ہو چکے ہیں اور اسلام کے لخت جگر کہلا کر مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کھڑے ہو کر وعظ کہتے ہیں۔ یہ تو علانیہ دشمن ہیں۔ پھر ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو گو کھلے طور پر عیسائی تو نہیں ہوئے لیکن

[1] الملک : ۱۱

اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ انہیں اسلام کے ساتھ کوئی محبت اور لگاؤ نہیں ہے وہ اسلام
کے ارکان اور شعار پر ہنستے اور ٹھٹھے کرتے ہیں۔ آئے دن اس میں لگے رہتے ہیں کہ جہانتک ممکن ۲۰۴
ہو اور بس چلے اسلام کے احکام نماز روزہ میں ترمیم کریں اور اپنی تجویز اور تدبیر سے ایک ایسا
اسلام پیدا کریں جس کے بانی مبانی وہ آپ ہوں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تعلیم کردہ اسلام
سے خواہ وہ الگ ہی کیوں نہ ہو۔ ان لوگوں کی حالت کسی صورت میں عیسائیوں سے کم نہیں ہے
وہ کھلم کھُلا ان کی وردی پہنتے ہیں۔ جو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک دشمن دین کی وردی وہ کیوں پہنتے
ہیں اگر اسلام کے ساتھ انہیں محبت اور پیار ہے۔

اگر کوئی شخص ہماری جماعت سے نفرت کرتا ہے تو کرے۔ لیکن اسے کم از کم غیرت اسلام
کے تقاضا سے اور اسلام کی موجودہ حالت کے لحاظ سے یہ بھی تو ضرور ہے کہ وہ کسی ایسی جماعت
کو تلاش کرے اور اس کا پتہ دے جو حجج و براہین اور خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشانات اور
روشن آیات سے کسرِ صلیب کر رہی ہو۔ مگر میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ خواہ شرقاً غرباً شمالاً جنوباً
کہیں بھی چلے جاؤ اس جماعت کا پتہ بجُز میرے نہیں ملے گا۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے اس
غرض کے واسطے مجھے ہی مبعوث کرکے بھیجا ہے۔ میرے دعویٰ کو سُنکر نری بدظنی اور بدگمانی
سے کام نہ لو بلکہ تمہیں چاہیئے کہ اس پر غور کرو اور منہاج نبوت کے معیار پر اس کی صداقت کو
آزماؤ۔ انسان ایک پیسے کا برتن لیتا ہے تو اس کی بھی دیکھ بھال کرتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ
ہماری باتوں کو سُنتے ہی بغیر فِکر کئے گالیاں دینی شروع کرتے ہیں۔ یہ بہت ہی نامناسب امر
ہے۔ جو طریق میں نے پیش کیا ہے اس طرح پر میرے دعویٰ کو آزماؤ اور پھر اگر اس طریق سے
بھی تم مجھے کاذب پاؤ تو بے شک افسوس کے ساتھ چھوڑ دو۔ لیکن میں تمہیں دعویٰ سے کہتا
ہوں کہ میں مفتری نہیں ہوں۔ کاذب نہیں ہوں بلکہ میں وہی ہوں جس کا وعدہ
نبیوں کی زبانی ہوتا چلا آیا ہے۔ جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا ہے
وہی مسیح موعود ہوں جو چودھویں صدی میں آنے والا تھا اور جو مہدی بھی ہے۔ مجھے وہی

قبول کرتا ہے جس کو خدا تعالےٰ اپنے فضل سے دیکھنے والی آنکھ عطا کرتا ہے اور یہ جماعت اب دن بہ دن بڑھ رہی ہے۔ خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ یہ بڑھے پس یہ بڑھے گی۔ اور ضرور بڑھے گی۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۰ صفحہ ۲ بابت ۱۰ رجون ۱۹۰۵ء)

بلا تاریخ[1]

جب انسان حجۃ اللہ کے مقام پر ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ ہی اس کے جوارح ہو جاتا ہے۔ مَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی[*] کے یہی معنے ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ انسان کامل طور پر اللہ تعالےٰ کا فرمانبردار اور اس کا وفادار بندہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی رضا کے ساتھ اسے کامل صلح ہوتی ہے۔ اس کی کوئی حرکت کوئی سکون اللہ تعالیٰ کے اذن اور امر[2] کی ایک کل ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اس پر مَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ مقام کامل اور اکمل طور پر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔

مکر کے معنے

مکر کا لفظ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کے لئے استعمال کیا ہے۔ پھر یہی لفظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی آیا ہے اور براہین احمدیہ میں میرے متعلق بھی ایک الہام ہے۔ مکر کی حد اس وقت تک ہوتی ہے جب تک وہ انسانی تدابیر اور منصوبوں تک ہو۔ لیکن جب انسانی منصوبوں کی طرح نہ ہو تو پھر وہ خارق عادت ہوتا ہے مکر نہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کفار نے جو منصوبے کئے وہ اس میں پورے

---

[1] حاشیہ۔ یہ ملفوظات بھی ایڈیٹر صاحب الحکم نے "پرانی نوٹ بک میں سے کچھ" کے زیر عنوان بغیر تاریخ کے شائع کئے ہیں۔ (مرتب)

[2] حاشیہ۔ یہاں کچھ عبارت چھوٹی ہوئی معلوم ہوتی ہے جو غالباً اس طرح ہو سکتی ہے "کے بغیر نہیں ہوتی گویا وہ خدا کی" (مرتب)

[*] النجم: ۴

ناکام اور نامراد رہے اور اللہ تعالیٰ نے خارق عادت طریق سے آپ کو وعدہ کے موافق بچالیا۔

مذہب کبھی سرسبز نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی رُوحانیت کا بروز نہ ہو اس لئے ضروری تھا کہ اسلام کے کامیاب اور بامراد ہونے کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے اور مدینہ طیبہ میں قبر کے اندر رکھے گئے۔ مگر میں یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہی ظاہر کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو قبر میں رکھے گئے وہ ایک پاک دانہ کی طرح رکھے گئے ہیں جس کو بہت سے خوشے لگے ہیں جو اصلھا ثابتٌ وفرعھا فی السماءِ[2] کا سچا مصداق ہیں۔ اگر کوئی شخص اس امر کو نہیں مانتا تو وہ گویا تسلیم کرتا ہے کہ معاذ اللہ آپ ضائع ہو گئے۔ حالانکہ آپ کے برکات اور فیوض کا تو یہانتک اثر ہوا کہ مدینہ طیبہ کا نام یثرب بھی نہیں رہنے دیا کیونکہ یثرب ہلاک ہونے کو کہتے ہیں۔ میں یقیناً کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس حقیقت کو کھول دیا ہے کہ آپ مدینہ کی خاک میں اس دانے کی طرح تھے جس سے ہزارہا دانے اُگیں۔ یہ لوگ جو میری مخالفت کرتے ہیں وہ تعصب اور ضد میں اندھے ہو کر آپ کو اس دانہ سے مشابہ سمجھتے ہیں جو معاذ اللہ کرم خوردہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی یہ قدیم سے عادت ہے کہ نبی کے اخلاق، عادات اور توجہ کسی اَور کو بھی دئے جاتے ہیں جو اس کی اتباع میں اس کی محبت میں کامل طور پر فنا ہو گیا ہو اور ظلّی طور پر اس کے کمالات اور خوبیوں کو اپنے اندر جذب کرتا ہو۔ اس صورت میں اس نبی کا حُلیہ جو اس کو دیا جاتا ہے۔ اس وقت اس کا نام اس نبی کا ہوتا ہے۔ یہی سِر ہے جو انجیل[1] میں لکھا ہے۔ مسیح نہ آئے گا جب تک ایلیا نہ آئے۔ اور دوسرے مقام پر ایلیا کے آنے سے مراد اس کی خو اور طبیعت اور طاقت پر آنے سے لی گئی ہے۔ پس مہدی کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پر آئے گا اس سے یہی مراد ہے کہ وہ ظلّی اور بروزی طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مظہر ہوگا

---

[1] حاشیہ۔ غلط "بائبل" ہونا چاہئے۔ سہو کتابت سے "انجیل" لکھا گیا ہے۔ (مرتب)

[2] ابراھیم: ۲۵

بعثت مسیح موعود کا مقصد

میرے آنے کے دو مقصد ہیں۔ مسلمانوں کے لئے یہ کہ اصل تقویٰ اور طہارت پر قائم ہو جائیں۔ وہ ایسے سچے مسلمان ہوں جو مسلمان کے مفہوم میں اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے۔ اور عیسائیوں کے لئے کسرِ صلیب ہو۔ اور ان کا مصنوعی خدا نظر نہ آوے۔ دنیا اس کو بالکل بھول جاوے۔ خدائے واحد کی عبادت ہو۔

میرے ان مقاصد کو دیکھ کر یہ لوگ میری مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ جو کام نفاقِ طبعی اور دنیا کی گندی زندگی کے ساتھ ہوں گے وہ خود ہی اس زہر سے ہلاک ہو جائیں گے۔ کیا کاذب کبھی کامیاب ہو سکتا ہے؟ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ[1]۔ کذّاب کی ہلاکت کے واسطے اس کا کذب ہی کافی ہے۔ لیکن جو کام اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کے رسُول کی برکات کے اظہار اور ثبوت کے لئے ہوں۔ اور خود اللہ تعالیٰ کے اپنے ہی ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہو۔ پھر اس کی حفاظت تو خود فرشتے کرتے ہیں۔ کون ہے جو اس کو تلف کر سکے؟ یاد رکھو۔ میرا سلسلہ اگر نری دکانداری ہے تو اس کا نام و نشان مٹ جائے گا لیکن اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یقیناً اسی کی طرف سے ہے تو ساری دنیا اس کی مخالفت کرے۔ یہ بڑھے گا اور پھیلے گا اور فرشتے اس کی حفاظت کریں گے۔ اگر ایک شخص بھی میرے ساتھ نہ ہو اور کوئی بھی مدد نہ دے تب بھی میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ سلسلہ کامیاب ہوگا۔

مخالفت کی میں پروا نہیں کرتا۔ میں اس کو بھی اپنے سلسلہ کی ترقی کے لئے لازمی سمجھتا ہوں۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ خدا تعالیٰ کا کوئی مامور اور خلیفہ دنیا میں آیا ہو اور لوگوں نے چُپ چاپ اسے قبول کر لیا ہو۔ دُنیا کی تو عجیب حالت ہے۔ انسان کیسا ہی صدیق فطرت رکھتا ہو۔ مگر دوسرے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے وہ تو اعتراض کرتے ہی رہتے ہیں۔

---

[1] المومن: ۲۹

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہمارے سلسلہ کی ترقی فوق العادت ہو رہی ہے۔ بعض اوقات چار چار پانچ پانچ سو کی فہرستیں آتی ہیں اور دس دس پندرہ پندرہ تو روزانہ درخواستیں بیعت کی آتی رہتی ہیں اور وہ لوگ علیحدہ ہیں جو خود یہاں آکر داخل سلسلہ ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ کے قیام کی اصل غرض یہی ہے کہ لوگ دنیا کے گند سے نکلیں اور اصل طہارت حاصل کریں اور فرشتوں کی سی زندگی بسر کریں۔

مسیح کی موت کا جھگڑا بالکل صاف ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول سے اور مسیح علیہ السلام کے اپنے اقرار سے فلمّا توفیتنی میں موت ثابت کردی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے معراج کی رات میں اُن کو مُردوں میں دیکھا یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ جو شخص ابھی اس عالم میں ہے وہ ان روحوں میں جو اس جہان سے گذر چکی ہیں کیونکر شامل ہو گیا؟

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۵ صفحہ ۱۰-۱۱ مورخہ ۱۷ر جولائی ۱۹۰۵ء)

یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء

تصویر کی ممانعت

ذکر آیا کہ ایک شخص[1] نے حضور کی تصویر ڈاک کے کارڈ پر چھپوائی ہے تاکہ لوگ کارڈوں کو خرید کر خطوط میں استعمال کریں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

میرے نزدیک یہ درست نہیں۔ بدعت پھیلانے کا یہ پہلا قدم ہے۔ ہم نے جو تصویر فوٹو لینے کی اجازت دی تھی وہ اس واسطے تھی کہ یورپ امریکہ کے لوگ جو ہم سے بہت دُور ہیں اور فوٹو سے قیافہ شناسی کا علم رکھتے ہیں اور اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اُن

[1] حاشیہ دیکھو اگلے صفحہ پر

کے لئے ایک رُوحانی فائدہ کا موجب ہو۔ کیونکہ جیسا تصویر کی حُرمت ہے۔ اس قسم کی حُرمت عموم نہیں رکھتی بلکہ بعض اوقات مجتہد اگر دیکھے کہ کوئی فائدہ ہے اور نقصان نہیں تو وہ حسبِ ضرورت اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس وقت یورپ کی ضرورت کے واسطے اجازت دی گئی۔ چنانچہ بعض خطوط یورپ امریکہ سے آئے جن میں لکھا تھا کہ تصویر کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل وہی مسیح ہے۔ ایسا ہی امراض کی تشخیص کے واسطے بعض وقت تصویر سے بہت مدد مل سکتی ہے۔ شریعت میں ہر ایک امر جو ما ینفع الناس[1] کے نیچے آئے اس کو دیر پا رکھا جاتا ہے۔ لیکن یہ جو کارڈوں پر تصویریں بنتی ہیں ان کو خریدنا نہیں چاہیئے۔ بُت پرستی کی جڑ تصویر ہے۔ جب انسان کسی کا معتقد ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ تعظیم تصویر کی بھی کرتا ہے۔ ایسی باتوں سے بچنا چاہیئے اور ان سے دور رہنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری جماعت پر سر نکالتے ہی آفت پڑ جائے۔ میں نے اس ممانعت کو کتاب میں

(نوٹ از ایڈیٹر الحکم) بمبئی کے ایک سوداگر نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصویر والے کارڈ چھپوائے تھے اور ان کا اشتہار الحکم میں بھی شائع کر دیا گیا جو ایک معمولی اشتہار سمجھ کر شائع ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میری نیت اس اشتہار کی اشاعت سے کیا تھی۔ میرا ذاتی خیال یہ تھا کہ یہ بھی تبلیغ کا ایک ذریعہ ہوگا۔ لیکن یہ مرض تصویر بازی کا کچھ ایسا ترقی کرنے لگا کہ حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خصوصیت کے ساتھ اس پر توجہ کرنی پڑی اور پُر زور الفاظ میں اس کی حرمت اور ممانعت کا فتویٰ دیا اور اس طرح پر اس بابِ البدعت کو کھلتے ہی بند کر دیا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء

الحکم کی گذشتہ اشاعت میں مختصر طور پر یہ اعلان دے دیا گیا تھا۔ آج تفصیل کے ساتھ حضرت اقدس (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تقریر کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔ آج کے بعد یقین کیا جاتا ہے۔ کہ اعلیحضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصویر کا کارڈ استعمال نہ کیا جاوے گا۔ (ایڈیٹر الحکم)

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۵ صفحہ ۳)

[1] الرعد : ۱۸

درج کر دیا ہے جو زیر طبع ہے۔ جو لوگ جماعت کے اندر ایسا کام کرتے ہیں اُن پر ہم سخت ناراض ہیں۔ ان پر خدا تعالیٰ ناراض ہے۔ ہاں اگر کسی طریق سے کسی انسان کی رُوح کو فائدہ ہو تو وہ طریق مستثنیٰ ہے۔

ایک کارڈ تصویر والا دکھایا گیا۔ دیکھ کر فرمایا:۔

یہ بالکل ناجائز ہے

ایک شخص نے اس قسم کے کارڈوں کا ایک بنڈل لا کر دکھایا کہ میں نے یہ تاجرانہ طور پر فروخت کے واسطے خرید کئے تھے۔ اب کیا کروں؟ فرمایا:۔

ان کو جلا دو اور تلف کر دو۔ اس میں اہانتِ دین اور اہانتِ شرع ہے

نہ ان کو گھر میں رکھو۔ اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ بلکہ اس سے اخیر میں بُت پرستی پیدا ہوتی ہے۔ اس تصویر کی جگہ پر اگر تبلیغ کا کوئی فقرہ ہوتا تو خوب ہوتا۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۵ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

قبل دوپہر

ترک صاحب نے مندرجہ ذیل دو سوال کئے اور جواب پایا۔

سوال۔ اگر کوئی چوری یا زنا کے ارادے سے جاوے مگر نہ کرے تو کیا گناہ ہوگا؟

جواب حضرت اقدس۔ جو خیالات وسوسہ کے رنگ میں دل میں گذرتے ہیں اور ان پر کوئی عزم اور ارادہ انسان نہیں کرتا ان پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ لیکن جب کوئی خیال بد دل میں گذرے اور انسان اس پر مصمم ارادہ کر لے تو اس پر مواخذہ ہوتا ہے اور وہ گناہ ہے۔ جیسے ایک اچکا دل میں خیال کرے کہ فلاں بچہ کو قتل کر کے اس کا زیور اُتار لوں گا تو گو قانونی جرم نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ مجرم ہے اور سزا پائے گا۔ یاد رکھو۔ دل کا ایک فعل ہوتا ہے مگر جب تک اس پر مصمم ارادہ اور عزیمت نہ کر لے اس کا کوئی اثر نہیں۔

سوال۔ جو لوگ لڑائیوں میں جاتے ہیں اور وہاں قتل کرتے ہیں۔ کیا وہ قتل ان کا گناہ ہے یا نہیں؟

جواب۔ علمہا عند ربی میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے اچھا کیا یا بُرا کیا۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۷؍نومبر ۱۹۰۵ء)

۲؍اکتوبر ۱۹۰۵ء

جہاد اور جنگیں

مسئلہ جہاد کا ذکر تھا۔ اس کے متعلق جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

اسلامی جہاد پر یہ اعتراض تو محض فضول ہے کہ وہ لڑائیاں مذہب اور اشاعتِ اسلام کی خاطر تھیں اس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تیرہ سال تک مکّہ میں کفار کے ہاتھوں سے سخت تکلیف اُٹھاتے رہے اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ نے دُکھ اُٹھائے اور جانیں دیں۔ بعض غریب اور بیکس ضعیف عورتوں کو شرمناک تکالیف کفار نے پہنچائیں۔ یہاں تک کہ آخر آپ کو ہجرت کرنی پڑی اور ان کفار نے وہاں بھی آپ کا تعاقب کیا۔ ایسی صورت میں جب اُن کی شرارتیں اور تکلیفیں حد سے گذر گئیں تو پھر خدا تعالیٰ نے سدباب اور دفاع کے طور پر حکم دیا کہ ان سے جنگ کرو۔ چنانچہ پہلی آیت جس میں جہاد کا حکم ہوا وہ یہ ہے:۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا[۲] الآية

یعنی ان لوگوں کو اجازت دی گئی کہ جنگ کریں جن پر ظلم ہوا۔ مسلمان مظلوم تھے۔ اُن کی طرف سے ابتدا نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ بانیٔ فساد کفارِ مکہ تھے۔ ایسی حالت میں بھی جب اُن کی شرارتیں انتہائی درجہ تک جا پہنچیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مدافعت کے واسطے مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔

پس یہ اعتراض محض فضول اور لغو ہے کہ وہ لڑائیاں مذہب کے لئے تھیں۔ اگر محض

---

[۱] الاعراف : ۱۸۸ [۲] الحج : ۴۰

مذہب کے لئے ہوتیں تو جزیہ دینے کی صورت میں اُن کو کیوں چھوڑا جاتا۔ پھر میں کہتا ہوں کہ عیسائی تو اس قسم کا اعتراض کر ہی نہیں سکتے۔ وہ اپنے گھر میں دیکھیں کہ اسلامی لڑائیاں موسوی لڑائیوں سے زیادہ ہیں؟ اور جبکہ وہ حضرت عیسٰی کو موسٰی علیہ السلام کا بھی (معاذ اللہ) خدا مانتے ہیں تو پھر ان لڑائیوں کا الزام عیسائیوں پر بدستور قائم ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ لڑائیاں اسلامی جنگوں سے زیادہ سخت اور خونریز تھیں۔ اسلامی لڑائیوں میں بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کا لحاظ کیا جاتا تھا اور ان کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ مگر موسوی لڑائیوں میں تو ان امور کی پروا نہیں کی جاتی تھی۔ ایسا ہی اسلامی جنگوں میں مذہبی عبادت گاہوں اور پھلدار درختوں کو بھی ضائع نہیں کیا جاتا تھا۔ مگر موسوی لڑائیوں میں پھلدار درخت تباہ کر دیئے جاتے۔ غرض اسلامی جنگ موسوی لڑائیوں کے مقابلہ میں کچھ چیز ہی نہیں۔

مامور من اللہ کی جماعت اور ایک الہام

فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہی عادت چلی آئی ہے کہ جب کوئی مامور اور مرسل اُس کی طرف سے آتا ہے تو اولاً اس کی جماعت میں ضعفاء اور غرباء ہی آتے ہیں۔ بادشاہوں یا امراء کو توجہ نہیں ہوتی ہے اور آخر اللہ تعالیٰ غرباء کی جماعت کو ہر قسم کی ترقیاں دے دیتا ہے میرا ایک الہام ہے کہ **بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے**۔ وہ بادشاہ مجھے دکھائے بھی گئے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی زمانہ آئے گا جب اللہ تعالیٰ بعض کو اس سلسلہ کی سچائی کا فہم عطا کر دے گا۔

پنجابیوں اور ہندوستانیوں کا مقابلہ

فرمایا:۔

پنجاب کی سرزمین نرم ہے۔ ان لوگوں میں وہ شور اور شرارت نہیں ہے۔ جو ہندوستانیوں میں ہے۔ ہندوستانیوں نے غدر کر دیا تھا مگر پنجابی گورنمنٹ کے ساتھ تھے۔ ہمارے مرزا صاحب نے بھی پچاس گھوڑے اس وقت مدد کے لئے گورنمنٹ کو دیئے تھے پنجابیوں نے جس قدر مجھے قبول کیا ہے۔ ہندوستان کو ابھی اس سے کچھ نسبت ہی نہیں۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۹۰۵ء)

۱۳ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

کُفر

فرمایا:۔

نبی کا انکار موجب کفر ہوتا ہے مگر ولی کا انکار بھی سلب ایمان کا موجب ہو جاتا ہے اور آخر کُفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ من عادالی ولیاً فاذنته للحساب۔ یعنی جو شخص میرے ولی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے۔ میں اس کو لڑائی کے لئے پکارتا ہوں۔ خدا تعالیٰ نے بلعم کا قصہ بیان کیا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی وجہ سے اس حد تک گر گیا کہ اس کی کُتے سے مثال دی گئی۔ نبی کا انکار صریح کُفر کو مستلزم ہے مگر ولی کا جب دشمن بنتا ہے تو اندر ہی اندر توفیق چھن جاتی ہے۔

عبادت میں ذوق و شوق

کسی نے پوچھا کہ عبادت میں ذوق شوق کس طرح پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا۔

اعمال صالحہ اور عبادت میں ذوق شوق اپنی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کے فضل اور توفیق پر ملتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان گھبرائے نہیں اور خدا تعالےٰ سے اس کی توفیق اور فضل کے واسطے دُعائیں کرتا رہے۔ اور ان دُعاؤں میں تھک نہ جاوے۔ جب

انسان اس طرح پر مستقل مزاج ہو کر لگا رہتا ہے تو آخر خدا تعالیٰ اپنے فضل سے وہ بات پیدا کر دیتا ہے جس کے لئے اس کے دل میں تڑپ اور بے قراری ہوتی ہے یعنی عبادت کے لئے ایک ذوق وشوق اور حلاوت پیدا ہونے لگتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص مجاہدہ اور سعی نہ کرے۔ اور وہ یہ سمجھے کہ پھونک مار کر کوئی کر دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ اور سُنّت نہیں۔ اس طریق پر جو شخص اللہ تعالیٰ کو آزماتا ہے وہ خدا تعالیٰ سے ہنسی کرتا ہے اور مارا جاتا ہے۔ خوب یاد رکھو کہ دل اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا فضل نہ ہو تو دوسرے دن جا کر عیسائی ہو جاوے یا کسی اور بے دینی میں مبتلا ہو جاوے۔ اس لئے ہر وقت اس کے فضل کے لئے دُعا کرتے رہو اور اس کی استعانت چاہو تا کہ صراط مستقیم پر تمہیں قائم رکھے۔ جو شخص خدا تعالیٰ سے بے نیاز ہوتا ہے وہ شیطان ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان استغفار کرتا رہے تا کہ وہ زہر اور جوش پیدا نہ ہو جو انسان کو ہلاک کر دیتا ہے

(الحکم جلد ۹ نمبر ۴۱ صفحہ ۱۰ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۵ء)

۱۱؍ اکتوبر ۱۹۰۵ء

تازہ وحی

قبل وفات مولوی صاحب[1]

یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم

۱۲؍ اکتوبر ۱۹۰۵ء

اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ

فرمایا:۔

پہلے الہام کے یہ معنے معلوم ہوئے کہ مولوی عبدالکریم صاحب کی موت پر حد سے زیادہ

[1] حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی مراد ہیں (مرتب)

غم کرنا ایک قسم کی مخلوق کی عبادت ہے کیونکہ جس سے حد سے زیادہ محبت کی جاتی ہے یا حد سے زیادہ اُس کی جُدائی کا غم کیا جاتا ہے۔ وہ معبود کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ خدا ایک کو بُلا لیتا ہے۔ دوسرا اس کا قائم مقام کر دیتا ہے۔ قادر اور بے نیاز ہے۔

پہلے اس سے ایک یہ بھی الہام ہوا تھا جبکہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم زندہ تھے کہ دو شہتیر ٹوٹ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

یہ الہام بھی خوفناک ہے خدا تعالیٰ اس کے معنے بہتر جانتا ہے۔

صدیق

فرمایا۔

مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ محض اللہ تعالےٰ کی رضا کو مقدم کر لیں۔ اگر اسے خوش کریں تو سب کچھ مل سکتا ہے۔ مگر ان کی یہی تو بد قسمتی ہے کہ وہ اس کو ناراض کر رہے ہیں۔ مجھے بہت ہی افسوس ہوتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کو خدا تعالیٰ نے ایک سچّا دین اسلام عطا کیا تھا مگر انہوں نے اس کی قدر نہیں کی۔ خدا جانے یہ بے پروائی کیا نتیجہ پیدا کرے دین کی کچھ بھی پروا اور غیرت نہیں۔ باہم اگر جنگ و جدل ہے تو اس میں شیخی۔ ریا۔ عجب مقصود ہے نہ کہ اللہ تعالےٰ کا جلال اور عظمت۔ لیکن جو شخص ہر امر میں اللہ تعالےٰ کو مقدم کرے۔ اور اس کے دین کی حمیّت اور غیرت میں ایسا محو ہو کہ ہر کام میں اللہ تعالےٰ کی عظمت اور جلال کا ظاہر کرنا اس کا مقصود خاطر ہو۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے دفتر میں صدیق کہلاتا ہے۔

غریب جماعت

ہم جس طریق پر اسلام کو پیش کر سکتے ہیں۔ دوسرا نہیں کر سکتا۔ مگر مشکلات یہ ہیں کہ ہماری جماعت کا بہت بڑا حصہ غُربا کا ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ کا شُکر ہے کہ باوجودیکہ یہ

غرباء کی جماعت ہے۔ تاہم میں دیکھتا ہوں کہ ان میں صدق ہے اور ہمدردی ہے اور وہ اسلام کی ضروریات سمجھ کر حتی المقدور اس کیلئے خرچ کرنے سے فرق نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ساتھ ہو تو کام بنتا ہے اور ہم اس کے فضل کے امیدوار ہیں۔

طوفان

جس طرح پر ایک طُوفان قریب آتا ہو تو انسان کو فکر ہوتا ہے کہ یہ طُوفان تباہ کر دے گا اسی طرح پہ اسلام پر طُوفان آ رہے ہیں۔ مخالف ہر وقت ان کوششوں میں لگے ہوئے ہیں کہ اسلام تباہ ہو جاوے۔ لیکن میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اسلام کو ان تمام حملوں سے بچائے گا اور وہ اس طوفان میں اس کا بیڑا سلامتی سے کنارہ پر پہنچا دے گا۔ انبیاء علیہم السلام کے حالات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کو مشکلات نظر آتی تھیں تو بجز اس کے اور کوئی صورت نہ ہوتی تھی کہ وہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دعائیں کرتے تھے۔ قوم تو صُمٌّ بُکمٌ ہوتی ہے وہ ان کی باتیں سُنتی نہیں بلکہ تنگ کرتی اور دُکھ دیتی ہے۔ اس وقت راتوں کی دعائیں ہی کام کیا کرتی تھیں۔ اب بھی یہی صورت ہے باوجودیکہ اسلام ضعف کی حالت میں ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کی بحالی کے لئے پوری کوشش کی جائے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ہم سے جو اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ہر طرح سے ہماری مخالفت کے لئے سعی کی جاتی ہے۔ یہ میری مخالفت نہیں خدا تعالیٰ سے جنگ ہے۔ میں تو یہانتک یقین رکھتا ہوں کہ اگر میری طرف سے کوئی کتاب اسلام پر جاپان میں شائع ہو تو یہ لوگ میری مخالفت کے لئے جاپان بھی جا پہنچیں۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔

پاک نفس

وہ شخص بڑا ہی مبارک اور خوش قسمت ہے جس کا دل پاک ہو اور وہ اللہ تعالےٰ کی عظمت اور جلال کے اظہار کا خواہاں ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اُسے دُوسروں پر مقدم کر لیتا ہے۔ جو لوگ میری مخالفت کرتے ہیں ان کا اور ہمارا فیصلہ اللہ تعالےٰ ہی کے سامنے ہے۔ وہ

ہمارے اوران کے دلوں کو خوب جانتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کس کا دل دنیا کے نمود اور نمائش کے لئے ہے اور کون ہے جو خدا تعالیٰ ہی کے لئے اپنے دل میں سوز وگداز رکھتا ہے۔

یہ خوب یاد رکھو کہ کبھی رُوحانیت صعود نہیں کرتی جب تک پاک دل نہ ہو۔ جب دل میں پاکیزگی اورطہارت پیدا ہوتی ہے تو اس میں ترقی کے لئے ایک خاص طاقت اور قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے لئے ہر قسم کے سامان مہیا ہو جاتے ہیں اور وہ ترقی کرتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ بالکل اکیلے تھے اور اس بیکسی کی حالت میں دعویٰ کرتے ہیں ۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا[1]

کون اس وقت خیال کرسکتا تھا کہ یہ دعویٰ ایسے بے یار و مددگار شخص کا بارآور ہوگا۔ پھر ساتھ ہی اس قدر مشکلات آپ کو پیش آئیں کہ ہمیں تو ان کا ہزارواں حصہ بھی نہیں آئیں ۔

مصائب

وہ زمانہ تو ایسا زمانہ تھا کہ سکھا شاہی سے بھی بدتر تھا۔ اب تو گورنمنٹ کی طرف سے پورا امن اور آزادی ہے۔ اس وقت ایک چالاک آدمی ہر قسم کی منصوبہ بازی سے جو کچھ بھی چاہتا دُکھ پہنچاتا۔ مگر مکّہ جیسی جگہ میں اور عربوں جیسی وحشیانہ زندگی رکھنے والی قوم میں آپ نے وہ ترقی کی جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کرسکتی۔ اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ خود ان کی مذہبی تعلیم اور عقائد کے خلاف انہیں سُنایا کہ یہ لات اور عزیٰ جن کو تم اپنا معبود قرار دیتے ہو۔ یہ سب پلید اور حطب جہنم ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کونسی بات عربوں کی ضدی قوم کو جوش دلانے والی ہو سکتی ہے۔ لیکن انہیں عربوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نشوونما پایا اور ترقی کی۔ انہیں میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے بھی نکل آئے۔ اس سے ہمیں امید ہوتی ہے کہ انہیں مخالفوں میں سے وہ لوگ بھی نکلیں گے جو خدا تعالےٰ کی مرضی کو پُورا کرنے والے اور پاک دل ہوں گے اور یہ جماعت جو اس وقت تک تیار ہوئی ہے آخر انہیں میں سے آئی ہے۔

[1] الاعراف : ۱۵۹

دِلّی پر امید

کئی دفعہ میر صاحب[1] نے ذکر کیا کہ دِلّی سے کوئی امید نہیں رکھنی چاہیئے مگر میرے دل میں یہی آتا ہے کہ یہ بات درست نہیں۔ دلّی میں بھی بعض پاک دل ضرور چھپے ہوئے ہونگے جو آخر اس طرف آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمارا تعلق دلّی سے کیا ہے۔ یہ بھی خالی از حکمت نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہم کبھی ناامید نہیں ہو سکتے۔ آخر خود میر صاحب بھی دِلّی ہی کے ہیں۔ غرض یہ کوئی ناامید کرنے والی بات نہیں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا پاک اور کامل نمونہ ہمارے سامنے ہے کہ مکّہ والوں نے کیسی مخالفت کی اور پھر اسی مکّہ میں سے وہ لوگ نکلے جو دنیا کی اصلاح کرنے والے ٹھہرے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں میں سے تھے۔ وہ ابوبکرؓ جن کی بابت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس بات سے ہے جو اس کے دل میں ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں مکہ والوں میں سے تھے۔ حضرت عمرؓ بڑے بھاری مخالف تھے۔ یہانتک کہ ایک مرتبہ مشورۂ قتل میں بھی شریک اور قتل کے لئے مقرر ہوئے۔ لیکن آخر خدا تعالیٰ نے ان کو وہ جوش اظہار اسلام کا دیا کہ غیر قومیں بھی ان کی تعریف کرتیں اور اُن کا نام عزت سے لیتی ہیں ہم کو وہ مشکلات پیش نہیں آئے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے۔ باوجود اس کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فوت نہ ہوئے جب تک پورے کامیاب نہیں ہو گئے اور آپ نے اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح و رایت النّاس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجًا[2] کا نظارہ دیکھ نہیں لیا۔

ہماری کامیابی

ہمارے مخالف بھی ہر طرح کی کوششیں ہمارے نابود کرنے کی کرتے ہیں۔ مگر خدا تعالےٰ کا شکر ہے کہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے اور انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ جس

[1] حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ مراد ہیں +

[2] النصر: ۲-۳

قدر مخالفت اس سلسلہ کی انہوں نے کی ہے اسی قدر ناکامی اور نامرادی ان کے شامل حال رہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو بڑھایا ہے۔ یہ تو خیال کرتے اور رائے لگاتے ہیں کہ یہ شخص مر جاوے گا اور جماعت متفرق ہو جاوے گی۔ یہ فرقہ بھی دوسرے فرقہ برہمو وغیرہ کی طرح ہے کہ جن میں کوئی کشش نہیں ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ اس کا خاتمہ ہو جاوے گا۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ نے خود ارادہ فرمایا ہے کہ اس سلسلہ کو قائم کرے اور اسے ترقی دے کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرقے نہ تھے؟ اس وقت ان کے مخالف بھی یہی سمجھتے ہوں گے کہ بس اب ان کا خاتمہ ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو کیسا نشوونما دیا اور پھیلایا۔ ان کو سوچنا چاہیئے کہ اگر کوئی فرقہ تھوڑی سی ترقی کر کے رُک جاتا ہے تو ایسے فرقوں کی نظیر موجود نہیں جو عالم پر محیط ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے ارادوں پر نظر کر کے حکم کرنا چاہیئے۔ جو لوگ رہ گئے اور ان کی ترقی رُک گئی ان کی نسبت ہم یہی کہیں گے کہ وہ اس کی نظر میں مقبول نہ تھے وہ اس کی نہیں بلکہ وہ اپنی پرستش چاہتے تھے۔ مگر میں ایسے لوگوں کو نظیر میں پیش کرتا ہوں جو اپنے وجود سے جل جاویں اور اللہ تعالیٰ ہی کی عظمت اور جلال کے خواہشمند ہوں۔ اس کی راہ میں ہر دُکھ اور موت کے اختیار کرنے کو آمادہ ہوں۔ پھر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں تباہ کر دیگا؟ کون ہے جو اپنے گھر کو خود تباہ کر دے؟ ان کا سلسلہ خدا کا سلسلہ ہوتا ہے اس لئے وہ خود اسے ترقی دیتا ہے اور ان کے نشوونما کا باعث ٹھہرتا ہے۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں ہوئے ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں سے کون تباہ ہوا۔ ایک بھی نہیں اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مجموعی طور پر دیکھ لو۔ کیونکہ آپ جامع کمالات تھے۔ ساری قوم آپ کی دشمن ہو گئی اور اس نے قتل کے منصوبے کئے۔ مگر آپ کی اللہ تعالیٰ نے وہ تائید کی جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۲۸ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۱۳ / اکتوبر ۱۹۰۵ء)

۱۳ / اکتوبر ۱۹۰۵ء

بے اعتبار زندگی

فرمایا:-

ان لوگوں پر مجھے تعجب آتا ہے جو زندگی پر اعتبار کرتے ہیں۔ بعض دفعہ انسان پر آنی موت وارد ہوتی ہے۔ ایک شخص بڑے مرزا صاحب کے پاس آیا انہوں نے اس کی نبض دیکھ کر کہا کہ فوراً گھر چلے جاؤ اور پاس والوں کو کہا کہ اگر کسی نے مُردہ چلتا ہوا دیکھنا ہو تو اس کو دیکھ لے۔ وہ گھر پہنچ کر فوراً مر گیا۔

ایسا ہی خلیفہ محمد حسین پٹیالہ والے کچہری سے گھر جا کر ایک زینہ پر گرے۔ اُٹھے اور دوسرے پر گرے اور جان نکل گئی۔

دائمی صدقہ

ایک مختصر سے چندہ کی ضرورت تھی۔ فرمایا:-

بعض لوگ ایک بات مُنہ سے نکالتے ہیں اور پھر اس پر قائم نہیں رہ سکتے اور گنہگار ہوتے ہیں۔ صدقہ عمدہ وہ ہے جو اگرچہ قلیل ہو مگر اس پر دوام ہو۔

ایک مخلص

مولوی صاحب مرحوم[1] کی علالت طبع کے ایام میں بعض کی خدمت گذاری کے ذکر میں مولوی یار محمد صاحب بی۔ اوہ۔ ایل کی خدمتگذاری کا ذکر آیا۔ فرمایا:-

بہت ہی مخلص یکرنگ آدمی ہے۔ کئی دفعہ بہت تکلیف کا سفر برداشت کیا۔ بدنی خدمت خوب ادا کرتا ہے۔ چالیس کوس روز پیدل چلنا پڑے تو بھی عذر نہیں کرتا۔ رات کو چلنا ہو یا دن

[1] حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ مراد ہیں (مرتب)

کو چلتا ہو۔ ایام مقدمہ میں ہمارے یکہ کے ساتھ برابر پیادہ دوڑ کر گورداسپور اور قادیان آتا جاتا رہا۔ محنت اور دیانت سے کام کرنے والا آدمی ہے۔ جس کے پاس ہوگا وہ مطمئن رہے گا کیونکہ دانستہ غفلت کرنے والا آدمی نہیں۔ سُنّتِ صحابہؓ کا ایک جزو اس میں ہے۔

قبل از نماز عصر

سچے مذہب کی شناخت

گجرات کے مشن سکول کے ہیڈ ماسٹر ڈی۔ نیل صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے چند تحریری سوال پیش کئے جن کے جوابات تحریری دیئے جائیں گے۔ مختلف مذاہب کا تذکرہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے فرمایا :-

آجکل مذاہب کی عجیب حالت ہے۔ گھر گھر ایک نیا مذہب بن رہا ہے اور تلاش کرنے والے کے واسطے ایک حیرت کا مقام ہو رہا ہے اور اس وقت طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ واقعی انسان کو نجات دینے والا سچا مذہب کونسا ہے؟ اس کا جواب ہر ایک شخص اپنے اپنے رنگ میں دے گا۔ لیکن اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ ہر ایک مذہب میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کے معاملات کیسے ہیں۔ اس کی عظمت جبروت اور خوف کس قدر دل پر غالب ہے۔ انسان شرّ سے طبعاً نفرت کرتا ہے اور جس چیز کے فوائد اور منافع مرکوز خاطر ہو جائیں اس سے طبعاً محبت کرتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ انسان کو رات رہنا ہو اور اس جگہ سانپ ہو تو گوارا نہ کرے گا کہ وہاں رہے۔ یا کسی گاؤں میں طاعون ہو تو طبعاً اس بات سے نفرت کرے گا کہ اس میں داخل ہو۔ فائدہ مند چیز کی طرف رغبت کرتا ہے۔ بُری چیز سے نفرت رکھتا ہے۔ پس جس شخص کے دل میں خدا تعالےٰ کی واقعی عظمت ہو جاوے اور اس کو منافع دینے والا یقین کرلے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی میں اپنی ہلاکت پر پورا ایمان قائم کرلے تو پھر باوجود اس نظارہ کے وہ کس طرح خدا تعالےٰ کی خلاف مرضی کر سکے گا۔

انسان کو چلتے چلتے سونے کا خزانہ نظر آ جائے تو ضرور اس کو لینے کی سعی کرتا ہے۔ پس اصل بات یقین اور ایمان ہے جس کے ذریعہ تمام بدیوں سے بچ کر نیکی کی طرف انسان آسکتا ہے۔ اب وہ یقین اور ایمان کس طرح سے حاصل ہو؟ سچا مذہب وہ ہے جو اس یقین کے واسطے صرف قصہ اور کہانیوں پر مدار نہ رکھے کیونکہ یہ کہانیاں تو سب میں پائی جاتی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ہم مسیحؑ کے معجزات کا قصہ مان لیں اور ایک ہندو کے دیوتاؤں کے معجزات جو اس کی پُرانی کتابوں میں درج ہیں نہ مانیں۔ تاریخی امور میں سب قومیں تواتر پیش کرتی ہیں۔ یہ ایک تحکم ہے کہ ایک کی بات مانی جائے اور دوسرے کا انکار کیا جائے۔ یہ نامناسب ہے کہ انسان اپنے مذہب کے قصّے کو درست جانے اور باقی سب کو غلط مانے۔ غرض قصوں کے ذریعہ سے حق کے تلاش کرنے کا سفر بہت دُور دراز کا ہے جو طے نہیں ہو سکتا۔ اس کے سوائے آسان راہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جیسا پہلے قادر تھا اب بھی قادر ہے۔ جیسا پہلے معجزات ظاہر کر سکتا تھا اب بھی ظاہر کر سکتا ہے۔ جیسا پہلے سُنتا تھا اب بھی سُنتا ہے۔ اور جیسا پہلے بولتا تھا اب بھی بولتا ہے۔ یہ کیا وجہ ہے کہ پہلے تو سُننے اور بولنے کی دونوں صفتیں اس میں تھیں مگر اب سُننے کی صفت تو ہے لیکن بولنے کی نہیں۔ پس سچا طالب وہ ہے جو سب باتوں کو چھوڑ کر اس لم یزل ازلی ابدی خدا ہمیشہ کی قدرتوں والے خدا کی طرف جُھک جائے۔ اس خدا کی طرف توجہ کرے جو اب بھی وہی صفات اخلاق رکھتا ہے جو موسیٰؑ کے وقت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت رکھتا تھا۔ وہ اب بھی چاہتا ہے کہ گم گشتہ اس کے پاس آئے۔ وہ اب بھی محبت کرتا ہے کہ کوئی اس کے حضور میں آئے۔ سچا وہی ہے جو ایسے خدا کو ڈھونڈتا ہے۔ جس مذہب کا مدار صرف قصوں پر ہے وہ مُردہ مذہب ہے۔ سچا مذہب وہ ہے جس میں وہ خدا اب بھی بولتا ہے۔ جو تعصب نہیں رکھتا ہے وہ محض خدائے حیّ وقیّوم کا طالب ہو کر اس کو پاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس دل کو دوست رکھتا ہے جو اس کو ڈھونڈنے والا ہو۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۲۹ صفحہ ۲ مورخہ ۲۰؍ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

۲۲ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

بمقام ریلوے اسٹیشن امرتسر

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دہلی تشریف لیجاتے ہوئے[له] امرتسر کے سٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں تشریف فرما تھے۔ جماعت امرتسر کے دوست ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ باتوں باتوں میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ کا تذکرہ آگیا۔ حضور نے فرمایا:۔

بڑے ہی مخلص اور قابل قدر انسان تھے مگر اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی تھی۔ اگرچہ بشریت کے لحاظ سے صدمہ ہوتا ہے مگر ہم اللہ تعالیٰ کی رضا پر خوش ہیں اس نے ہماری تسلی کے لئے پہلے سے ہی بتا دیا تھا کہ اب مولوی صاحب ہم سے الگ ہوں گے چنانچہ **اِنَّ المنایا لا تطیش سہامہا** ان کی بابت الہام ہو چکا تھا اور پھر **کفن میں لپیٹا گیا** اور پھر صاف طور پر ۴۷ برس کی عمر۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ یہ سب الہامات اُن کی موت کی خبر دیتے تھے لیکن ہم ان کی نسبت خیر چاہتے تھے۔ اس لئے اپنے طور پر ان الہامات کو کسی اور مفہوم میں پورا ہونے کے خواہشمند تھے مگر اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر وہی تھی۔ جو صاف طور پر ان الہامات میں بتا دی گئی تھی اور آخر وہ پورے ہو گئے۔ ان الہامات پر غور کر کے مجھے ایک نکتہ سمجھ میں آیا ہے کہ جب مرض الموت کا وقت آجاوے تو وہ وقت

[له] بدر سے:۔ "جب حضرت نے تشریف لیجانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ تو آپ کے حکم اور اجازت سے چند خدام بھی ساتھ ہوئے۔ عاجز راقم (حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ۔ ناقل) کی طبیعت بیمار تھی اور چند روز بخار آتا رہا ہے مگر حضور نے فرمایا کہ "چلے چلو۔ تبدیلی آب و ہوا سے بھی فائدہ ہوتا ہے"

(بدر جلد ۱ نمبر ۳۰ صفحہ ۲ مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۰۵ء)

دعا کا نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اسی طرح پر جو حالتیں مہلک بیماریوں کی ہوتی ہیں ان میں بھی نظر آجاتا ہے مگر خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ مولوی صاحب کے معاملہ میں ایک عجیب بات دیکھی گئی کہ ان کی اصل مرض سرطان جس کو انگریزی میں کاربنکل کہتے ہیں بالکل اچھا ہو گیا بلکہ خود انہوں نے ہاتھ پھیر کر دیکھا اور یہی کہتے تھے کہ اب میں دو چار روز میں پھرنے لگوں گا۔ آخر ذات الجنب کی وجہ سے سخت بخار ہو گیا جو ۱۰۶ درجہ تک پہنچ گیا اور اسی عارضہ میں وفات پائی۔ ۵۱ دن تک وہ اس بیماری میں زندہ رہے۔ یہ زیادت ایام بھی استجابتِ دعا پر دلالت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس مرض سے اُن کو آخر نجات دے دی۔ رہی موت، اس سے نہ تو کوئی بچا ہے نہ بچ سکتا ہے۔

ان کی بیوی نے بتایا کہ وہ کہتے تھے کہ کئی مرتبہ خدا بلانے آیا ہے مگر تاخیر ہی ہوتی رہی۔

خدا تعالیٰ کا تردد

بات یہ ہے کہ یہ وہی تردد ہے جس کا ذکر صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے مومن کی جان لینے میں تردد ہوتا ہے۔ میں نے باوجودیکہ ان کی وفات کے متعلق الہامات ہو چکے تھے بہت دعا کی تو الہام ہوا تؤثرون الحیٰوۃ الدنیا۔ پھر یہ بھی الہام ہوا یا ایّھا النّاس اعبدوا ربکم الّذی خلقکم۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جب انتہا درجہ تک کسی کا وجود ضروری سمجھا جاتا ہے تو وہ معبود ہو جاتا ہے اور یہ صرف خدا تعالیٰ ہی کا وجود ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔ کسی انسان یا اور مخلوق کے لئے ایسا نہیں کہہ سکتے۔

پھر فرمایا۔

پرسوں الہام ہوا تھا انی مع الرسول اقوم و اروم مایروم و اعطیك ما یدوم۔ اور آج کا الہام یہ ہے۔ نأتیك و انا معك ۔ یہ الہام بخیر و عافیت سفر سے واپس آنے کی خبر دیتا ہے ؛

(الحکم جلد ۹ نمبر ۴۳ صفحہ ۴، ۵ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۵ء)

۲۴؍ اکتوبر ۱۹۰۵ء

بمقام دہلی

تازہ رؤیا

صبح حضرت نے فرمایا کہ

آج رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تھوڑے سے چنے بھُونے ہوئے سفید ہیں۔ اور ان کے ساتھ منقہ بھی ہے۔

فرمایا کہ

چنے، مُولی، بینگن یا پیاز خواب میں دیکھیں تو کوئی امر مکروہ پیش آتا ہے لیکن منقہ دل کو قوت دینے والی شَے ہے اور اس کا دیکھنا اچھا ہے۔ اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی امر مکروہ چھوٹا یا بڑا درپیش ہے جو منقہ کی آمیزش سے وہ کراہت جاتی رہے گی۔

فرمایا۔

انسان کی زندگی کے ساتھ مکروہات کا سلسلہ بھی لگا ہوا ہے۔ اگر انسان چاہے کہ میری ساری عمر خوشی میں گذرے تو یہ ہو نہیں سکتا۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا[1] یہ زندگی کا چکر ہے جب تنگی آوے تو سمجھنا چاہیئے کہ اس کے بعد فراخی بھی ضرور آئے گی۔

زیارت قبور

صبح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مردانہ مکان میں تشریف لائے۔ دہلی کی سیر کا ذکر درمیان میں آیا۔ فرمایا۔

لہو ولعب کے طور پر پھرنا درست نہیں۔ البتہ یہاں بعض بزرگ اولیاء اللہ کی قبریں ہیں ان پر ہم بھی جائیں گے۔

عاجز[2] کو فرمایا کہ،

[2] حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ (مرتب) [1] الم نشرح: ۶، ۷

ایسے بزرگوں کی فہرست بناؤ تاکہ جانے کے متعلق انتظام کیا جائے۔

حاضرین نے یہ نام لکھائے۔ (۱) شاہ ولی اللہ صاحب (۲) خواجہ نظام الدین صاحب (۳) جناب قطب الدین صاحب (۴) خواجہ باقی باللہ صاحب (۵) خواجہ میر درد صاحب (٦) جناب نصیرالدین صاحب چراغ دہلی۔

چنانچہ گاڑیوں کا انتظام کیا گیا اور حضرت بمعہ خدام گاڑیوں میں سوار ہو کر سب سے اوّل حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزار پر پہنچے۔ راستہ میں حضرت نے زیارتِ قبور کے متعلق فرمایا۔

قبرستان میں ایک رُوحانیت ہوتی ہے اور صبح کا وقت زیارتِ قبور کے لئے ایک سُنّت ہے۔ یہ ثواب کا کام ہے اور اس سے انسان کو اپنا مقام یاد آجاتا ہے۔ انسان اس دنیا میں مسافر ہے۔ آج زمین پر ہے تو کل زمین کے نیچے ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب انسان قبر پر جائے تو کہے السلام علیکم یا اھل القبور من المؤمنین والمسلمین وانا انشاء اللہ بکم للاحقون۔

حضرت باقی باللہ

خواجہ باقی باللہ کی مزار پر جب ہم پہنچے تو وہاں بہت سی قبریں ایک دوسرے کے قریب قریب اور اکثر زمین کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔ میں نے غور سے دیکھا کہ حضرت اقدس نہایت احتیاط سے ان قبروں کے درمیان چلتے تھے تاکہ کسی کے اُوپر پاؤں نہ پڑے۔ قبر خواجہ صاحب پر پہنچ کر آپ نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی اور دعا کو لمبا کیا۔ بعد دُعا میں نے عرض کیا کہ قبر پر کیا دُعا کرنی چاہیئے تو فرمایا کہ

صاحب قبر کے واسطے دُعائے مغفرت کرنی چاہیئے اور اپنے واسطے بھی خدا تعالیٰ سے دُعا مانگنی چاہیئے۔ انسان ہر وقت خدا تعالیٰ کے حضور دعا کرنے کا محتاج ہے۔

قبر کے سرہانے کی طرف ایک نظم خواجہ صاحب مرحوم کے متعلق لکھی ہے۔ بعد دعا آپ نے وہ

نظم پڑھی اور عاجز راقم کو حکم دیا کہ اس کو نقل کر لو۔[1] فرمایا۔

خواجہ باقی باللہ بڑے مشائخ میں سے تھے۔ شیخ احمد سرہندی کے پیر تھے۔ مجھے خیال آتا ہے کہ ان بزرگوں کی ایک کرامت تو ہم نے بھی دیکھ لی ہے اور وہ یہ ہے کہ دہلی جیسے شہر کو انہوں نے قائل کیا اور یہ وہ شہر ہے جو ہم کو مردود اور مخذول اور کافر کہتا ہے۔

دہلی کی زمین

سیٹھ صاحب[2] کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ

یہ سرزمین بمبئی سے زیادہ سخت ہے اور اس کے لئے آسمانی سرزنش کا حصہ ہمیشہ رہا ہے صرف انگریزوں کے ساتھ ہی بغاوت نہیں کی بلکہ سلاطین اسلامیہ کے ساتھ بھی شورہ پشتی کرتے رہے ہیں۔ اس جگہ کے اکابر اور مشائخ کے اخلاق کا بھی اس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ انہوں نے ایسے شہر میں کس طرح بسر کی۔ یہ بزرگ بہت ہی مسلوب الغضب تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو مٹی کی طرح کر دیا تھا۔ مرزا جان جاناں کو ان لوگوں نے قتل کر دیا۔ اور بڑے دھوکے سے کیا۔ یعنی ایک آدمی نذر لے کر آیا اور دھوکا سے طپنچہ مار دیا۔ شاہ ولی اللہ کے لئے بھی دہلی والوں نے ایسے ہی قتل کے ارادے کئے تھے مگر اُن کو خدا تعالیٰ نے بچا لیا۔ میرے ساتھ جب مباحثہ ہوا تھا تو آٹھ نو ہزار آدمی کا مجمع تھا اور میں نے سُنا ہے کہ بعض کے ہاتھ میں چاقو اور بعض کے ہاتھ میں پتھر بھی تھے۔ یہاں تک کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں غدر نہ ہو جاوے اس واسطے اس نے مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر مجمع سے باہر کیا اور گھر پہنچایا۔ ایسے وقت میں یہ لوگ کوتاہ اندیش، پست خیال اور سفلہ ہونا ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے بالمقابل پنجاب میں بڑی سعادت ہے۔ ہزارہا لوگ سلسلہ حقہ میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پنجاب کی زمین بہت نرم ہے۔ اور

حاشیہ

[1] چنانچہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ نے وہ نظم نقل کر لی اور بعد میں اسے شائع کر دیا۔ (مرتب)

[2] حاشیہ۔ سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مراد ہیں۔ (مرتب)

اس میں خدا پرستی ہے۔ طعن وتشنیع کو برداشت کرتے ہیں مگر یہ لوگ بہت سخت ہیں جس سے اندیشہ ایسے عذاب الٰہی کا ہے جو پہلے ہوتا رہا ہے کیونکہ جب کوئی مامور من اللہ اور ولی اللہ آتا ہے اور لوگ اس کے درپئے ایذا اور توہین ہوتے ہیں تو عادت اللہ اسی طرح واقع ہے کہ بعد اس کے ایسے شہر اور ملک پر جو سرکش اور بے ادب ہوتا ہے ضرور تباہی آتی ہے۔ پنجاب میں اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے وہ لوگ خدا تعالیٰ کا خوف رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اس کثرت سے پنجابیوں کا ہماری طرف رجوع ہو رہا ہے کہ بعض اوقات ان کو ہماری مجالس میں کھڑا ہونے کی جگہ نہیں ملتی۔

فرمایا:۔

خواجہ باقی باللہ صاحب کی عُمر بہت تھوڑی تھی۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم سے بھی کم عُمر پائی تھی۔ مولوی صاحب موصوف کی عمر سینتالیس سال کی تھی۔

خواجہ باقی باللہ کی قبر پر کھڑے ہو کر بعد دعا کے فرمایا کہ

ان تمام بزرگوں کی جو دہلی میں مدفون ہیں کرامت ظاہر ہے کہ ایسی سخت سرزمین نے ان کو قبول کیا۔ یہ کرامت اب تک ہم سے ظہور میں نہیں آئی۔

ذلت کا رزق

قبر پر بہت سے سائل جمع تھے۔ فرمایا:۔

یہ سائلین بہت پیچھے پڑتے ہیں۔ پہلے معلوم نہ تھا ورنہ ان کے واسطے کچھ پیسے ساتھ لے آتے۔ شیخ نظام الدین کی قبر پر سائل اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ آپس میں لڑنے لگ جاتے ہیں یہی ان کا رزق ہو گیا ہے جو ذلت کا رزق ہے۔ رزق کی تنگی بعض لوگوں سے بہت بُرے کام کراتی ہے۔ ایک سائل لودھیانہ میں میرے پاس آیا اور ظاہر کیا کہ ایک آدمی مر گیا ہے اس کے کفن کے واسطے سامان کرتا ہوں۔ کچھ کسر باقی ہے۔ ایک آدمی نے کہا کہ پہلے دیکھنا چاہیئے کہ وہ میت کہاں ہے؟ پھر اس کی پُوری مدد کرنی چاہیئے چنانچہ وہ آدمی ساتھ گیا تو تھوڑی دُور جا کر سائل بھاگ

گیا کیونکہ وہ سب جھوٹا قصہ بنایا ہوا تھا۔ تنگی رزق یہ بد مکر کراتی ہے۔

مساجد

دہلی کی جامع مسجد کو دیکھ کر فرمایا کہ

مسجدوں کی اصل زینت عمارتوں کے ساتھ نہیں بلکہ ان نمازیوں کے ساتھ ہے جو اخلاص کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ورنہ یہ سب مساجد ویران پڑی ہوئی ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد چھوٹی سی تھی۔ کھجور کی چھڑیوں سے اس کی چھت بنائی گئی تھی اور بارش کے وقت چھت میں سے پانی ٹپکتا تھا۔ مسجد کی رونق نمازیوں کے ساتھ ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں دنیاداروں نے ایک مسجد بنوائی تھی۔ وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے گرادی گئی۔ اس مسجد کا نام مسجد ضرار تھا۔ یعنی ضرر رساں۔ اس مسجد کی زمین خاک کے ساتھ ملا دی گئی تھی۔ مسجدوں کے واسطے حکم ہے کہ تقویٰ کے واسطے بنائی جائیں۔

ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

اگر آپ نے قلعہ نہیں دیکھا تو دیکھ لیں ؎

آثار پدید است صنادید عجم را

اجل میں تاخیر نہیں

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

خدا تعالیٰ نے دعا کو قبول کر کے سرطان سے شفا دے دی۔ مگر جب کسی کی اجل آجاتی ہے تو پھر رُک نہیں سکتی اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ دُعا سے عمر بڑھ جاتی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اجل کے آجانے سے پیشتر قبل از وقت جو دُعا کی جاوے وہ کام آتی ہے ورنہ

۵۱ جان کندن کے وقت کون دعا کر سکتا ہے؟ ایسی سخت بیماری میں مولوی صاحب مرحوم کا ایک دن دن تک زندہ رہنا بھی استجابتِ دعا کا ہی نتیجہ تھا۔ یہ تاخیر بھی تعجب انگیز ہے۔ ہم بہت دعا کرتے تھے کہ آدمی اچھا ہے زندہ ہی رہے تب خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا تؤثرون الحیٰوۃ الدُّنیا۔ یعنی کیا اگلے عالم کے تم قائل نہیں ہو جو اس دنیا کی زندگی کے واسطے اتنا زور دیتے ہو۔

بعد نماز ظہر

ایک شخص عبد الحق نام جو اپنے آپ کو صوفی ابو الخیر صاحب کے مرید بتلاتے تھے چند طالبعلموں کے ساتھ آئے۔ اور بھی دہلی والے آ موجود ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ کیا تم سب دہلی کے ہو؟ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ پھر میاں عبد الحق صاحب نے سوال کیا کہ میں تشفی کے واسطے ایک بات پوچھتا ہوں۔ حضرت نے اجازت دی۔

عبد الحق۔ کیا آپ اس مسیح اور مہدی کو یاد دلانے والے ہیں جو کہ آنے والا ہے یا کہ آپ خود مسیح اور مہدی ہیں؟

حضرت اقدس۔ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ قرآن اور حدیث کے مطابق اور اس الہام کے مطابق کہتا ہوں جو خدا تعالیٰ نے مجھے کہا۔ **جو آنیوالا تھا وہ میں ہی ہوں جس کے کان ہوں وہ سُنے اور جس کی آنکھ ہو وہ دیکھے۔** قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی رؤیت کی گواہی دی۔ دونو باتیں ہوتی ہیں قول اور فعل۔ یہاں اللہ تعالےٰ کا قول اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فعل موجود ہے۔ شبِ معراج میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کو دیگر گذشتہ انبیاء کے درمیان دیکھا۔ ان دو شہادتوں کے بعد تم اور کیا چاہتے ہو؟ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے صدہا نشانات سے تائید کی۔ جو طالبِ حق ہو اور خوفِ خدا رکھتا ہو۔ اس کے سمجھنے کے واسطے کافی سامان جمع ہو گیا ہے۔ ایک شخص پہلی پیشگوئی کے مطابق، قال اللہ اور قال الرسول کے مطابق

عین ضرورت کے وقت دعویٰ کرتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ عیسائیت اسلام کو کھا رہی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اسلام کی حمایت کے واسطے جو بات پیش کی ہے اس سے بڑھ کر کوئی اَور بات نہیں ہو سکتی۔ انیس سو سال سے عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ خدا ہے اور معبود ہے اور چالیس کروڑ عیسائی اس وقت موجود ہے۔ اس پر پھر مسلمانوں کی طرف سے اُن کی تائید کی جاتی ہے کہ بیشک عیسیٰ اب تک زندہ ہے نہ کھانے کا محتاج نہ پینے کا محتاج۔ سب نبی مر گئے پر وہ زندہ آسمان پر بیٹھا ہے۔ اب آپ ہی بتلائیں کہ اس سے عیسائیوں پر کیا اثر ہوگا۔

عبدالحق۔ عیسائیوں پر تو کوئی اثر ہو نہیں سکتا جب تک کہ شمشیر نہ ہو۔

حضرت اقدس۔ یہ بات غلط ہے۔ تلوار کی اب ضرورت نہیں ہے اور نہ تلوار کا اب زمانہ ہے۔ ابتدا میں بھی تلوار ظالموں کے حملہ کے روکنے کے واسطے اُٹھائی گئی تھی ورنہ اسلام کے مذہب میں جبر نہیں۔ تلوار کا زخم تو مل جاتا ہے پر حجت کا زخم نہیں ملتا۔ دلائل اور براہین کے ساتھ اس وقت مخالفین کو قائل کرنا چاہیئے۔ میں آپ لوگوں کی خیر خواہی کی ایک بات کہتا ہوں۔ ذرا غور سے سُنو۔ ہر دو پہلوؤں پر توجہ کرو۔ اگر عیسائیوں کے سامنے اقرار کیا جائے۔ کہ وہ شخص جس کو تم خدا اور معبود مانتے ہو بیشک وہ اب تک آسمان پر موجود ہے۔ ہمارے نبی تو فوت ہو گئے پر وہ اب تک زندہ ہے اور قیامت تک رہے گا۔ نہ کھانے کا محتاج نہ پینے کا محتاج۔ اگر ہم ایسا کہیں تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ اور اگر ہم عیسائیوں کے سامنے یہ ثابت کر دیں کہ جس شخص کو تم اپنا معبود اور خدا مانتے ہو وہ مر گیا مثل دوسرے انبیاء کے فوت ہو کر زمین میں دفن ہے اور اس کی قبر موجود ہے۔ اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔ بحثوں کو جانے دو اور میری مخالفت کے خیال کو چھوڑ دو۔ میں پروا نہیں کرتا کہ مجھے کوئی کافر کہے۔ دجال کہے یا کچھ اَور کہے۔ تم یہ کہو کہ ان ہر دو باتوں میں سے کونسی بات ہے جس سے عیسائی مذہب بیخ و بنیاد سے اُکھڑ جاتا ہے

اس تقریر کا میاں عبدالحق صاحب پر بہت اثر ہوا چنانچہ فوراً کھڑا ہو کر حضرت اقدس علیہ السلام

کے ہاتھ چومے اور کہا۔ میں سمجھ گیا۔ آپ اپنا کام کرتے جائیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ترقی دے۔ انشاء اللہ ضرور آپ کی ترقی ہوگی۔ یہ بات صحیح ہے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۳۱ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

٭

۲۵ اکتوبر ۱۹۰۵ء

بمقام دہلی۔

رؤیا

دیکھا کہ بڑا سخت زلزلہ آیا ہے۔

٭

فرمایا:۔

اگلے دن جو خواب میں نے دیکھے تھے معلوم ہوتا ہے کہ میر ناصر نواب صاحب کی بیماری کی طرف اشارہ تھا۔[۱]

(بدر جلد ۱ نمبر ۳۱ صفحہ ۴ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

مسیح موعود کو ماننا کیوں ضروری ہے

چند مولوی اور طلباء آئے۔ حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم نمازیں پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں۔ قرآن اور رسول کو مانتے ہیں۔ آپ کو ماننے کی کیا ضرورت ہے؟

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا:۔

---

[۱] حاشیہ۔ نوٹ از ایڈیٹر صاحب بدر:۔ میر صاحب دو روز سے درد شکم سے بہت تکلیف میں ہیں لیکن اب بہ نسبت سابق آرام ہے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۳۱ صفحہ ۴ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

انسان جو کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرتا ہے وہ سب موجب معصیت ہو جاتا ہے ایک ادنیٰ سپاہی سرکار کی طرف سے کوئی پروانہ لیکر آتا ہے تو اس کی بات نہ ماننے والا مجرم قرار دیا جاتا ہے اور سزا پاتا ہے۔ مجازی حکام کا یہ حال ہے تو احکم الحاکمین کی طرف سے آنیوالے کی بے عزتی اور بے قدری کرنا کس قدر عدول حکمی اللہ تعالیٰ کی ہے۔ خدا تعالیٰ غیور ہے۔ اس نے مصلحت کے مطابق عین ضرورت کے وقت بگڑی ہوئی صدی کے سر پر ایک آدمی بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو ہدایت کی طرف بلائے۔ اس کے تمام مصالح کو پاؤں کے نیچے کچلنا ایک بڑا گناہ ہے۔ کیا یہودی لوگ نمازیں نہیں پڑھا کرتے تھے؟ بمبئی کے ایک یہودی نے ہم کو لکھا کہ ہمارا خدا وہی ہے جو مسلمانوں کا خدا ہے اور قرآن شریف میں جو صفات بیان ہیں وہی صفات ہم بھی مانتے ہیں۔ تیرہ سَو برس سے اب تک ان یہودیوں کا وہی عقیدہ چلا آتا ہے مگر باوجود اس عقیدہ کے ان کو سؤر اور بندر کہا گیا صرف اس واسطے کہ انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو نہ مانا۔ انسان کی عقل خدا تعالیٰ کی مصلحت سے نہیں مل سکتی۔ آدمی کیا چیز ہے جو مصلحتِ الٰہی سے بڑھ کر سمجھ رکھنے کا دعویٰ کرے۔ خدا تعالیٰ کی مصلحت اس وقت بدیہی اور اجلیٰ ہے۔ اسلام میں سے پہلے ایک شخص بھی مرتد ہو جاتا تھا تو ایک شور برپا ہو جاتا تھا۔ اب اسلام کو ایسا پاؤں کے نیچے کچلا گیا ہے کہ ایک لاکھ مرتد موجود ہے۔ اسلام جیسے مقدس مطہر مذہب پر اس قدر حملے کئے گئے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں کتابیں آنحضرت صلے اللہ علیہ کو گالیوں سے بھری ہوئی شائع کی جاتی ہیں۔ بعض رسالے کئی کروڑ تک چھپتے ہیں۔ اسلام کے برخلاف جو کچھ شائع ہوتا ہے اگر سب کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو ایک بڑا پہاڑ بنتا ہے۔ مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ گویا ان میں جان ہی نہیں اور سب کے سب مر ہی گئے ہیں۔ اس وقت اگر خدا تعالیٰ بھی خاموش رہے تو پھر کیا حال ہوگا۔ خدا کا ایک حملہ انسان کے ہزار حملہ سے بڑھ کر ہے اور وہ ایسا ہے کہ اس سے دین کا بول بالا ہو جائے گا۔ عیسائیوں نے انیس سو سال سے شور مچا رکھا ہے کہ عیسیٰ خدا ہے اور ان کا دین اب تک بڑھتا چلا گیا اور مسلمان ان کو اور بھی مدد دے

رہے ہیں عیسائیوں کے ہاتھ میں بڑا حربہ یہی ہے کہ مسیح زندہ ہے اور تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) فوت ہو گئے۔ لاہور میں لارڈ بشپ نے ایک بھاری مجمع میں یہی بات پیش کی۔ کوئی مسلمان اس کا جواب نہ دے سکا۔ مگر ہماری جماعت میں سے مفتی محمد صادق صاحب جو یہ موجود ہیں، اُٹھے اور انہوں نے قرآن شریف، حدیث، تاریخ، انجیل وغیرہ سے ثابت کیا کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں کیونکہ آپ سے فیض حاصل کر کے کرامت اور خوارق دکھانے والے ہمیشہ موجود رہے۔ تب اس کا جواب وہ کچھ نہ دے سکا۔ اب خیال کرو کہ عیسیٰؑ کو زندہ ماننے کا کیا نتیجہ ہے اور دوسرے انبیاء کی مانند وفات یافتہ ماننے کا کیا نتیجہ ہے۔ ذرا چار دن فوت شدہ مان کر اس کا نتیجہ بھی تو دیکھ لیں۔ میں نے ایک دفعہ لدھیانہ میں عیسائیوں کو اشتہار دیا تھا کہ تمہارا ہمارا بہت اختلاف نہیں، تھوڑی سی بات ہے یہ کہ تم مان لو کہ عیسیٰ فوت ہو گئے اور آسمان پر نہیں گئے، تمہارا اس میں کیا حرج ہے؟ اس پر وہ بہت جھنجلائے اور کہنے لگے کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ عیسیٰ مر گیا اور آسمان پر نہیں گیا تو آج دنیا میں ایک بھی عیسائی نہیں رہتا۔

دیکھو۔ خدا تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ اس نے ایسا پہلو اختیار کیا ہے جس سے دشمن تباہ ہو جائے۔ مسلمان اس معاملہ میں کیوں اَڑتے ہیں۔ کیا عیسیٰؑ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل تھا؟ اگر میرے ساتھ خصومت ہے تو اس میں حد سے نہ بڑھو اور وہ کام نہ کرو جو دینِ اسلام کو نقصان پہنچائے۔ خدا تعالیٰ ناقص پہلو اختیار نہیں کرتا اور بجز اس پہلو کے تم کسرِ صلیب نہیں کر سکتے۔

جنگی امام

اگر تم نے جنگوں سے فتح پانی ہوتی اور تمہارے لئے لڑائیاں کرنا مقدر تھا تو خدا تعالیٰ تم کو ہتھیار دیتا۔ توپ و تفنگ کے کام میں تم کو سب سے بڑھ کر چالاکی اور ہوشیاری دی جاتی۔ مگر خدا تعالیٰ کا فعل ظاہر کر رہا ہے کہ تم کو یہ طاقتیں نہیں دی گئیں بلکہ سلطان روم کو بھی ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ جرمن یا انگلستان وغیرہ ممالک سے بنواتا ہے اور آلات حرب عیسائیوں

سے خرید کرتا ہے۔ چونکہ اس زمانہ کے واسطے یہ مقدر نہ تھا کہ مسلمان جنگ کریں اس واسطے خدا تعالیٰ نے ایک اور راہ اختیار کی۔

ہاں صلاح الدین وغیرہ بادشاہوں کے وقت ان باتوں کی ضرورت تھی۔ تب خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی اور کفار پر اُن کو فتح دی۔ مگر اب تو مذہب کے واسطے کوئی شخص جنگ نہیں کرتا۔ اب تو لاکھ لاکھ پرچہ اسلام کے برخلاف نکلتا ہے۔ جیسا ہتھیار مخالف کا ہے ویسا ہی ہتھیار ہم کو بھی تیار کرنا چاہیئے۔ یہی حکم خداوندی ہے۔ اب اگر کوئی خونی مہدی آجائے اور لوگوں کے سر کاٹنے لگے تو یہ بے فائدہ ہوگا۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔مارنے سے کسی کی تشفی نہیں ہو سکتی۔ سر کاٹنے سے دلوں کے شبہات دُور نہیں ہو سکتے۔ خدا تعالیٰ کا مذہب جبر کا مذہب نہیں ہے اسلام نے پہلے بھی کبھی پیش دستی نہیں کی۔ جب بہت ظلم صحابہؓ پر ہوا تو دشمنوں کو دفع کرنے کے واسطے جہاد کیا گیا تھا۔ خدا تعالیٰ کی حکمت کے مطابق کسی کی دانائی نہیں۔ ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ اس معاملہ میں دعا کرے اور دیکھے کہ اس وقت اسلام کی تائید کی ضرورت ہے یا نہیں۔ جسم پر غالب آنا کوئی شئے نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ دلوں کو فتح کیا جائے۔

میں نے کوئی بات قال اللہ اور قال الرسول کے برخلاف نہیں کی۔ اگر قرآن اور حدیث میں جسم عنصری کا لفظ آیا ہوتا تو اس کا منکر کافر اور ملعون ہوتا مگر اصل حقیقت خدا تعالیٰ نے بذریعہ الہام کے مجھ پر ظاہر کر دی اور قرآن اور حدیث اور اجماعِ صحابہؓ اس کی تائید میں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات صحابہؓ کے واسطے ایک بڑا صدمہ تھا۔ ۶۲ یا ۶۳ سال کوئی بڑی عُمر نہیں۔ صحابہؓ کو اگر یہ کہا جاتا کہ عیسیٰؑ تو زندہ ہے مگر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو اُن کے واسطے ایک پشت شکن صدمہ تھا۔ اسی واسطے حضرت ابوبکرؓ نے سب کو اکٹھا کر کے وعظ کیا اور ان کو سمجھایا کہ سب نبی مر گئے۔ کوئی بھی زندہ نہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی فوت ہو گئے۔ صحابہؓ ایک عشق اور محبت کی حالت رکھتے تھے۔ وفات مسیح کے بغیر دوسرا پہلو وہ ہرگز مان نہ سکتے تھے۔ اسلام کبھی ایسا عقیدہ پیش نہیں کر سکتا جو آنحضرتؐ افضل الرسل

صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرنے والا ہو۔ کوئی ہمیں بُرا یا بھلا کہے ہم تو اپنا کام کرتے چلے جائیں گے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی فتح اسی میں ہے۔ اگر ہم عیسائیوں کی ہاں میں ہاں ملا دیں تو ہم ان کو کیونکر زیر کر سکتے ہیں۔ ہمارے مخالف مرنے کے بعد یقیناً سمجھ لیں گے کہ وہ اسلام کے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ عادت بھی ایک بُت ہوتا ہے اور یہ لوگ اس بُت کی پرستش کر رہے ہیں۔

یہاں پر ایک مولوی صاحب مخالفین کی جماعت میں سے بول اُٹھے اور چونکہ پھر انہوں نے حضرت اقدس علیہ السلام کو مسلسل تقریر کرنے نہیں دی بلکہ جلدی جلدی سوال پر سوال کرتے گئے اور کسی سوال کے متعلق حضرت کا جواب پُورا نہ سُنا۔ اس واسطے تقریر مذکورہ بالا تو ختم ہو گئی۔ مولوی صاحب کے سوال و جواب میں درج کرتا ہوں تاکہ دہلی کے مولویوں کا نمونہ ناظرین کو نظر آ جائے۔

مولوی صاحب۔ تو جن روایات سے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی ثابت ہے ان کو کیا کریں؟

حضرت اقدس علیہ السلام۔ جو روایت قرآن اور حدیث صحیح کے مخالف ہو وہ ردی ہے قابل اعتبار نہیں۔ قولِ خدا کے برخلاف کوئی بات نہیں ماننی چاہیئے۔

مولوی صاحب۔ اور جو وہ روایت بھی صحیح ہو۔

حضرت اقدسؑ۔ جب قولِ خدا اور قولِ رسُول کے برخلاف ہو گی تو پھر صحیح کس طرح؟ خود بخاری میں متوفیک کے معنے ممیتک لکھے ہیں۔

مولوی صاحب۔ ہم بخاری کو نہیں مانتے اور روائیتوں میں مسیح کی زندگی لکھی ہے۔ قرآن کی تفسیروں میں لکھا ہے کہ مسیح زندہ ہے۔

حضرت اقدسؑ۔ تمہارا اختیار جو چاہو مانو یا نہ مانو اور قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے اور کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ کے مطابق یہ بات ہے جس کے کان سُننے کے ہوں سُنے۔ قرآن و حدیث

کے مخالف ہم کوئی روایت نہیں مان سکتے۔

مولویصاحب۔ اور جو وہ بھی صحیح ہو تو ؟

حضرت اقدسؑ۔ وہ صحیح ہو ہی نہیں سکتی۔

مولویصاحب۔ اگرچہ صحیح ہو۔

حضرت اقدسؑ۔ میں کئی دفعہ سمجھا چکا ہوں۔ اب بار بار کیا کہوں۔ کتاب اللہ کے برخلاف جو روایت ہو وہ کس طرح صحیح ہو سکتی ہے ؟

مولویصاحب۔ یہ کس نے لکھا ہے۔ کس کتاب میں درج ہے کہ برخلاف روایت ہو تو نہ مانو۔ امام بخاری نے بھی غلطی کھائی جو متوفیک کے معنے ممیتک کر دیئے۔

حضرت اقدسؑ۔ اگر بخاری نے غلطی کھائی تو تم اَور کوئی حدیث یا لغت پیش کرو جہاں وفات کے معنے سوائے موت کے کچھ اَور کئے گئے ہوں۔

مولویصاحب۔ اچھا۔ حضرت عیسٰیؑ نے تو فرشتوں کے ساتھ نازل ہونا ہے۔ تمہارے ساتھ فرشتے کہاں ہیں ؟

حضرت اقدسؑ۔ تمہارے کندھوں پر جو دو فرشتے ہیں وہ تم کو نظر آتے ہیں جو یہ فرشتے تم کو نظر آجائیں گے ؟

مولویصاحب۔ تو زینہ کہاں ہے جس کا ذکر آیا کہ اس پر عیسٰی اُترے گا۔

حضرت اقدسؑ۔ نزول کے یہ معنی نہیں جو تم سمجھتے ہو۔ یہ ایک محاورہ ہے۔ جب ہم مسافر سے پوچھتے ہیں کہ تم کہاں اُترے ؟

اس کے بعد وہ لوگ اُٹھ کر چلے گئے۔

بوقت شام

ڈاکٹر (یعقوب بیگ صاحب) کو مخاطب کر کے فرمایا۔

آج کہاں کہاں کی سیر کی

انہوں نے عرض کی کہ فیروز شاہ کی لاٹ ، پرانا کوٹ ، مہابت خاں کی مسجد ، لال قلعہ وغیرہ مقامات دیکھے۔ فرمایا۔

ہم تو بختیار کاکی . نظام الدین صاحب اولیاء ،حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ اصحاب کی قبروں پر جانا چاہتے ہیں۔دلی کے یہ لوگ جو سطح زمین کے اُوپر ہیں نہ ملاقات کرتے ہیں اور نہ ملاقات کے قابل ہیں ۔اس لئے جو اہلِ دل لوگ ان میں سے گذر چکے ہیں اور زمین کے اندر مدفون ہیں ان سے ہی ہم ملاقات کرلیں تاکہ بدوں ملاقات تو واپس نہ جائیں میں ان بزرگوں کی یہ کرامت سمجھتا ہوں کہ انہوں نے قسی القلب لوگوں کے درمیان بسر کی۔اس شہر میں ہمارے حصہ میں ابھی وہ قبولیت نہیں آئی جو ان لوگوں کو نصیب ہوئی

چشم باز و گوش باز و ایں ذکا
خیرہ ام از چشم بندیٔ خدا

اسلام پر یہ کیسا مصیبت کا زمانہ ہے۔اندرونی مصائب بھی بے انتہا ہیں ۔ اور بیرونی بھی بے حد ہیں۔ پھر یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس وقت کسی مصلح کی ضرورت نہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم نمازیں پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں۔ پھر ہم کو کسی مصلح کی کیا ضرورت ہے مگر نہیں سمجھتے کہ جب تک خدا کی رحمت نہ ہو وہ رقت اور درد پیدا نہیں ہوسکتا جو انسان کے دل کو صاف کرتا ہے ۔چاہیئے کہ بہت دعائیں کریں صرف بحث کرنے والا فائدہ نہیں

نوٹ از ایڈیٹر صاحب بدر۔ آج شام کو یہ عاجز کسی کام پر باہر گیا ہوا تھا۔ حضرت مغرب کے وقت نشستگاہ میں تشریف لائے اور ایک تقریر فرمائی جس کو مخدومی اخویم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے قلمبند فرمایا۔

اُٹھا سکتا۔ وہ نہیں دیکھتے کہ اسلام پر کس طرح کے مصائب نازل ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام کو گویا خدا تعالیٰ نے فراموش کردیا ہے۔ دہلی کے لوگ ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ لڑنے کو آئے ہیں۔ حق طلبی کا انہیں خیال نہیں۔ حلق کے نیچے بات تب اُترتی ہے جب حلق صاف ہو۔ دوائی کا بھی یہی حال ہے کہ جب تک حلق صاف نہ ہو اور معدہ بھی صاف نہ ہو دوائی کا اثر نہیں ہو سکتا دوائی قے ہو جاتی ہے یا ہضم نہیں ہوتی۔

احمدی نام کیوں رکھا گیا

ایک مولوی صاحب آئے اور انہوں نے سوال کیا کہ خدا تعالیٰ نے ہمارا نام مُسلمان رکھا ہے۔ آپ نے اپنے فرقہ کا نام احمدی کیوں رکھا ہے؟ یہ بات ھو سمّٰکم المسلمین[1] کے برخلاف ہے۔

اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا۔

اسلام بہت پاک نام ہے اور قرآن شریف میں یہی نام آیا ہے۔ لیکن جیسا کہ حدیث شریف میں آچکا ہے اسلام کے ۷۳ فرقے ہو گئے ہیں اور ہر ایک فرقہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ انہی میں ایک رافضیوں کا ایسا فرقہ ہے جو سوائے دو تین آدمیوں کے تمام صحابہؓ کو سبّ و شتم کرتے ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کو گالیاں دیتے ہیں۔ اولیاء اللہ کو بُرا کہتے ہیں۔ پھر بھی مسلمان کہلاتے ہیں۔ خارجی حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو بُرا کہتے ہیں اور پھر بھی مسلمان نام رکھاتے ہیں۔ بلاد شام میں ایک فرقہ یزیدیہ ہے۔ جو امام حسینؓ پر تبرّا بازی کرتے ہیں اور مسلمان بنے پھرتے ہیں۔ اسی مصیبت کو دیکھ کر سلف صالحین نے اپنے آپ کو ایسے لوگوں سے تمیز کرنے کے واسطے اپنے نام شافعی، حنبلی وغیرہ تجویز کئے۔ آجکل نیچریوں کا ایک ایسا فرقہ نکلا ہے جو جنّت، دوزخ، وحی، ملائک سب باتوں کا منکر ہے۔ یہانتک کہ سید احمد خاں کا خیال تھا کہ قرآن مجید بھی رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم

[1] الحج: ۷۹

کے خیالات کا نتیجہ ہے اور عیسائیوں سے سُنکر یہ قصے لکھ دئے ہیں۔ غرض ان تمام فرقوں سے اپنے آپ کو تمیز کرنے کے واسطے اس فرقہ کا نام احمدیہ رکھا گیا۔

حضرت یہ تقریر کر رہے تھے کہ اس مولوی نے پھر سوال کیا کہ قرآن شریف میں تو حکم ہے کہ لاتفرقوا اور آپ نے تو تفرقہ ڈال دیا۔ حضرت نے فرمایا:۔

ہم تو تفرقہ نہیں ڈالتے بلکہ ہم تفرقہ دُور کرنے کے واسطے آئے ہیں۔ اگر احمدی نام رکھنے میں ہتک ہے تو پھر شافعی حنبلی کہلانے میں بھی ہتک ہے۔ مگر یہ نام ان اکابر کے رکھے ہوئے ہیں جن کو آپ بھی صلحاء مانتے ہیں۔ وہ شخص بدبخت ہوگا جو ایسے لوگوں پر اعتراض کرے اور اُن کو بُرا کہے۔ صرف امتیاز کے لئے ان لوگوں نے اپنے یہ نام رکھے تھے۔ ہمارا کاروبار خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے اور ہم پر اعتراض کرنے والا خدا تعالیٰ پر اعتراض کرتا ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور احمدی ایک امتیازی نام ہے۔

اگر صرف مسلمان نام ہو تو شناخت کا تمغہ کیونکر ظاہر ہو۔ خدا تعالےٰ ایک جماعت بنانا چاہتا ہے اور اس کا دوسروں سے امتیاز ہونا ضروری ہے بغیر امتیاز کے اس کے فوائد مترتب نہیں ہوتے اور صرف مسلمان کہلانے سے تمیز نہیں ہو سکتی۔ امام شافعی اور حنبل وغیرہ کا زمانہ بھی ایسا تھا کہ اس وقت بدعات شروع ہوگئی تھیں۔ اگر اس وقت یہ نام نہ ہوتے تو اہلِ حق اور ناحق میں تمیز نہ ہو سکتی۔ ہزارہا گندے آدمی ملے جُلے رہتے۔ یہ چار نام اسلام کے واسطے مثل چاردیواری کے تھے۔ اگر یہ لوگ پیدا نہ ہوتے تو اسلام ایسا مشتبہ مذہب ہو جاتا کہ بدعتی اور غیر بدعتی میں تمیز نہ ہو سکتی۔ اب بھی ایسا زمانہ آگیا ہے کہ گھر گھر ایک مذہب ہے۔ ہم کو مسلمان ہونے سے انکار نہیں مگر تفرقہ دُور کرنے کے واسطے یہ نام رکھا گیا ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے توریت والوں سے اختلاف کیا اور عام نظروں میں ایک تفرقہ ڈالنے والے بنے لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ تفرقہ خود خدا ڈالتا ہے جب کھوٹ اور ملاوٹ زیادہ ہو جاتی ہے تو خدا تعالےٰ خود چاہتا ہے کہ ایک تمیز ہو جائے۔

مولوی صاحب نے پھر وہی سوال کیا کہ خدا نے تو کہا ہے کہ ھوسمّٰکم المسلمین[1]

فرمایا :-

کیا اس میں رافضی اور بدعتی اور آجکل کے مسلمان شامل ہیں ؟ کیا اس میں آجکل کے وہ لوگ شامل ہیں جو اباحتی ہو رہے ہیں ؟ اور شراب اور زنا کو بھی اسلام میں جائز جانتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اس کے مخاطب تو صحابہؓ ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قرون ثلاثہ کے بعد فیج اعوج کا زمانہ ہوگا جس میں جھوٹ اور کذب کا افشا ہوگا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے۔ لیسوا منی ولستُ منھم نہ اُن کا مجھ سے کوئی تعلق ہے نہ میرا اُن سے کوئی تعلق ہے۔ وہ لوگ مسلمان کہلائیں گے مگر میرے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

جو لوگ اسلام کے نام سے انکار کریں یا اس نام کو عار سمجھیں، ان کو تو میں لعنتی کہتا ہوں۔ میں کوئی بدعت نہیں لایا۔ جیسا کہ حنبلی شافعی وغیرہ نام تھے۔ ایسا ہی احمدی بھی نام ہے بلکہ احمد کے نام میں اسلام کے بانی احمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتصال ہے۔ اور یہ اتصال دوسرے ناموں میں نہیں۔ احمد، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ اسلام احمدی ہے اور احمدی اسلام ہے۔ حدیث شریف میں محمدی رکھا گیا ہے۔ بعض اوقات الفاظ بہت ہوتے ہیں مگر مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔ احمدی نام ایک امتیازی نشان ہے۔ آجکل اس قدر طوفان زمانہ میں ہے کہ اول آخر کبھی نہیں ہوا اس واسطے کوئی نام ضروری تھا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک جو مسلمان ہیں۔ وہ احمدی ہیں؛

(بدر جلد ۱ نمبر ۳۲ صفحہ ۲ تا ۴ مورخہ ۳ نومبر ۱۹۰۵ء)

[1] الحج : ۷۹

۲۶ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

بمقام دہلی۔

صبح کے وقت حضور نے گاڑیاں منگوائیں اور خواجہ میر درد صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب کے مزار مبارک پر تشریف لے گئے۔ راستہ میں قبرستان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

یہ انسان کی دائمی سکونت ہے جہاں ہر قسم کے امراض سے نجات پا کر انسان آرام کرتا ہے۔

خواجہ میر درد صاحب کی قبر پر آپ نے فاتحہ پڑھی اور کتبہ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ کتبہ لکھنا شریعت میں منع نہیں ہے۔ اس میں بہت سے فوائد ہیں۔[۱]

یہاں سے ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی قبر پر گئے اور فاتحہ پڑھی۔

فرمایا کہ

شاہ ولی اللہ صاحب ایک بزرگ اہل کشف اور کرامت تھے۔ یہ سب مشائخ زیر زمین ہیں اور جو لوگ زمین کے اوپر ہیں وہ ایسے بدعات میں مشغول ہیں کہ حق کو باطل بنا رہے ہیں اور باطل کو حق بنا رہے ہیں۔

راستہ میں اہل لدھیانہ کی درخواست کا ذکر کیا کہ حضور واپس جاتے ہوئے راستہ میں لدھیانہ ٹھہریں۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے عرض کی کہ لدھیانہ کی جماعت اسٹیشن لدھیانہ پر ملاقات کے واسطے آئی تھی لیکن حضور سوئے ہوئے تھے۔ میں نے جگانے نہ دیا۔ فرمایا:۔

آپ نے اچھا کیا۔ اس کے عوض ہم اب لدھیانہ میں اتر کر اہل لدھیانہ سے ملاقات کریں گے

راستہ میں مذبح کے پاس سے گذرے۔ کثیر التعداد بھیڑیں اور بکریاں ذبح ہو رہی تھیں اور سینکڑوں

---

[۱] بدر جلد ۱ نمبر ۳۲ صفحہ ۲ مورخہ ۲ر نومبر ۱۹۰۵ء

کا باہر ریوڑ کھڑا تھا۔ ان کو دیکھ کر فرمایا کہ

کھانے کی حلال اشیاء کا کس قدر ذخیرہ اللہ تعالیٰ نے جمع کر دیا ہے برخلاف اس کے حرام چیزیں مثلاً کُتے وغیرہ بہت ہی کم پائے جاتے ہیں۔

فرمایا :-

اس شہر میں اس قدر انقلاب آئے ہیں کہ شاید کسی دوسرے شہر پر یہ حالات وارد ہوئے ہوں۔ کئی دفعہ یہ شہر آباد ہوا اور کئی دفعہ خاک میں مل گیا۔

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مخاطب تھے اور ان کی رخصت کے قریب الاختتام ہونے کا ذکر تھا۔

فرمایا :-

دو دن اور ہیں۔ یہ موقعہ غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسا موقعہ ہاتھ آ سکتا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ رخصت لینے سے ایسا موقعہ مل جاتا ہے۔ کئی آدمی ایسے بھی ہیں جو نوکر نہیں مگر ان کو ہمارے پاس رہنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ فارغ البالی ہوتی ہے پر صحبت نصیب نہیں ہوتی[1]

مقصد امام

فرمایا :-

اللہ تعالیٰ کا یہ منشا نہیں کہ مسیح کی وفات کو ثابت کرنے والی ایک جماعت پیدا ہو جائے یہ بات تو ان مولویوں کی مخالفت کی وجہ سے درمیان آگئی ہے ورنہ اس کی تو کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ اصل مقصد اللہ تعالیٰ کا تو یہ ہے کہ ایک پاک دل جماعت مثل صحابہؓ کے بن جاوے۔ وفات مسیح کا معاملہ تو جملہ معترضہ کی مانند درمیان آگیا ہے۔ مولوی لوگوں نے خواہ مخواہ اپنی ٹانگ درمیان میں اڑا لی۔ ان لوگوں کو مناسب نہ تھا کہ اس معاملہ میں دلیری کرتے۔ قولِ خدا تو

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۳۳ صفحہ ۱ - ۲ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۵ء

رؤیت نبی اور اجماعِ صحابہؓ، یہ تین باتیں اس کے واسطے کافی تھیں۔ ہمیں تو افسوس آتا ہے کہ اس کا ذکر ہمیں خواہ مخواہ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ہمارا اصلی امر ابھی دیگر ہے۔ یہ تو صرف خس و خاشاک کو درمیان میں سے اُٹھایا گیا ہے۔ سوچو کہ جو شخص دنیاداری میں غرق ہے اور دین کی پروا نہیں رکھتا۔ اگر تم لوگ بیعت کرنے کے بعد ویسے ہی رہو تو پھر تو تم میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ بعض لوگ ایسے کچے اور کمزور ہوتے ہیں کہ ان کی بیعت کی غرض بھی دنیا ہی ہوتی ہے۔ اگر بیعت کے بعد ان کی دنیاداری کے معاملات میں ذرا سا فرق آجاوے تو پھر پیچھے قدم رکھتے ہیں۔

یاد رکھو کہ یہ جماعت اس بات کے واسطے نہیں کہ دولت اور دنیاداری ترقی کرے اور زندگی آرام سے گذرے۔ ایسے شخص سے تو خدا تعالیٰ بیزار ہے۔ چاہیئے کہ صحابہؓ کی زندگی کو دیکھو، وہ زندگی سے پیار نہ کرتے تھے، ہر وقت مرنے کے لئے تیار تھے۔ بیعت کے معنے ہیں اپنی جان کو بیچ دینا۔ جب انسان زندگی کو وقف کر چکا تو پھر دنیا کے ذکر کو درمیان میں کیوں لاتا ہے؟ ایسا آدمی تو صرف رسمی بیعت کرتا ہے۔ وہ تو کل بھی گیا اور آج بھی گیا۔ یہاں تو صرف ایسا شخص رہ سکتا ہے جو ایمان کو درست کرنا چاہے۔ انسان کو چاہیئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی زندگی کا ہر روز مطالعہ کرتا رہے۔ وہ تو ایسے تھے کہ بعض مر چکے تھے اور بعض مرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس کے سوائے بات نہیں بن سکتی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ کنارہ پر کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہیں تا کہ ابتلا دیکھ کر بھاگ جائیں وہ فائدہ نہیں حاصل کر سکتے۔ دنیا کے لوگوں کی عادت ہے کہ کوئی ذرا سی تکلیف ہو تو لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتے ہیں اور آرام کے وقت خدا تعالےٰ کو بھول جاتے ہیں۔ کیا لوگ چاہتے ہیں کہ امتحان میں سے گذرنے کے سوا ہی خدا خوش ہو جائے۔ خدا تعالیٰ رحیم کریم ہے۔ مگر سچا مومن وہ ہے جو دنیا کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دے۔ خدا تعالےٰ ایسے لوگوں کو ضائع نہیں کرتا۔ ابتدا میں مومن کے واسطے دنیا جہنم کا نمونہ ہو جاتی ہے۔ طرح طرح کے مصائب پیش آتے ہیں اور ڈراؤنی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں تب وہ صبر کرتے ہیں اور خدا تعالےٰ

اُن کی حفاظت کرتا ہے ؎

عشق اوّل سرکش و خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

جو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو جنت ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی رضا کے ساتھ جو متفق ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ اس کو محفوظ رکھتا ہے اور اس کو حیاۃ طیبہ حاصل ہوتی ہے اس کی سب مُرادیں پوری کی جاتی ہیں۔ مگر یہ بات ایمان کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

ایک شخص کے اپنے دل میں ہزار گند ہوتا ہے۔ پھر خدا پر شک لاتا ہے اور چاہتا ہے کہ مومنوں کا حصہ مجھے بھی ملے۔ جب تک انسان پہلی زندگی کو ذبح نہ کر دے، اور محسوس نہ کرلے کہ نفس امارہ کی خواہش مر گئی ہے اور خدا تعالیٰ کی عظمت دل میں بیٹھ نہ جائے تب تک مومن نہیں ہوتا۔ اگر مومن کو خاص امتیاز نہ بخشا جائے تو مومنوں کے واسطے جو وعدے ہیں وہ کیونکر پورے ہوں گے۔ لیکن جب تک دورنگی اور منافقت ہو تب تک انسان کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اِنَّ المنافقین فی الدرک الاسفل[1] اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایک ایسی جماعت بنائے گا جو ہر جہت میں سب پر فوقیت رکھیگی اللہ تعالیٰ ہر طرح کا فضل کرے گا۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔ ہاں کمزوری میں اللہ تعالیٰ معاف کرتا ہے۔ جو شخص کمزور ہے اور ہاتھ اُٹھاتا ہے کہ کوئی اس کو پکڑے اور اُٹھائے، اس کو اُٹھایا جائے گا۔ مگر مومن کو چاہیئے کہ اپنی حالت پر فارغ نہ بیٹھے۔ اس سے خدا راضی نہیں ہے۔ ہر طرح سے کوشش کرنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے راضی کرنے کے جو سامان ہیں وہ سب مہیا کئے جائیں۔

ریاکاری

ریاکار انسان بے فائدہ کام کرتا ہے۔ مومن کو تو خداوند تعالیٰ خود بخود شہرت دیتا ہے۔ ایک شخص کا ذکر ہے کہ وہ مسجدوں میں لمبی نمازیں پڑھا کرتا تھا تاکہ لوگ اُسے نیک

[1] النساء : ۱۴۶

کہیں لیکن جب وہ بازار سے گذرتا تو لڑکے بھی اس کی طرف اشارہ کرتے اور کہتے کہ یہ ایک ریاکار آدمی ہے جو دکھلاوے کی نمازیں پڑھتا ہے۔ ایک دن اس شخص کو خیال ہوا کہ میں لوگوں کا کیوں خیال رکھتا ہوں اور بے فائدہ محنت اُٹھاتا ہوں۔ مجھے چاہیئے کہ اپنے خدا کی طرف متوجہ ہو جاؤں اور خالص خدا کی خاطر عبادت کروں۔ یہ بات سوچ کر اس نے سچی توبہ کی اور اپنے اعمال کو خدا کے واسطے خاص کر دیا اور دنیوی رنگ کی نمازیں چھوڑ دیں، اور علیحدگی میں بیٹھ کر دعائیں کرنے لگا اور اپنی عبادت کو پوشیدہ رکھنا چاہا۔ تب وہ جس کوچہ سے گذرتا۔ لوگ اس کی طرف اشارہ کرتے کہ یہ ایک نیک بخت آدمی ہے۔

خدا کی دوستی

سچا مومن وہ ہے جو کسی کی پرواہ نہ کرے۔ خدا تعالےٰ خود ہی سارے بندوبست کر دے گا۔ لوگوں کی تکلیف رہی کی پروا نہیں کرنی چاہیئے۔ دنیا میں کوئی کسی کے ساتھ دوستی پکی کرتا ہے تو دنیا کے لوگ اپنی دوستی کا حق ادا کرتے ہیں۔ وہ کون دوست ہے جس کے ساتھ سلوک کیا جاوے تو وہ بے تعلقی ظاہر کرے۔ ایک چور کے ساتھ ہمارا سچا تعلق ہو تو وہ بھی ہمارے گھر میں نقب زنی نہیں کرتا۔ تو کیا خدا تعالےٰ کی وفا چور کے برابر بھی نہیں۔ خدا تعالےٰ کی دوستی تو وہ ہے کہ دنیاداروں میں اس کی کوئی نظیر ہی نہیں۔ دنیاداروں کی دوستی میں تو غدر بھی ہے۔ تھوڑی سی رنجش کے ساتھ دنیادار دوستی توڑنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کے تعلقات پکے ہیں۔ جو شخص خدا تعالیٰ کے ساتھ دوستی کرتا ہے خدا تعالےٰ اس پر برکات نازل کرتا ہے۔ اس کے گھر میں برکت دیتا ہے۔ اس کے کپڑوں میں برکت دیتا ہے اس کے پس خوردہ میں برکت دیتا ہے۔

بخاری میں ہے کہ نوافل کے ذریعہ سے انسان خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ نوافل ہر شئے میں ہوتے ہیں۔ فرض سے بڑھ کر جو کچھ کیا جائے وہ سب نوافل میں داخل ہے۔ جب انسان نوافل میں ترقی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے

وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے ولی سے مقابلہ کرتا ہے وہ میرے ساتھ لڑائی کے لئے تیار ہو جائے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ سچی محبت کرنے والے بھی غنی، بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کی تکذیب کی کچھ پروا نہیں رکھتے۔ جو لوگ خلقت کی پروا کرتے ہیں وہ خلق کو معبود بناتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے بندوں میں ہمدردی بہت ہوتی ہے مگر ساتھ ہی ایک بے نیازی کی صفت بھی لگی ہوئی ہے۔ وہ دنیا کی پروا نہیں کرتے۔ آگے خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے کہ دنیا کھچی ہوئی ان کی طرف چلی آتی ہے۔

جماعت کو نصیحت

ہماری جماعت کو ایسا ہونا چاہیئے کہ نری لفاظی پر نہ رہے بلکہ بیعت کے سچے منشا کو پورا کرنے والی ہو۔ اندرونی تبدیلی کرنی چاہیئے۔ صرف مسائل سے تم خدا تعالےٰ کو خوش نہیں کر سکتے۔ اگر اندرونی تبدیلی نہیں تو تم میں اور تمہارے غیر میں کچھ فرق نہیں۔ اگر تم میں مکر، فریب، کسل اور سُستی پائی جائے تو تم دوسروں سے پہلے ہلاک کئے جاؤ گے ہر ایک کو چاہیئے کہ اپنے بوجھ کو اُٹھائے اور اپنے وعدے کو پُورا کرے۔ عمر کا اعتبار نہیں دیکھو مولوی عبدالکریم صاحب فوت ہو گئے۔ ہر جمعہ میں ہم کوئی نہ کوئی جنازہ پڑھتے ہیں۔ جو کچھ کرنا ہے اب کر لو۔ جب موت کا وقت آتا ہے تو پھر تاخیر نہیں ہوتی۔ جو شخص قبل از وقت نیکی کرتا ہے امید ہے کہ وہ پاک ہو جائے۔ اپنے نفس کی تبدیلی کے واسطے سعی کرو۔ نماز میں دعائیں مانگو صدقات خیرات سے اور دوسرے ہر طرح کے حیلہ سے والّذین جاھدوا فینا[1] میں شامل ہو جاؤ۔ جس طرح بیمار طبیب کے پاس جاتا، دوائی کھاتا، مسہل لیتا، خون نکلواتا، ٹکور کرواتا اور شفا حاصل کرنے کے واسطے ہر طرح کی تدبیر کرتا ہے۔ اسی طرح اپنی روحانی بیماریوں کو دُور کرنے کے واسطے ہر طرح کی کوشش کرو۔ صرف زبان سے نہیں بلکہ مجاہدہ کے جس قدر طریق خدا تعالیٰ نے فرمائے ہیں وہ سب بجا لاؤ۔ صدقہ خیرات کرو۔ جنگلوں میں جا کر دعائیں کرو۔ سفر

[1] العنکبوت: ۷۰

کی ضرورت ہو تو وہ بھی کرو۔ بعض آدمی پیسے لے کر بچوں کو دیتے پھرتے ہیں کہ شاید اسی طرح کشوف باطن ہو جائے۔ جب باطن پر قفل ہو جائے تو پھر کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ حیلے کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔ جب انسان تمام حیلوں کو بجا لاتا ہے تو کوئی نہ کوئی نشانہ بھی ہو جاتا ہے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۳۲ صفحہ ۳ و ۴ مورخہ ۸ رنومبر ۱۹۰۵ء)

۲۷ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

بمقام دہلی (بعد نماز جمعہ)

طِبّ

چند مولوی اور مدرسہ طبیہ کے چند طالب علم اور طبیب آئے۔ طب کا ذکر درمیان میں آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ

مسلمانوں کو انگریزی طِبّ سے نفرت نہیں چاہیئے۔ الحکمۃ ضالۃ المومن۔ حکمت کی بات تو مومن کی اپنی ہے۔ گُم ہو کر کسی اَور کے پاس چلی گئی تھی۔ پھر جہاں سے ملے جھٹ قبضہ کر لے۔ اس میں ہمارا یہ منشا نہیں کہ ہم ڈاکٹری کی تائید کرتے ہیں بلکہ ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ بموجب حدیث کے انسان کو چاہیئے کہ مفید بات جہاں سے ملے وہیں سے لیلے۔ ہندی، جاپانی، یُونانی، انگریزی ہر طب سے فائدہ حاصل کرنا چاہیئے اور اس شعر کا مصداق اپنے آپ کو بنانا چاہیئے ؎

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم　　ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم

تب ہی انسان کامل طبیب بنتا ہے۔ طبیبوں نے تو عورتوں سے بھی نسخے حاصل کئے ہیں لیس الحکیم الّا ذو تجربۃ لیس الحلیم الّا ذو عثرۃ۔ حکیم تجربہ سے بنتا ہے اور حلیم تکالیف اُٹھا کر حلم دکھانے سے بنتا ہے اور یوں تو تجربوں کے بعد انسان رہ جاتا

ہے کیونکہ قضا و قدر سب کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

جامع کمالات

اللہ تعالیٰ نے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ فبھدٰھم اقتدہ۔ ان کی ہدایت کی پیروی کر یعنی تمام گذشتہ انبیاء کے کمالات متفرقہ کو اپنے اندر جمع کرلے۔ یہ آیت حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بڑی فضیلت کا اظہار کرتی ہے۔ تمام گذشتہ نبیوں اور ولیوں میں جس قدر خوبیاں اور صفات اور کمال تھے وہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے تھے۔ سب کی ہدایتوں کا اقتدار کر کے آپ جامع تمام کمالات کے ہو گئے۔ مگر جامع بننے کے لئے ضروری ہے کہ انسان متکبر نہ ہو۔ جو سمجھتا ہے کہ میں نے سب کچھ سمجھ لیا ہے وہ ٹھوکر کھاتا ہے۔ خاکساری سے زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ جہاں انسان کوئی فائدہ کی بات دیکھے، چاہیئے کہ اسی جگہ سے فائدہ حاصل کرلے۔ ڈاکٹروں کو بھی مناسب نہیں کہ پُرانی طب کو حقارت سے دیکھیں۔ بعض باتیں ان میں بہت مفید ہیں۔ میں نے بعض متن کتب طب کے بیس بیس جزو کے حفظ کئے تھے۔ ہزار سے زیادہ کتاب طب کی ہمارے کتب خانے میں موجود تھی۔ جن میں سے بعض کتابیں بڑی بڑی قیمتیں دے کر خرید کی گئی تھیں۔ مگر یہ علم ظنی ہوتا ہے۔ لاف مارنے اور دعوے کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں۔

تقویٰ

فرمایا:-

افسوس ہے کہ لوگ اپنے کاروبار میں اس قدر مصروف ہیں کہ دوسرے پہلو کی طرف اُن کو بالکل کوئی توجہ نہیں۔ ہر ایک شخص ایک پہلو پر حد سے زیادہ جُھک جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں جس قدر بار بار تقویٰ کا ذکر کیا ہے، اتنا ذکر اور کسی امر کا نہیں کیا۔ تقویٰ کے ذریعہ سے انسان تمام ہلاکات سے بچتا ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کے

معاملہ میں تقویٰ سے کام نہ لیا اور کہا کہ جب تک الیاس آسمان سے نہ آئے ہم تم کو نہیں مان سکتے۔ انہیں چاہیئے تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معجزات اور خوارق کا مطالعہ کرتے اور بہت سی باتوں کے مقابلہ میں صرف ایک بات پر نہ اَڑتے۔ ایسا ہی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہودیوں نے کہا کہ آخری زمانہ کا نبی تو اسرائیلیوں میں سے آنا چاہیئے تھا، ہم تم کو نہیں مان سکتے۔ تائیداتِ الٰہی، نصرتِ حق اور معجزات کی انہوں نے کچھ پروا نہ کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک نبی کے وقت ابتلاؤں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر خدا تعالےٰ چاہتا تو توریت میں ایسے لفظ صاف لکھ دیتا کہ آخری زمانہ کے نبی کے باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ اور مسکن مکہ ہوگا۔ مگر خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ ایسا ہی اس وقت کے مسیح کے زمانہ میں بھی ہوا۔ اگر لوگ نبی کریم کے ساتھ فرشتوں کو نازل ہوتے دیکھ لیتے تو کوئی بھی انکار نہ کرتا۔ مگر خدا تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ ابتلائیں اور متقی لوگ اس ابتلا کے وقت نکل رہتے ہیں۔

نزول از آسمان

آسمان سے نازل ہونے کی سُنّت پہلے کبھی قائم نہیں ہوئی۔ آدم سے لے کر آج تک کوئی نظیر پیش کرو کہ کوئی نبی آسمان پر گیا ہو یا آسمان سے نازل ہوا ہو۔ خدا تعالیٰ کی عادت نہیں کہ کسی ایک شخص کے واسطے کوئی امر مخصوص کر دے۔ ایک امر مخصوص کے ساتھ تو کوئی نبی بھی نہیں آیا۔ اس طرح سے تو وہ شخص معبود بن جاتا ہے اور یسوع کو خصوصیت دینا تو خود نصاریٰ کو مدد دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر وفات ظاہر کر دی ہے۔ معراج کی حدیث کو پڑھو۔ جو لوگ معراج کے منکر ہیں وہ تو اسلام کے منکر ہیں۔ لاکھ احادیث کے برابر ایک حدیث معراج کی ہے۔ شبِ معراج میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسٰیؑ کو مُردوں میں دیکھا۔ اگر قبض روح نہیں ہوا اور زندہ مع الجسم آسمان پر گئے تو دوسرے عالم میں کس طرح پہنچ گئے۔ متقی کے واسطے تو ایک ہی بات کافی ہوتی ہے۔ خیالی اور ظنی

باتوں کے پیچھے پڑ کر اصلی اور صحیح بات کو چھوڑ دینا تقویٰ کے برخلاف ہے۔ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے بار بار تفہیم ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ نشانات، تائید، نصرت الٰہی، نصوص قرآن و حدیث ہیں۔ میں جو کچھ کہتا ہوں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں۔ خیال کرو کہ احق بالامن کونسی بات ہے میں تو ایسا آیا ہوں جیسا کہ الیاس آیا۔ یہود سے پوچھو کہ وہ مسیح کے ماننے سے کیوں محروم رہے؟ ان کا عذر بھی یہی تھا کہ جیسا توریت میں لکھا ہے الیاس آسمان سے نہیں آیا۔ مگر ہمارے مسلمان تو یہ عذر بھی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ بہت واقعات پہلے کے اپنے آگے رکھتے ہیں کہ نزول کس طرح سے ہوا کرتا ہے۔ یہ لوگ جتنا چاہیں مجھ سے جھگڑا کر لیں۔ مرنے کے بعد ان کو معلوم ہو جائے گا کہ حق کس طرف ہے۔ یہ لوگ عیسائیوں کی اس قدر مدد کرتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کو خود ان مولویوں ہی نے عیسائی بنا دیا ہے جو پہلو خدا تعالیٰ نے پکڑا ہے وہی سب سے افضل ہے اور اسلام کی فتح اسی کے ذریعہ ہو گی۔ نزول اور نزیل کا لفظ مہمان کے واسطے بطور اعزاز و اکرام کے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر زبان میں یہ محاورہ ہے۔ چنانچہ اردو میں بھی کہتے ہیں کہ آپ کہاں اُترے ہیں؟

اتنے میں ایک مولوی صاحب درمیان میں بول پڑے اور کہنے لگے کہ مسیح تو دمشق میں نازل ہوگا۔ آپ کہاں نازل ہوئے؟

حضرت اقدس۔ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ وہ دمشق کے مشرق کی طرف نازل ہوگا۔ قادیان دمشق سے عین مشرق میں ہے۔

توفّی کے معنے کے متعلق شہر بغداد میں ایک بڑا مباحثہ ہوا تھا کہ اس لفظ کے کیا معنے ہیں۔ اس مباحثہ میں بالآخر یہی فیصلہ ہوا کہ جہاں اللہ تعالیٰ فاعل ہو اور مفعول بہٖ عَلَم ہو وہاں سوائے مارنے کے اور کوئی معنے نہیں آتے۔ اگر آج تم قرآن حدیث یا لغت سے کوئی اَور معنے دکھا دو تو میں آج بھی مان لینے کے واسطے تیار ہوں۔ لغت بھی زبان عربی کی کلید ہے، کوئی مثال لغت سے ہی دکھا دو تب بھی میں مان لوں گا۔ تعجب ہے کہ دوسروں کی رؤیت کا تم اعتبار

کرتے ہو مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رؤیت پر تم کو کوئی اعتبار نہیں۔ یہ جسم عنصری کا لفظ تم نے کہاں سے نکال لیا؟ اگر کہیں یہ لفظ دکھا سکتے ہو تو لے آؤ۔ میں تو اس وقت بھی قبول کرنے کے واسطے تیار ہوں۔ قرآن شریف میں، حدیث میں، لغت عرب، کہیں کسی نبی، صحابی وغیرہ کے متعلق لفظ توفی کا بمعنے آسمان پر جسم عنصری کے ساتھ جانے کا دکھا دو تو میں فوراً مان لوں گا۔ لیکن تم حضرت عیسٰی کے متعلق ایک لفظ کے وہ معنے کیوں کرتے ہو جو کسی نبی، کسی ولی، کسی صحابی، کسی انسان کے متعلق نہیں کئے گئے۔ ۲۵ سال سے خدا تعالیٰ مجھے یہی بتلا رہا ہے۔ پھر تائیدات سماوی اور نشانات میرے ساتھ ہیں۔ میں خدا تعالےٰ کی باتوں پر اب بھی ویسا ہی ایمان رکھتا ہوں جیسا کہ پہلی کتابوں پر رکھتا ہوں۔

اس جگہ بیچ میں پھر وہی مولوی صاحب بول پڑے کہ میں توفّی کے معنے آسمان پر جانے کے دکھا سکتا ہوں۔ فوراً ایک قرآن شریف مولوی صاحب کے ہاتھ میں دیا گیا۔ لگے ورق گردانی کرنے اور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے۔ کبھی اس کو کہتے کیوں میاں تم نکالو اور کبھی اس کو اشارہ کرتے ہیں کیوں بھائی کچھ بتاؤ نہ۔ بہت سے تھے، کبھی اس نے اس کے ہاتھ سے قرآن چھینا کبھی اس نے اس کے ہاتھ سے قرآن چھینا۔ نکلنا تو کیا تھا۔ گھبرا کر بولے

اچھا رافعک جو لکھا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

رافعک کے معنے اس جگہ وہی ہیں جو رفعناہ مکاناً علیّاً[1] کے معنے ہیں۔ مسلمان ہر روز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہی دعا مانگتے ہیں کہ ان کا رفع ہو تو کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے جائیں؟ بات وہی صحیح ہے جو خدا تعالیٰ نے بتلا دی۔ اور الہامات سے اس کی تائید کی

مولوی صاحب۔ الہام کیا ہے؟ الہام تو مجھے بھی ہوتا ہے۔

(بعد میں معلوم ہوا کہ اس مولوی کا نام نظام الدین ہے اور کسی مسجد میں لڑکے پڑھاتا ہے)

[1] مریم: ۵۸

حضرت اقدس۔ میں ایسے الہام نہیں مان سکتا جس کے ساتھ تائیدات سماوی کا نشان نہ ہو ایسے الہام کے مدعی تو ہر نبی کے زمانہ میں گذرے ہیں۔ اگر آپ کے پاس کوئی نشان ہے تو دکھلاؤ۔

اتنے میں حضرت مولوی محمد احسن صاحب نے لغت کی ایک کتاب مختار الصحاح نکالی۔ اور اس مولوی کو دکھلایا کہ توفّی کے معنے مارنے کے لکھے ہیں۔

مولوی صاحب۔ میں لغت نہیں مانتا۔ اچھا مان لیا۔ اگر عیسٰی مرگیا ہے تو اس کی لاش دکھلاؤ۔

حضرت اقدس۔ جب مرجانا ثابت ہے تو کافی ہے۔ لاشیں حضرت ابراہیم اور موسٰی کی کہاں ہیں؟

مولوی صاحب۔ دجّال کانا کہاں بنے؟

حضرت اقدس۔ اگر اس طرح تم لفظی معنے لوگے تو بہت مشکل پڑے گی۔ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ اس جہان میں بھی اندھا ہوگا تو اس کے یہ معنے ہیں کہ جتنے نابینے ہیں وہ بہرحال سب کے سب جہنم میں جائیں گے اگرچہ حافظ قرآن اور مسلمان ہی ہوں۔

فرمایا:۔

آنے والے کے متعلق تو یہ لکھا ہے کہ وہ امتی ہوگا۔ امتی تو وہ ہے جو صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی کے ذریعہ سے نور حاصل کرتا ہے۔ لیکن وہ جو پہلے ہی نور اور بصیرت پاکر نبوت کے درجہ تک پہنچ چکا ہے وہ اب امتی کس طرح بنے گا؟ کیا پہلے تمام کمالات حاصل کردہ سے وہ بے نصیب کر دیا جاوے گا؟ ہاں۔ ہم امتی ہیں جن کو سب کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملا ہے اور تمام معرفت وہیں سے حاصل ہوئی ہے۔

اتنے میں وہ مولوی صاحب تو گھبرا کر اُٹھ گئے اور ان کے ساتھی گالیاں دیتے گئے اور ایک اور طالب علم آگے بڑھا۔

طالبعلم۔ آپ کا مرتبہ کیا ہے، اس کی تعبیر نبوت سے ہو گی یا کسی اور لفظ سے ؟

حضرت اقدسؑ جس کے ساتھ خدا تعالیٰ مکالمہ اور مخاطبہ کرتا ہے، وہ نبی ہے۔ نبی کے معنے ہیں خدا تعالیٰ سے خبر پا کر بتلانے والا۔ ہاں نبوت شریعت ختم ہو چکی ہے۔

سچی معرفت بغیر مخاطبات الٰہیہ کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ بات اس اُمّت کو حاصل نہیں تو خیر اُمّت کس طرح سے بن گئی؟ اللہ تعالیٰ نے مخاطبات کا دروازہ بند نہیں کیا ورنہ نجات کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہتا۔

طالبعلم۔ تو آپ کو وحی ہوتی ہے؟ وحی تو صرف انبیاء کو ہوتی ہے۔

حضرت اقدس۔ خدا تعالیٰ تو قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ موسیٰؑ کی ماں کو بھی وحی ہوئی۔ کیا یہ امت عورتوں سے بھی بدتر ہو گئی؟ اس سے تو عارف کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ کیا ہمارے واسطے تمام دروازے بند ہو گئے؟ دنیادار کو آگے قدم رکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس امت کو خدا تعالیٰ ادھورا رکھنا نہیں چاہتا۔ میں نہیں قبول کر سکتا کہ پہلی امتوں نے اس قدر برکات حاصل کیں اور یہ امت بالکل محروم رکھی گئی۔

طالبعلم۔ پھر یہ مرتبہ تو ولی کا ہوا۔

حضرت اقدسؑ۔ ہم کب کہتے ہیں کہ ہمارا مرتبہ وہ ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا؟ مگر تم نہیں جانتے۔ ولی کا مرتبہ کم نہیں بلکہ بعض کے نزدیک تو ولایت بڑھ کر ہے کیونکہ ولایت محبت، قرب اور معرفت کا ذریعہ ہے اور نبوّت ایک عہدہ ہے۔ یہود کا تو یہ مذہب ہے کہ حضرت ابراہیم ولی تھے اور تمام انبیاء سے بڑھ کر تھے۔ ہم تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے باہر ایک قدم بھی رکھنا کفر سمجھتے ہیں۔ ہم کو الہام ہوا ہے کُلّ برکۃٍ مِنْ محمّدٍ۔ ہم اس دائرہ سے باہر نہیں جاتے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے باہر جانا تو کفر ہے۔ لوگ محجوب ہونے کے سبب وحی کے لفظ سے گھبراتے ہیں ورنہ وہاں تو لکھا ہے کہ مکھی کو بھی وحی ہوئی۔ بلکہ شیخ عبدالقادرؒ نے لکھا ہے کہ جس کو کبھی بھی وحی نہیں

ہوئی۔ خوف ہے کہ اس کا خاتمہ بُرا ہو۔ معرفت تامّہ بجز مکالمہ مخاطبہ کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

طالبعلم۔ وحی کس طرح سے ہوتی ہے؟

حضرت اقدسؑ۔ کئی طریق ہیں۔ بعض دفعہ دل میں ایک گونج پیدا ہوتی ہے کوئی آواز نہیں ہوتی۔ پھر اس کے ساتھ ایک شگفتگی پیدا ہوتی ہے اور بعض دفعہ تیزی اور شوکت کے ساتھ ایک لذیذ کلام زبان پر جاری ہوتا ہے جو کسی فکر، تدبّر اور وہم و خیال کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کے نشانات ہزاروں ہیں۔ اگر کوئی چاہے تو اب بھی کم از کم چالیس روز ہمارے پاس رہے اور نشان دیکھ لے۔ صادق اور کاذب میں خدا تعالیٰ فرق کر دیتا ہے۔

آج سے پچیس سال پہلے خداوند تعالیٰ نے مجھے وعدہ دیا تھا کہ تیرے پاس ہر جگہ سے لوگ آئیں گے اور تحفہ تحائف بھی لائیں گے۔ یہ ایسے وقت کا الہام ہے کہ ایک آدمی بھی میرے ساتھ نہ تھا۔ اب تم اس کی نظیر پیش کرو۔ کہ کیا کوئی آدمی اتنا لمبا افترا کر کے ایسی بڑی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اور ایک بات نہیں۔ اگر ہمارے پاس آئیں اور کچھ مدّت قیام رکھیں تو آپ کو معلوم ہو۔

اصل میں تمام مشکلات عدم معرفت کے باعث ہوتی ہیں ورنہ حضرت ابوبکرؓ نے کونسا معجزہ مانگا تھا؟

طالبعلم۔ اُمت کے علماء بھی انبیاء کی مانند ہیں جو آپ کی مخالفت کرتے ہیں۔

حضرت اقدسؑ۔ میں ان لوگوں کو علماء میں شامل نہیں سمجھتا جن کی زبان پر کچھ اَور ہے، اور اعمال کچھ اَور ہی ہیں۔ منبر پر چڑھ کر کچھ کہتے ہیں اور گھر میں جا کر کچھ اور بیان کرتے ہیں علماء اُمت وہ ہیں جو مذہب کی تاکید کرتے ہیں۔

طالبعلم۔ کیا آپ مستقل نبی ہیں؟

حضرت اقدسؑ۔ میرے متعلق ایسا کہنا ایک تہمت ہوگی۔ میں اس کو کفر سمجھتا ہوں کہ کوئی

مستقل نبی ہونے کا دعویٰ کرے۔

طالبعلم۔ معجزہ تو نبی کا ہوتا ہے۔ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ میں معجزہ دکھاتا ہوں؟

حضرت اقدسؑ۔ ہمارے معجزات سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔ ہمارا اپنا کچھ نہیں۔ سب کاروبار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی چلا آتا ہے۔ دین اختلاط پر تھا۔ ہم نے سعی کی۔ اگر ہم خدا تعالےٰ کی طرف سے ہیں تو خدا تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔ ورنہ یہ سلسلہ خود بخود ہی تباہ ہو جائے گا۔

ہمارے دو کام ہیں۔ اوّل یہ کہ اعتقاد میں نصوص کے برخلاف جو غلطیاں پڑ گئی ہیں وہ نکالی جاویں۔ دوم یہ کہ لوگوں کی عملی حالتیں درست کی جائیں اور صحابہؓ کے مطابق ان کو تقویٰ اور طہارت حاصل ہو جائے۔

طالبعلم۔ کیا پہلے بھی کسی نے دعویٰ کیا تھا کہ میں اسلام میں نبی ہوں؟

حضرت اقدسؑ۔ پہلے کس طرح کوئی دعویٰ کر سکتا۔ وہ لوگ مامور نہ تھے کہ ایسا دعویٰ کریں اور میں مامور ہوں۔

طالبعلم۔ آپ کے مخالف کو کافر کیوں کہا جائے گا؟

حضرت اقدسؑ۔ کُفر کے معنے ہیں انکار کرنا۔ جب یہ لوگ مامور من اللہ کو نہیں مانتے اور گالیاں دیتے ہیں اور انکار کرتے ہیں تو بات یہاں تک نہیں رہتی بلکہ ایک فتح الباب ہوتا ہے اور زبان کھُل جاتی ہے اور رفتہ رفتہ توفیق اعمال کی جاتی رہتی ہے۔[1]

استقامت

ایک شخص نے بیعت کی۔ فرمایا:۔

خدا تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔ ثابت قدمی خدا تعالےٰ کی دی ہوئی توفیق سے حاصل ہو سکتی

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۲۳ صفحہ ۲-۴ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۵ء

ہے۔ جب تک استقامت نہ ہو، بیعت بھی ناتمام ہے۔ انسان جب خدا تعالےٰ کی طرف قدم اُٹھاتا ہے تو راستہ میں بہت سی بلاؤں اور طوفانوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ جب تک اُن میں سے انسان گذر نہ لے منزل مقصود کو پہنچ نہیں سکتا۔ امن کی حالت میں استقامت کا پتہ نہیں لگ سکتا کیونکہ امن اور آرام کے وقت تو ہر ایک شخص خوش رہتا ہے اور دوست بننے کو تیار ہے۔ مستقیم وہ ہے کہ سب بلاؤں کو برداشت کرے۔

طُولِ امل

مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی موت کو دیکھو اور اس پر غور کرو کہ بڑی عبرت کی جگہ ہے کس طرح ناگہانی موت ان پر وارد ہوئی۔ ہر ایک شخص کو سمجھنا چاہیئے کہ یہ دن کسی وقت آنے والا ہے۔ سب کو اس کے واسطے تیار رہنا چاہیئے۔ ان باتوں کا تصور اور مطالعہ انسان کو سچا مومن بنا دیتا ہے۔ جب انسان دُنیا کی طرف جُھکتا ہے اور بہت امور کو اپنے گلے ڈال لیتا ہے تو ایک طول امل پیدا ہو جاتا ہے۔ طول امل سے ہی سب خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جو شخص عمر کو لمبا سمجھتا ہے اور بڑی بڑی امیدیں کرتا ہے اور کہتا ہے یہ کروں گا وہ کروں گا اس کے واسطے دل کی پاکیزگی کا حصول مشکل ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ رات کو سوئے اور صبح اُٹھنے کی اُمید نہ کرے اور صبح اُٹھے تو رات تک زندگی کی اُمید نہ رکھے۔ سب سے اعلیٰ اور آخری بات یہ ہے کہ دل کی پاکیزگی حاصل ہو۔ جب خُدا تعالیٰ کسی پر فضل کرتا ہے تو دل کی پاکیزگی اس کو عطا کرتا ہے بغیر فضل الٰہی کے پاکیزگی حاصل نہیں ہو سکتی اوّل بات یہ ہے کہ طول امل جاتا رہے۔ تب انسان تسلّی پکڑتا ہے۔ جب انسان دن بھر ناجائز وسائل اختیار کرتا ہے اور دُنیا کمانے کے پیچھے پڑا رہتا ہے تو دل ناپاک ہو جاتا ہے۔ مگر موت سے زیادہ اور کوئی واعظ نہیں۔ یہی بڑا واعظ ہے۔

جذب

اٹاوہ کے دوست سید صادق حسین صاحب اور دیگر دوست اس جگہ کے مخاطب

تھے فرمایا:۔

اگر ایک آدمی بھی متقی اور صالح کسی مقام پر ہو جو اشاعتِ حق کے لئے پورا جوش رکھتا ہو تو خدا تعالیٰ اس میں قوت جاذبہ پیدا کر دیتا ہے اور وہ ایک جماعت بنا ہی لیتا ہے کیونکہ مومن کبھی اکیلا نہیں رہ سکتا۔ یہ نہیں کہ صرف معجزات کے ذریعہ سے ہی لوگوں پر حجت پوری کی جاتی ہے۔ بلکہ مومن میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوت جذب رکھی ہے۔ سعید لوگ اس کی طرف کھینچے جاتے ہیں اور غیر سعید لوگ بھی سلسلہ حقہ کی خدمت میں لگائے جاتے ہیں۔ اُن کے سپرد یہ خدمت کی جاتی ہے کہ سلسلہ حقہ کی مخالفت میں شور و غوغا مچا کر اس کی تشہیر کریں اور اس کی تبلیغ کو دُور تک پہنچا دیں۔ مومن میں قوت جاذبہ ضرور ہوتی ہے جب میں براہین لکھتا تھا تو یہ الہام ہوا تھا کہ ہر ایک دُور کی راہ سے لوگ تیرے پاس آئیں گے۔ اس وقت ایک بھی آدمی میرے ساتھ نہ تھا۔ اور یہ کتاب وہ ہے جو ہر ایک فرقہ عیسائی، ہندو برہمو، آریہ اور سب مخالفین کے پاس ہے۔ مولوی محمد حسین نے اس پر بڑا ریویو لکھا تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ پیشگوئیاں ہم نے بنائی ہیں یا ایسے زمانہ میں لکھی گئی تھیں کہ لوگ آیا جایا کرتے تھے۔ ایسے وقت میں یہ الہامات شائع ہوئے اور کئی ایک زبانوں میں عربی، فارسی، اردو، انگریزی، عبرانی، سب زبانوں میں الہامات ہوئے۔ یہ اس لئے ہوا کہ ہر ایک زبان گواہ رہے اور اس کتاب کی عظمت ہو۔ اور اس میں یہ بھی ایک راز معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک زبان کے لوگ گواہ ہوں گے اور اس جماعت میں داخل ہوں گے۔

اگر دنیا میں یہ باتیں انسان اپنی طاقت سے بنا سکتا ہے تو اس کی نظیر کہاں ہے۔ اگر یہ ہو سکتا اور انسان کر سکتا تو تمام انبیاء کی پیشگوئیاں اور خوارق ایک شبہ میں پڑ جاتے مگر بات یہ ہے کہ ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے۔ ہر نبی کے وقت میں ابتلاء آئے اور اب بھی وہی سُنّت اللہ جاری ہے۔ مجدد صاحب نے بھی ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ جب مسیح آئے گا تو علماء اس کا مقابلہ کریں گے اور اس کی تکذیب کریں گے۔

صبر

فرمایا:-

صبر بڑا جوہر ہے۔ جو شخص صبر کرنے والا ہوتا ہے اور غصے سے بھر کر نہیں بولتا اس کی تقریر اپنی نہیں ہوتی بلکہ خدا تعالیٰ اس سے تقریر کراتا ہے۔ جماعت کو چاہیئے کہ صبر سے کام لے اور مخالفین کی سختی پر سختی نہ کرے اور گالیوں کے عوض میں گالی نہ دے۔ جو شخص ہمارا مکذب ہے اس پر لازم نہیں کہ وہ ادب کے ساتھ بولے۔ اس کے نمونے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی بہت پائے جاتے ہیں۔ صبر جیسی کوئی شئے نہیں۔ مگر صبر کرنا بڑا مشکل ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کی تائید کرتا ہے جو صبر سے کام لے۔ دہلی کی سرزمین سخت ہے۔ تاہم سب یکساں نہیں۔ کئی آدمی مخفی ہوں گے۔ جب وقت آئے گا تو وہ خود بخود سمجھ لیں گے۔ عرب بہت سخت ملک تھا۔ وہ بھی سیدھا ہو گیا۔ دہلی تو ایسی سخت نہیں۔

میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی پر حملہ کریں یا اخلاق کے برخلاف کوئی کام کریں۔ خدا تعالیٰ بُردباری کا حکم دیتا ہے اور اسی کے مطابق کرنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کے الہامات کی تفہیم بھی یہی ہے کہ بُردباری کریں۔ ہمارے پاس کوئی ایسا شربت نہیں کہ فوراً کسی کے ہاتھ پر ڈال دیں۔ ابھی تو بعض ماننے والے بھی ایسے ہیں کہ وہ پورا یقین نہیں کرتے بلکہ وساوس کی قے کرتے ہیں۔ تاہم کمزوروں پر رحم کرنا چاہیئے اور ہر ایک کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ میں جب نیا تھا تو میرا حال بھی ایسا ہی کمزوری کا تھا۔ شیطان ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ رفتہ رفتہ سکینت کی نعمت حاصل ہوتی ہے کیونکہ گذشتہ معاصی کا زہر نیش زنی کرتا رہتا ہے۔ کوئی سہل امر نہیں کہ یک دفعہ یہ سارا زہر نکل جائے۔ رفتہ رفتہ خدا کی رحمت دستگیر ہوتی ہے۔ بیمار تندرست ہوتا ہے تو نقاہت باقی رہتی ہے اور نقاہت کے لوازم میں سے ہے کہ انسان کسی وقت گر جائے بلکہ بعض دفعہ مرض عود کر آتی ہے۔ مومن ولی ہوتا ہے مگر اس نعمت کا حاصل ہونا مشکل ہے۔ اسی واسطے کہا گیا ہے کہ اٰمَنَّا نہ کہو بلکہ اسلمنا کہو۔

حضرت کی خدمت میں آج پھر سوال پیش ہوا کہ جب ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور شریعت کے دیگر امور کی پیروی کرتے ہیں تو صرف آپ کو نہ ماننے کے سبب کیا حرج ہو سکتا ہے؟ حضرت نے فرمایا:-

میں نے اس بات کا جواب کئی دفعہ دیا ہے۔ہم قال اللہ اور قال الرسول کو مانتے ہیں۔ پھر خدا تعالیٰ کی وحی کو مانتے ہیں۔ میرا آنا اللہ اور رسول کے وعدے کے مطابق ہے۔ جو شخص خدا اور رسول کی ایک بات مانتا ہے اور دوسری نہیں مانتا وہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ میں خدا پر ایمان لاتا ہوں۔ یہ تو وہ بات ہے جو قرآن شریف میں تذکرہ ہے کہ وہ لوگ بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض پر ایمان نہیں لاتے۔ ورنہ دراصل ایمان نہیں۔ ایک خدا اور اس کے رسول کا موعود اپنے وقت پر آیا۔ صدی کے سر پر آیا۔ نشانات لایا۔ عین ضرورت کے وقت آیا۔ اپنے دعویٰ کے دلائل صحیح اور قوی رکھتا ہے۔ ایسے شخص کا انکار کیا ایک مومن کا کام ہے؟ یہودی موحد کہلاتے تھے۔ اب تک ان کا دعویٰ ہے کہ ہم توحید پر قائم ہیں، نماز پڑھتے، روزہ رکھتے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانتے۔ اسی سبب کافر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے ایک حکم فرمودہ رسول کی ایک بات کا بھی جو شخص انکار کرتا ہے اور اس کے مخالف ضد کرتا ہے وہ کافر ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ان لوگوں کی غلطی ہے جو کہتے ہیں کہ ہم نماز روزہ ادا کرتے ہیں اور تمام اعمالِ حسنہ بجا لاتے ہیں، ہمیں کیا ضرورت ہے؟ یہ نہیں جانتے کہ اعمالِ حسنہ کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ملتی ہے۔ ہر قسم کے شرک نفسی آفاقی کا نکالنا، خلوص لذت اور احسان کے ساتھ عبادت بجا لانا یہ کوئی اختیاری بات نہیں ہے۔ اس کے واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہایت ہی ضروری ہے۔ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ کے محبوب بن جائیں تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو۔ ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ نیک اعمال کی توفیق فضلِ الٰہی پر موقوف ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا خاص فضل نہ ہو اندر کی آلودگیاں دور نہیں ہو سکتیں۔ جب کوئی شخص نہایت درجہ کے صدق

اور اخلاص کو اختیار کرتا ہے تو ایک طاقت آسمانی اس کے واسطے نازل ہوتی ہے۔ اگر انسان سب کچھ خود کر سکتا تو دعاؤں کی ضرورت نہ ہوتی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں اس شخص کو راہ دکھاؤں گا جو میری راہ میں مجاہدہ کرے۔ یہ ایک باریک رمز ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ تم سب اندھے ہو مگر وہ جس کو خدا آنکھیں دے۔ اور تم سب مُردے ہو مگر وہ جس کو خدا تعالےٰ زندگی دے۔ دیکھو یہودیوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ مثل گدھوں کے ہیں جن پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ ایسا علم انسان کو کیا فائدہ دے سکتا ہے جب تک دل آراستہ نہ ہو ہدایت اور سکینت نازل نہیں ہوتی۔ شیطان سے مناسبت آسان ہے مگر ملائک سے مناسبت مشکل ہے کیونکہ اس میں اوپر کو چڑھنا ہے اور اس میں نیچے گرنا ہے نیچے گرنا آسان ہے مگر اُوپر چڑھنا بہت مشکل ہے۔ یہ مقام تب حاصل ہو سکتا ہے کہ انسان درحقیقت پاک ہو کر محبتِ الٰہی کو اپنے اندر داخل کر لیتا ہے۔ لیکن اگر یہ امر آسان ہوتا تو اولیا ابدال، غوث اور اقطاب ایسے کمیاب کیوں ہوتے؟ بظاہر تو وہ سب عام لوگوں کی مانند نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں مگر فرق صرف توفیق کا ہے۔ ان لوگوں نے کسی قسم کی شوخی اور کجروی نہ کی بلکہ خاکساری کا راہ اختیار کیا اور مجاہدات میں لگ گئے جو شخص دنیوی حکام کے بالمقابل شوخی کرتا ہے وہ بھی ذلیل کیا جاتا ہے۔ پھر اس کا کیا حال ہو گا جو خدا تعالےٰ کے فرستادہ کے حکم کے ساتھ شوخی اور گستاخی سے پیش آتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے اللّٰھم لا تکلنی الیٰ نفسی طرفۃ عین۔ یا اللہ مجھے ایک آنکھ جھپکنے تک بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر۔

اب ان لوگوں کے تقویٰ کے حال کو دیکھنا چاہیئے۔ میں ان کے سامنے آیا۔ میرا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا ہے۔ کیا انہوں نے میرے معاملہ میں تدبر کیا؟ کیا انہوں نے میری کتب کا مطالعہ کیا؟ کیا یہ میرے پاس آئے؟ کہ مجھ سے سمجھ لیں۔ صرف لوگوں کے کہنے کہلانے سے بے ایمان، دجّال اور کافر مجھے کہنا شروع کیا اور کہا کہ یہ واجب القتل ہے۔ بغیر

تحقیقات کے انہوں نے یہ سب کارروائی کی اور دلیری کے ساتھ اپنا مُنہ کھولا۔ مناسب تھا کہ میرے مقابلہ میں یہ لوگ کوئی حدیث پیش کرتے۔ میرا مذہب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا ادھر ادھر جانا بے ایمانی میں پڑتا ہے لیکن کیا اس کی پہلے کوئی نظیر دنیا میں موجود ہے کہ ایک شخص ۲۵ سال سے خدا پر افترا کرتا ہے اور خدا تعالےٰ ہر روز اس کی تائید اور نصرت کرتا ہے۔ وہ اکیلا تھا اور خدا تعالیٰ نے تین لاکھ آدمی اس کے ساتھ شامل کر دیا۔ کیا تقویٰ کا حق ہے کہ اس کے مخالف بے ہودہ شور مچایا جاوے اور اس کے معاملہ میں کوئی تحقیقات نہ کی جاوے۔ وفات مسیح پر قرآن ہمارے ساتھ ہے۔ معراج والی حدیث ہمارے ساتھ ہے۔ صحابہؓ کا اجماع ہمارے ساتھ ہے۔ کیا وجہ ہے کہ تم حضرت عیسیٰؑ کو وہ خصوصیت دیتے ہو جو دوسرے کے لئے نہیں۔ مجھے ایک بزرگ کی بات بہت ہی پیاری لگتی ہے اس نے لکھا ہے کہ اگر دنیا میں کسی کی زندگی کا میں قائل ہوتا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا قائل ہوتا۔ دوسرے کی زندگی سے ہم کو کیا فائدہ؟ تقویٰ سے کام لو۔ ضد اچھی نہیں۔ دیکھو۔ پادری لوگ گلی اور کوچوں اور بازاروں میں یہی کہتے پھرتے ہیں کہ ہمارا یسوع زندہ ہے اور تمہارا رسُول مر چکا ہے۔ اس کا جواب تم ان کو کیا دے سکتے ہو؟ یہ زمانہ تو اسلام کی ترقی کا زمانہ ہے۔ کسوف خسوف بھی پیشگوئی کے مطابق ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ترقی کے واسطے وہ پہلو اختیار کیا ہے جس کے سامنے کوئی بول نہیں سکتا۔ سوچو انیس سو (۱۹۰۰) سال مسیح کو زندہ ماننے کا کیا نتیجہ ہوا؟ یہی کہ چالیس کروڑ عیسائی ہو گئے۔ اب دوسرے پہلو کو بھی چند سال کے واسطے آزماؤ اور دیکھو کہ اس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ کسی عیسائی سے پوچھو کہ اگر یسوع مسیح کی وفات کو تسلیم کر لیا جائے تو کیا پھر بھی کوئی عیسائی دنیا میں رہ سکتا ہے۔ تمہارا یہ طیش اور یہ غضب مجھ پر کیوں ہے؟ کیا اسی واسطے کہ میں اسلام کی فتح چاہتا ہوں۔ یاد رکھو کہ تمہاری مخالفت میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی۔ میں اکیلا تھا۔ خدا تعالیٰ کے وعدے کے موافق کئی لاکھ آدمی میرے ساتھ ہو گئے اور دن بدن ترقی ہو رہی ہے۔ لاہور میں بشپ

صاحب نے یہی سوال مسلمانوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ ہزاروں آدمی جمع تھے اور بڑا بھاری جلسہ تھا۔ یسوع کی فضیلت اس نے اس طرح بیان کی کہ وہ زندہ ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ تب کوئی مسلمان اس کا جواب نہ دے سکا لیکن ہماری جماعت میں سے مفتی محمد صادق صاحب اُٹھے جو اِس جگہ اِس وقت موجود ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں ثابت کرتا ہوں کہ قرآن، حدیث، انجیل سب کے مطابق حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ثابت کر دیا۔ تب بشپ کوئی جواب نہ دے سکا اور ہماری جماعت کے ساتھ مخاطب ہونے سے اعراض کیا۔

ان مولویوں پر افسوس ہے کہ میری تذلیل کی خاطر یہ لوگ اسلام پر حملہ کرتے ہیں اور اسلام کی بے عزتی کرتے ہیں۔

تلوار

اور کہتے ہیں کہ مہدی آئے گا تو وہ تلوار کے ساتھ دین پھیلائے گا۔ اے نادانو! کیا تم عیسائیوں کے اعتراض کی مدد کرتے ہو کہ دینِ اسلام تلوار کے ساتھ پھیلا ہے۔ یاد رکھو کہ اسلام کبھی تلوار کے ساتھ نہیں پھیلایا گیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی دین جبراً پھیلانے کے واسطے تلوار نہیں اُٹھائی بلکہ دشمنوں کے حملوں کو روکنے کے واسطے اور وہ بھی بہت برداشت اور صبر کے بعد غریب مسلمانوں کو ظالم کفار کے ہاتھ سے بچانے کے واسطے جنگ کی گئی تھی اور اس میں کوئی پیش قدمی مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہوئی تھی یہی جہاد کا سِتر ہے۔ آجکل عیسائیوں کے حملے تلوار کے ساتھ نہیں بلکہ قلم کے ساتھ ہیں۔ پس قلم کے ساتھ ان کا جواب ہونا چاہیئے۔ تلوار کے ساتھ سچا عقیدہ نہیں پھیل سکتا۔ بعض بیوقوف جنگلی لوگ ہندوؤں کو پکڑ کر ان سے جبراً کلمہ پڑھواتے ہیں مگر وہ جا کر پھر ہندو ہی ہندو ہوتے ہیں۔ اسلام ہرگز تلوار کے ساتھ نہیں پھیلا بلکہ پاک تعلیم کے ساتھ پھیلا ہے۔ صرف تلوار اُٹھانے والوں کو مزہ چکھایا تھا۔ اب قلم کے ساتھ، دلائل اور براہین کے ساتھ اور نشانوں

کے ساتھ مخالفوں کو جواب دیا جا رہا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کو یہی منظور ہوتا کہ مسلمان جہاد کریں تو سب سے بڑھ کر مسلمانوں کو جنگی طاقت دی جاتی اور آلات حرب کی ساخت اور استعمال میں ان کو بہت دسترس عطا کی جاتی مگر یہاں تو یہ حال ہے کہ مسلمان بادشاہ اپنے ہتھیار یورپ کے لوگوں سے خرید کر لیتے ہیں۔ تم میں تلوار نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشاہی نہیں کہ تم تلوار کا استعمال کرو۔ سچی تعلیم اور معجزات کے ساتھ اب اسلام کا غلبہ ہوگا۔ میں اب بھی نشان دکھانے کو تیار ہوں۔ کوئی پادری آئے اور چالیس روز تک میرے پاس رہے تلواروں کو تو زنگ بھی لگ جاتا ہے پر نشانات کو جو تازہ ہیں کون زنگ لگا سکتا ہے۔

اسلام کے واسطے ایک انحطاط کا وقت ہے۔ اگر ہمارا طریق ان لوگوں کو پسند نہیں تو فتح اسلام کے واسطے کوئی پہلو یہ لوگ ہم کو بتلائیں ہم قبول کر لیں گے۔ اب تو ہر ایک عقلمند نے شہادت دے دی ہے کہ اگر اسلام کی فتح کسی بات سے ہو سکتی ہے تو وہ یہی بات ہے۔ یہانتک کہ عیسائی خود قائل ہیں کہ وفات مسیح کا یہی ایک پہلو ہے جس سے عیسوی مذہب بیخ و بُن سے اُکھڑ جاتا ہے۔ اگر یہ لوگ عیسائیت کو چھوڑ دیں گے تو پھر ان کے واسطے بجز اس کے اور کوئی دروازہ نہیں کہ اسلام کو قبول کریں اور اس میں داخل ہو جائیں۔ یہی ایک راہ ہے۔ اگر کوئی دوسری راہ کسی کو معلوم ہے تو اس پر فرض ہے کہ اس کو پیش کرے بلکہ اس پر کھانا پینا حرام ہے جب تک اس پہلو کو پیش نہ کر لے۔

اے مسلمانو! سوچو۔ اس میں تمہارا کیا حرج ہے کہ عیسٰی فوت ہو گیا۔ کیا تمہارا پیارا نبی فوت نہیں ہو گیا؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے نام پر تمہیں غصہ نہیں آتا۔ عیسٰیؑ کی وفات کا نام سُنکر تمہیں کیوں غصہ آتا ہے؟

میرا مطلب نفسانیت کا نہیں۔ میں کوئی شہرت نہیں چاہتا۔ میں تو صرف اسلام کی ترقی چاہتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ میرے دل کو خوب جانتا ہے۔ اسی نے میرے دل میں یہ جوش ڈال دیا میں اپنی طرف سے بات نہیں کہتا۔ پچیس برس سے خدا تعالیٰ کا الہام مجھ سے یہ بات کہلا رہا ہے

اُسی زمانہ کا یہ الہام ہے الرحمٰن علّم القراٰن۔[1] خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ مُجرم علیحدہ ہو جائیں اور راستباز علیحدہ ہو جائیں۔ میرے پر حملہ کرنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ بصیرت والا اپنی بصیرت کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی صادق طالب حق ہے تو میرے پاس آوے۔ میں تازہ تر نشان دکھاؤں گا۔ کیا میں اس قدر یقین کو ترک کر کے تمہاری ظنّی باتوں کے پیچھے پڑ جاؤں۔ جس شخص کو خدا تعالیٰ نے بصیرت دی۔ نشانوں کے ساتھ اپنے مخاطبات اور مکالمات کے ساتھ اس کی صداقت پر مُہر لگا دی وہ تمہاری خیالی باتوں کو کیا کرے؟ اگر تم اس قدر باتوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لا سکتے تو اعملوا علیٰ مکانتکم انّی عامل فسوف تعلمون۔[2] تم اپنی جگہ کام کرو، میں اپنا کام کرتا ہوں۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ سچا کون ہے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۳۶ صفحہ ۳-۵ مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۹۰۵ء)

۲۸ر اکتوبر ۱۹۰۵ء
بمقام دہلی

ویران مساجد

دہلی کے ارد گرد بہت سی ویران مساجد کا تذکرہ تھا۔ حضرت نے فرمایا:-

ان کا مرمت کرانا کچھ مشکل امر نہ تھا۔ اگر لوگ چاہتے تو کر لیتے۔ مگر جب خدا تعالےٰ کسی امر سے توجہ کو ہٹا دیتا ہے تو پھر کوئی کر ہی کیا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں بعض مساجد کسی صحیح نیّت سے نہیں بنوائی جاتیں بلکہ صرف اس واسطے بنائی جاتی ہیں کہ ہماری مسجد ہو اور کہلائے۔

فرمایا:-

کُل امور نیّت صحیح اور دل کے تقویٰ پر موقوف ہیں۔ ایک بزرگ کے پاس بہت دولت تھی۔ کسی نے اعتراض کیا اس نے جواب دیا ؎

[1] الرحمٰن ۲-۳ [2] الانعام: ۱۳۶

گے انداختم در دل ٭ مگر انداختم در گل

غرض خدا کے ساتھ دل لگا کر جب دنیوی کاروبار کرتا ہے تو کوئی شئے اُسے خدا سے مانع نہیں ہو سکتی خواہ کتنے ہی بڑے مشاغل کیوں نہ ہوں۔

ہند میں اسلام

فرمایا:۔

یہ بالکل غلط ہے کہ ہند میں اسلام تلوار کے ذریعہ سے پھیلا۔ ہرگز نہیں۔ ہند میں اسلام بادشاہوں نے بجبر نہیں پھیلایا بلکہ ان کو تو دین کی طرف بہت ہی کم توجہ تھی۔ اسلام ہند میں ان مشائخ اور بزرگان دین کی توجہ، دعا اور تصرفات کا نتیجہ ہے جو اس ملک میں گذرے تھے۔ بادشاہوں کو یہ توفیق کہاں ہوتی ہے کہ دلوں میں اسلام کی محبت ڈال دیں۔ جب تک کوئی آدمی اسلام کا نمونہ خود اپنے وجود سے نہ ظاہر کرے تب تک دوسرں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ یہ بزرگ اللہ تعالیٰ کے حضور میں فنا ہو کر خود مجسم قرآن اور مجسم اسلام اور مظہر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بن جاتے ہیں۔ تب اللہ تعالےٰ کی طرف سے ان کو ایک جذب عطا کیا جاتا ہے اور سعید فطرتوں میں ان کا اثر ہوتا چلا جاتا ہے نجے کروڑ مسلمان ایسے لوگوں کی توجہ اور جذب سے بن گیا۔ تھوڑے سے عرصہ میں کوئی دین اس کثرت کے ساتھ کبھی نہیں پھیلا۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے صلاح و تقویٰ کا نمونہ دکھلایا اور ان کی برہان قوی نے جوش مارا اور لوگوں کو کھینچا۔ مگر یہ بزرگ بھی عوام کی طعن و تشنیع سے خالی نہ تھے گو ہم زیادہ تر ان لوگوں کے آگے گالیوں کے لئے تختہ مشق ہو رہے ہیں تاہم ان سب نے دُکھ اُٹھایا۔ یہ ہمارے علماء ہمیشہ کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہے ہیں۔

سماع

ذکر آیا کہ بعض بزرگ راگ سُنتے ہیں۔ آیا یہ جائز ہے؟

فرمایا:-

اس طرح بزرگانِ دین پر بدظنی کرنا اچھا نہیں حُسن ظنی سے کام لینا چاہیئے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اشعار سُنے تھے۔ لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک صحابی مسجد کے اندر شعر پڑھتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو منع کیا۔ اس نے جواب دیا۔ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسجد میں شعر پڑھا کرتا تھا تُو کون ہے جو مجھے روک سکے؟ یہ سُنکر حضرت امیرالمومنینؓ بالکل خاموش ہو گئے۔

قرآن شریف کو بھی خوش الحانی سے پڑھنا چاہیئے۔ بلکہ اس قدر تاکید ہے کہ جو شخص قرآن شریف کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اور خود اس میں ایک اثر ہے۔ عمدہ تقریر خوش الحانی سے کی جائے تو اس کا بھی اثر ہوتا ہے۔ وہی تقریر ژولیدہ زبانی سے کی جائے تو اس میں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جس شئے میں خدا تعالیٰ نے تاثیر رکھی ہے اس کو اسلام کی طرف کھینچنے کا آلہ بنایا جائے تو اس میں کیا حرج ہے حضرت داؤدؑ کی زبُور گیتوں میں تھی جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب حضرت داؤد خدا تعالیٰ کی مُناجات کرتے تھے تو پہاڑ بھی ان کے ساتھ روتے تھے اور پرندے بھی تسبیح کرتے تھے۔

مزامیر

ایک شخص درمیان میں بول پڑا کہ مزامیر کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟

فرمایا:-

بعض نے قرآن شریف کے لفظ لھوالحدیث کو مزامیر سے تعبیر کیا ہے مگر میرا مذہب یہ ہے کہ ہر ایک شخص کو مقام اور محل دیکھنا چاہیئے۔ ایک شخص کو جو اپنے اندر بہت سے علوم رکھتا ہے اور تقویٰ کی علامات اس میں پائی جاتی ہیں اور متقی باخدا ہونے کی ہزار دلیل اس میں موجود ہے۔ صرف ایک بات جو تمہیں سمجھ میں نہیں آتی اس کی وجہ سے اُسے

بُرا نہ کہو۔ اس طرح انسان محروم رہ جاتا ہے۔ بایزید بسطامی کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ لوگ بہت ان کے گرد ہوئے اور ان کے وقت کو پراگندہ کرتے تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ انہوں نے سب کے سامنے روٹی کھانی شروع کر دی۔ تب سب لوگ کافر کہہ کر بھاگ گئے۔ عوام واقف نہ تھے کہ یہ مسافر ہے اور اس کے واسطے روزہ ضروری نہیں۔ لوگ نفرت کر کے بھاگے۔ ان کے واسطے عبادت کے لئے مقام خلوت حاصل ہو گیا۔

اسرار

یہ اسرار ہیں اور ان کے واسطے ایک عمدہ مثال خود قرآن شریف میں موجود ہے جہاں حضرت خضر نے ایک کشتی توڑ ڈالی اور ایک لڑکے کو قتل کر دیا۔ کوئی ظاہر شریعت ان کو ایسے کام کی اجازت نہ دے سکتی تھی۔ اس قصہ سے فائدہ حاصل کرنا چاہیئے۔ خضری اسرار اس امت میں ہمیشہ پائے جاتے رہے ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تمام کمالات متفرقہ کے جامع تھے۔ اور ظلّی طور پر وہ کمالات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں موجود ہیں۔ جو خضر نے کیا آئندہ صاحبان کمالات بھی حسب ضرورت کرتے ہیں۔ جہاں حضرت خضر نے ایک نفس زکیہ کو قتل کر دیا اس کے بالمقابل مزامیر کیا شئے ہے؟ لہذا جلد بازی نہیں کرنی چاہیئے۔ جلد بازی انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ دوسری علامات کو دیکھنا چاہیئے جو اولیاء الرحمٰن میں پائی جاتی ہیں۔ ان لوگوں کا معاملہ بہت نازک ہوتا ہے۔ اس میں بڑی احتیاط لازم ہے۔ جو اعتراض کرے گا وہ مارا جائے گا۔ تعجب ہے کہ زبان کھولنے والے خود گندے لوگ ہوتے ہیں اور ان کے دل ناپاک ہوتے ہیں اور پھر بزرگوں پر اعتراض کرتے ہیں۔

نظر بد

یہ بھی میں دیکھتا ہوں کہ اولیاء اللہ میں کسی ایسی بات کا ہونا بھی سنت اللہ میں چلا آتا ہے جیسا کہ خوبصورت بچے کو جب ماں عمدہ لباس پہنا کر باہر نکالتی ہے تو اس کے چہرے پر ایک سیاہی کا داغ بھی لگا دیتی ہے تا کہ وہ نظر بد سے بچا رہے۔ ایسا ہی خدا بھی اپنے

پاکیزہ بندوں کے ظاہری حالات میں ایک ایسی بات رکھ دیتا ہے جس سے بد لوگ اس سے دور رہیں اور صرف نیک لوگ اس کے گرد جمع رہیں۔ سعید آدمی چہرے کی اصلی خوبصورتی کو دیکھتا ہے اور شقی کا دھیان اس داغ کی طرف رہتا ہے۔

امرتسر کا واقعہ ہے۔ ایک دعوت میں چند مولوی شریک تھے اور صاحب مکان نے مجھے بھی بلایا ہوا تھا۔ چائے لائی گئی۔ میں نے پیالی بائیں ہاتھ سے پکڑ لی۔ تب سب نے اعتراض کیا کہ یہ سنت کے برخلاف کام کرتا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ سنت ہے کہ پیالی دائیں ہاتھ سے پکڑی جائے مگر کیا یہ سنت نہیں کہ لا تقف ما لیس لک بہ علم[1]۔ یعنی جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے متعلق اپنی زبان نہ کھول۔ کیا آپ لوگوں کو مناسب نہ تھا کہ مجھ پر حسن ظن کرتے اور خاموش رہتے۔ یا یہ نہیں ہو سکتا تھا تو اعتراض کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھ ہی لیتے کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ پھر میں نے بتلایا کہ اصل بات یہ ہے کہ میرے دائیں بازو کی ہڈی بچپن سے ٹوٹی ہوئی ہے اور پیالی پکڑ کر میں ہاتھ کو اوپر نہیں اٹھا سکتا۔ جب یہ بات انہیں بتلائی گئی تب وہ سُنکر شرمندہ ہو گئے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۳۶ صفحہ ۶-۷ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۵ء)

---

۲۹ اکتوبر ۱۹۰۵ء

بمقام دہلی

(بعد نماز ظہر)

چند مولویوں کو حضرت اقدس علیہ السلام نے ایک تحریر لکھ کر دی کہ آپ کیوں مسیح کی وفات کے قائل ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ تحریر درج ذیل کی جاتی ہے :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وجوہ مفصلہ ذیل ہیں جن کی رُو سے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فوت شدہ قرار دیتا ہوں

[1] بنی اسرائیل : ۳۷

(۱) قرآن شریف میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نسبت یہ آیات ہیں۔ یاعیسٰی انی متوفیک و رافعک الیّ[1]۔ فلمّا توفیتنی[2]۔ ان آیات کے معنی صحیح بخاری کتاب التفسیر میں موت لکھے ہیں۔ جیسا کہ اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے لکھا ہے۔ متوفیک ممیتک اور پھر تظاہر آیات کے لئے فلمّا توفیتنی کا اس جگہ ذکر کیا ہے اور نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ کا قول بھی ذکر کیا ہے کہ میں قیامت کے دن یہی عرض کروں گا کہ یہ لوگ میری وفات کے بعد بگڑے ہیں جیسا کہ لکھا ہے کما قال العبد الصالح۔ الخ۔

(۲) دوسری دلیل توفی کے ان معنوں پر جو اُوپر ذکر کئے گئے ہیں، لغت عرب کی کتابیں ہیں۔ میں نے جہانتک ممکن تھا قریباً تمام شائع شدہ کتابیں لغت کی دیکھی ہیں جیسے قاموس تاج العروس۔ صراح۔ صحاح جوہری۔ لسان العرب اور وہ کتابیں جو حال میں بیروت میں تالیف کرکے عیسائیوں نے شائع کی ہیں۔ ان تمام کتابوں سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ محاورہ عرب اسی طرح پر ہے کہ جب کسی جملہ میں خدا تعالےٰ فاعل ہو اور کوئی علم انسان مفعول بہٖ ہو جیسا کہ توفّی اللّٰہ زیداً۔ تو ایسی صورت میں بجز اماتت اور قبض روح اور کوئی معنے نہیں ہوتے۔ اور جو شخص اس سے انکار کرے اس پر لازم ہے کہ اس کے برخلاف لغت کی کتابوں سے کوئی نظیر مخالف پیش کرے۔

(۳) میں نے بہت محنت اور کوشش سے جہاں تک میرے لئے ممکن تھا۔ صحاح ستہ وغیرہ حدیث کی کتابیں غور سے دیکھی ہیں اور میں نے کسی ایک جگہ پر بھی توفّی کے معنے بجز وفات دینے کے حدیث میں نہیں پائے بلکہ تین سو کے قریب ایسی جگہ پائی ہیں جہاں ہر جگہ موت دینے کے ہی معنے ہیں۔

(۴) میں نے جہاں تک میرے لئے ممکن تھا، عرب کے مختلف دیوان بھی دیکھے ہیں مگر نہ میں نے جاہلیت کے زمانہ کے شعراء اور نہ اسلام کے زمانہ کے مستند شعراء کے کلام میں کوئی ایسا فقرہ پایا ہے کہ ایسی صورت میں جو اُوپر بیان کی گئی ہے بجز وفات دینے کے کوئی اور معنے

---

[1] آل عمران: ۵۶ [2] المائدۃ: ۱۱۸

ہوں۔

(۵) شاہ ولی اللہ صاحب کی الفوز الکبیر میں بھی یہی لکھا ہے کہ متوفیک ممیتک۔ اور میں جانتا ہوں کہ شاہ ولی اللہ صاحب بڑے پایہ کے محدّث اور فقیہ اور عالم فاضل تھے۔

(۶) حدیث معراج جو بخاری میں موجود ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کو فوت شدہ انبیاء میں دیکھا تھا۔ پس اس جگہ دو شہادتیں ہیں۔ ایک خدا تعالےٰ کی شہادت قرآن شریف میں، دوسری آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شہادت لیلۃ المعراج میں۔

(۷) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جیساکہ کنز العمال وطبرانی اور کتاب ماثبت بالسّنۃ میں شیخ عبد الحق وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عیسٰی کی عمر ایک سَو پچیس برس کی تھی اور ایک روایت میں ایک سَو بیس برس بھی ہے اور ہزاروں برس کی عمر کسی جگہ نہیں لکھی۔

(۸) جو صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہوا وہ بھی حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی وفات پر دلیل قاطع ہے۔ جو اس آیت کی رُو سے اجماع تھا ما محمّدٌ الّا رسُول قد خلت من قبله الرسل[1]

(۹) ماسوائے اس کے خدا تعالےٰ نے اپنی وحی قطعی صحیح سے بار بار میرے پر ظاہر کر دیا ہے کہ حضرت عیسٰی وفات پا گئے اور اپنے کھُلے کھُلے نشانوں سے میری سچائی ظاہر فرمائی ہے۔ اسی طرح اَور بہت سے دلائل ہیں مگر اسی قدر کافی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی موت قرآن شریف اور حدیث اور اجماع صحابہؓ سے ثابت ہے۔ اور سورہ نُور سے ثابت ہے کہ اس اُمّت کے کُل خلفاء اسی اُمّت میں سے آئیں گے اور صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ آنے والا عیسٰی اسی اُمّت میں سے ہوگا۔ جیساکہ لکھا ہے کہ اِمامکم منکم بلکہ صحیح بخاری میں پہلے مسیح کا اَور حُلیہ لکھا ہے اور آنے والے مسیح کا اَور حُلیہ لکھا ہے۔ ماسوائے اس کے میرا آنا بے وقت نہیں۔ صدی جس کے سرپر آنا تھا، تئیس برس اس میں سے گذر گئے

[1] آل عمران : ۱۴۵

کسوف وخسوف بھی رمضان میں ہوگیا۔ طاعون بھی پیدا ہوگئی۔ ایک نئی سواری یعنی ریل بھی پیدا ہوگئی اور خدا تعالیٰ نے دس ہزار سے زیادہ نشان میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائے ہیں اور ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کی زندگی حضرت عیسٰیؑ کی موت میں ہے۔ اگر آج یہ امر عیسائیوں پر ثابت ہو کہ حضرت عیسٰیؑ فوت ہوگئے تو وہ سب کے سب عیسائی مذہب کو ترک کر دیں۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

مرزا غلام احمد عفی اللہ عنہ

۲۹ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

(بدر جلد ۱ نمبر ۳۳ صفحہ ۴ مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۵ء)

یکم نومبر ۱۹۰۵ء

بمقام دہلی

آج حضرت بختیار کاکی کے مزار پر حضور علیہ السلام نے دعا کی اور دعا کو لمبا کیا۔ واپس آتے ہوئے حضرت نے راستہ میں فرمایا کہ

بعض مقامات نزول برکات کے ہوتے ہیں اور یہ بزرگ چونکہ اولیاء اللہ تھے اس واسطے ہم ان کے مزار پر گئے۔ ان کے واسطے بھی ہم نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور اپنے واسطے بھی اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی اور دیگر بہت دُعائیں کیں لیکن یہ دو چار بزرگوں کے مقامات تھے جو جلد ختم ہوگئے۔ اور دہلی کے لوگ تو سخت دل ہیں۔ یہی خیال تھا کہ واپس آتے ہوئے گاڑی میں بیٹھے ہوئے الہام ہوا۔

دست تو دعائے تو ترحم ز خدا

(بدر جلد ۱ نمبر ۳۴ صفحہ ۴ مورخہ ۸ نومبر ۱۹۰۵ء)

۴ر نومبر ۱۹۰۵ء

لیکچر لدھیانہ

(جو حضور علیہ السلام نے ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں دیا)

اول میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں جس نے مجھے یہ موقعہ دیا کہ میں پھر اس شہر میں تبلیغ کرنے کے لئے آؤں۔ میں اس شہر میں ۱۴ برس کے بعد آیا ہوں اور میں ایسے وقت اس شہر سے گیا تھا جبکہ میرے ساتھ چند آدمی تھے اور تکفیر تکذیب اور دجال کہنے کا بازار گرم تھا اور میں لوگوں کی نظر میں اس انسان کی طرح تھا جو مطرود اور مخذول ہوتا ہے۔ اور ان لوگوں کے خیال میں تھا کہ تھوڑے ہی دنوں میں یہ جماعت مردود ہو کر منتشر ہو جائیگی۔ اور اس سلسلہ کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ چنانچہ اس غرض کے لئے بڑی بڑی کوششیں اور منصوبے کئے گئے اور ایک بڑی بھاری سازش میرے خلاف یہ کی گئی کہ مجھ پر اور میری جماعت پر کفر کا فتویٰ لکھا گیا اور سارے ہندوستان میں اس فتویٰ کو پھرایا گیا۔ میں افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ سب سے اوّل مجھ پر کفر کا فتویٰ اس شہر کے چند مولویوں نے دیا۔ مگر میں دیکھتا ہوں اور آپ دیکھتے ہیں کہ وہ کافر کہنے والے موجود نہیں اور خدا تعالیٰ نے مجھے اب تک زندہ رکھا اور میری جماعت کو بڑھایا۔ میرا خیال ہے کہ وہ فتویٰ کفر جو دوبارہ میرے خلاف تجویز ہوا۔ اسے ہندوستان کے تمام بڑے شہروں میں پھرایا گیا۔ اور دوسو کے قریب مولویوں اور مشایخوں کی گواہیاں اور مُہریں اس پر کرائی گئیں۔ اس میں ظاہر کیا گیا کہ یہ شخص بے ایمان ہے، کافر ہے، دجّال ہے، مُفتری ہے، کافر ہے بلکہ اکفر ہے۔ غرض جو جو کچھ کسی سے ہو سکا میری نسبت اس نے کہا اور ان لوگوں نے اپنے خیال میں سمجھ لیا کہ بس یہ ہتھیار اب سلسلہ کو ختم کر دے گا اور فی الحقیقت اگر یہ سلسلہ

انسانی منصوبہ اور افترار ہوتا تو اس کے ہلاک کرنے کے لئے یہ فتویٰ کا ہتھیار بہت ہی زبردست تھا لیکن اس کو خدا تعالیٰ نے قائم کیا تھا۔ پھر وہ مخالفوں کی مخالفت اور عداوت سے کیونکر مر سکتا تھا۔ جس قدر مخالفت میں شدت ہوتی گئی اسی قدر اس سلسلہ کی عظمت اور عزت دلوں میں جڑ پکڑتی گئی اور آج میں خدا تعالےٰ کا شکر کرتا ہوں کہ یا تو وہ زمانہ تھا کہ جب میں اس شہر میں آیا اور یہاں سے گیا تو صرف چند آدمی میرے ساتھ تھے اور میری جماعت کی تعداد نہایت ہی قلیل تھی اور یا اب وہ وقت ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ ایک کثیر جماعت میرے ساتھ ہے اور جماعت کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ اور دن بدن ترقی ہو رہی ہے اور یقیناً کروڑوں تک پہنچے گی۔

پس اس انقلاب عظیم کو دیکھو کہ کیا یہ انسانی ہاتھ کا کام ہو سکتا ہے دُنیا کے لوگوں نے توچاہا کہ اس سلسلہ کا نام و نشان مٹا دیں اور اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ کبھی کا اس کو مٹا چکے ہوتے۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ وہ جن باتوں کا ارادہ فرماتا ہے دنیا ان کو روک نہیں سکتی اور جن باتوں کا دُنیا ارادہ کرے مگر خدا تعالیٰ ان کا ارادہ نہ کرے وہ کبھی ہو نہیں سکتی ہیں۔ غور کرو۔ میرے معاملہ میں کل علمار اور پیرزادے اور گدی نشین مخالف ہوئے اور دوسرے مذہب کے لوگوں کو بھی میری مخالفت کے لئے اپنے ساتھ ملایا۔ پھر میری نسبت ہر طرح کی کوشش کی۔ مسلمانوں کو بدظن کرنے کے لئے مجھ پر کُفر کا فتویٰ دیا اور پھر جب اس تجویز میں بھی کامیابی نہ ہوئی تو پھر مقدمات شروع کئے۔ خون کے مقدمے میں مجھے پھنسایا اور ہر طرح کی کوششیں کیں کہ میں سزا پا جاؤں۔ ایک پادری کے قتل کا الزام مجھ پر لگایا گیا۔ اس مقدمے میں مولوی محمد حسین نے بھی میرے خلاف بڑی کوشش کی اور خود شہادت دینے کے واسطے گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں پھنس جاؤں اور مجھے سزا ملے۔ مولوی محمد حسین کی یہ کوشش ظاہر کرتی تھی کہ وہ دلائل اور براہین سے عاجز ہے اس لئے کہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب دشمن دلائل سے عاجز ہو جاتا ہے اور براہین سے

ملزم نہیں کر سکتا تو ایذا قتل کی تجویز کرتا ہے اور وطن سے نکال دینے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے خلاف مختلف قسم کے منصوبے اور سازشیں کرتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جب کُفّار عاجز آ گئے اور ہر طرح سے ساکت ہو گئے تو آخر انہوں نے بھی اس قسم کے حیلے سوچے کہ آپ کو قتل کر دیں یا قید کریں یا آپ کو وطن سے نکال دیا جاوے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو ایذائیں دیں مگر آخر وہ سب کے سب اپنے ارادوں اور منصوبوں میں نامراد اور ناکام رہے۔ اب وہی سُنّت اور طریق میرے ساتھ ہو رہا ہے مگر یہ دُنیا بغیر خالق اور رب العالمین کے ہستی نہیں رکھتی۔ وہی ہے جو جھُوٹے اور سچے میں امتیاز کرتا ہے اور آخر سچے کی حمایت کرتا اور اُسے غالب کر کے دکھا دیتا ہے۔ اب اس زمانہ میں جب خدا تعالیٰ نے پھر اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا ہے میں اس کی تائیدوں کا ایک زندہ نشان ہوں اور اس وقت تم سب کے سب دیکھتے ہو کہ میں وہی ہوں جس کو قوم نے رد کیا اور میں مقبولوں کی طرح کھڑا ہوں۔ تم قیاس کرو کہ اس وقت آج سے چودہ برس پیشتر جب میں یہاں آیا تھا تو کون چاہتا تھا کہ ایک آدمی بھی میرے ساتھ ہو۔ علماء، فقراء اور ہر قسم کے معظم مکرم لوگ یہ چاہتے تھے کہ میں ہلاک ہو جاؤں اور اس سلسلہ کا نام و نشان مٹ جاوے۔ وہ کبھی گوارا نہیں کرتے تھے کہ ترقیات نصیب ہوں۔ مگر وہ خدا جو ہمیشہ اپنے بندوں کی حمایت کرتا ہے اور جس نے راستبازوں کو غالب کر کے دکھایا ہے اس نے میری حمایت کی اور میرے مخالفوں کے خلاف ان کی امیدوں اور منصوبوں کے بالکل برعکس اس نے مجھے وہ قبولیت بخشی کہ ایک خلق کو میری طرف متوجہ کیا جو ان مخالفتوں اور مشکلات کے پردوں اور روکوں کو چیرتی ہوئی میری طرف آئی اور آ رہی ہے۔ اب غور کا مقام ہے کہ کیا انسانی تجویزوں اور منصوبوں سے یہ کامیابی ہو سکتی ہے کہ دنیا کے بارسوخ لوگ ایک شخص کی ہلاکت کی فکر میں ہوں اور اس کے خلاف ہر قسم کے منصوبے کئے جاویں۔ اس کے لئے خطرناک آگ جلائی جاوے

مگر وہ ان سب آفتوں سے صاف نکل جاوے؟ ہرگز نہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کے کام ہیں جو ہمیشہ اس نے دکھائے ہیں۔

پھر اسی امر پر زبردست دلیل یہ ہے کہ آج سے ۲۵ برس پیشتر جبکہ کوئی بھی میرے نام سے واقف نہ تھا اور نہ کوئی شخص قادیان میں میرے پاس آتا تھا یا خط وکتابت لکھتا تھا، اس گمنامی کی حالت میں، ان کس مپرسی کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا:۔

یأتون من کلّ فجٍ عمیق۔ ویأتیك من کلّ فجٍ عمیق۔ لا تصعّر لخلق اللہ ولا تسئم من النّاس۔ ربّ لا تذرنی فردًا وانت خیر الوارثین ؛

یہ وہ زبردست پیشگوئی ہے جو ان ایام میں کی گئی اور چھپ کر شائع ہوگئی۔ اور ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے اسے پڑھا۔ ایسی حالت اور ایسے وقت میں کہ میں گمنامی کے گوشہ میں پڑا ہوا تھا اور کوئی شخص مجھے نہ جانتا تھا، خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرے پاس دُور دراز ملکوں سے لوگ آئیں گے اور کثرت سے آئیں گے اور ان کے لئے مہمانداری کے ہر قسم کے سامان اور لوازمات بھی آئیں گے۔ چونکہ ایک شخص ہزاروں لاکھوں انسانوں کو مہمانداری کے جمیع لوازمات مہیا نہیں کرسکتا اور نہ اس قدر اخراجات کو برداشت کرسکتا ہے اس لئے خود ہی فرمایا یأتیك من کل فجٍ عمیق ان کے سامان بھی ساتھ ہی آئیں گے اور پھر انسان کثرت مخلوقات سے گھبرا جاتا ہے اور ان سے کج خلقی کر بیٹھتا ہے اس لئے اس سے منع کیا کہ ان سے کج خلقی نہ کرنا اور پھر یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کی کثرت کو دیکھ کر تھک نہ جانا۔

اب آپ غور کریں کہ کیا یہ امر انسانی طاقت کے اندر ہے کہ پچیس تیس برس پہلے ایک واقعہ کی اطلاع دے؟ اور وہ بھی اسی کے متعلق اور پھر اسی طرح پر وقوع بھی

ہو جاوے؟ انسانی ہستی اور زندگی کا تو ایک منٹ کا بھی اعتبار نہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ دوسرا سانس آئے گا یا نہیں. پھر ایسی خبر دینا یہ کیونکر اس کی طاقت اور قیاس میں آسکتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ میں بالکل اکیلا تھا اور لوگوں سے ملنے سے بھی مجھے نفرت تھی اور چونکہ ایک وقت آنے والا تھا کہ لاکھوں انسان میری طرف رجوع کریں اس لئے اس نصیحت کی ضرورت پڑی لا تصعّر لخلق اللہ و لا تسئم من النّاس۔

اور پھر انہیں دنوں میں یہ بھی فرمایا۔ انت منّی بمنزلۃ توحیدی۔ فحان ان تعان و تعرف بین النّاس یعنی وہ وقت آتا ہے کہ تیری مدد کی جاوے گی اور تو لوگوں کے درمیان شناخت کیا جاوے گا۔ اسی طرح پر فارسی، عربی اور انگریزی میں کثرت سے ایسے الہامات ہیں جو اس مضمون کو ظاہر کرتے ہیں۔

اب سوچنے کا مقام ہے ان لوگوں کے لئے جو خدا تعالیٰ کا خوف رکھتے ہیں کہ اس قدر عرصہ دراز پیشتر ایک پیشگوئی کی گئی اور وہ کتاب میں چھپ کر شائع ہوئی۔ براہین احمدیہ ایسی کتاب ہے جس کو دوست دشمن سب نے پڑھا۔ گورنمنٹ میں بھی اس کی کاپی بھیجی گئی عیسائیوں ہندوؤں نے اسے پڑھا۔ اس شہر میں بھی بہتوں کے پاس یہ کتاب ہوگی وہ دیکھیں کہ اس میں درج ہے یا نہیں؟ پھر وہ مولوی (جو محض عداوت کی راہ سے مجھے دجّال اور کذّاب کہتے ہیں اور یہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی) شرم کریں اور بتائیں کہ اگر یہ پیشگوئی نہیں تو اور پیشگوئی کس کو کہتے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جس کا ریویو مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی نے کیا ہے۔ چونکہ وہ میرے ہم سبق تھے اس لئے اکثر قادیان آیا کرتے تھے۔ وہ خوب جانتے ہیں۔ اور ایسا ہی قادیان۔ بٹالہ۔ امرتسر اور گرد و نواح کے لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ اس وقت میں بالکل اکیلا تھا اور کوئی مجھے جانتا نہ تھا۔ اور اس وقت کی حالت سے عند العقل دُور از قیاس معلوم ہوتا تھا کہ میرے جیسے گمنام آدمی پر ایسا زمانہ آئے گا کہ لاکھوں آدمی اُس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں اس وقت کچھ بھی نہ تھا۔ تنہا و بیکس تھا۔ خود اللہ

تعالیٰ اس زمانہ میں مجھے یہ دعا سکھاتا ہے۔ ربّ لا تذرنی فردًا و انت خیر الوارثین
یہ دعا اس لئے سکھائی کہ وہ پیار رکھتا ہے ان لوگوں سے جو دعا کرتے ہیں کیونکہ دعا عبادت
ہے اور اس نے فرمایا ہے ادعونی استجب لکم[۲] دعا کرو میں قبول کروں گا۔ اور آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مغز اور مُخ عبادت کا دعا ہی ہے۔ اور دوسرا اشارہ اس میں یہ
ہے کہ اللہ تعالیٰ دُعا کے پیرایہ میں سکھانا چاہتا ہے کہ تو اکیلا ہے اور ایک وقت آئے گا کہ
تُو اکیلا نہ رہے گا۔ اور میں پکار کر کہتا ہوں کہ جیسا یہ دن روشن ہے اسی طرح یہ پیشگوئی
روشن ہے اور یہ امر واقعی ہے کہ میں اس وقت اکیلا تھا۔ کون کھڑا ہو کر کہہ سکتا ہے
کہ تیرے ساتھ جماعت تھی۔ مگر اب دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کے موافق اور
اس پیشگوئی کے موافق جو اس نے ایک زمانہ پہلے خبر دی، ایک کثیر جماعت میرے ساتھ کر دی[۱]
ایسی حالت اور صورت میں اس عظیم الشان پیشگوئی کو کون جھٹلا سکتا ہے۔ پھر جبکہ اسی کتاب
میں یہ پیشگوئی بھی موجود ہے کہ لوگ خطرناک طور پر مخالفت کریں گے اور اس جماعت کو روکنے
کے لئے ہر قسم کی کوششیں کریں گے مگر میں ان سب کو نامُراد کروں گا۔

پھر براہین احمدیہ میں یہ بھی پیشگوئی کی گئی تھی کہ جب تک پاک پلید میں فرق نہ کر لونگا
نہیں چھوڑوں گا۔ ان واقعات کو پیش کر کے مَیں ان لوگوں کو مخاطب نہیں کرتا جن کے دلوں میں
خدا تعالےٰ کا خوف نہیں اور جو گویا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے مرنا ہی نہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے
کلام میں تحریف کرتے ہیں۔ بلکہ میں ان لوگوں کو مخاطب کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں
اور یقین رکھتے ہیں کہ مرنا ہے اور موت کے دروازے قریب ہو رہے ہیں اس لئے کہ خدا
تعالیٰ سے ڈرنے والا ایسا گستاخ نہیں ہو سکتا۔ وہ غور کریں کہ کیا ۲۵ برس پیشتر ایسی
پیشگوئی کرنا انسانی طاقت اور قیاس کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ پھر ایسی حالت میں کہ کوئی
اُسے جانتا بھی نہ ہو اور ساتھ ہی یہ پیشگوئی بھی ہو کہ لوگ مخالفت کریں گے مگر وہ نامُراد

[۱] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۱ صفحہ ۸-۹ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۶ء

[۲] المومن: ۶۱

رہیں گے۔ مخالفوں کے نامراد رہنے اور اپنے بامراد ہو جانے کی پیشگوئی کرنا ایک خارق عادت امر ہے۔ اگر اس کے ماننے میں کوئی شک ہے تو پھر نظیر پیش کرو۔

میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ حضرت آدمؑ سے لیکر اس وقت تک کے کسی مفتری کی نظیر دو جس نے ۲۵ برس پیشتر اپنی گمنامی کی حالت میں ایسی پیشگوئیاں کی ہوں۔ اگر کوئی شخص ایسی نظیر پیش کر دے تو یقیناً یاد رکھو کہ یہ سارا سلسلہ اور کاروبار باطل ہو جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے کاروبار کو کون باطل کر سکتا ہے؟ یوں تکذیب کرنا اور بلا وجہ معقول انکار اور استہزاء یہ حرامزادے کا کام ہے کوئی حلال زادہ ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔

میں اپنی سچائی کو اسی پر حصر کر سکتا ہوں۔ اگر تم میں کوئی سلیم دل رکھتا ہو۔ خوب یاد رکھو کہ یہ پیشگوئی کبھی ردّ نہیں ہو سکتی جب تک اس کی نظیر پیش نہ کی جاوے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ یہ پیشگوئی براہین احمدیہ میں موجود ہے جس کا ریویو مولوی ابوسعید نے لکھا ہے۔ اسی شہر میں مولوی محمد حسن اور منشی محمد عمر وغیرہ کے پاس ہوگی۔ اس کا نسخہ مکہ، مدینہ، بخارا تک پہنچا گورنمنٹ کے پاس اس کی کاپی بھیجی گئی۔ ہندوؤں، مسلمانوں، عیسائیوں، برہموؤں نے اُسے پڑھا اور وہ کوئی گمنام کتاب نہیں بلکہ وہ شہرت یافتہ کتاب ہے کوئی پڑھا لکھا آدمی جو مذہبی مذاق رکھتا ہو اس سے بے خبر نہیں ہے۔ پھر اس کتاب میں یہ پیشگوئی لکھی ہوئی موجود ہے کہ ایک دُنیا تیرے ساتھ ہو جائے گی۔ دنیا میں تجھے شہرت دوں گا۔ تیرے مخالفوں کو نامراد رکھوں گا۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ کام کسی مفتری کا ہو سکتا ہے؟ اگر تم یہی فیصلہ دیتے ہو کہ ہاں مفتری کا کام ہو سکتا ہے تو پھر اس کے لئے نظیر پیش کرو۔ اگر نظیر دکھا دو تو میں تسلیم کر لوں گا کہ میں جھوٹا ہوں مگر کوئی نہیں جو اس کی نظیر دکھا سکے اور اگر تم اس کی نظیر نہ پیش کر سکو اور یقیناً نہیں کر سکو گے تو پھر میں تمہیں یہی کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ سے ڈرو اور تکذیب سے باز آؤ۔

یاد رکھو۔ خدا تعالیٰ کے نشانات کو بدوں کسی سند کے ردّ کرنا دانشمندی نہیں اور

نہ اس کا انجام کبھی بابرکت ہوا ہے۔ میں تو کسی کی تکذیب یا تکفیر کی پروا نہیں کرتا اور نہ ان حملوں سے ڈرتا ہوں جو مجھ پر کئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے آپ ہی مجھے قبل از وقت بتا دیا تھا کہ تکذیب اور تکفیر ہوگی اور خطرناک مخالفت یہ لوگ کریں گے مگر کچھ بگاڑ نہ سکیں گے۔ کیا مجھ سے پیشتر راستبازوں اور خدا تعالیٰ کے ماموروں کو رد نہیں کیا گیا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون اور فرعونیوں نے، حضرت مسیح علیہ السلام پر فقیہوں نے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر مشرکین مکہ نے کیا کیا حملے نہیں کئے؟ مگر ان حملوں کا انجام کیا ہوا؟ ان مخالفوں نے ان نشانات کے مقابلہ میں کبھی کوئی نظیر پیش کی؟ کبھی نہیں۔ نظیر پیش کرنے سے تو ہمیشہ عاجز رہے۔ ہاں زبانیں چلتی تھیں۔ اس لئے وہ کذاب کہتے رہے۔ اسی طرح پر یہاں بھی جب عاجز آگئے تو اور تو کچھ نہ پیش گئی۔ دجال کذاب کہہ دیا۔ مگر اُن کے مُنہ کی پھونکوں سے کیا یہ خدا تعالیٰ کے نُور کو بُجھا دیں گے؟ کبھی نہیں بُجھا سکتے۔ واللہ متم نورہ و لو کرہ المشرکون۔

دوسرے خوارق اور نشانات کو وہ لوگ جو بدظنی کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہیں کہہ دیتے ہیں کہ شاید دست بازی ہو مگر پیشگوئی میں انہیں کوئی عذر اور باقی نہیں رہتا اس لئے نشاناتِ نبوت میں عظیم الشان نشان اور معجزہ پیشگوئیوں کو قرار دیا گیا ہے۔ یہ امر توریت سے بھی ثابت ہے اور قرآن مجید سے بھی۔ پیشگوئیوں کے برابر کوئی معجزہ نہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ کے ماموروں کو ان کی پیشگوئیوں سے شناخت کرنا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نشان مقرر کر دیا ہے لا یظھر علےٰ غیبہ احداً الّا من ارتضٰی من رسولٍ[1] یعنی اللہ تعالیٰ کے غیب کا کسی پر ظہور نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسولوں پر ہوتا ہے۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ بعض پیشگوئیاں باریک اسرار اپنے اندر رکھتی ہیں اور دقیق امور کی وجہ سے ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ جو دُور بین آنکھیں نہیں رکھتے اور موٹی موٹی باتوں کو صرف سمجھ سکتے ہیں۔ ایسی ہی پیشگوئیوں پر عموماً تکذیب ہوتی ہے اور جلد باز

[1] الجن : ۲۷

اور شتاب کار کہہ اُٹھتے ہیں کہ وہ پوری نہیں ہوئیں۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وظنّوا انھم قد کُذبوا[1]

ان پیشگوئیوں میں لوگ شبہات پیدا کرتے ہیں مگر فی الحقیقت وہ پیشگوئیاں خدا تعالیٰ کی سُنن کے ماتحت پوری ہو جاتی ہیں۔ تاہم اگر وہ سمجھ میں نہ بھی آئیں تو مومن اور خدا ترس انسان کا کام یہ ہونا چاہیئے کہ وہ ان پیشگوئیوں پر نظر کرے جن میں دقائق نہیں۔ یعنی جو موٹی موٹی پیشگوئیاں ہیں۔ پھر دیکھے کہ وہ کس قدر تعداد میں پوری ہو چکی ہیں۔ یونہی مُنہ سے انکار کر دینا تقویٰ کے خلاف ہے۔ دیانت اور خدا ترسی سے ان پیشگوئیوں کو دیکھنا چاہیئے جو پوری ہو چکی ہیں۔ مگر جلد بازوں کا مُنہ کون بند کرے؟

اس قسم کے امور مجھے ہی پیش نہیں آئے۔ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آئے۔ پھر اگر یہ امر مجھے بھی پیش آوے تو تعجب نہیں۔ بلکہ ضرور تھا کہ ایسا ہوتا کیونکہ سُنّت اللہ یہی تھی۔ میں کہتا ہوں کہ مومن کے لئے تو ایک شہادت بھی کافی ہے۔ اسی سے اس کا دل کانپ جاتا ہے مگر یہاں تو ایک نہیں صدہا نشان موجود ہیں بلکہ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اس قدر ہیں کہ میں انہیں گن نہیں سکتا۔ یہ شہادت تھوڑی نہیں کہ دلوں کو فتح کر لے گا، مکذّبوں کو موافق بنالے گا۔ اگر کوئی خدا تعالیٰ کا خوف کرے اور دل میں دیانت اور دُور اندیشی سے سوچے تو اسے بے اختیار ہو کر ماننا پڑے گا کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں۔

پھر یہ بھی ظاہر بات ہے کہ مخالف جب تک ردّ نہ کرے اور اس کی نظیر پیش نہ کرے، خدا تعالیٰ کی حجّت غالب ہے

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ میں اسی خدا کا شکر کرتا ہوں جس نے مجھے بھیجا ہے اور باوجود اس شر اور طوفان کے جو مجھ پر اُٹھا اور جس کی جڑ اور ابتدا اسی شہر سے اُٹھی اور پھر دلّی تک پہنچی۔ مگر اس نے تمام طوفانوں اور ابتلاؤں میں مجھے صحیح سالم اور کامیاب نکالا اور

[1] یوسف: ۱۱۱

مجھے ایسی حالت میں اس شہر میں لایا کہ تین لاکھ سے زیادہ مرد و زن میرے مبائعین میں داخل ہیں اور کوئی مہینہ نہیں گذرتا جس میں دو ہزار چار ہزار اور بعض اوقات پانچ پانچ ہزار اس سلسلہ میں داخل نہ ہوتے ہوں۔

پھر اس خدا نے ایسے وقت میں میری دستگیری فرمائی کہ جب قوم ہی دشمن ہو گئی جب کسی شخص کی دشمن اس کی قوم ہی ہو جاوے تو وہ بڑا بیکس اور بڑا بے دست و پا ہوتا ہے کیونکہ قوم ہی تو دست و پا اور جوارح ہوتی ہے۔ وہی اس کی مدد کرتی ہے۔ دوسرے لوگ تو دشمن ہوتے ہی ہیں کہ ہمارے مذہب پر حملہ کرتا ہے۔ لیکن جب اپنی قوم بھی دشمن ہو تو پھر بچ جانا اور کامیاب ہو جانا معمولی بات نہیں بلکہ یہ ایک زبردست نشان ہے۔

میں نہایت افسوس اور دردِ دل سے یہ بات کہتا ہوں کہ قوم نے میری مخالفت میں نہ صرف جلدی کی بلکہ بہت ہی بے دردی بھی کی۔ صرف ایک مسئلہ وفات مسیح کا اختلاف تھا جس کو میں قرآن کریم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سُنّت، صحابہؓ کے اجماع اور عقلی دلائل اور کتب سابقہ سے ثابت کرتا تھا اور کرتا ہوں اور حنفی مذہب کے موافق نص. حدیث قیاس، دلائل شرعیہ میرے ساتھ تھیں مگر ان لوگوں نے قبل اس کے کہ وہ پورے طور پر مجھ سے پُوچھ لیتے اور میرے دلائل کو سُن لیتے، اس مسئلہ کی مخالفت میں یہانتک غلوّ کیا کہ مجھے کافر ٹھہرایا گیا اور اس کے ساتھ اَور بھی جو چاہا کہا اور میرے ذمہ لگایا۔ دیانت نکوکاری اور تقویٰ کا تقاضا یہ تھا کہ پہلے مجھ سے پوچھ لیتے۔ اگر میں قال اللہ اور قال الرسول سے تجاوز کرتا تو پھر بیشک انہیں اختیار اور حق تھا کہ وہ مجھے جو چاہتے کہتے، دجّال، کذّاب وغیرہ۔ لیکن جبکہ میں ابتدار سے بیان کرتا آیا ہوں کہ میں قرآن کریم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ذرا اِدھر اُدھر ہونا بے ایمانی سمجھتا ہوں۔ میرا عقیدہ یہی ہے کہ جو اس کو ذرا بھی چھوڑے گا وہ جہنمی ہے۔ پھر اس عقیدہ کو نہ صرف تقریروں میں بلکہ ساٹھ کے قریب اپنی تصنیفات میں بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اور دن رات مجھے یہی فکر اور خیال

رہتا ہے۔ پھر اگر یہ مخالف خدا تعالیٰ سے ڈرتے تو کیا ان کا فرض نہ تھا کہ فلاں بات خارج از اسلام ہے، اس کی کیا وجہ ہے یا اس کا تم کیا جواب دیتے ہو۔ مگر نہیں اس کی ذرا بھی پروا نہیں کی۔ سُنا اور کافر کہدیا۔ میں نہایت تعجب سے ان کی اس حرکت کو دیکھتا ہوں کیونکہ اول تو حیات وفات مسیحؑ کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو اسلام میں داخل ہونے کے لئے شرط ہو۔ یہاں بھی ہندو یا عیسائی مسلمان ہوتے ہیں۔ مگر بتاؤ کہ کیا اس سے یہ اقرار بھی لیتے ہو؟ بجز اس کے کہ اٰمنت باللہ و ملائکتہٖ و کتبہٖ و رسلہٖ والقدر خیرہٖ و شرّہٖ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت۔ جبکہ یہ مسئلہ اسلام کی جزو نہیں پھر بھی مجھ پر وفات مسیح کے اعلان سے اس قدر تشدد کیوں کیا گیا کہ یہ کافر ہیں، دجّال ہیں۔ ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاوے۔ ان کے مال لُوٹ لینے جائز ہیں اور ان کی عورتوں کو بغیر نکاح گھر میں رکھ لینا درست ہے۔ ان کو قتل کر دینا ثواب کا کام ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک تو وہ زمانہ تھا کہ یہی مولوی شور مچاتے تھے کہ اگر ۹۹ وجوہ کُفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تب بھی کُفر کا فتویٰ نہ دینا چاہیئے، اس کو مسلمان ہی کہو مگر اب کیا ہو گیا۔ کیا میں اس سے بھی گیا گذرا ہو گیا؟ کیا میں اور میری جماعت اشھد ان لآ الٰہ الّا اللہ و اشھد انّ محمداً عبدہٗ و رسولہٗ نہیں پڑھتی؟ کیا میں نمازیں نہیں پڑھتا؟ یا میرے مرید نہیں پڑھتے؟ کیا ہم رمضان کے روزے نہیں رکھتے؟ اور کیا ہم ان تمام عقائد کے پابند نہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی صورت میں تلقین کئے ہیں؟

میں سچ کہتا ہوں اور خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اور میری جماعت مسلمان ہے اور وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر اسی طرح ایمان لاتی ہے جس طرح پر ایک سچے مسلمان کو لانا چاہیئے۔ میں ایک ذرہ بھی اسلام سے باہر قدم رکھنا ہلاکت کا موجب یقین کرتا ہوں اور میرا یہی مذہب ہے کہ جس قدر فیوض اور برکات کوئی شخص

حاصل کر سکتا ہے اور جس قدر تقرب الی اللہ پا سکتا ہے وہ صرف اور صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت اور کامل محبت سے پا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ آپ کے سوا اب کوئی راہ نیکی کی نہیں۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ میں ہرگز یقین نہیں کرتا کہ مسیح علیہ السّلام ۲۰-۲۳ اسی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر گئے ہوں اور اب تک زندہ قائم ہوں۔ اس لئے کہ اس مسئلہ کو مان کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین اور بیحرمتی ہوتی ہے۔ میں ایک لحظہ کے لئے اس ہجو کو گوارا نہیں کر سکتا۔ سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی اور مدینہ طیبہ میں آپ کا روضہ موجود ہے۔ ہر سال وہاں ہزاروں لاکھوں حاجی بھی جاتے ہیں۔ اب اگر مسیح علیہ السّلام کی نسبت موت کا یقین کرنا یا موت کو ان کی طرف منسوب کرنا بے ادبی ہے تو پھر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ گستاخی اور بے ادبی کیوں یقین کر لی جاتی ہے؟ مگر تم بڑی خوشی سے کہہ دیتے ہو کہ آپ نے وفات پائی۔ مولود خواں بڑی خوش الحانی سے واقعات وفات کو ذکر کرتے ہیں۔ اور کفار کے مقابلہ میں بھی تم بڑی کشادہ پیشانی سے تسلیم کر لیتے ہو کہ آپ نے وفات پائی۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی وفات پر کیا پتھر پڑتا ہے کہ نیلی پیلی آنکھیں کر لیتے ہو۔ ہمیں بھی رنج نہ ہوتا کہ اگر تم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی وفات کا لفظ سُنکر ایسے آنسو بہاتے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ خاتم النبیین اور سردار عالم کی نسبت تو تم بڑی خوشی سے موت تسلیم کر لو اور اس شخص کی نسبت جو اپنے آپ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جُوتی کا تسمہ کھولنے کے بھی قابل نہیں بتاتا، زندہ یقین کرتے ہو اور اس کی نسبت موت کا لفظ مُنہ سے نکالا اور تمہیں غضب آجاتا ہے۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ابتک زندہ رہتے تو حرج نہ تھا اس لئے کہ آپ وہ عظیم الشان ہدایت لے کر آئے تھے جس کی نظیر دُنیا میں پائی نہیں جاتی۔ اور آپ نے وہ عملی حالتیں دکھائیں کہ آدم سے لے کر اس وقت تک کوئی ان کا نمونہ اور نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ میں

تم کو سچ سچ کہتا ہوں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود کی جس قدر ضرورت دنیا اور مسلمانوں کو تھی۔ اس قدر ضرورت مسیح کے وجود کی نہیں تھی۔ پھر آپ کا وجود باجود وہ مبارک وجود ہے کہ جب آپؐ نے وفات پائی تو صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ وہ دیوانے ہو گئے یہانتک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے تلوار میان سے نکال لی اور کہا کہ اگر کوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مُردہ کہے گا تو میں اس کا سر جدا کر دوں گا۔ اس جوش کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خاص نُور اور فراست عطا کی۔ انہوں نے سب کو اکٹھا کیا اور خطبہ پڑھا۔ ما محمدٌ الّا رسول قد خلت من قبله الرسل[1]۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک رسُول ہیں اور آپ سے پیشتر جس قدر رسُول آئے وہ سب وفات پا چکے۔ اب آپ غور کریں اور سوچ کریں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر یہ آیت کیوں پڑھی تھی؟ اور اس سے آپ کا کیا مقصد اور منشاء تھا؟ اور پھر ایسی حالت میں کہ کُل صحابہؓ موجود تھے۔ میں یقیناً کہتا ہوں اور آپ انکار نہیں کر سکتے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے صحابہؓ کے دل پر سخت صدمہ تھا اور اس کو بے وقت اور قبل از وقت سمجھتے تھے۔ وہ پسند نہیں کر سکے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سُنیں۔ ایسی حالت اور صورت میں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر صحابیؓ اس جوش کی حالت میں ہو ان کا غصہ فرو نہیں ہو سکتا بجز اس کے کہ یہ آیت ان کی تسلّی کا موجب ہوتی۔ اگر انہیں یہ معلوم ہوتا یا یہ یقین ہوتا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ ہیں تو وہ تو زندہ ہی مر جاتے۔ وہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عشاق تھے اور آپ کی حیات کے سوا کسی اَور کی حیات کو گوارا ہی نہ کر سکتے تھے۔ پھر کیونکر اپنی آنکھوں کے سامنے آپ کو وفات یافتہ دیکھتے اور مسیح کو زندہ یقین کرتے۔ یعنی جب حضرت ابوبکرؓ نے خُطبہ پڑھا تو ان کا جوش فرو ہو گیا۔ اس وقت صحابہؓ مدینہ کی گلیوں میں یہ آیت پڑھتے پھرتے تھے۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ گویا یہ آیت آج ہی اُتری ہے۔ اس وقت حسّان بن ثابت نے ایک

[1] آل عمران: ۱۴۵

مرثیہ لکھا جس میں انہوں نے کہا

کنت السواد لناظری۔ فعمی علیّ الناظر

من شاء بعدک فلیمت۔ فعلیک کنت احاذر

چونکہ مذکورہ بالا آیت نے بتا دیا تھا کہ سب مر گئے۔ اس لئے حسان نے بھی کہدیا کہ اب کسی کی موت کی پروا نہیں۔ یقیناً سمجھو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی کی زندگی صحابہ پر سخت شاق تھی اور وہ اس کو گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ اس طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر یہ پہلا اجماع تھا جو دنیا میں ہوا۔ اور اس میں حضرت مسیحؑ کی وفات کا بھی کُلّی فیصلہ ہو چکا تھا۔

میں بار بار اس امر پر اس لئے زور دیتا ہوں کہ یہ دلیل بڑی ہی زبردست دلیل ہے جس سے مسیحؑ کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کوئی معمولی اور چھوٹا امر نہ تھا جس کا صدمہ صحابہؓ کو نہ ہوا ہو۔ ایک گاؤں کا نمبردار یا محلہ دار یا گھر کا کوئی عمدہ آدمی مر جاوے تو گھر والوں یا محلہ والوں یا دیہات والوں کو صدمہ ہوتا ہے۔ پھر وہ نبی جو کل دُنیا کے لئے آیا تھا اور رحمۃ للعالمین ہو کر آیا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔[1] اور پھر دوسری جگہ فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔[2] پھر وہ نبی جس نے صدق اور وفا کا نمونہ دکھایا۔ اور وہ کمالات دکھائے کہ جن کی نظیر نظر نہیں آتی۔ وہ فوت ہو جاوے اس کے ان جان نثار متبعین پر اثر نہ پڑے جنہوں نے اس کی خاطر جانیں دے دینے سے دریغ نہ کیا۔ جنہوں نے وطن چھوڑا۔ خویش و اقارب چھوڑے اور اس کے لئے ہر قسم کی تکلیفوں اور مشکلات کو اپنے لئے راحت جان سمجھا۔ ایک ذرا سے فکر اور توجہ سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ جس قدر بھی دُکھ اور تکلیف انہیں اس خیال کے تصور سے ہو سکتا ہے اس کا اندازہ اور قیاس ہم نہیں کر سکتے۔ ان کی تسلی اور تسکین کا موجب یہی آیت تھی کہ جو حضرت ابوبکرؓ نے پڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے

[1] الانبیاء : ۱۰۸ [2] الاعراف : ۱۵۹

انہیں جزائے خیر دے کہ انہوں نے ایسے نازک وقت میں صحابہؓ کو سنبھالا

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض نادان اپنی جلد بازی اور شتاب کاری کی وجہ سے یہ کہدیتے ہیں کہ یہ آیت تو بیشک حضرت ابوبکرؓ نے پڑھی لیکن حضرت عیسٰی علیہ السلام اس سے باہر رہ جاتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ ایسے نادانوں کو میں کیا کہوں۔ وہ باوجود مولوی کہلانے کے ایسی بیہودہ باتیں پیش کر دیتے ہیں۔ وہ نہیں بتاتے کہ اس آیت میں وہ کونسا لفظ ہے جو حضرت عیسٰیؑ کو الگ کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تو کوئی امر قابلِ بحث اس میں چھوڑا ہی نہیں قد خلت کے معنی خود ہی کر دیئے افائن مات او قتل۔ اگر کوئی تیسری شق بھی اس کے سوا ہوتی تو کیوں نہ کہہ دیتا او رفع بجسدہ العنصری الی السماء۔ کیا خدا تعالیٰ اس کو بھول گیا تھا جو یہ یاد دلاتے ہیں؟ نعوذ باللہ من ذالک۔

اگر صرف یہی آیت ہوتی تب بھی کافی تھی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو انہیں ایسی محبوب اور پیاری تھی کہ اب تک آپ کی وفات کا ذکر کر کے یہ لوگ بھی روتے ہیں۔ پھر صحابہؓ کے لئے تو اَور بھی درد اور رقّت اس وقت پیدا ہو گئی تھی۔ میرے نزدیک مومن وہی ہوتا ہے جو آپ کی اتباع کرتا ہے اور وہی کسی مقام پہ پہنچتا ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ[1] یعنی کہدو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالے۔ اب محبت کا تقاضا تو یہ ہے۔ کہ محبوب کے فعل کے ساتھ خاص موانست ہو اور مرنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے۔ آپ نے مَر کر دکھا دیا۔ پھر کون ہے جو زندہ رہے یا زندہ رہنے کی آرزو کرے؟ یا کسی اَور کے لئے تجویز کرے کہ وہ زندہ رہے؟

محبت کا تقاضا تو یہی ہے کہ آپ کی اتباع میں ایسا گُم ہو کہ اپنے جذبات نفس کو تھام لے اور یہ سوچ لے کہ میں کسی کی اُمّت ہوں۔ ایسی صورت میں جو شخص حضرت

[1] آل عمران: ۳۲

عیسٰی علیہ السلام کی نسبت یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ ابتک زندہ ہیں وہ کیونکر آپ کی محبت اور اتباع کا دعویٰ کرسکتا ہے؟ اس لئے کہ آپؐ کی نسبت وہ گوارا کرتا ہے کہ مسیحؑ کو افضل قرار دیا جاوے اور آپؐ کو مُردہ کہا جاوے مگر اس کے لئے وہ پسند کرتا ہے کہ زندہ یقین کیا جاوے[۱]؟

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زندہ رہتے تو ایک فرد بھی کافر نہ رہتا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زندگی نے کیا نتیجہ دکھایا بجز اس کے کہ چالیس کروڑ عیسائی ہیں۔ غور کرکے دیکھو کہ کیا تم نے اس زندگی کے اعتقاد کو آزما نہیں لیا؟ اور نتیجہ خطرناک نہیں ہوا؟ مسلمانوں کی کسی ایک قوم کا نام لو جس میں سے کوئی عیسائی نہ ہوا ہو۔ مگر میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر طبقہ کے مسلمان عیسائی ہوچکے ہیں اور ایک لاکھ سے بھی ان کی تعداد زیادہ ہوگی۔ عیسائیوں کے ہاتھ میں مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے واسطے ایک ہی ہتھیار ہے اور وہ یہی زندگی کا مسئلہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ خصوصیت کسی دوسرے میں ثابت کرو۔ اگر وہ خدا نہیں تو پھر کیوں اُسے یہ خصوصیت دی گئی؟ وہ حیّ و قیّوم ہے (نعوذ باللہ من ذالک)

اس حیات کے مسئلہ نے ان کو دلیر کر دیا اور انہوں نے مسلمانوں پر وہ حملہ کیا، جس کا نتیجہ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ اب اس کے مقابل پر اگر تم پادریوں پر یہ ثابت کر دو کہ مسیح مر گیا ہے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ میں نے بڑے بڑے پادریوں سے پوچھا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ مسیح مَر گیا ہے تو ہمارا مذہب زندہ نہیں رہ سکتا۔

ایک اور غور طلب بات ہے کہ مسیح کی زندگی کے اعتقاد کا آپ لوگوں نے تجربہ کیا۔ اب ذرا اس کی موت کا بھی تجربہ کرو اور دیکھو کہ عیسائی مذہب پر اس اعتقاد

[۱] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۲ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۱۰ر ستمبر ۱۹۰۶ء ۔

سے کیا زد پڑتی ہے۔ جہاں کوئی میرا مُرید عیسائیوں سے اس مضمون پر گفتگو کرنے کو کھڑا ہوتا ہے وہ فوراً انکار کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ اس راہ سے ان کی ھلاکت قریب ہے۔ موت کے مسئلہ سے نہ اُن کا کفارہ ثابت ہو سکتا ہے اور نہ ان کی اُلوہیت اور ابنیت۔ پس اس مسئلہ کا تھوڑے دنوں تک تجربہ کرو۔ پھر خود حقیقت کھُل جاوے گی۔

سُنو! قرآن شریف اور احادیث میں یہ وعدہ تھا کہ اسلام پھیل جاوے گا اور وہ دوسرے ادیان پر غالب آجائے گا اور کسرِ صلیب ہو گی۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ دنیا تو جائے اسباب ہے۔ ایک شخص بیمار ہو تو اس میں تو شک نہیں کہ شفا تو اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے لیکن اس کے لئے ادویات میں خواص بھی اسی نے رکھ دئے ہیں جب کوئی دوا دی جاتی ہے تو وہ فائدہ کرتی ہے۔ پیاس لگتی ہے تو اس کے بجھانے والا تو خدا ہے مگر اس کے لئے پانی بھی اسی نے مقرر کیا ہے۔ اسی طرح پر بھوک لگتی ہے تو اس کو دُور کرنے والا تو وہی ہے مگر غذا بھی اسی نے مقرر کی ہے۔ اسی طرح پر غلبہ اسلام اور کسرِ صلیب تو ہو گا جو اس نے مقدر کیا ہے۔ لیکن اس کے لئے اس نے اسباب مقرر کئے ہیں اور ایک قانون مقرر کیا ہے۔ چنانچہ بالاتفاق یہ امر قرآن مجید اور احادیث کی بنا پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں جب عیسائیت کا غلبہ ہو گا۔ اس وقت مسیح موعود کے ہاتھ پر اسلام کا غلبہ ہوگا اور وہ کُل ادیان اور ملتوں پر اسلام کو غالب کر کے دکھا دیگا۔ اور دجّال کو قتل کرے گا اور صلیب کو توڑ دے گا اور وہ زمانہ آخری زمانہ ہوگا۔ نواب صدیق حسن خاں اور دوسرے بزرگوں نے جنہوں نے آخری زمانہ کے متعلق کتابیں لکھی ہیں۔ انہوں نے بھی اس امر کو تسلیم کیا ہے۔ اب اس پیشگوئی کے پُورا ہونے کے لئے بھی تو کوئی سبب اور ذریعہ ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کی یہ عادت ہے کہ وہ اسباب سے کام لیتا ہے۔ دواؤں سے شفا دیتا ہے اور اغذیہ اور پانی سے بھوک پیاس کو دُور کرتا ہے۔ اسی طرح پر اب جبکہ عیسائی مذہب کا غلبہ ہو گیا ہے اور ہر طبقہ کے مسلمان اس

گروہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اسلام کو اپنے وعدہ کے موافق غالب کرے اس کے لئے بہرحال کوئی ذریعہ اور سبب ہوگا اور وہ یہی

موت مسیح کا حربہ ہے

اس حربہ سے صلیبی مذہب پر موت وارد ہوگی اور ان کی کمریں ٹوٹ جاویں گی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اب عیسائی غلطیوں کے دُور کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر کیا سبب ہو سکتا ہے کہ مسیحؑ کی وفات ثابت کی جاوے۔ اپنے گھروں میں اس امر پر غور کریں اور تنہائی میں بستروں پر لیٹ کر سوچیں۔ مخالفت کی حالت میں تو جوش آتا ہے۔ سعید الفطرت آدمی پھر سوچ لیتا ہے۔ دہلی میں جب میں نے تقریر کی تھی تو سعید الفطرت انسانوں نے تسلیم کر لیا اور وہیں بول اُٹھے کہ بے شک حضرت عیسیٰؑ کا پرستش کا ستون ان کی زندگی ہے۔ جب تک یہ نہ ٹوٹے اسلام کے لئے دروازہ نہیں کھلتا بلکہ عیسائیت کو اس سے مدد ملتی ہے۔

جو ان کی زندگی سے پیار کرتے ہیں انہیں سوچنا چاہیئے کہ دو گواہوں کے ذریعہ سے پھانسی مل جاتی ہے مگر یہاں اس قدر شواہد موجود ہیں اور وہ بدستور انکار کرتے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ یاعیسیٰ انی متوفیک و رافعک الیّ[۱]۔ اور پھر حضرت مسیحؑ کا اپنا اقرار اسی قرآن مجید میں موجود ہے۔ فلمّا توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم[۲] اور توفّی کے معنے موت بھی قرآن مجید ہی سے ثابت ہے کیونکہ یہی لفظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی آیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ و اما نرینّک بعض الّذی نعدھم او نتوفّینّک[۳]۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فلمّا توفیتنی کہا ہے جس کے معنے موت ہی ہیں۔ اور ایسا ہی حضرت یوسفؑ اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی یہی لفظ آیا ہے۔ پھر ایسی صورت میں اس کے کوئی اَور معنے کیونکر ہو سکتے ہیں۔ یہ بڑی زبردست شہادت مسیح کی وفات پر ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم

[۱] آل عمران: ۵۶ [۲] المآئدۃ: ۱۱۸ [۳] یونس: ۴۷

نے معراج کی رات میں حضرت عیسیٰ کو مُردوں میں دیکھا۔حدیث معراج کا تو کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اسے کھول کر دیکھ لو کہ کیا اس میں حضرت عیسیٰؑ کا ذکر مُردوں کے ساتھ آیا ہے یا کسی اَور رنگ میں۔ جیسے آپ نے حضرت ابراہیم اور موسیٰ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو دیکھا اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کو دیکھا۔ ان میں کوئی خصوصیت اور امتیاز نہ تھا۔ اس بات سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ اور دُوسرے انبیاء علیہم السلام وفات پا چکے ہیں اور قابض الارواح نے ان کو دُوسرے عالم میں پہنچا دیا ہے۔ پھر ان میں ایک شخص زندہ بجسدہ العنصری کیسے چلا گیا؟ یہ شہادتیں تھوڑی نہیں ہیں۔ ایک سچے مسلمان کے لئے کافی ہیں۔

پھر دوسری احادیث میں حضرت عیسیٰؑ کی عمر ۱۲۰ یا ۱۲۵ برس کی قرار دی ہے ان سب امور پر ایک جائی نظر کرنے کے بعد یہ امر تقویٰ کے خلاف تھا کہ جھٹ پٹ یہ فیصلہ کر دیا جاتا کہ مسیح زندہ آسمان پر چلا گیا ہے اور پھر اس کی کوئی نظیر بھی نہیں۔ عقل بھی یہی تجویز کرتی تھی۔ مگر افسوس ان لوگوں نے ذرا بھی خیال نہ کیا اور خدا ترسی سے کام نہ لے کر فوراً مجھے دجّال کہدیا۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ کیا یہ تھوڑی سی بات تھی؟ افسوس پھر جب کوئی عذر نہیں بن سکتا تو کہتے ہیں۔ درمیانی زمانہ میں اجماع ہو چکا۔ میں کہتا ہوں کب؟ اصل اجماع تو صحابہؓ کا اجماع تھا۔ اگر اس کے بعد اجماع ہوا ہے تو اب ان مختلف فرقوں کو اکٹھا کر کے دکھاؤ۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ بالکل غلط بات ہے مسیح کی زندگی پر کبھی اجماع نہیں ہوا۔ انہوں نے کتابوں کو نہیں پڑھا ورنہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ صُوفی موت کے قائل ہیں اور وہ ان کی دوبارہ آمد بروزی رنگ میں مانتے ہیں۔

غرض جیسے میں نے اللہ تعالےٰ کی حمد کی ہے ویسے ہی میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں کہ آپ ہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے اور آپ ہی کے فیضان اور برکات کا نتیجہ ہے جو یہ نصرتیں ہو رہی ہیں۔ میں کھول کر کہتا

ہوں اور یہی میرا عقیدہ اور مذہب ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور نقش قدم پر چلنے کے بغیر کوئی انسان کوئی رُوحانی فیض اور فضل حاصل نہیں کر سکتا۔

پھر اس کے ساتھ ہی ایک اور امر قابل ذکر ہے۔ اگر میں اس کا بیان نہ کروں تو ناشکری ہوگی۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسی سلطنت اور حکومت میں پیدا کیا ہے جو ہر طرح سے امن دیتی ہے اور جس نے ہم کو اپنے مذہب کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے پوری آزادی دی ہے اور ہر قسم کے سامان اس مبارک عہد میں ہمیں میسّر ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا آزادی ہوگی کہ ہم عیسائی مذہب کی تردید زور شور سے کرتے ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا۔ مگر اس سے پہلے ایک زمانہ تھا۔ اس زمانہ کے دیکھنے والے بھی اب تک موجود ہیں اس وقت یہ حالت تھی کہ کوئی مسلمان اپنی مسجدوں میں اذان تک نہیں کہہ سکتا تھا۔ اور باتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور حلال چیزوں کے کھانے سے روکا جاتا تھا۔ کوئی باقاعدہ تحقیقات نہ ہوتی تھی مگر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ ہم ایک ایسی سلطنت کے نیچے ہیں جو ان تمام عیوب سے پاک ہے یعنی سلطنت انگریزی جو امن پسند ہے۔ جس کو مذاہب کے اختلاف سے کوئی اعتراض نہیں۔ جس کا قانون ہے کہ ہر اہل مذہب آزادی سے اپنے فرض ادا کرے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ ہماری تبلیغ ہر جگہ پہنچ جاوے اس لئے اس نے ہم کو اس سلطنت میں پیدا کیا۔ جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نوشیرواں کے عہد سلطنت پر فخر کرتے تھے اسی طرح پر ہم کو اس سلطنت پر فخر ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ مامور چونکہ عدل اور راستی لاتا ہے۔ اس لئے اس سے پہلے کہ وہ مامور ہو کر آئے، عدل اور راستی کا اجراء ہونے لگتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اس رومی سلطنت سے جو مسیح کے زمانہ میں تھی یہ سلطنت بمراتب اولیٰ اور افضل ہے اگرچہ اس کا اور اُس کا قانون ملتا جلتا ہے لیکن انصاف یہی ہے کہ اس سلطنت کے قانون کسی سے دبے ہوئے نہیں ہیں اور مقابلہ سے دیکھا جاوے تو معلوم ہوگا کہ رُومی سلطنت

میں وحشیانہ حصہ ضرور پایا جاوے گا لیکن یہ بُزدلی تھی کہ یہودیوں کے خوف سے خدا کے پاک اور برگزیدہ بندے مسیح کو حوالات دیا گیا۔ اس قسم کا مقدمہ مجھ پر بھی ہوا تھا۔ مسیح علیہ السلام کے خلاف تو یہودیوں نے مقدمہ کیا تھا مگر اس سلطنت میں میرے خلاف جس نے مقدمہ کیا وہ معزز پادری تھا اور ڈاکٹر بھی تھا یعنی ڈاکٹر مارٹن کلارک تھا جس نے مجھ پر اقدام قتل کا مقدمہ بنایا اور اُس نے شہادت پُوری بہم پہنچائی۔ یہانتک کہ مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی بھی جو اس سلسلہ کا سخت دشمن ہے، شہادت دینے کے واسطے عدالت میں آیا اور جہانتک اس سے ہو سکا اس نے میرے خلاف شہادت دی اور پورے طور پر مقدمہ میرے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کی۔ یہ مقدمہ کپتان ڈگلس ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے اجلاس میں تھا جو شاید اب شملہ میں ہیں۔[1]

ان کے روبرُو مقدمہ پُورے طور پر مرتب ہو گیا اور تمام شہادتیں میرے خلاف بڑے زور شور سے دی گئیں۔ ایسی حالت اور صورت میں کوئی قانون دان اہل الرّائے بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں بَری ہو سکتا ہوں۔ تقاضائے وقت اور صورتیں ایسی واقع ہو چکی تھیں۔ کہ مجھے سیشن سپرد کر دیا جاتا اور وہاں سے پھانسی کا حکم ملتا یا عبور دریائے شور کی سزا دی جاتی۔ مگر خدا تعالیٰ نے جیسے مقدمہ سے پہلے مجھے اطلاع دی تھی اسی طرح یہ بھی قبل از وقت ظاہر کر دیا تھا کہ میں اس میں بَری ہوں گا۔ چنانچہ یہ پیشگوئی میری جماعت کے ایک گروہ کثیر کو معلوم تھی۔ غرض جب مقدمہ اس مرحلہ پر پہنچا اور دشمنوں اور مخالفوں کا یہ خیال ہو گیا کہ اب مجھے مجسٹریٹ سیشن سپرد کرے گا۔ اس موقعہ پر اس نے کپتان پولیس سے کہا کہ میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ یہ مقدمہ بناوٹی ہے میرا دل اس کو نہیں مانتا کہ فی الواقعہ ایسی کوشش کی گئی ہو اور انہوں نے ڈاکٹر کلارک کے قتل کے لئے آدمی بھیجا ہو۔ آپ اس کی پھر تفتیش کریں۔ یہ وہ وقت تھا کہ میرے مخالف میرے خلاف ہر قسم کے منصوبوں ہی میں نہ لگے ہوئے تھے بلکہ وہ لوگ جن کو قبولیت دعا کے دعوے تھے، وہ

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۳ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۶ء

دُعاؤں میں لگے ہوئے تھے اور رو رو کر دعائیں کرتے تھے کہ میں سزایاب ہو جاؤں مگر خدا تعالیٰ کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ کپتان ڈگلس صاحب کے پاس بعض سفارشیں بھی آئیں۔ مگر وہ ایک انصاف پسند مجسٹریٹ تھا۔ اس نے کہا کہ ہم سے ایسی بدذاتی نہیں ہو سکتی۔

غرض جب مقدمہ دوبارہ تفتیش کے لئے کپتان لیمارچنڈ کے سپرد کیا گیا تو کپتان صاحب نے عبدالحمید کو بلایا اور اس کو کہا کہ تو سچ سچ بیان کر۔ عبدالحمید نے اس پر بھی وہی قصہ جو اس نے صاحب ڈپٹی کمشنر کے روبرو بیان کیا تھا، دوہرایا۔ اس کو پہلے سے یہ کہا گیا تھا کہ اگر ذرا بھی خلاف بیانی ہوگی تو تُو پکڑا جاوے گا۔ اس لئے وہ وہی کہتا گیا مگر کپتان صاحب نے اس کو کہا کہ تُو تو پہلے بھی یہی بیان کر چکا ہے۔ صاحب اس سے تسلی نہیں پاتے کیونکہ تو سچ سچ بیان نہیں کرتا۔ جب دوبارہ کپتان لیمارچنڈ نے اس کو کہا تو وہ روتا ہوا ان کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور کہنے لگا کہ مجھے بچالو۔ کپتان صاحب نے اس کو تسلی دی اور کہا کہ ہاں بیان کرو۔ اس پر اس نے اصلیت کھول دی اور صاف اقرار کیا کہ مجھے دھمکا کر یہ بیان کرایا گیا تھا۔ مجھے ہرگز ہرگز مرزا صاحب نے قتل کیلئے نہیں بھیجا۔ کپتان اس بیان کو سُنکر بہت خوش ہوا۔ اور اس نے ڈپٹی کمشنر کو تار دیا کہ ہم نے مقدمہ نکال لیا ہے۔ چنانچہ پھر گورداسپور کے مقام پر یہ مقدمہ پیش ہوا اور وہاں کپتان لیمارچنڈ کو حلف دیا گیا اور اس نے اپنا حلفی بیان لکھوایا۔ میں دیکھتا تھا کہ ڈپٹی کمشنر اصلیت کے کھُل جانے پر بڑا خوش تھا اور ان عیسائیوں پر اسے سخت غصہ تھا جنہوں نے میرے خلاف جھُوٹی گواہیاں دی تھیں۔ اس نے مجھے کہا کہ آپ ان عیسائیوں پر مقدمہ کر سکتے ہیں۔ مگر چونکہ میں مقدمہ بازی سے متنفر ہوں۔ میں نے یہی کہا کہ میں مقدمہ نہیں کرنا چاہتا۔ میرا مقدمہ آسمان پر دائر ہے۔ اس پر اسی وقت ڈگلس صاحب نے فیصلہ لکھا۔ ایک مجمع کثیر اس دن جمع ہو گیا ہوا تھا۔ اس نے فیصلہ سُناتے وقت

مجھے کہا کہ آپ کو مبارک ہو۔ آپ بَری ہوئے۔

اب بتاؤ کہ یہ کیسی خوبی اس سلطنت کی ہے کہ عدل اور انصاف کے لئے نہ اپنے مذہب کے ایک سرگروہ کی پروا کی اور نہ کسی اَور بات کی۔ میں دیکھتا تھا کہ اس وقت تو میری دشمن ایک دنیا تھی اور ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب دنیا دُکھ دینے پر آتی ہے تو درو دیوار نیش زنی کرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ ہی ہوتا ہے جو اپنے صادق بندوں کو بچالیتا ہے۔

پھر مسٹر ڈوئی کے سامنے ایک مقدمہ ہوا۔ پھر ٹیکس کا مقدمہ مجھ پر بنایا گیا۔ مگر ان تمام مقدمات میں خدا تعالیٰ نے مجھے بَری ٹھہرایا۔ پھر آخر کرم دین کا مقدمہ ہوا۔ اس مقدمہ میں میری مخالفت میں سارا زور لگایا گیا اور یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ بس اب اس سلسلہ کا خاتمہ ہے اور حقیقت میں اگر خدا تعالےٰ کی طرف سے یہ سلسلہ نہ ہوتا اور وہی اس کی تائید اور نصرت کے لئے کھڑا نہ ہوتا تو اس کے مٹنے میں کوئی شک و شبہ ہی نہ رہا تھا۔ مُلک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کرم دین کی حمایت کی گئی اور ہر طرح سے اس کو مدد دی گئی یہانتک کہ اس مقدمہ میں بعض نے مولوی کہلا کر میرے خلاف وہ گواہیاں دیں جو سراسر خلاف تھیں اور یہانتک بیان کیا کہ زانی ہو، فاسق ہو، فاجر ہو پھر بھی وہ متقی ہوتا ہے۔ یہ مقدمہ ایک لمبے عرصہ تک ہوتا رہا۔ اس اثنا میں بہت سے نشانات ظاہر ہوئے۔ آخر مجسٹریٹ نے جو ہندو تھا مجھ پر پانچسو روپیہ جُرمانہ کر دیا۔ مگر خدا تعالیٰ نے پہلے سے یہ اطلاع دی ہوئی تھی

عدالت عالیہ نے اس کو بَری کر دیا

اس لئے جب وہ اپیل ڈویژنل جج کے سامنے پیش ہوا تو خداداد فراست سے انہوں نے فوراً ہی مقدمہ کی حقیقت کو سمجھ لیا اور قرار دیا کہ کرم دین کے حق میں میں نے جو کچھ لکھا تھا وہ بالکل درست تھا یعنی مجھے اس کے لکھنے کا حق حاصل تھا۔ چنانچہ اس نے جو فیصلہ لکھا ہے وہ شائع ہو چکا ہے۔ آخر اس نے مجھے بَری ٹھہرایا اور جُرمانہ واپس کیا اور ابتدائی

عدالت کو بھی مناسب تنبیہہ کی کہ کیوں اتنی دیر تک یہ مقدمہ رکھا گیا۔

غرض جب کوئی موقعہ میرے مخالفوں کو ملا ہے انہوں نے میرے کچل دینے اور ہلاک کر دینے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا اور کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مگر خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے ہر آگ سے بچایا۔ اسی طرح جس طرح پر وہ اپنے رسولوں کو بچاتا آیا ہے۔ میں ان واقعات کو مدنظر رکھ کر بڑے زور سے کہتا ہوں کہ یہ گورنمنٹ بمراتب اس رومی گورنمنٹ سے بہتر ہے۔ جس کے زمانہ میں مسیح کو دُکھ دیا گیا۔ پیلاطوس گورنر جس کے روبرو پہلے مقدمہ پیش ہوا وہ دراصل مسیح کا مُرید تھا اور اس کی بیوی بھی مُرید تھی اسی وجہ سے اُس نے مسیح کے خُون سے ہاتھ دھوئے مگر باوجود اس کے کہ وہ مُرید تھا اور گورنر تھا اس نے اس جُرأت سے کام نہ لیا جو کپتان ڈگلس نے دکھائی۔ وہاں بھی مسیح بے گناہ تھا اور یہاں بھی میں بے گناہ تھا۔

میں سچ کہتا ہوں اور تجربہ سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو حق کے لئے ایک جُرأت دی ہے۔ پس میں اس جگہ پر تمام مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان پر **فرض ہے کہ وہ سچے دل سے گورنمنٹ کی اطاعت کریں۔**

یہ بخوبی یاد رکھو کہ جو شخص اپنے محسن انسان کا شکر گذار نہیں ہوتا۔ وہ خدا تعالیٰ کا شکر بھی نہیں کر سکتا۔ جس قدر آسائش اور آرام اس زمانہ میں حاصل ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ریل، تار، ڈاکخانہ، پولیس وغیرہ کے انتظام دیکھو کہ کس قدر فوائد ان سے پہنچتے ہیں۔ آج سے ساٹھ ستر برس پہلے بتاؤ۔ کیا ایسا آرام و آسانی تھی؟ پھر خود ہی انصاف کرو۔ جب ہم پر ہزاروں احسان ہیں تو ہم کیونکر شکر نہ کریں۔ اکثر مسلمان مجھ پر حملہ کرتے ہیں کہ تمہارے سلسلہ میں یہ عیب ہے کہ تم جہاد کو موقوف کرتے ہو۔ افسوس ہے کہ وہ نادان اس کی حقیقت سے محض ناواقف ہیں۔ وہ اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرتے ہیں۔ آپ نے کبھی اشاعت مذہب کے لئے تلوار نہیں

اُٹھائی۔ جب آپ پر اور آپ کی جماعت پر مخالفوں کے ظلم انتہا تک پہنچ گئے اور آپ کے مخلص خدام میں سے مَردوں اور عورتوں کو شہید کر دیا گیا اور پھر مدینہ تک آپ کا تعاقب کیا گیا اُس وقت مقابلہ کا حکم ملا۔ آپ نے تلوار نہیں اُٹھائی مگر دشمنوں نے تلوار اُٹھائی۔ بعض اوقات آپ کو ظالم طبع کفار نے سر سے پاؤں تک خون آلود کر دیا تھا مگر آپ نے مقابلہ نہیں کیا۔ خوب یاد رکھو کہ اگر تلوار اسلام کا فرض ہوتا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ میں اُٹھاتے۔ مگر نہیں، وہ تلوار جس کا ذکر ہے وہ اس وقت اُٹھی۔ جب موذی کفار نے مدینہ تک تعاقب کیا۔

اس وقت مخالفین کے ہاتھ میں تلوار تھی مگر اب تلوار نہیں اور میرے خلاف جھوٹی مخبریوں اور فتوؤں سے کام لیا جاتا ہے اور اسلام کے خلاف صرف قلم سے کام لیا جاتا ہے۔ پھر قلم کا جواب تلوار سے دینے والا احمق اور ظالم ہوگا یا کچھ اور؟

اس بات کو مت بھولو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کفّار کے حد سے گذرے ہوئے ظلم وستم پر تلوار اُٹھائی اور وہ حفاظت خود اختیاری تھی جو ہر مہذب گورنمنٹ کے قانون میں بھی جرم نہیں۔ تعزیرات ہند میں بھی حفاظت خود اختیاری کو جائز رکھا ہے۔ اگر ایک چور گھر میں گھس آوے اور وہ حملہ کر کے مار ڈالنا چاہے۔ اس وقت اس چور کو بچاؤ کے لئے مار ڈالنا جرم نہیں ہے[۱]

پس جب حالت یہاں تک پہنچی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جان نثار خدام شہید کر دیئے گئے اور مسلمان ضعیف عورتوں تک کو نہایت سنگدلی اور بے حیائی کے ساتھ شہید کیا گیا تو کیا حق نہ تھا کہ ان کو سزا دی جاتی۔ اس وقت اگر اللہ تعالیٰ کا یہ منشا ہوتا کہ اسلام کا نام ونشان نہ رہے تو البتہ یہ ہو سکتا تھا کہ تلوار کا نام نہ آتا۔ مگر وہ چاہتا تھا کہ اسلام دنیا میں پھیلے اور دنیا کی نجات کا ذریعہ ہو۔ اس لئے اس وقت

---

[۱] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۴ صفحہ ۳ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۰۶ء ۔

محض مدافعت کے لئے تلوار اٹھائی گئی۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اسلام کا اس وقت تلوار اٹھانا کسی قانون، مذہب اور اخلاق کی رُو سے قابلِ اعتراض نہیں ٹھہرتا۔ وہ لوگ جو ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دینے کی تعلیم دیتے ہیں وہ بھی صبر نہیں کر سکتے۔ اور جن کے ہاں کیڑے کا مارنا بھی گناہ سمجھا جاتا ہے، وہ بھی نہیں کر سکتے۔ پھر اسلام پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے؟

میں یہ بھی کھول کر کہتا ہوں کہ جو جاہل مسلمان کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا ہے وہ نبی معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افترا کرتے ہیں اور اسلام کی ہتک کرتے ہیں۔ خوب یاد رکھو کہ اسلام ہمیشہ اپنی پاک تعلیم اور ہدایت اور اس کے ثمرات، انوار و برکات اور معجزات سے پھیلا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان نشانات آپ کے اخلاق کی پاک تاثیرات نے اُسے پھیلایا ہے اور وہ نشانات اور تاثیرات ختم نہیں ہو گئی ہیں بلکہ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں تازہ بتازہ موجود رہتی ہیں اور یہی وجہ ہے جو میں کہتا کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم زندہ نبی ہیں۔ اس لئے کہ آپ کی تعلیمات اور ہدایات ہمیشہ اپنے ثمرات دیتی رہتی ہیں اور آئندہ جب اسلام ترقی کرے گا تو اس کی یہی راہ ہوگی نہ کوئی اور۔ پس جب اسلام کی اشاعت کے لئے کبھی تلوار نہیں اُٹھائی گئی تو اس وقت ایسا خیال بھی کرنا گناہ ہے۔ کیونکہ اب تو سب کے سب امن سے بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے کافی ذریعے اور سامان موجود ہیں۔

مجھے بڑے ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عیسائیوں اور دوسرے معترضین نے اسلام پر حملے کرتے وقت ہرگز ہرگز اصلیت پر غور نہیں کیا۔ وہ دیکھتے کہ اس وقت تمام مخالف اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کے درپے تھے اور سب کے سب مل کر اس کے خلاف منصوبے کرتے اور مسلمانوں کو دُکھ دیتے تھے۔ ان دکھوں اور تکلیفوں کے مقابلہ میں اگر وہ اپنی جان نہ بچاتے تو کیا کرتے۔ قرآن شریف میں یہ آیت موجود

ہے اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا[1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس وقت دیا گیا جبکہ مسلمانوں پر ظلم کی حد ہو گئی تو انہیں مقابلہ کا حکم دیا گیا۔ اس وقت کی یہ اجازت تھی۔ دوسرے وقت کے لئے یہ حکم نہ تھا۔ چنانچہ مسیح موعود کے لئے یہ نشان قرار دیا گیا۔ یضع الحساب۔ اب تو اس کی سچائی کا نشان ہے کہ وہ لڑائی نہ کرے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس زمانہ میں مخالفوں نے بھی مذہبی لڑائیاں چھوڑ دیں۔ ہاں اس مقابلہ نے ایک اَور صورت اور رنگ اختیار کر لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ قلم سے کام لے کر اسلام پر اعتراض کر رہے ہیں عیسائی ہیں کہ ان کا ایک ایک پرچہ پچاس پچاس ہزار نکلتا ہے اور ہر طرح کوشش کرتے ہیں کہ لوگ اسلام سے بیزار ہو جائیں۔ پس اس مقابلہ کے لئے ہمیں قلم سے کام لینا چاہیئے یا تیر چلانے چاہئیں ؟ اس وقت تو اگر کوئی ایسا خیال کرے تو اس سے بڑھ کر احمق اور اسلام کا دشمن کون ہوگا ؟ اس قسم کا نام لینا اسلام کو بدنام کرنا ہے یا کچھ اَور ؟ جب ہمارے مخالف اس قسم کی سعی نہیں کرتے حالانکہ وہ حق پر نہیں تو پھر کیسا تعجب اور افسوس ہوگا کہ اگر ہم حق پر ہو کر تلوار کا نام لیں۔ اس وقت تم کسی کو تلوار دکھا کر کہو کہ مسلمان ہو جا ورنہ قتل کر دوں گا۔ پھر دیکھو نتیجہ کیا ہوگا ؟ وہ پولیس میں گرفتار کرا کے تلوار کا مزا چکھا دیگا۔

یہ خیالات سراسر بیہودہ ہیں۔ ان کو سروں سے نکال دینا چاہیئے۔ اب وقت آیا ہے کہ اسلام کا روشن اور درخشاں چہرہ دکھایا جاوے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ تمام اعتراضوں کو دُور کر دیا جاوے اور جو اسلام کے نورانی چہرہ پر داغ لگایا گیا ہے اسے دُور کر کے دکھایا جاوے۔ میں یہ بھی افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے جو موقعہ خدا تعالیٰ نے دیا ہے اور عیسائی مذہب کے اسلام میں داخل کرنے کے لئے جو راستہ کھولا گیا تھا اُسے ہی بُری نظر سے دیکھا اور اس کا کُفر کیا۔

میں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ پُورے طور پر اس طریق کو پیش کیا ہے جو اسلام کو کامیاب اور دوسرے مذاہب پر غالب کرنے والا ہے۔ میرے رسائل امریکہ اور یورپ

[1] الحج: ۴۰

میں جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس قوم کو جو فراست دی ہے انہوں نے اس خداداد فراست
سے اس امر کو سمجھ لیا ہے۔ لیکن جب ایک مسلمان کے سامنے میں اسے پیش کرتا ہوں تو
اُس کے مُنہ میں جھاگ آجاتی ہے گویا وہ دیوانہ ہے یا قتل کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ قرآن ۳-۲۲
شریف کی تعلیم تو یہی تھی ادفع بالّتی ھی احسن[1]۔ یہ تعلیم اس لئے تھی کہ اگر دشمن
بھی ہو تو وہ اس نرمی اور حسن سلوک سے دوست بن جاوے اور ان باتوں کو آرام
اور سکون کے ساتھ سُن لے۔ میں اللہ جلّشانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس کی
طرف سے ہوں۔ وہ خوب جانتا ہے کہ میں مفتری نہیں، کذّاب نہیں۔ اگر تم مجھے خدا تعالیٰ
کی قسم پر بھی اور ان نشانات کو بھی جو اُس نے میری تائید میں ظاہر کئے، دیکھ کر مجھے کذّاب
اور مفتری کہتے ہو تو پھر میں تمہیں خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ کسی ایسے مفتری کی نظیر
پیش کرو کہ باوجود اس کے ہر روز افتراء اور کذب کے جو وہ اللہ تعالیٰ پر کرے۔ پھر اللہ
تعالیٰ اس کی تائید اور نصرت کرتا جاوے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اسے ہلاک کرے۔ مگر
یہاں اس کے برخلاف معاملہ ہے۔ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں صادق
ہوں۔ اس کی طرف سے آیا ہوں۔ مگر مجھے کذّاب اور مفتری کہا جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ
ہر مقدمہ اور ہر بلا میں جو قوم میرے خلاف پیدا کرتی ہے، مجھے نصرت دیتا ہے اور
اُس سے مجھے بچاتا ہے اور پھر ایسی نصرت کی کہ لاکھوں انسانوں کے دل میں میرے
لئے محبت ڈال دی۔ میں اس پر اپنی سچائی کو حصر کرتا ہوں۔ اگر تم کسی ایسے مفتری کا
نشان دے دو کہ وہ کذّاب ہو اور اللہ تعالیٰ پر اس نے افترا کیا ہو اور پھر خدا
تعالیٰ نے اس کی ایسی نصرتیں کی ہوں اور اس قدر عرصہ تک اُسے زندہ رکھا ہو۔ اور
اُس کی مُرادوں کو پُورا کیا ہو۔ دکھاؤ۔

یقیناً سمجھو کہ خدا تعالیٰ کے مُرسل ان نشانات اور تائیدات سے شناخت کئے
جاتے ہیں جو خدا تعالیٰ اُن کے لئے دکھاتا اور ان کی نصرت کرتا ہے۔ میں اپنے قول

[1] حٰمٓ سجدۃ : ۳۵

میں سچا ہوں اور خدا تعالیٰ جو دلوں کو دیکھتا ہے وہ میرے دل کے حالات سے واقف اور خبردار ہے کیا تم اتنا بھی نہیں کہہ سکتے جو آلِ فرعون کے ایک آدمی نے کہا تھا ان یك کاذباً فعلیه کذبه وان یك صادقاً یصبکم بعض الّذی یعدکم[1]۔ کیا تم یہ یقین نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹوں کا سب سے زیادہ دشمن ہے تم سب مل کر جو مجھ پر حملہ کرو۔ خدا تعالیٰ کا غضب اس سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔ پھر اس کے غضب سے کون بچا سکتا ہے۔ اور یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے اس میں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وعید کی پیشگوئیاں بعض پوری کر دے گا۔ کل نہیں کہا۔ اس میں حکمت کیا ہے؟ حکمت یہی ہے کہ وعید کی پیشگوئیاں مشروط ہوتی ہیں وہ توبہ، استغفار اور رجوع الی الحق سے ٹل جایا کرتی ہیں۔

پیشگوئی دو قسم کی ہوتی ہے، ایک وعدہ کی جیسے فرمایا۔ وعد الله الّذین اٰمنوا منکم[2]۔ اہلِ سُنّت مانتے ہیں کہ اس قسم کی پیشگوئیوں میں تخلف نہیں ہوتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کریم ہے۔ لیکن وعید کی پیشگوئیوں میں وہ ڈرا کر بخش بھی دیتا ہے اس لئے کہ وہ رحیم ہے۔ بڑا نادان اور اسلام سے دُور پڑا ہوا ہے وہ شخص جو کہتا ہے وعید کی سب پیشگوئیاں پُوری ہوتی ہیں۔ وہ قرآن کریم کو چھوڑتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم تو کہتا ہے۔ یصبکم بعض الّذی یعدکم۔

افسوس ہے بہت سے لوگ مولوی کہلاتے ہیں مگر انہیں نہ قرآن کی خبر ہے نہ حدیث کی، نہ سُنّتِ انبیاء کی۔ صرف بغض کی جھاگ ہوتی ہے اس لئے وہ دھوکہ دیتے ہیں یاد رکھو الکریم اذا وعد وفیٰ۔ رحیم کا تقاضا یہی ہے کہ قابلِ سزا ٹھہرا کر معاف کر دیتا ہے اور یہ تو انسان کی بھی فطرت میں ہے کہ وہ معاف کر دیتا ہے۔ ایک مرتبہ میرے سامنے ایک شخص نے بناوٹی شہادت دی۔ اس پر جُرم ثابت تھا۔ وہ مقدمہ ایک انگریز کے پاس تھا۔ اسے اتفاقاً چھٹی آگئی کہ کسی دُور دراز جگہ پر اس کی تبدیلی ہو گئی ہے۔ وہ

[1] المومن: ۲۹ [2] النور: ۵۶

غمگین ہوا۔ جو مجرم تھا وہ بوڑھا آدمی تھا۔ منشی سے کہا کہ یہ تو قید خانہ ہی میں مر جاوے گا اس نے بھی کہا کہ حضور بال بچہ دار ہے۔ اس پر وہ انگریز بولا کہ اب مثل مرتب ہو چکی ہے اب کیا ہو سکتا ہے۔ پھر کہا کہ اچھا اس مثل کو چاک کر دو۔ اب غور کرو کہ انگریز کو تو رحم آ سکتا ہے، خدا تعالیٰ کو نہیں آتا؟

پھر اس بات پر بھی غور کرو کہ صدقہ اور خیرات کیوں جاری ہے اور ہر قوم میں اس کا رواج ہے۔ فطرتاً انسان مصیبت اور بلا کے وقت صدقہ دینا چاہتا ہے اور خیرات کرتا ہے اور کہتے ہیں کہ بکرے دو۔ کپڑے دو۔ یہ دو وہ دو۔ اگر اس کے ذریعہ سے ردِّ بلا نہیں ہوتا تو پھر اضطراراً انسان کیوں ایسا کرتا ہے؟ نہیں ردّ بلا ہوتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر کے اتفاق سے یہ ثابت ہے اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ صرف مسلمانوں ہی کا مذہب نہیں بلکہ یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کا بھی یہ مذہب ہے۔ اور میری سمجھ میں روئے زمین پر کوئی اس امر کا منکر ہی نہیں۔ جبکہ یہ بات ہے تو صاف کھل گیا کہ وہ ارادہ الٰہی ٹل جاتا ہے۔

پیشگوئی اور ارادہ الٰہی میں صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ پیشگوئی کی اطلاع نبی کو دی جاتی ہے اور ارادہ الٰہی پر کسی کو اطلاع نہیں ہوتی اور وہ مخفی رہتا ہے۔ اگر وہی ارادہ الٰہی نبی کی معرفت ظاہر کر دیا جاتا تو وہ پیشگوئی ہوتی۔ اگر پیشگوئی نہیں ٹل سکتی تو پھر ارادہ الٰہی بھی صدقہ خیرات سے نہیں ٹل سکتا۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ چونکہ وعید کی پیشگوئیاں ٹل جاتی ہیں اس لئے فرمایا وَ اِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ۔[1]

اب اللہ تعالیٰ خود گواہی دیتا ہے کہ بعض پیشگوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ٹل گئیں۔ اگر میری کسی ایسی پیشگوئی پر ایسا اعتراض کیا جاتا ہے تو مجھے اس کا جواب دو۔ اگر اس امر میں میری تکذیب کرو گے تو میری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والے ٹھہرو گے۔ میں بڑے وثوق سے کہتا ہوں کہ یہ کل اہلسنت جماعت اور کل دنیا کا مسلّم

[1] المومن: ۲۹

مسئلہ ہے کہ تضرّع سے عذاب کا وعدہ ٹل جایا کرتا ہے۔ کیا حضرت یُونس علیہ السلام کی نظیر بھی تمہیں بھُول گئی ہے؟ حضرت یُونس کی قوم سے جو عذاب ٹل گیا تھا۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ درمنثور وغیرہ کو دیکھو اور بائبل میں یُونہ نبی کی کتاب موجود ہے۔ اس عذاب کا قطعی وعدہ تھا مگر یُونسؑ کی قوم نے عذاب کے آثار دیکھ کر توبہ کی اور اس کی طرف رجُوع کیا۔ خدا تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ اور عذاب ٹل گیا۔ ادھر حضرت یُونس یوم مقررہ پر عذاب کے منتظر تھے۔ لوگوں سے خبریں پوچھتے تھے۔ ایک زمیندار سے پوچھا کہ نینوہ کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ اچھا حال ہے تو حضرت یُونسؑ پر بہت غم طاری ہوا۔ اور انہوں نے کہا لن ارجع الیٰ قومی کذابًا۔ یعنی میں اپنی قوم کی طرف کذّاب کہلا کر نہیں جاؤں گا۔ اب اس نظیر کے ہوتے ہوئے اور قرآن شریف کی زبردست شہادت کی موجودگی میں میری کسی ایسی پیشگوئی پر جو پہلے ہی سے شرطی تھی، اعتراض کرنا تقویٰ کے خلاف ہے۔ متقی کی یہ شان نہیں کہ بغیر سوچے سمجھے مُنہ سے بات نکال دے اور تکذیب کو آمادہ ہو جاوے۔

حضرت یُونس کا قصہ نہایت دردناک اور عبرت بخش ہے۔ اور وہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ اسے غور سے پڑھو۔ یہانتک کہ وہ دریا میں گرائے گئے اور مچھلی کے پیٹ میں گئے تب توبہ منظور ہوئی۔ یہ سزا اور عتاب حضرت یُونس پر کیوں ہوا؟ اس لئے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو قادر نہ سمجھا کہ وہ وعید کو ٹال دیتا ہے۔ پھر تم لوگ کیوں میرے متعلق جلدی کرتے ہو؟ اور میری تکذیب کے لئے ساری نبوّتوں کو جھٹلاتے ہو؟

یاد رکھو خدا تعالیٰ کا نام غفور ہے۔ پھر کیوں وہ رجُوع کرنے والوں کو معاف نہ کرے۔ اس قسم کی غلطیاں ہیں جو قوم میں واقع ہو گئی ہیں۔ انہیں غلطیوں میں سے جہاد کی غلطی بھی ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ جب میں کہتا ہوں کہ جہاد حرام ہے تو کالی پیلی آنکھیں نکال لیتے ہیں۔ حالانکہ خود ہی مانتے ہیں کہ جو حدیثیں خونی مہدی کی ہیں وہ مخدوش ہیں۔

مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس باب میں رسالے لکھے ہیں اور یہی مذہب میاں نذیر حسین دہلوی کا تھا۔ وہ ان کو قطعی صحیح نہیں سمجھتے۔ پھر مجھے کیوں کاذب کہا جاتا ہے۔ سچی بات یہی ہے کہ مسیح موعود اور مہدی کا کام یہی ہے کہ وہ لڑائیوں کے سلسلہ کو بند کرے گا اور قلم، دُعا، توجہ سے اسلام کا بول بالا کرے گا۔ اور افسوس ہے کہ لوگوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی اس لئے کہ جس قدر توجہ دنیا کی طرف ہے، دین کی طرف نہیں۔ دنیا کی آلودگیوں اور ناپاکیوں میں مبتلا ہو کر یہ امید کیونکر کر سکتے ہیں کہ ان پر قرآن کریم کے معارف کھلیں وہاں صاف لکھا ہے لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ[1]

اس بات کو بھی دل سے سُنو کہ میرے مبعوث ہونے کی علّتِ غائی کیا ہے؟ میرے آنے کی غرض اور مقصود صرف اسلام کی تجدید اور تائید ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ کوئی نئی شریعت سکھاؤں یا نئے احکام دُوں یا کوئی نئی کتاب نازل ہو گی۔ ہرگز نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ خیال کرتا ہے تو میرے نزدیک وہ سخت گمراہ اور بیدین ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر شریعت اور نبوت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اب کوئی شریعت نہیں آسکتی۔ قرآن مجید خاتم الکتب ہے۔ اس میں اب ایک شعشہ یا نقطہ کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے برکات اور فیوضات اور قرآن شریف کی تعلیم اور ہدایت کے ثمرات کا خاتمہ نہیں ہو گیا۔ وہ ہر زمانہ میں تازہ بتازہ موجود ہیں اور انہیں فیوضات اور برکات کے ثبوت کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا ہے۔ اسلام کی جو حالت اس وقت ہے، وہ پوشیدہ نہیں۔ بالاتفاق مان لیا گیا ہے کہ ہر قسم کی کمزوریوں اور تنزل کا نشانہ مسلمان ہو رہے ہیں۔ ہر پہلو سے وہ گر رہے ہیں۔ ان کی زبان ساتھ ہے تو دل نہیں ہے اور اسلام یتیم ہو گیا ہے۔ ایسی حالت میں خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے کہ میں اس کی حمایت اور سرپرستی کروں اور اپنے وعدہ کے موافق بھیجا ہے کیونکہ اس نے فرمایا تھا۔ اِنَّا

[1] الواقعہ : ۸۰

نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون[1]۔ اگر اس وقت حمایت اور نصرت اور حفاظت نہ کی جاتی تو وہ اور کونسا وقت آئے گا۔ اب اس چودھویں صدی میں وہی حالت ہو رہی ہے جو بدر کے موقعہ پر ہو گئی تھی جس کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلۃ[2]۔ اس آیت میں بھی دراصل ایک پیشگوئی مرکوز تھی یعنی جب چودھویں صدی میں اسلام ضعیف اور ناتوان ہو جائے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اس وعدہ حفاظت کے موافق اس کی نصرت کرے گا۔ پھر تم کیوں تعجب کرتے ہو کہ اس نے اسلام کی نصرت کی؟ مجھے اس بات کا افسوس نہیں کہ میرا نام دجّال اور کذّاب رکھا جاتا ہے اور مجھ پر تہمتیں لگائی جاتی ہیں اس لئے کہ یہ ضرور تھا کہ میرے ساتھ وہی سلوک ہوتا جو مجھ سے پہلے فرستادوں کے ساتھ ہوا تا میں بھی اس قدیم سنّت سے حصہ پاتا۔

میں نے تو ان مصائب اور شدائد کا کچھ بھی حصہ نہیں پایا لیکن جو مصیبتیں اور مشکلات ہمارے سیّد و مولا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی راہ میں آئیں، اس کی نظیر انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں کسی کے لئے نہیں پائی جاتی۔ آپ نے اسلام کی خاطر وہ دُکھ اُٹھائے کہ قلم ان کے لکھنے اور زبان ان کے بیان سے عاجز ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کیسے جلیل الشّان اور اولوالعزم نبی تھے۔ اگر خدا تعالےٰ کی تائید اور نُصرت آپ کے ساتھ نہ ہوتی تو ان مشکلات کے پہاڑ کو اُٹھانا ناممکن ہو جاتا۔ اور اگر کوئی اَور نبی ہوتا تو وہ بھی رہ جاتا۔ مگر جس اسلام کو ایسی مصیبتوں اور دکھوں کے ساتھ آپ نے پھیلایا تھا آج اس کا جو حال ہو گیا ہے وہ میں کیونکر کہوں؟

اسلام کے معنے تو یہ تھے کہ انسان خدا تعالےٰ کی محبت اور اطاعت میں فنا ہو جاوے اور جس طرح پر ایک بکری کی گردن قصاب کے آگے ہوتی ہے اسی طرح پر مسلمان کی گردن خدا تعالےٰ کی اطاعت کے لئے رکھ دی جاوے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ خدا تعالےٰ ہی کو وحدہٗ لاشریک سمجھے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اس وقت یہ توحید

[1] الحجر: ۱۰ [2] اٰل عمران: ۱۲۴

گم ہو گئی تھی اور یہ دیش آریہ ورت بھی بُتوں سے بھرا ہوا تھا جیسا کہ پنڈت دیانند سرسوتی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔ ایسی حالت اور ایسے وقت میں ضرور تھا کہ آپ مبعوث ہوتے اس کا ہمرنگ یہ زمانہ بھی ہے جس میں بُت پرستی کے ساتھ انسان پرستی اور دہریت بھی پھیل گئی ہے اور اسلام کا اصل مقصد اور رُوح باقی نہیں رہی۔ اس کا مغز تو یہ تھا کہ خدا ہی کی محبت میں فنا ہو جانا اور اس کے سوا کسی کو معبود نہ سمجھنا اور مقصد یہ ہے کہ انسان رُو بخدا ہو جاوے اور بدُنیا نہ رہے اور اس مقصد کے لئے اسلام نے اپنی تعلیم کے دو حصے کئے ہیں۔ اوّل حقوق اللہ، دوم حقوق العباد۔ حق اللہ یہ ہے کہ اس کو واجب الاطاعت سمجھے اور حقوق العباد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی مخلوق سے ہمدردی کریں۔ یہ طریق اچھا نہیں کہ صرف مخالفت مذہب کی وجہ سے کسی کو دُکھ دیں۔ ہمدردی اور سلوک الگ چیز ہے اور مخالفت مذہب دوسری شئے۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جو جہاد کی غلطی اور غلط فہمی میں مبتلا ہیں انہوں نے یہ بھی جائز رکھا ہے کہ کفّار کا مال ناجائز طور پر لینا بھی درست ہے خود میری نسبت بھی ان لوگوں نے فتویٰ دیا کہ ان کا مال لُوٹ لو بلکہ یہانتک بھی کہ ان کی بیویاں نکال لو۔ حالانکہ اسلام میں اس قسم کی ناپاک تعلیمیں نہ تھیں۔ وہ تو ایک صاف اور مصفیٰ مذہب تھا۔ اسلام کی مثال ہم یُوں دے سکتے ہیں کہ جیسے باپ اپنے حقوق ابوّت کو چاہتا ہے اسی طرح وہ چاہتا ہے کہ اولاد میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی ہو۔ وہ نہیں چاہتا کہ ایک دوسرے کو مارے۔ اسلام بھی جہاں یہ چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کوئی شریک نہ ہو وہاں اس کا یہ بھی منشا ہے کہ نوعِ انسان میں مودّت اور وحدت ہو۔[1]

نماز میں جو جماعت کا زیادہ ثواب رکھا ہے اس میں یہی غرض ہے کہ وحدت پیدا ہوتی ہے اور پھر اس وحدت کو عملی رنگ میں لانے کی یہانتک ہدایت اور تاکید ہے کہ باہم پاؤں بھی مساوی ہوں اور صف سیدھی ہو اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں۔ اس سے

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۶ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۱۷؍ اکتوبر ۱۹۰۶ء

مطلب یہ ہے کہ گویا ایک ہی انسان کا حکم رکھیں اور ایک کے انوار دوسرے میں سرایت کر سکیں۔ وہ تمیز جس سے خودی اور خود غرضی پیدا ہوتی ہے نہ رہے۔

یہ خوب یاد رکھو کہ انسان میں یہ قوت ہے کہ وہ دوسرے کے انوار کو جذب کرتا ہے پھر اسی وحدت کے لئے حکم ہے کہ روزانہ نمازیں محلہ کی مسجد میں اور ہفتہ کے بعد شہر کی مسجد میں اور پھر سال کے بعد عیدگاہ میں جمع ہوں اور کُل زمین کے مسلمان سال میں ایک مرتبہ بیت اللہ میں اکٹھے ہوں۔ ان تمام احکام کی غرض وہی وحدت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حقوق کے دو ہی حصے رکھے ہیں۔ ایک حقوق اللہ دوسرے حقوق العباد اس پر بہت کچھ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم او اشد ذکرا[1]۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح پر تم اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اس جگہ دو رمز ہیں۔ ایک تو ذکر اللہ کو ذکر آباء سے مشابہت دی ہے اس میں یہ سِر ہے کہ آباء کی محبت ذاتی اور فطری محبت ہوتی ہے دیکھو بچہ کو جب ماں مارتی ہے وہ اس وقت بھی ماں ماں ہی پکارتا ہے۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسان کو ایسی تعلیم دیتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے فطری محبت کا تعلق پیدا کرے۔ اس محبت کے بعد اطاعت امر اللہ کی خود بخود پیدا ہوتی ہے۔ یہی وہ اصلی مقام معرفت کا ہے جہاں انسان کو پہنچنا چاہیئے یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے فطری اور ذاتی محبت پیدا ہو جاوے ایک اور مقام پر یوں فرمایا ہے۔ ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربیٰ[2] اس آیت میں ان تین مدارج کا ذکر کیا ہے جو انسان کو حاصل کرنے چاہئیں۔ پہلا مرتبہ عدل کا ہے اور عدل یہ ہے کہ انسان کسی سے کوئی نیکی کرے بشرط معاوضہ۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ ایسی نیکی کوئی اعلیٰ درجہ کی بات نہیں بلکہ سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ عدل کرو اور اگر اس پر ترقی کرو تو پھر وہ احسان کا درجہ ہے یعنی بلاعوض سلوک کرو۔ لیکن یہ امر کہ جو بدی کرتا ہے اس سے نیکی کی جاوے، کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے دوسری پھیر

[1] البقرۃ: ۲۰۱ [2] النحل: ۹۱

دی جاوے۔ یہ صحیح نہیں۔ یا یہ کہو کہ عام طور پر یہ تعلیم عملدر آمد میں نہیں آسکتی۔ چنانچہ سعدی کہتا ہے ؎

نکوئی با بداں کردن چناں است
کہ بد کردن برائے نیک مرداں

اس لئے اسلام میں انتقامی حدود میں جو اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی ہے کوئی دوسرا مذہب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور وہ یہ ہے جزٰؤا سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا و اصلح[1] الآیۃ۔ یعنی بدی کی سزا اسی قدر بدی ہے اور جو معاف کر دے مگر ایسے محل اور مقام پر کہ وہ عفو اصلاح کا موجب ہو، اسلام نے عفو خطا کی تعلیم دی لیکن یہ نہیں کہ اس سے شتہ بڑھے۔

غرض عدل کے بعد دوسرا درجہ احسان کا ہے یعنی بغیر کسی معاوضہ کے سلوک کیا جاوے لیکن اس سلوک میں بھی ایک قسم کی خودغرضی ہوتی ہے۔ کسی نہ کسی وقت انسان اس احسان یا نیکی کو جتا دیتا ہے اس لئے اس سے بھی بڑھ کر ایک تعلیم دی اور وہ ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ ہے۔ ماں جو اپنے بچہ کے ساتھ سلوک کرتی ہے وہ اس سے کسی معاوضہ اور انعام و اکرام کی خواہشمند نہیں ہوتی۔ وہ اس کے ساتھ جو نیکی کرتی ہے محض طبعی محبت سے کرتی ہے اگر بادشاہ اس کو حکم دے کہ تو اس کو دودھ مت دے اور اگر یہ تیری غفلت سے مر بھی جاوے تو تجھے کوئی سزا نہیں دی جاوے گی بلکہ انعام دیا جاوے گا۔ اس صورت میں وہ بادشاہ کا حکم ماننے کو تیار نہ ہوگی بلکہ اس کو گالیاں دے گی کہ یہ میری اولاد کا دشمن ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ ذاتی محبت سے کر رہی ہے، اس کی کوئی غرض درمیان نہیں۔ یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے جو اسلام پیش کرتا ہے اور یہ آیت حقوق اللہ اور حقوق العباد دونو پر حاوی ہے حقوق اللہ کے پہلو کے لحاظ سے اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ انصاف کی رعایت سے اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور عبادت کرو۔ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور تمہاری پرورش کرتا

[1] الشوریٰ : ۴۱

ہے۔ اور جو اطاعتِ الٰہی میں اس مقام سے ترقی کرے تو احسان کی پابندی سے اطاعت کر کیونکہ وہ محسن ہے اور اس کے احسانات کو کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ اور چونکہ محسن کے شمائل اور خصائل کو مدنظر رکھنے سے اس کے احسان تازہ رہتے ہیں اس لئے احسان کا مفہوم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا ہے کہ ایسے طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا دیکھ رہا ہے یا کم از کم یہ کہ اللہ تعالیٰ اُسے دیکھ رہا ہے۔ اس مقام تک انسان میں ایک حجاب رہتا ہے۔ لیکن اس کے بعد جو تیسرا درجہ ہے ایتاء ذی القربیٰ کا یعنی اللہ تعالیٰ سے اسے ذاتی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور حقوق العباد کے پہلو سے میں اس کے معنے پہلے بیان کر چکا ہوں۔ اور یہ بھی میں نے بیان کیا ہے کہ یہ تعلیم جو قرآن شریف نے دی ہے کسی اَور کتاب نے نہیں دی اور ایسی کامل ہے کہ کوئی نظیر اس کی پیش نہیں کر سکتا۔ یعنی جزٰٓؤُا سیئۃ سیئۃ مثلھا[1] الآیۃ۔ اس میں عفو کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ اس میں اصلاح ہو۔ یہودیوں کے مذہب نے یہ کہا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ ان میں انتقامی قوت اس قدر بڑھ گئی تھی اور یہانتک یہ عادت ان میں پختہ ہو گئی تھی کہ اگر باپ نے بدلہ نہیں لیا تو بیٹے اور اس کے پوتے تک کے فرائض میں یہ امر ہوتا تھا کہ وہ بدلہ لے۔ اس وجہ سے ان میں کینہ توزی کی عادت بڑھ گئی تھی۔ اور وہ بہت سنگدل اور بے درد ہو چکے تھے۔ عیسائیوں نے اس تعلیم کے مقابل یہ تعلیم دی کہ ایک گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسری بھی پھیر دو۔ ایک کوس بیگار لے جاوے تو دو کوس چلے جاؤ وغیرہ۔ اس تعلیم میں جو نقص ہے، وہ ظاہر ہے۔ کہ اس پر عملدرآمد ہی نہیں ہو سکتا۔ اور عیسائی گورنمنٹوں نے عملی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ یہ تعلیم ناقص ہے کیا یہ کسی عیسائی کی جرأت ہو سکتی ہے کہ کوئی خبیث طمانچہ مار کر دانت نکال دے تو وہ دوسری گال پھیر دے کہ ہاں اب دُوسرا دانت بھی نکال دو۔ وہ خبیث تو اَور بھی دلیر ہو جائے گا اور اسی سے امن عامہ میں خلل واقع ہو گا۔ پھر کیونکر ہم تسلیم کریں کہ یہ تعلیم

[1] الشوریٰ: ۴۱

عمدہ ہے یا خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہو سکتی ہے۔ اگر اس پر عمل ہو تو کسی ملک کا
بھی انتظام نہ ہو سکے۔ ایک ملک ایک دشمن چھین لے تو دوسرا خود حوالہ کرنا پڑے۔ ایک
افسر گرفتار ہو جاوے تو دس اَور دیئے جاویں۔ یہ نقص ہیں جو ان تعلیموں میں ہیں اور یہ صحیح
نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہ احکام بطور قانون مختص الزمان تھے۔ جب وہ زمانہ گذر گیا تو
دوسرے لوگوں کے حسب حال وہ تعلیم نہ رہی۔ یہودیوں کا وہ زمانہ تھا کہ وہ چار سَو برس
تک غلامی میں رہے اور اس غلامی کی زندگی کی وجہ سے ان میں قساوت قلبی بڑھ گئی اور
وہ کینہ کش ہو گئے۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس بادشاہ کے زمانہ میں کوئی ہوتا ہے اس
کے اخلاق بھی اسی قسم کے ہو جاتے ہیں۔ سکھوں کے زمانہ میں اکثر لوگ ڈاکو ہو گئے تھے۔
انگریزوں کے زمانہ میں تہذیب اور تعلیم پھیلتی جاتی ہے اور ہر شخص اس طرف کوشش کر
رہا ہے۔ غرض بنی اسرائیل نے فرعون کی ماتحتی کی تھی، اسی وجہ سے ان میں ظلم بڑھ گیا
تھا۔ اس لئے توریت کے زمانہ میں عدل کی ضرورت مقدم تھی کیونکہ وہ لوگ اس سے بےخبر
تھے اور جابرانہ عادت رکھتے تھے اور انہوں نے یقین کر لیا تھا کہ دانت کے بدلے دانت
کا توڑنا ضروری ہے اور یہ ہمارا فرض ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سکھایا کہ عدل تک ہی بات نہیں
رہتی بلکہ احسان بھی ضروری ہے۔ اس سبب سے مسیحؑ کے ذریعہ انہیں یہ تعلیم دی گئی کہ ایک
گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دو۔ اور جب اسی پر سارا زور دیا گیا تو آخر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس تعلیم کو اصل نقطہ پر پہنچا دیا اور وہ یہی تعلیم تھی کہ بدی کا بدلہ
اسی قدر بدی ہے لیکن جو شخص مُعاف کر دے اور مُعاف کرنے سے اصلاح ہوتی ہو۔ اس
کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور اجر ہے۔ عفو کی تعلیم دی ہے مگر ساتھ قید لگائی کہ اصلاح
ہو۔ بے محل عفو نقصان پہنچاتا ہے۔ پس اس مقام پر غور کرنا چاہیئے کہ جب توقع اصلاح
کی ہو تو عفو ہی کرنا چاہیئے۔ جیسے دو خدمتگار ہوں، ایک بڑا شریف الاصل اور فرماں بردار
اور خیر خواہ ہو لیکن اتفاقاً اس سے کوئی غلطی ہو جاوے۔ اس موقعہ پر اس کو معاف کرنا ہی

مناسب ہے۔ اگر سزا دی جاوے تو ٹھیک نہیں لیکن ایک بدمعاش اور شریر ہے۔ ہر روز نقصان کرتا ہے اور شرارتوں سے باز نہیں آتا۔ اگر اسے چھوڑ دیا جاوے تو وہ اور بھی بیباک ہو جائے گا اس کو سزا ہی دینی چاہیئے۔ غرض اس طرح پر محل اور موقع شناسی سے کام لو۔ یہ تعلیم ہے جو اسلام نے دی ہے اور جو کامل تعلیم ہے۔ اس کے بعد اور کوئی نئی تعلیم یا شریعت نہیں آسکتی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور قرآن شریف خاتم الکتب۔ اب کوئی اور کلمہ یا کوئی اور نماز نہیں ہو سکتی۔ جو کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا کر کے دکھایا اور جو کچھ قرآن شریف میں ہے، اس کو چھوڑ کر نجات نہیں مل سکتی۔ جو اس کو چھوڑے گا وہ جہنم میں جاویگا یہ ہمارا مذہب اور عقیدہ ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس امت کے لئے مخاطبات اور مکالمات کا دروازہ کھلا ہے اور یہ دروازہ گویا قرآن مجید کی سچائی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ہر وقت تازہ شہادت ہے اور اس کے لئے خدا تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ ہی میں یہ دعا سکھائی ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الّذین انعمت علیھم۔[1] انعمت علیہم کی راہ کے لئے جو دعا سکھائی تو اس میں انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے حصول کا اشارہ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو کمال دیا گیا وہ معرفت الٰہی ہی کا کمال تھا۔ اور یہ نعمت ان کو مکالمات اور مخاطبات سے ملی تھی۔ اسی کے تم بھی خواہاں ہو۔ پس اس نعمت کے لئے یہ خیال کرو کہ قرآن شریف اس دعا کی تو ہدایت کرتا ہے مگر اس کا ثمرہ کچھ بھی نہیں یا اس اُمّت کے کسی فرد کو بھی یہ شرف نہیں مل سکتا اور قیامت تک یہ دروازہ بند ہو گیا ہے۔ بتاؤ اس سے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ثابت ہوگی یا کوئی خوبی ثابت ہوگی؟ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے وہ اسلام کو بدنام کرتا ہے۔ اور اس نے مغزِ شریعت کو سمجھا ہی نہیں۔ اسلام کے مقاصد میں سے تو یہ امر تھا کہ انسان صرف زبان ہی سے وحدہٗ لاشریک نہ کہے بلکہ درحقیقت سمجھ لے۔ اور بہشت دوزخ پر خیالی ایمان نہ ہو بلکہ فی الحقیقت اسی زندگی میں

[1] الفاتحہ ۶، ۷

وہ بہشتی کیفیات پر اطلاع پالے اور ان گناہوں سے جن میں یہ وحشی انسان مبتلا ہیں۔ نجات پالے۔ یہ عظیم الشان مقصد انسان کا تھا اور ہے اور یہ ایسا پاک مطہر مقصد ہے۔ کہ کوئی دوسری قوم اس کی نظیر اپنے مذہب میں پیش نہیں کر سکتی اور نہ اس کا نمونہ دکھا سکتی ہے کہنے کو تو ہر ایک کہہ سکتا ہے مگر وہ کون ہے جو دکھا سکتا ہو؟

میں نے آریوں سے عیسائیوں سے پوچھا ہے کہ وہ خدا جو تم مانتے ہو اس کا کوئی ثبوت پیش کرو۔ نری زبانی لاف گزاف سے بڑھ کر وہ کچھ بھی نہیں دکھا سکتے۔ وہ سچا خدا جو قرآن شریف نے پیش کیا ہے اس سے یہ لوگ ناواقف ہیں۔ اس پر اطلاع پانے کے لئے یہی ایک ذریعہ مکالمات کا تھا جس کے سبب سے اسلام دوسرے مذاہب سے ممتاز تھا۔ مگر افسوس ان مسلمانوں نے میری مخالفت کی وجہ سے اس سے بھی انکار کر دیا۔

یقیناً یاد رکھو کہ گناہوں سے بچنے کی توفیق اس وقت مل سکتی ہے جب انسان پورے طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لاوے۔ یہی بڑا مقصد انسانی زندگی کا ہے کہ گناہ کے پنجہ سے نجات پالے۔ دیکھو ایک سانپ جو خوشنما معلوم ہوتا ہے بچہ تو اس کو ہاتھ میں پکڑنے کی خواہش کر سکتا ہے اور ہاتھ بھی ڈال سکتا ہے لیکن ایک عقلمند جو جانتا ہے کہ سانپ کاٹ کھائے گا اور ہلاک کر دے گا وہ کبھی جرأت نہیں کرے گا کہ اس کی طرف لپکے۔ بلکہ اگر معلوم ہو جاوے کہ کسی مکان میں سانپ ہے تو اس میں بھی داخل نہیں ہوگا۔ ایسا ہی زہر کو جو ہلاک کرنے والی چیز سمجھتا ہے تو اُسے کھانے پر وہ دلیر نہیں ہوگا۔ پس اسی طرح پر جب تک گناہ کو خطرناک زہر یقین نہ کر لے اس سے بچ نہیں سکتا۔ یہ یقین معرفت کے بدوں پیدا نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ کیا بات ہے کہ انسان گناہوں پر اس قدر دلیر ہو جاتا ہے باوجودیکہ وہ خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور گناہ کو گناہ بھی سمجھتا ہے۔ اس کی وجہ بجز اس کے اَور کوئی نہیں کہ وہ معرفت اور بصیرت نہیں رکھتا جو گناہ سوز فطرت پیدا کرتی ہے۔ اگر یہ بات پیدا نہیں ہوتی تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ معاذ اللہ اسلام اپنے اصلی

مقصد سے خالی ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ ایسا نہیں۔ یہ مقصد اسلام ہی کامل طور پر پورا کرتا ہے اور اس کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ **مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ**۔ کیونکہ اسی سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین پیدا ہوتا ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ گناہ سے بیزار ہے اور وہ سزا دیتا ہے۔ گناہ ایک زہر ہے جو اول صغیرہ سے شروع ہوتا ہے۔ اور پھر کبیرہ ہو جاتا ہے اور انجامکار کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

میں جملہ معترضہ کے طور پر کہتا ہوں کہ اپنی اپنی جگہ ہر قوم کو فکر لگا ہوا ہے کہ ہم گناہ سے پاک ہو جاویں مثلاً آریہ صاحبان نے تو یہ بات رکھی ہوئی ہے کہ بجز گناہ کی سزا کے اور کوئی صورت پاک ہونے کی ہے ہی نہیں۔ ایک گناہ کے بدلے کئی لاکھ جونیں ہیں جب تک انسان ان جونوں کو نہ بھگت لے وہ پاک ہی نہیں ہو سکتا۔ مگر اس میں بڑی مشکلات ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جبکہ تمام مخلوقات گناہ گار ہی ہے تو اس سے نجات کب ہوگی؟ اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ اُن کے ہاں یہ امر مسلمہ ہے کہ نجات یافتہ بھی ایک عرصہ کے بعد مکتی خانہ سے نکال دیئے جاویں گے تو پھر اس نجات سے فائدہ ہی کیا ہوا؟ جب یہ سوال کیا جاوے کہ نجات پانے کے بعد کیوں نکالتے ہو تو بعض کہتے ہیں کہ نکالنے کے لئے ایک گناہ باقی رکھ لیا جاتا ہے۔ اب غور کر کے بتاؤ کہ کیا یہ قادر خدا کا کام ہو سکتا ہے؟ اور پھر جبکہ ہر نفس اپنے نفس کا خود خالق ہے۔ خدا تعالےٰ اس کا خالق ہی نہیں (معاذ اللہ) تو اُسے حاجت ہی کیا ہے کہ وہ اس کا ماتحت رہے۔

دُوسرا پہلو عیسائیوں کا ہے انہوں نے گناہ سے پاک ہونے کا ایک پہلو سوچا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا اور خدا کا بیٹا مان لو اور پھر یقین کر لو کہ اس نے ہمارے گناہ اُٹھا لئے اور وہ صلیب کے ذریعہ لعنتی ہوا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اب غور کرو کہ حصولِ نجات کو اس طریق سے کیا تعلق؟ گناہوں سے بچانے کے لئے ایک اَور

بڑا گناہ تجویز کیا کہ انسان کو خدا بنایا گیا۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور گناہ ہو سکتا ہے؟ پھر خدا بنا کر اُسے معاً ملعون بھی قرار دیا۔ اس سے بڑھ کر گستاخی اور بے ادبی اللہ تعالیٰ کی کیا ہوگی؟ ایک کھاتا پیتا حوائج کا محتاج خدا بنا لیا گیا۔ حالانکہ توریت میں لکھا تھا کہ دوسرا خدا نہ ہو۔ نہ آسمان پر نہ زمین پر۔ پھر دروازوں اور چوکھٹوں پر یہ تعلیم لکھی گئی تھی۔ اس کو چھوڑ کر یہ نیا خدا تراشا گیا جس کا کچھ بھی پتہ توریت میں نہیں ملتا۔

میں نے فاضل یہودی سے پوچھا ہے کہ کیا تمہارے ہاں ایسے خدا کا پتہ ہے جو مریم کے پیٹ سے نکلے اور وہ یہودیوں کے ہاتھوں سے ماریں کھاتا پھرے۔ اس پر یہودی علماء نے مجھے یہی جواب دیا کہ یہ محض افترا ہے۔ توریت سے کسی ایسے خدا کا پتہ نہیں ملتا۔ ہمارا وہ خدا ہے جو قرآن شریف کا خدا ہے۔ یعنی جس طرح پر قرآن مجید نے خدا تعالیٰ کی وحدت کی اطلاع دی ہے اسی طرح پر ہم توریت کی رُو سے خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں اور کسی انسان کو خدا نہیں مان سکتے۔ اور یہ تو موٹی بات ہے کہ اگر یہودیوں کے ہاں کسی ایسے خدا کی خبر دی گئی ہوتی۔ جو عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے والا تھا تو وہ حضرت مسیحؑ کی ایسی سخت مخالفت ہی کیوں کرتے یہانتک کہ انہوں نے اس کو صلیب پر چڑھوا دیا۔ اور ان پر کُفر کہنے کا الزام لگاتے تھے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس امر کو ماننے کے لئے قطعاً تیار نہ تھے

غرض عیسائیوں نے گناہ کے دُور کرنے کا جو علاج تجویز کیا ہے وہ ایسا علاج ہے جو بجائے خود گناہ کو پیدا کرتا ہے اور اس کو گناہ سے نجات پانے کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے[۱]۔ انہوں نے گناہ کے دُور کرنے کا علاج گناہ تجویز کیا ہے جو کسی حالت اور صورت میں مناسب نہیں۔ یہ لوگ اپنے نادان دوست ہیں۔ اور ان کی مثال اس بندر کی سی ہے جس نے اپنے آقا کا خُون کر دیا تھا۔ اپنے بچاؤ کے لئے اور گناہوں

[۱] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۷ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۶ء

سے نجات پانے کے لئے ایک ایسا گناہ تجویز کیا جو کسی صورت میں بخشا نہ جاوے یعنی شرک کیا اور عاجز انسان کو خدا بنا لیا۔ مسلمانوں کے لئے کس قدر خوشی کا مقام ہے کہ ان کا خدا ایسا خدا نہیں جس پر کوئی اعتراض یا حملہ ہو سکے۔ وہ اس کی طاقتوں اور قدرتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی صفات پر یقین لاتے ہیں۔ مگر جنہوں نے انسان کو خدا بنایا یا جنہوں نے اس کی قدرتوں سے انکار کر دیا، ان کے لئے خدا کا عدم و وجود برابر ہے۔ جیسے مثلاً آریوں کا مذہب ہے کہ ذرہ ذرہ اپنے وجود کا آپ ہی خدا ہے اور اس نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا۔ اب بتاؤ کہ جب ذرات کے وجود کا خالق خدا نہیں تو اس کے قیام کے لئے خدا کی حاجت کیا ہے۔ جبکہ طاقتیں خود بخود موجود ہیں تو پھر انصاف سے بتاؤ کہ ان کے لئے خدا کے وجود کی کیا ضرورت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس عقیدہ کے رکھنے والے آریوں اور دہریوں میں ۱۹ اور ۲۰ کا فرق ہے۔ اب صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو کامل اور زندہ مذہب ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ پھر اسلام کی عظمت شوکت ظاہر ہو۔ **اور اسی مقصد کو لے کر میں آیا ہوں**

مسلمانوں کو چاہئیے کہ جو انوار و برکات اس وقت آسمان سے اُتر رہے ہیں، وہ ان کی قدر کریں اور اللہ تعالیٰ کا شکر کریں کہ وقت پر ان کی دستگیری ہوئی اور خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اس مصیبت کے وقت اُن کی نصرت فرمائی۔ لیکن اگر وہ خدا تعالےٰ کی اس نعمت کی قدر نہ کریں گے تو خدا تعالیٰ ان کی کچھ پروا نہ کرے گا۔ وہ اپنا کام کر کے رہے گا۔ مگر اُن پر افسوس ہو گا۔

میں بڑے زور سے اور پورے یقین اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ دوسرے مذاہب کو مٹا دے اور اسلام کو غلبہ اور قوت دے۔ اب کوئی ہاتھ اور طاقت نہیں جو خدا تعالیٰ کے اس ارادہ کا مقابلہ کرے۔ وہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ[1] ہے۔ مسلمانو! یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں یہ خبر دے دی

[1] البروج: ۱۷

ہے اور میں نے اپنا پیام پہنچا دیا ہے۔ اب اس کو سُننا نہ سُننا تمہارے اختیار میں ہے یہ سچی بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور میں خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو موعُود آنے والا تھا وہ مَیں ہی ہوں۔ اور یہ بھی پکّی بات ہے کہ اسلام کی زندگی عیسیٰ کے مرنے میں ہے۔

اگر اس مسئلہ پر غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہی مسئلہ ہے جو عیسائی مذہب کا خاتمہ کر دینے والا ہے۔ یہ عیسائی مذہب کا بہت بڑا شہتیر ہے اور اسی پر اس مذہب کی عمارت قائم کی گئی ہے، اسے گرنے دو۔ یہ معاملہ بڑی صفائی سے طے ہو جاتا اگر میرے مخالف خدا ترسی اور تقویٰ سے کام لیتے۔ مگر ایک کا نام لو جو درندگی چھوڑ کر میرے پاس آیا ہو اور اُس نے اپنی تسلّی چاہی ہو۔ ان کا تو یہ حال ہے کہ میرا نام لیتے ہی اُن کے مُنہ سے جھاگ گرنی شروع ہو جاتی ہے اور وہ گالیاں دینے لگتے ہیں۔ بھلا اس طرح پر بھی کوئی شخص حق کو پا سکتا ہے؟

میں تو قرآن شریف کے نصوصِ صریحہ کو پیش کرتا ہوں اور حدیث پیش کرتا ہوں۔ اجماعِ صحابہؓ پیش کرتا ہوں۔ مگر وہ ہیں کہ ان باتوں کو سُنتے نہیں اور کافر کافر دجال دجال کہہ کر شور مچاتے ہیں۔

میں صاف طور پر کہتا ہوں کہ قرآن شریف سے تم ثابت کرو کہ مسیح زندہ آسمان پر چلا گیا ہو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رؤیت کے خلاف کوئی امر پیش کرو اور یا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جو پہلا اجماع ہوا۔ اس کے خلاف دکھاؤ تو جواب نہیں ملتا۔ پھر بعض لوگ شور مچاتے ہیں کہ اگر آنے والا وہی مسیح ابنِ مریم اسرائیلی نبی نہ تھا تو آنے والے کا یہ نام کیوں رکھا؟ میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض کیسی نادانی کا اعتراض ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ اعتراض کرنے والے اپنے لڑکوں کا نام تو موسیٰ، عیسیٰ، داؤد، احمد، ابراہیم، اسمٰعیل رکھ لینے کے مجاز ہوں۔ اور اگر

اللہ تعالیٰ کسی کا نام عیسیٰ رکھ دے تو اس پر اعتراض۔

غور طلب بات تو اس مقام پر یہ تھی کہ کیا آنے والا اپنے ساتھ نشانات رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ ان نشانات کو پاتے تو انکار کے لئے جرأت نہ کرتے۔ مگر انہوں نے نشانات اور تائیدات کی تو پروا نہ کی اور دعویٰ سُنتے ہی کہدیا اَنْتَ کَافِرٌ۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خدا تعالےٰ کے مامورین کی شناخت کا ذریعہ اُن کے معجزات اور نشانات ہوتے ہیں۔ جیسا کہ گورنمنٹ کی طرف سے کوئی شخص اگر حاکم مقرر کیا جاوے تو اس کو نشان دیا جاتا ہے۔ اسی طرح پر خدا تعالےٰ کے مامورین کی شناخت کے لئے بھی نشانات ہوتے ہیں اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ نے میری تائید میں نہ ایک نہ دو نہ دو سو بلکہ لاکھوں نشانات ظاہر کئے اور وہ نشانات ایسے نہیں ہیں کہ کوئی انہیں جانتا نہیں۔ بلکہ لاکھوں اُن کے گواہ ہیں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ اس جلسہ میں بھی صدہا ان کے گواہ موجود ہوں گے۔ آسمان سے میرے لئے نشان ظاہر ہوئے ہیں، زمین سے بھی ظاہر ہوئے۔

وہ نشانات جو میرے دعویٰ کے ساتھ مخصوص تھے اور جن کی قبل از وقت اور نبیوں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خبر دی گئی تھی، وہ بھی پُورے ہو گئے مثلاً ان میں سے ایک کسوف خسوف کا ہی نشان ہے جو تم سب نے دیکھا۔ یہ صحیح حدیث میں خبر دی گئی تھی کہ مہدی اور مسیح کے وقت میں رمضان کے مہینے میں سورج اور چاند گرہن ہوگا۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ نشان پورا ہوا ہے یا نہیں؟ کوئی ہے جو یہ کہے کہ اس نے یہ نشان نہیں دیکھا؟ اور ایسا ہی یہ بھی خبر دی گئی تھی کہ اس زمانہ میں طاعون پھیلے گی۔ یہانتک شدید ہوگی کہ دس میں سے سات مر جاویں گے۔ اب بتاؤ کہ کیا طاعون کا نشان ظاہر ہوا یا نہیں؟ پھر یہ بھی لکھا تھا کہ اس وقت ایک نئی سواری ظاہر ہوگی جس سے اُونٹ بیکار ہو جائیں گے۔ کیا ریل کے اجراء سے یہ نشان پُورا نہیں

ہوا؟ میں کہاں تک شمار کروں۔ یہ بہت بڑا سلسلہ نشانات کا ہے۔ اب غور کرو کہ میں تو دعویٰ کرنے والا دجّال اور کاذب قرار دیا گیا۔ پھر یہ کیا غضب ہوا کہ مجھ کاذب کے لئے ہی یہ سارے نشان پُورے ہو گئے؟ اور پھر اگر کوئی آنے والا اَور ہے تو اس کو کیا ملے گا؟ کچھ تو انصاف کرو اور خدا تعالیٰ سے ڈرو۔ کیا خدا تعالیٰ کسی جھُوٹے کی بھی ایسی تائید کیا کرتا ہے؟ عجیب بات ہے کہ جو میرے مقابلہ پر آیا وہ ناکام اور نامراد رہا اور مجھے جس آفت اور مصیبت میں مخالفین نے ڈالا، میں اس میں سے صحیح سلامت اور بامراد نکلا۔ پھر کوئی قسم کھا کر بتا دے کہ جھُوٹوں کے ساتھ یہی معاملہ ہوا کرتا ہے؟

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان مخالف الرائے علماء کو کیا ہو گیا۔ وہ غور سے کیوں قرآن شریف اور احادیث کو نہیں پڑھتے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ جس قدر اکابر اُمّت کے گذرے ہیں وہ سب کے سب مسیح موعود کی آمد چودھویں صدی میں بتاتے رہے ہیں۔ اور تمام اہلِ کشوف کے کشف یہاں آکر ٹھہر جاتے ہیں۔ حجج الکرامہ میں صاف لکھا ہے کہ چودھویں صدی سے آگے نہیں جائے گا۔ یہی لوگ منبروں پر چڑھ چڑھ کر بیان کیا کرتے تھے کہ تیرھویں صدی سے تو جانوروں نے بھی پناہ مانگی ہے اور چودھویں صدی مبارک ہوگی مگر یہ کیا ہوا کہ وہ چودھویں صدی جس پہ ایک موعود امام آنے والا تھا اس میں بجائے صادق کے کاذب آگیا۔ اور اس کی تائید میں ہزاروں لاکھوں نشان بھی ظاہر ہو گئے اور خدا تعالیٰ نے ہر میدان اور مقابلہ میں نُصرت بھی اسی کی کی۔ ان باتوں کا ذرا سوچ کر جواب دو۔ یُونہی مُنہ سے ایک بات نکال دینا آسان ہے مگر خدا تعالیٰ کے خوف سے بات نکالنا مشکل ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ خدا تعالےٰ ایک مفتری اور کذّاب انسان کو اتنی لمبی مہلت نہیں دیتا کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ جاوے۔ میری عمر ۶۷ سال کی ہے اور میری بعثت کا زمانہ ۲۳ سال سے بڑھ گیا ہے۔ اگر میں ایسا ہی مفتری اور کذّاب تھا تو اللہ تعالےٰ اس معاملہ کو اتنا لمبا نہ ہونے دیتا۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں

کہ تمہارے آنے سے کیا فائدہ ہوا ہے؟

یاد رکھو کہ میرے آنے کی دو غرضیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو غلبہ اس وقت اسلام پر دوسرے مذاہب کا ہوا ہے گویا وہ اسلام کو کھاتے جاتے ہیں اور اسلام نہایت کمزور اور یتیم بچے کی طرح ہو گیا ہے۔ پس اس وقت خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تا میں ادیان باطلہ کے حملوں سے اسلام کو بچاؤں اور اسلام کے پُرزور دلائل اور صداقتوں کے ثبوت پیش کروں اور وہ ثبوت علاوہ علمی دلائل کے انوار اور برکات سماوی ہیں جو ہمیشہ سے اسلام کی تائید میں ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ اس وقت اگر تم پادریوں کی رپورٹیں پڑھو تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ اسلام کی مخالفت کے لئے کیا سامان کر رہے ہیں اور ان کا ایک ایک پرچہ کتنی تعداد میں شائع ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں ضروری تھا کہ اسلام کا بول بالا کیا جاتا۔ پس اس غرض کے لئے مجھے خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے اور میں یقیناً کہتا ہوں کہ اسلام کا غلبہ ہو کر رہے گا اور اس کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں۔ ہاں یہ سچی بات ہے کہ اس غلبہ کے لئے کسی تلوار اور بندوق کی حاجت نہیں اور نہ خدا تعالیٰ نے مجھے ہتھیاروں کے ساتھ بھیجا ہے۔ جو شخص اس وقت یہ خیال کرے وہ اسلام کا نادان دوست ہوگا مذہب کی غرض دلوں کو فتح کرنا ہوتی ہے اور یہ غرض تلوار سے حاصل نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تلوار اُٹھائی، میں بہت مرتبہ ظاہر کر چکا ہوں کہ وہ تلوار محض حفاظت خود اختیاری اور دفاع کے طور پر تھی اور وہ بھی اس وقت جبکہ مخالفین اور منکرین کے مظالم حد سے گذر گئے اور بیکس مسلمانوں کے خون سے زمین سُرخ ہو چکی۔

غرض میرے آنے کی غرض تو یہ ہے کہ اسلام کا غلبہ دوسرے ادیان پر ہو۔

دُوسرا کام یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں اور یہ کرتے ہیں اور وہ کرتے ہیں۔ یہ صرف زبانوں پر حساب ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ وہ کیفیت انسان کے اندر پیدا ہو جاوے جو اسلام کا مغز اور اصل ہے۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ کوئی شخص مومن اور مسلمان نہیں بن سکتا جب تک ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان علیہم اجمعین کا سا

رنگ پیدا نہ ہو۔ وہ دنیا سے محبت نہ کرتے تھے بلکہ اُنہوں نے اپنی زندگیاں خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کی ہوئی تھیں۔ اب جو کچھ ہے وہ دنیا ہی کے لئے ہے اور اس قدر استغراق دنیا میں ہو رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کے لئے کوئی خانہ خالی نہیں رہنے دیا۔ تجارت ہے تو دنیا کے لئے، عمارت ہے تو دنیا کے لئے بلکہ نماز روزہ اگر ہے تو وہ بھی دنیا کے لئے۔ دنیاداروں کے قرب کے لئے تو سب کچھ کیا جاتا ہے مگر دین کا پاس ذرہ بھی نہیں اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کیا اسلام کے اعتراف اور قبولیت کا اتنا ہی منشا تھا جو سمجھ لیا گیا ہے؟ یا وہ بلند غرض ہے۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ مومن پاک کیا جاتا ہے اور اس میں فرشتوں کا رنگ ہو جاتا ہے۔ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھتا جاتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا کلام سُنتا اور اس سے تسلی پاتا ہے۔ اب تم میں سے ہر ایک اپنے دل میں سوچ لے کہ کیا یہ مقام اُسے حاصل ہے؟ میں سچ کہتا ہوں کہ تم صرف پوست اور چھلکے پر قانع ہو گئے ہو حالانکہ یہ کچھ چیز نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ مغز چاہتا ہے پس جیسے میرا یہ کام ہے کہ ان حملوں کو روکا جاوے جو بیرونی طور پر اسلام پر ہوتے ہیں ویسے ہی مسلمانوں میں اسلام کی حقیقت اور رُوح پیدا کی جاوے۔

میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں میں جو خدا تعالیٰ کی بجائے دُنیا کے بُت کو عظمت دی گئی ہے، اس کی امانی اور امیدوں کو رکھا گیا ہے۔ مقدمات، صلح جو کچھ ہے وہ دنیا کے لئے ہے، اس بُت کو پاش پاش کیا جاوے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جبروت ان کے دلوں میں قائم ہو اور ایمان کا شجر تازہ بہ تازہ پھل دے۔ اس وقت درخت کی صورت ہے مگر اصل درخت نہیں کیونکہ اصل درخت کے لئے تو فرمایا۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا[1] یعنی کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ کیونکر بیان کی اللہ نے مثال یعنی مثال دین کامل کی کہ وہ بات پاکیزہ درخت پاکیزہ

[1] ابراھیم: ۲۵، ۲۶

کی مانند ہے جس کی جڑھ ثابت ہو اور جس کی شاخیں آسمان میں ہوں اور وہ ہر وقت اپنا پھل اپنے پروردگار کے حکم سے دیتا ہے۔ اصلھا ثابت سے یہ مراد ہے کہ اصول ایمانیہ اس کے ثابت اور محقق ہوں اور یقین کامل کے درجہ تک پہنچے ہوئے ہوں اور وہ ہر وقت اپنا پھل دیتا ہے۔ کسی وقت خشک درخت کی طرح نہ ہو۔ مگر بتاؤ کہ کیا اب یہ حالت ہے؟ بہت سے لوگ کہہ تو دیتے ہیں کہ ضرورت ہی کیا ہے؟ اس بیمار کی کیسی نادانی ہے جو یہ کہے کہ طبیب کی حاجت ہی کیا ہے؟ وہ اگر طبیب سے مستغنی ہے اور اس کی ضرورت نہیں سمجھتا تو اس کا نتیجہ اس کی ہلاکت کے سوا اور کیا ہوگا؟ اس وقت مسلمان اسلمنا میں تو بے شک داخل ہیں مگر اٰمنّا کی ذیل میں نہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک نُور ساتھ ہو۔

غرض یہ وہ باتیں ہیں جن کے لئے میں بھیجا گیا ہوں اس لئے میرے معاملہ میں تکذیب کے لئے جلدی نہ کرو بلکہ خدا تعالیٰ سے ڈرو اور توبہ کرو کیونکہ توبہ کرنے والے کی عقل تیز ہوتی ہے۔ طاعون کا نشان بہت خطرناک نشان ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کے متعلق مجھ پر جو کلام نازل کیا ہے وہ یہ ہے اِنّ اللّٰہ لا یغیّر ما بقومٍ حتّٰی یغیّروا ما بانفسہم[1] یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اس پر لعنت ہے جو خدا تعالےٰ پر افترا کرے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ میرے ارادہ کی اس وقت تبدیلی ہوگی جب دلوں کی تبدیلی ہوگی۔ پس خدا تعالےٰ سے ڈرو اور اس کے قہر سے خوف کھاؤ۔ کوئی کسی کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ معمولی مقدمہ کسی پر ہو تو اکثر لوگ وفا نہیں کر سکتے پھر آخرت میں کیا بھروسہ رکھتے ہو۔ جس کی نسبت فرمایا یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ۔[2]

مخالفوں کا تو یہ فرض تھا کہ وہ حُسنِ ظنّی سے کام لیتے اور لا تقف ما لیس لک بہ علم[3] پر عمل کرتے مگر انہوں نے جلد بازی سے کام لیا۔ یاد رکھو۔ پہلی قومیں اسی طرح ہلاک ہوئیں۔ عقلمند وہ ہے جو مخالفت کر کے بھی جب اسے معلوم ہو کہ وہ غلطی پر تھا، اُسے چھوڑ دے۔ مگر یہ بات تب نصیب ہوتی ہے کہ خدا ترسی ہو۔ دراصل مردوں کا کام یہی ہے کہ وہ اپنی

[1] الرعد: ۱۲ [2] عبس: ۳۵ ۔ [3] بنی اسرائیل: ۳۷

غلطی کا اعتراف کریں۔ وہی پہلوان ہے اور اسی کو خدا تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

ان ساری باتوں کے علاوہ میں اب **قیاس** کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ اگرچہ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ میرے ساتھ ہیں۔ اجماعِ صحابہؓ بھی میری تائید کرتا ہے۔ نشانات اور تائیدات الٰہیہ میری موید ہیں۔ ضرورتِ وقت میرا صادق ہونا ظاہر کرتی ہے۔ لیکن قیاس کے ذریعہ سے بھی حجت پوری ہو سکتی ہے۔ اس لئے دیکھنا چاہیئے کہ قیاس کیا کہتا ہے؟ انسان کبھی کسی ایسی چیز کو ماننے کو تیار نہیں ہو سکتا جو اپنی نظیر نہ رکھتی ہو۔ مثلاً اگر ایک شخص آکر کہے کہ تمہارے بچے کو ہوا اُڑا کر آسمان پر لے گئی ہے یا بچہ کتا بن کر بھاگ گیا ہے تو کیا تم اس کی بات کو بلا وجہ معقول اور بلا تحقیق مان لوگے؟ کبھی نہیں۔ اس لئے قرآن مجید نے فرمایا ہے فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون[1]۔ اب مسیح علیہ السلام کی وفات کے مسئلہ پر اور اُن کے آسمان پر اُڑ جانے کے متعلق غور کرو۔ قطع نظر ان دلائل کے جو ان کی وفات کے متعلق ہیں۔ یہ پکی بات ہے کہ کفار نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھ جانے کا معجزہ مانگا۔ اب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو ہر طرح کامل اور افضل تھے، ان کو چاہیئے تھا کہ وہ آسمان پر چڑھ جاتے مگر انہوں نے اللہ تعالےٰ کی وحی سے جواب دیا قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا[2]۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کہدو اللہ تعالےٰ اس امر سے پاک ہے کہ وہ خلاف وعدہ کرے جبکہ اس نے بشر کے لئے آسمان پر مع جسم کے جانا حرام کر دیا ہے اگر میں جاؤں تو جھوٹا ٹھہروں گا۔

اب اگر تمہارا یہ عقیدہ صحیح ہے کہ مسیح آسمان پر چلا گیا ہے اور کوئی بالمقابل پادری یہ آیت پیش کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرے تو تم اس کا کیا جواب دے سکتے ہو پس ایسی باتوں کے ماننے سے کیا فائدہ جن کا کوئی اصل قرآن مجید میں موجود نہیں اس طرح پر تم اسلام کو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے والے ٹھہروگے۔ پھر پہلی کتابوں میں بھی تو کوئی نظیر موجود نہیں اور ان کتابوں سے اجتہاد کرنا حرام نہیں ہے۔ آنحضرت

[1] الانبیاء: ۸   [2] بنی اسرائیل: ۹۴

صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے شھد شاھدٌ من بنی اسرائیل[1] اور پھر فرمایا کفٰی باللہ شھیداً بینی و بینکم ومن عندہٗ علم الکتاب[2]۔ اور ایسا ہی فرمایا یعرفونہٗ کما یعرفون ابناءھم[3]۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت کے لئے ان کو پیش کرتا ہے تو ہمارا ان سے اجتہاد کرنا کیوں حرام ہو گیا؟

اب انہیں کتابوں میں ملاکی نبی کی ایک کتاب ہے جو بائبل میں موجود ہے۔ اس میں مسیح سے پہلے ایلیا نبی کے دوبارہ آنے کا وعدہ کیا گیا۔ آخر جب مسیح ابن مریم آئے تو حضرت مسیح سے الیاس کے دوبارہ آنے کا سوال ملاکی نبی کی اس پیشگوئی کے موافق کیا گیا مگر حضرت مسیح نے فیصلہ کیا کہ وہ آنے والا یوحنا کے رنگ میں آچکا۔

اب یہ فیصلہ حضرت عیسٰی ہی کی عدالت سے ہو چکا ہے کہ دوبارہ آنے والے سے کیا مراد ہوتی ہے۔ وہاں یحیٰی کا نام مثیلِ الیاس نہیں رکھا بلکہ انہیں ہی ایلیا قرار دیا گیا۔ اب یہ قیاس بھی میرے ساتھ ہے۔ میں تو نظیر پیش کرتا ہوں مگر میرے منکر کوئی نظیر پیش نہیں کرتے۔ بعض لوگ جو اس مقام پر عاجز آجاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ کتابیں محرّف مبدّل ہیں۔ مگر افسوس ہے یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اس سے سند لیتے رہے اور اکثر اکابر نے تحریفِ معنوی مُراد لی ہے۔ بُخاری نے بھی یہی کہا ہے۔ علاوہ اس کے یہودیوں اور عیسائیوں کی جانی دشمنی ہے۔ کتابیں جدا جدا ہیں۔ وہ اب تک مانتے ہیں کہ الیاس دوبارہ آئے گا۔ اگر یہ سوال نہ ہوتا تو حضرت مسیح کو وہ مان نہ لیتے؟ ایک فاضل یہودی کی کتاب میرے پاس ہے وہ بڑے زور سے لکھتا ہے اور اپیل کرتا ہے کہ اگر مجھ سے یہ سوال ہوگا تو میں ملاکی نبی کی کتاب سامنے رکھ دوں گا کہ اس میں الیاس کے دوبارہ آنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔

اب غور کرو جبکہ باوجود ان عذرات کے لاکھوں یہودی جہنمی ہوئے اور سؤر بندر بنے تو

[1] الاحقاف: ۱۱ [2] الرعد: ۴۴ [3] البقرۃ: ۱۴۷

کیا میرے مقابلہ میں یہ عُذر صحیح ہوگا کہ وہاں مسیح ابن مریم کا ذکر ہے۔ یہودی تو معذور ہو سکتے تھے، ان میں نظیر نہ تھی مگر اب تو کوئی عذر باقی نہیں۔ مسیحؑ کی موت قرآن شریف سے ثابت ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رؤیت اس کی تصدیق کرتی ہے اور پھر قرآن شریف اور حدیث میں منکم آیا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نے مجھے خالی ہاتھ نہیں بھیجا۔ ہزاروں لاکھوں نشان میری تصدیق میں ظاہر ہوئے۔ اور اب بھی اگر کوئی چالیس دن میرے پاس رہے تو وہ نشان دیکھ لے گا۔ لیکھرام کا نشان عظیم الشان نشان ہے۔ احمق کہتے ہیں کہ میں نے قتل کرا دیا۔ اگر یہ اعتراض صحیح ہے تو پھر ایسے نشانات کا امان ہی اُٹھ جائے گا۔ کل کو کہدیا جائے گا کہ خسرو پرویز کو معاذ اللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قتل کرا دیا ہوگا۔ ایسے اعتراض حق بین اور حق شناس لوگوں کا کام نہیں ہے۔

میں آخر میں پھر کہتا ہوں کہ میرے نشانات تھوڑے نہیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ انسان میرے نشانوں پر گواہ ہیں اور زندہ ہیں۔ میرے انکار میں جلدی نہ کرو ورنہ مرنے کے بعد کیا جواب دوگے؟ یقیناً یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ سر پر ہے اور وہ صادق کو صادق ٹھہرائیگا اور کاذب کو کاذب۔

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۴۱ صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۳۰ر نومبر ۱۹۰۶ء)

نیز (بدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۴ تا ۸ مورخہ ۲۰ر دسمبر ۱۹۰۶ء)

۲۰ر نومبر ۱۹۰۵ء

آجکل اعلیٰ حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علی العموم معمول ہے کہ صبح کو دس بجے کے قریب نئے مہمانخانہ میں جہاں سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب نزیل ہیں تشریف لے آتے ہیں۔ دوسرے احباب بھی حاضر ہو جاتے ہیں اور بارہ بجے کے قریب تک وہاں بیٹھے رہتے ہیں۔ کل آپ نے قبل ظہر اپنا تازہ الہام سُنایا جو ۱۹ر کی شب کو ہوا۔

فرمایا:-

رات عجیب طرز کا الہام ہوا تھا۔ اگرچہ اس سے پہلے اس مفہوم کا ایک الہام ہو چکا ہے مگر یہ طرز عجیب ہے۔

انّی معک یا ابن رسُول اللہ

دوسرا الہام اس کے ساتھ یہ ہے:۔

سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں جمع کرو عَلٰے دِیْنٍ وَّاحِدٍ

اس پر فرمایا:-

پہلے ایک الہام ہوا تھا جس کو عرصہ ہوتا ہے۔ سلمان منّا اھل البیت مشرب الحسن۔ یصالح بین النّاس[1] - اور اب یہ الہام ہوا ہے جس میں مجھے یا ابن رسول اللہ فرمایا ہے۔

دوسرے الہام کے متعلق فرمایا کہ

یہ امر جو ہے کہ سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں جمع کرو علیٰ دین واحد یہ ایک خاص قسم کا امر ہے

احکام اور امر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک شرعی رنگ میں ہوتے ہیں جیسے نماز پڑھو زکوٰۃ دو۔ خون نہ کرو وغیرہ۔ اس قسم کے اوامر میں ایک پیشگوئی بھی ہوتی ہے کہ گویا بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اس کی خلاف ورزی کریں گے جیسے یہود کو کہا گیا کہ تورات کو محرّف و مبدّل نہ کرنا۔ یہ بتاتا تھا کہ بعض ان میں سے کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ غرض یہ امر شرعی ہے اور یہ اصطلاح شریعت ہے۔

دوسرا امر کونی ہوتا ہے اور یہ احکام اور امر قضا و قدر کے رنگ میں ہوتے ہیں جیسے قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا[1]۔ اور وہ پُورے طور پر وقوع میں آگیا۔ اور یہ امر جو میرے

[1] حاشیہ۔ یہ الہام ۱۹۰۱ء کا ہے اور الحکم میں چھپا ہوا ہے (ایڈیٹر الحکم)

[1] الانبیاء: ۷۰

اس الہام میں ہے یہ بھی اس قسم کا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمانانِ رُوئے زمین علیٰ دینِ واحد جمع ہوں اور وہ ہو کر رہیں گے۔ ہاں اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان میں کوئی قسم کا بھی اختلاف نہ رہے۔ اختلاف بھی رہے گا مگر وہ ایسا ہوگا جو قابلِ ذکر اور قابلِ لحاظ نہیں۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۴۲ صفحہ ۲ مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۵ء)

---

۲۶ نومبر ۱۹۰۵ء

(قبل دوپہر)

حضرت مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ کے ذکر پر فرمایا:۔

مولوی صاحب ہر تقریب اور ہر جلسہ پر یاد آجاتے ہیں۔ ان کے سبب لوگوں کو فائدہ ہوتا تھا۔ وہ بڑی زبردست تقریر کرنے والے تھے۔ میں نے مقابلہ کر کے خوب دیکھا ہے ان کے اندر محبت اور اخلاص کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا اور بجز اس کے میں سمجھتا ہوں کہ اور کچھ تھا ہی نہیں۔ اور اس حد تک تھا کہ میں دیکھتا ہوں کہ دوسروں میں وہ نہیں۔ میں ان سے بہت عرصہ سے واقف ہوں۔ اس وقت بھی میں نے اُن کو دیکھا تھا جب وہ نیچری تھے۔ اس وقت بیعت بھی کر لی تھی۔ لیکن ابھی بعض امور اُن کے دل میں تھے۔ چنانچہ مسیح کے بے پدر ہونے میں مجھ سے گفتگو بھی کیا کرتے تھے اور کئی بار کہا کرتے تھے کہ ان کا بھی فیصلہ کر دو۔ مگر میں انہیں جواب دیا کرتا کہ ہمارا یہی مذہب ہے کہ وہ بن باپ ہوئے۔ اس کا زبردست ثبوت یہ ہے کہ یحییٰ اور عیسیٰ کا قصہ ایک ہی جگہ بیان کیا ہے۔ پہلے یحییٰ کا ذکر کیا جو بانجھ سے پیدا ہوئے۔ دوسرا قصہ مسیح کا اس کے بعد بیان فرمایا جو اس سے ترقی پر ہونا چاہیئے تھا اور وہ یہی ہے کہ وہ بن باپ ہوئے اور یہی امر خارق عادت ہے اگر بانجھ سے پیدا ہونے والے یحییٰ کے بعد باپ سے پیدا ہونے والے کا ذکر ہوتا۔ تو

اس میں خارق عادت کی کیا بات ہوئی؟ اور عیسائی جو ان کے بن باپ ہونے سے خدا بناتے ہیں اس کا دوسری جگہ جواب دے دیا۔ ان مثل عیسٰی عند اللہ کمثل اٰدم[2] اب اگر بن باپ پیدا ہونے والا خدا ہو سکتا ہے تو پھر جس کا ماں باپ دونوں نہ ہوں وہ تو بدرجہ اولیٰ خدا ہوگا مگر ان کو وہ خدا نہیں مانتے۔ اور ایسا ہی یحییٰ میں بھی خدائی ماننی چاہیئے کیونکہ وہ بانجھ سے پیدا ہوئے تھے۔

غرض اوائل میں اس قسم کی گفتگو ہوتی رہی تھی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی معرفت زیادہ کی تو ایک دن کہنے لگے آپ گواہ رہیں آج سے میں نے سب گفتگوئیں ترک کر دیں۔ اس کے بعد موت تک بجز تسلیم اَور کچھ نہ ہوگا۔

اور پھر میں نے دیکھا کہ اس دن کے بعد موت تک واقعی یہی حالت رہی کہ رضا اور تسلیم کے سوا کوئی اَور بات تھی ہی نہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ جن لوگوں نے ان کے خطبات سُنے ہیں وہ یہ بات جانتے ہیں کہ ان میں بجز میرے حالات اور ذکر کے اور کچھ نہ ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات میں نے سُنا کہ بعض آدمی اس امر کو کسی حد تک پسند نہیں کرتے مگر وہ بجز اس کے اور کچھ کہنا نہ چاہتے تھے۔

اس مقام پر میں[1] نے عرض کی کہ حضور مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ وہ تقریر اور کلام میرے نزدیک حرام ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کا ذکر نہ ہو۔ یہ الفاظ سُنکر میں نے دیکھا کہ حضور کی آنکھیں پُرنم ہوگئی تھیں۔ لیکن ان لوگوں کا ضبط اور صبر بے نظیر ہوتا ہے۔ اس لئے ضبط کا نمونہ دکھلایا مگر چہرہ سُرخ ہوگیا تھا اور اس میں خاص قسم کی درخشندگی پائی جاتی تھی۔

پھر اس ذکر کے سلسلہ میں فرمایا کہ

ان کی بڑی بیوی نے رؤیا دیکھا تھا کہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ میں احمدی ہوگیا

۱؎ حاشیہ:۔ یعنی ایڈیٹر الحکم (مرتب)

۲؎ آل عمران: ۶۰

ہوں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ میری محبت میں فنا ہو گئے تھے۔ اچھا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے۔ آمین ثم آمین۔

مولوی صاحب کے اس ذکر کے بعد سید امیر علی شاہ صاحب نے جماعت علی کا ذکر کیا کہ وہ ان کی موت کو اپنی پیشگوئی کی بنا پر ظاہر کرتا ہے۔ اس پر فرمایا:۔

موت فوت سے تو کوئی رہ نہیں سکتا۔ انبیاء علیہم السلام پر بھی موت آئی۔ انہیں ٹھٹھا کرنا اور اس قسم کی شیخیاں اچھی نہیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح شیعہ بھی کہتے ہیں۔ اگر پیشگوئیاں اور خوارق یہی ہوتے ہیں تو پھر یزید کی کرامت کا بھی ان کو قائل ہونا پڑیگا۔

افسوس یہ لوگ نہیں سوچتے کہ راستباز وہی ہے جس کی شہادت خدا تعالیٰ دے۔ اور کسی قہر کے وقت امتیازی رنگ اس کے ساتھ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت فرعونی تباہ ہوئے۔ مگر موسیٰ اور اس کے ساتھ والوں کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔

اس قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ طاعون کا ذکر چل پڑا۔ آپ نے پرانی رؤیا ہاتھی والی بیان کی اور بالآخر فرمایا کہ

میرا الہام تو یہی ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم۔ جب تک پوری تبدیلی اور اصلاح نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ کا یہ عذاب ٹلتا نظر نہیں آتا۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۴۲ صفحہ ۲ مورخہ ۳۰ر نومبر ۱۹۰۵ء)

۲۹ر نومبر ۱۹۰۵ء

(قبل ظہر)

مدرسہ سے کیا غرض ہے

فرمایا:۔

ہماری غرض مدرسہ کے اجراء سے محض یہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کیا جاوے مروجہ

تعلیم کو اس لئے ساتھ رکھا ہے کہ یہ علوم خادم دین ہوں۔ ہماری یہ غرض نہیں کہ ایف۔اے یا بی۔اے پاس کر کے دنیا کی تلاش میں مارے مارے پھریں۔ ہمارے پیش نظر تو یہ امر ہے کہ ایسے لوگ خدمتِ دین کے لئے زندگی بسر کریں اور اسی لئے مدرسہ کو ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ شاید دینی خدمت کے لئے کام آسکے۔

مشکل یہ ہے کہ جس کو ذرا بھی استعداد ہو جاوے وہ دُنیا کی طرف جُھک جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں جیسے مولوی محمد علی صاحب کام کر رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اب وہ اکیلے ہیں۔ کوئی ان کا ہاتھ بٹانے والا یا قائم مقام نظر نہیں آتا۔

سلسلہ کے تعلیمیافتہ غور کریں

میں دیکھتا ہوں کہ آریوں کی یہ حالت ہے کہ ایک طرف تو وہ ذرہ ذرہ کو خدا بنا رہے ہیں اور اس طرح پر اللہ تعالےٰ کی معرفت سے بے نصیب اور حقوق کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اور حقوق العباد کی طرف سے ایسے اندھے ہیں کہ نیوگ جیسے مسئلہ کو مانتے ہیں۔ باوجود ایسا مذہب رکھنے کے پھر ان میں اس کی حمایت کے لئے اس قدر جوش ہے کہ بہت سے تعلیم یافتہ اپنی زندگیاں مذہب کی خاطر وقف کر دیتے ہیں۔ اور یہاں یہ حال ہے کہ جو مدرسہ سے نکلتا ہے اس کو دنیوی امور کی طرف ہی توجہ ہو جاتی ہے۔

جہاں تک ہو سکے یہی آرزو ہے کہ کوئی دینی خدمت ہو جاوے۔

تازہ الہام

رات پھر وہی الہام ہوا

(۱) بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔

(۲) قَلَّ میعادُ ربّکَ

(۳) اس دن سب پر اُداسی چھا جائے گی۔

(۴) قَرُبَ اجلک المقدر۔ ولا نبقی لک من المخزیات ذکرًا

ان الہامات پر غور کر کے میں بھی سمجھتا ہوں کہ وہ زمانہ بہت ہی قریب ہے۔ پہلے بھی یہ الہام ہوا تھا۔ اس وقت اس کے ساتھ ایک رؤیا بھی تھی کہ ایک شخص نے مجھے کنوئیں کی ایک کوری ٹنڈ میں ٹھنڈا پانی دیا۔ وہ پانی بڑا ہی مصفّٰی اور مقطر تھا مگر وہ تھوڑا سا تھا۔ اس کے ساتھ الہام ہوا تھا

آبِ زندگی

غرض زندگی کا زمانہ خواہ کتنا ہی لمبا ہو پھر بھی تھوڑا ہی ہے۔

(قبل عصر)

۳۰ر نومبر ۱۹۰۵ء کی صبح کو جناب سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی واپس وطن کو جانیوالے تھے۔ اس لئے حضرت اقدس سیٹھ صاحب کی ملاقات کے واسطے مہمان خانہ جدید میں جہاں سیٹھ صاحب اور دوسرے احباب فروکش تھے، تشریف لائے اور سیٹھ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

رات مجھے الہام ہوا ہے (وہی الہام جو اُوپر درج ہو چکے ہیں سُنائے)

الہام سُنانے کے بعد فرمایا:۔

لا نبقی لک من المخزیات ذکرًا سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی رُسوا کرنے والا ذکر باقی نہ چھوڑیں گے۔ یہ بڑا مبشر الہام ہے یعنی تیرے آنے کی جو علّتِ غائی ہے اس کو ہم پُورا کر دیں گے۔ کسی مامور اور مُرسل کے لئے رسوا کرنے والا ذکر یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد و اغراض میں ناکامیاب ہو۔ سو اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہے کہ تیرے آنے کی جو غرض اور مقصد ہے اس کو ہم پورا کر دیں گے۔ مگر یہ سُنّت اللہ ہے کہ جس قدر مامور دُنیا میں آتے ہیں یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ ان کے ہی زمانہ میں پُوری تکمیل ہو جاوے بلکہ بہت

سے امور ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی متبعین کے ہاتھوں اور ان کے ہی ہاتھ پر وہ تکمیل سمجھی جاتی ہے۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں مکہ، مدینہ اور بعض نواح تک اسلام تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا اور بہت سے امور کی تکمیل صحابہؓ کے ہاتھ پر ہوئی جو درحقیقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی کامیابی اور آپ کے دست مبارک پر ہی تکمیل تھی۔ اس کے بعد بنو امیہ اور دوسرے سلاطین کے ذریعہ ان ترقیوں میں اور ترقی ہوئی اور محمود غزنوی نے بھی ان میں حصہ لیا۔ اور یہ سلاطین ہند جو سات سو برس تک حکمران رہے کسی حد تک ان کو بھی حصہ ملا۔ انہوں نے ایسی ایسی جگہ مساجد تعمیر کرائیں جو ہندوؤں کے مرکز تھے۔

غرض یہ سُنّت اللہ ہے کہ جو مامور ہو کر آتا ہے ضروری نہیں کہ سب مقاصد اس کے وقت ہی میں مکمل ہوں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئی ہیں۔ لیکن وہ کنجیاں آپ کے بعد حضرت عمرؓ کو دی گئیں۔ یہ کہنا کہ وہ آپ کو نہیں ملیں غلط ہے۔ کیونکہ اس بات کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ متبعین کی فتوحات اور کامیابیاں بھی دراصل متبوع ہی کی فتوحات ہوتی ہیں۔

"اس دن سب پر اُداسی چھا جائے گی"

اس کے متعلق فرمایا کہ

یہ بالکل سچ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی مامور دُنیا سے اُٹھتا ہے تو ہر چیز پر اُداسی چھا جاتی ہے خصوصاً ان لوگوں پر جو اس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ انسان کی عادت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ ہر بات کو قبل از وقت سمجھتا ہے۔ اس لئے جب اس کی کوئی محبوب چیز جاتی رہے تو پھر ضرور غمگین ہوتا ہے۔ یہ ایک فطرتی تقاضا ہے۔ صحابہؓ کی حالت کا

کون اندازہ کر سکتا ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تھی ان کو تو قریباً ایک قسم کا جنون ہو گیا تھا اس غم میں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جُدائی میں ان پر آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو وہ جوش آیا کہ انہوں نے تلوار ہی نکال لی کہ جو شخص کہے گا کہ آپ وفات پا گئے ہیں میں اسے قتل کر دوں گا۔ گویا وہ یہ لفظ بھی سُننا نہ چاہتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خُطبہ پڑھا اور آیت ما محمدٌ الّا رسول قد خلت من قبلہ الرسل[1] پڑھی تو ان کا جوش فرو ہوا۔ یہ آیت دراصل ایک جنگ میں نازل ہوئی تھی۔ جبکہ شیطان کی طرف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی آواز دی گئی مگر اس وقت جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا تو صحابہؓ سمجھتے تھے کہ گویا یہ آیت ابھی اُتری ہے۔

فرمایا:۔

ایسے امور میں حیرت اور سرگشتگی ایک لازمی امر ہوتا ہے۔ یہ اختیاری بات نہیں کہ نہ ہو۔ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جو قبل از وقت ان امور کو بار بار ظاہر کرتا ہے اس میں یہ سِر ہے کہ تا جماعت کی تسلّی اور اطمینان کا موجب ہو۔ ہم یہ ایمان رکھتے ہیں کہ دو عالم ہیں جو یقینی الوجود ہیں۔ ایک تو یہی جس میں ہم اب ہیں اور زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دوسرا وہ عالم جس میں مرنے کے بعد ہم داخل ہوتے ہیں۔ چونکہ انسان کو اس کا وسیع علم نہیں ہوتا اس لئے اسے وہمی سمجھتا اور اس سے کراہت کرتا ہے۔ اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اس کی خبر نہیں۔ اور اس عالم میں چونکہ رہتا ہے اور اس کی خبر اور اطلاع ہے اس لئے اس سے محبت کرتا ہے اور اسی میں رہنا چاہتا ہے۔ اگر اُس عالم پر پورا یقین ہو جاوے تو اس عالم سے چلے جانے کا کوئی غم اس کو نہ ہو اور ایسی صورت میں یہ عالم تو اسی قدر ہے کہ جیسے مسافر کسی جگہ کو کوچ کرنے کی تیاری کرے تو زادِ راہ کا بندوبست کر لیتا ہے۔ اسی قدر یہ عالم ہے کہ اس عالم کے سفر کے لئے زادِ راہ کا بندوبست کرے اور نہ اس سے زیادہ شریعت حکم دیتی

[1] آل عمران : ۱۴۵

ہے۔ اگر یہ عالم ہمیشہ کے لئے ہوتا تو آدم سے لے کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک جس قدر انبیاء و رسل اس دنیا میں گذرے ہیں ان کے ہمیشہ یہاں رہنے کی بہت بڑی ضرورت تھی اور اس کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے ؟ مگر دیکھ لو اللہ تعالیٰ نے جب تک ان کے لئے اس عالم میں رہنا پسند کیا وہ یہاں رہے اور آخر اپنا کام کر کے اس دنیا سے رخصت ہوئے خواہ دوسروں کے نزدیک ان کی وہ رخصت قبل از وقت ہی سمجھی گئی ہو۔ اَوروں کا ذکر چھوڑو کہ بنی اسرائیل میں بھیجے ہوئے رسولوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک بڑے اولوالعزم رسُول تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے بڑے بڑے وعدے فرمائے۔ منجملہ ان کے ارضِ مقدس میں داخل ہونے کا وعدہ تھا مگر اس ارضِ مقدس کے راستہ ہی میں اُن کو موت آگئی اور وہ اس وعدہ کی زمین میں داخل نہ ہو سکے۔ پھر خدا تعالیٰ نے ان کے بعد یشوع بن نون کو برگزیدہ کیا اور وہ اس زمین میں داخل ہوا۔ غرض یہ ایک قسم کے اسرار ہوتے ہیں۔ جن کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو رو رو کر دعائیں کرتے تھے اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ موت سے ڈرتے تھے یا اس زندگی سے پیار کرتے تھے بلکہ ان کو ناکامی کا اندیشہ تھا کہ ایسا نہ ہو میں ناکام دُنیا سے اُٹھوں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو سُنا۔ مگر یہ نہیں کہ وہ موت کا پیالہ اُن سے ٹل گیا۔ اپنے وقت پر اُنہوں نے پیا اور رخصت ہوئے۔

فرمایا۔

ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کرتے ہیں اور ہم یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ وہ کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ کے کاروبار میں جن کا اس نے ارادہ کیا ہوتا ہے کسی قسم کا فرق آجاتا ہے۔ ایسا تو وہم کرنا بھی سخت گناہ ہے۔ نہیں بلکہ وہ کاروبار جس طرح وہ چاہتا ہے بدستور چلتا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اُسے چلاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے کہ وہ راستہ ہی میں فوت ہو گئے۔ قوم چالیس دن تک ماتم کرتی رہی۔

مگر خدا تعالیٰ نے وہی کام یشوع بن نون سے لیا۔ اور پھر چھوٹے چھوٹے اور نبی آتے رہے یہانتک کہ مسیح ابن مریم آگیا اور اس سلسلہ میں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے شروع کیا تھا کوئی فرق نہ آیا۔

پس یہ کبھی نہیں سمجھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ میں کوئی فرق آجاتا ہے۔ یہ ایک دھوکہ لگتا ہے اور بُت پرستی تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اگر یہ خیال کیا جاوے کہ ایک شخص کے وجود کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ میں تو اللہ تعالیٰ کے وجود کے سوا کسی اور طرف نظر اُٹھانا بھی پسند نہیں کرتا۔

فرمایا:۔

میرے ایک چچا صاحب فوت ہو گئے تھے۔ عرصہ ہوا میں نے ایک مرتبہ اُن کو عالم رؤیا میں دیکھا اور ان سے اس عالم کے حالات پوچھے کہ کس طرح انسان فوت ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت عجیب نظارہ ہوتا ہے۔ جب انسان کا آخری وقت قریب آتا ہے تو دو فرشتے جو سفید پوش ہوتے ہیں سامنے آتے ہیں اور وہ کہتے آتے ہیں مولا بس۔ مولا بس۔

(فرمایا:۔ حقیقت میں ایسی حالت میں جب کوئی مفید وجود درمیان سے نکل جاتا ہے تو یہی لفظ مولا بس موزون ہوتا ہے)

اور پھر وہ قریب آکر دونو اُنگلیاں ناک کے آگے رکھ دیتے ہیں۔ اسے رُوح جس راہ سے آئی تھی اسی راہ سے واپس نکل آ۔

فرمایا:۔

طبعی امور سے ثابت ہوتا ہے کہ ناک کی راہ سے رُوح داخل ہوتی ہے اسی راہ سے معلوم ہوا نکلتی ہے۔ توریت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نتھنوں کے ذریعہ زندگی کی رُوح پھونکی گئی۔

وہ عالم عجیب اسرار کا عالم ہے جن کو اس زندگی میں انسان پورے طور پر سمجھ بھی نہیں سکتا۔

فرمایا۔

اگر دن تھوڑے بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں بسر ہوں تو غنیمت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس ملک میں رہے تھے وہاں کی زندگی صرف ساڑھے تین سال کی ہی رسالت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ رسالت ۲۳ سال تھا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خوش قسمتی ثابت ہوتی ہے اور کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں۔ امور رسالت میں یہ کامیابی اور سعادت کسی اور کو نہیں ملی۔ آپ کی آمد کا وہ وقت تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے ظھر الفساد فی البرّ والبحر[1] سے بیان کیا ہے۔ یعنی نہ خشکی میں امن تھا نہ تری میں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ اہلِ کتاب اور غیر اہلِ کتاب سب بگڑ چکے تھے اور قسم قسم کے فساد اور خرابیاں ان میں پھیلی ہوئی تھیں۔ گویا زمانہ کی حالت بالطبع تقاضا کرتی تھی کہ اس وقت ایک زبردست ہادی اور مصلح پیدا ہو۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا اور پھر آپ ایسے وقت دنیا سے رخصت ہوئے جب آپ کو یہ آواز آگئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً۔[2]

یہ آواز کسی اور نبی اور رسُول کو نہیں آئی۔ کہتے ہیں جب یہ آیت اُتری اور پڑھی گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس آیت کو سُنکر رو پڑے۔ ایک صحابی نے کہا کہ اے بڈھے آدمی تجھے کیا ہو گیا۔ آج تو خوشی کا دن ہے تو کیوں رو پڑا؟ حضرت ابوبکر نے جواب دیا تو نہیں جانتا مجھے اس آیت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کی بُو آتی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فراست بڑی تیز تھی۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ جب کام ہو چکا تو پھر یہاں کیا کام؟

قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی بندوبست کا افسر کسی ضلع کا بندوبست کرنے کو بھیجا

[1] الروم: ۴۲ [2] المائدہ: ۴

جاتا ہے۔ وہ اس وقت تک وہاں رہتا ہے جب تک وہ کام ختم نہ ہو لے۔ جب کام ختم ہو جاتا ہے تو پھر کسی اَور جگہ بھیجا جاتا ہے۔ اسی طرح پر مرسلین کے متعلق بھی یہی سُنّت ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جب یہ امر دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ابوبکرؓ سچ کہتا ہے اور پھر یہ بھی فرمایا کہ اگر میں کسی کو دنیا میں دوست رکھتا تو ابوبکرؓ کو۔

یہ جُملہ بھی قابلِ تشریح ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کو آپ دوست تو رکھتے تھے۔ پھر اس کا کیا مطلب؟ بات اصل میں یہ ہے کہ خُلّت اور دوستی تو وہ ہوتی ہے جو رگ و ریشہ میں دھنس جائے۔ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ اور اسی کے لئے مخصوص ہے۔ دوسروں کے ساتھ محض اخوت اور برادری ہے۔ خُلّت کا مفہوم ہی یہی ہے کہ وہ اندر دھنس جاوے۔ جیسے یُوسف زلیخا کے اندر رچ گیا تھا۔ بس یہی معنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس پاک فقرہ کے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی محبت میں تو کوئی شریک نہیں۔ دنیا میں اگر کسی کو دوست رکھتا تو ابوبکرؓ کو رکھتا۔

یہ ایسی ہی بات ہے جیسے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر کسی کو بیٹا بنانا تو ایک مقرب کو بنا لیتا۔ ایک مفسّر کہتا ہے کہ مقرب سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو مقامِ لدُنّی حاصل ہے۔ غرض یہ امور تکمیل کے لئے ضروری ہیں جن کو ہر شخص سمجھ نہیں سکتا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ہزاروں آدمی مُرتد ہو گئے حالانکہ آپ کے زمانہ میں تکمیل شریعت ہو چکی تھی۔ یہانتک اس ارتداد کی نوبت پہنچی کہ صرف دو مسجدیں رہ گئیں جن میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ باقی کسی مسجد میں نماز ہی نہیں پڑھی جاتی تھی۔ یہ وہی لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل لم تؤمنوا ولٰکن قولوا اسلمنا[1]۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابُوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ دوبارہ اسلام کو قائم کیا اور وہ آدم ثانی ہوئے۔ میرے نزدیک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت بڑا احسان اس اُمّت پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے کیونکہ ان کے زمانہ میں چار جھوٹے پیغمبر ہو گئے۔ مسیلمہ کے ساتھ ایک لاکھ آدمی ہو گئے

[1] الحجرات: ۱۵

تھے۔اور ان کا نبی ان کے درمیان سے اُٹھ گیا تھا مگر ایسی مشکلات پر بھی اسلام اپنے مرکز پر قائم ہو گیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو بات بنی بنائی ملی تھی۔ پھر وہ اس کو پھیلاتے گئے یہانتک کہ نواحِ عرب سے اسلام نکل کر شام و روم تک جا پہنچا اور یہ ممالک مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ والی مصیبت کسی نے نہیں دیکھی نہ حضرت عمرؓ نے نہ حضرت عثمانؓ نے اور نہ حضرت علیؓ نے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور میرا باپ خلیفہ ہوا اور وہ لوگ مرتد ہو گئے تو میرے باپ پر اس قدر غم پڑا کہ اگر پہاڑ پر وہ غم پڑتا تو وہ زمین کے برابر ہو جاتا۔ ایسی حالت میں حضرت ابوبکرؓ کا مقابلہ ہم کس سے کریں؟ اصل مشکلات اور مصائب کا زمانہ وہی تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیاب کیا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت کوئی فتنہ باقی نہ تھا اور حضرت عثمانؓ کو تو میں حضرت سلیمانؑ سے تشبیہ دیتا ہوں اُن کو بھی عمارات کا بڑا شوق تھا۔حضرت علیؓ کے وقت میں اندرونی فتنے ضرور تھے۔ایک طرف معاویہ تھے اور دوسری طرف علیؓ۔ اور ان فتنوں کے باعث مسلمانوں کے خون بہے۔ ۶ سال کے اندر اسلام کے لئے کوئی کارروائی نہیں ہوئی اسلام کے لئے تو عثمانؓ تک ہی ساری کارروائیاں ختم ہو گئیں۔ پھر تو خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ حضرت حسنؓ نے میری دانست میں بہت اچھا کام کیا کہ خلافت سے الگ ہو گئے۔ پہلے ہی ہزاروں خون ہو چکے تھے۔ انہوں نے پسند نہ کیا کہ اَور خون ہوں۔ اس لئے معاویہ سے گذارہ لے لیا۔ چونکہ حضرت حسنؓ کے اس فعل سے شیعہ پر زد ہوتی ہے اس لئے امام حسنؓ پر پورے راضی نہیں ہوئے۔ہم تو دونو کے ثناخواں ہیں۔ اصلی بات یہ ہے کہ ہر شخص کے جُدا جُدا قویٰ معلوم ہوتے ہیں۔حضرت امام حسنؓ نے پسند نہ کیا کہ مسلمانوں میں خانہ جنگی بڑھے اور خون ہوں انہوں نے امن پسندی کو مدنظر رکھا اور حضرت امام حسینؓ نے پسند نہ کیا کہ فاسق فاجر کے ہاتھ پر بیعت کروں کیونکہ اس سے دین میں خرابی ہوتی ہے۔ دونو کی نیت نیک تھی۔ انما الاعمال

بالمنیات۔ یہ الگ امر ہے کہ یزید کے ہاتھ سے بھی اسلامی ترقی ہوئی۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ وہ چاہے تو فاسق کے ہاتھ سے بھی ترقی ہو جاتی ہے۔ یزید کا بیٹا نیک بخت تھا۔

اصل یہی ہے کہ ہر شخص اپنے قویٰ کے موافق کام کرتا ہے۔ کل یعمل علیٰ شاکلتہٖ[1]

بعض لوگ دنیاداری میں بڑے کامل ہوتے ہیں۔ بعض سادہ ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دیکھا کہ لوگ کھجور کو پیوند کر رہے ہیں۔ یہ پیوند نر کا مادہ کو ہوتا ہے آپ نے اُن کو منع کیا۔ انہوں نے نہ لگایا۔ اس سال کھجوریں نہ لگیں تو آپ نے فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم یعنی تم اپنے دنیوی معاملات کو بہت جانتے ہو۔

انبیاء علیہم السلام باوجود اس کے کہ بڑے قوی الحوصلہ اور صاحب ہمت لوگ ہوتے ہیں لیکن اگر انہیں قلبہ رانی کے لئے کہا جاوے تو انہیں کب توفیق ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ وہ اس غرض کے لئے بنائے ہی نہیں جاتے۔ جس مقصد اور غرض کے لئے وہ آتے ہیں۔ اور اس راہ میں جو تکالیف اور مصائب انہیں اُٹھانے پڑتے ہیں کوئی دوسرا شخص دنیا کا خواہ وہ کیسا ہی بہادر اور تنومند کیوں نہ ہو وہ ان مشکلات کو ہرگز ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو کچھ ایسا دل اور حوصلہ عطا کرتا ہے کہ وہ بڑی جرأت اور دلیری کے ساتھ ان کو برداشت کرتے ہیں۔

خود انسان کو دیکھو کہ باوجودیکہ بڑا عقلمند اور عجیب عجیب ایجادیں کرتا ہے مگر بیئے کا سا گھونسلا نہیں بنا سکتا۔ اس لئے کہ اس قسم کے قویٰ اُسے نہیں ملے۔ شہد کی مکھی شہد بناتی ہے۔ انسان کا کیا مقدور ہے کہ اس قسم کا شہد بنا سکے۔ وہی بوٹیاں موجود ہیں۔ مگر انسان عاجز ہے۔ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے جدا جدا طاقت دی ہے۔ اسی طرح ایک طبقہ اناس کا وہ ہے جس کو رُوحانی قوتیں دی جاتی ہیں

ایک شخص نے سوال کیا کہ زندگی میں کسی مردے سے تعلق ہو یا مرید کا اپنے پیر سے ہو

[1] بنی اسرائیل : ۸۵

کیا وہ بھی اس سے فیض پالیتا ہے۔

فرمایا:۔

صُوفی تو کہتے ہیں کہ انسان مرنے کے بعد بھی فیض پاتا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ زندگی میں ایک دائرہ کے اندر محدود ہوتا ہے اور مرنے کے بعد وہ دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔اس کے سب قائل ہیں۔ چنانچہ یہانتک بھی مانا ہے کہ حضرت عیسٰی جب آسمان سے آئیں گے تو چونکہ وہ علوم عربیہ سے ناواقف ہونگے ،کیا کرینگے؟ بعض کہتے ہیں کہ وہ علوم عربیہ پڑھینگے اور حدیث اور فقہ بھی پڑھینگے بعض کہتے ہیں کہ یہ امر تو ان کے لئے موجب عار ہے کہ وہ کسی مولوی کے شاگرد ہوں۔ اس لئے مانا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر میں بیٹھیں گے اور وہاں بیٹھ کر استفاضہ کریں گے۔ مگر اصل میں یہ دونو باتیں غلط ہیں۔ مگر اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ قبور سے استفاضہ ہو سکتا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ امر بطریق شرک نہ ہو جیسا کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔

فرمایا:۔

ہماری نصیحت یہی ہے کہ ہر شخص گور کے کنارے بیٹھا ہے۔ یہ الگ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اطلاع دیدے اور کسی کو اچانک موت آجاوے۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ گھر ہے بے بُنیاد۔ بہت سے لوگ دیکھے ہیں کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے گھر کے سارے آدمیوں کو مٹی میں دبایا اور اولادوں کو دفن کیا مگر کچھ ایسے سخت دل ہوتے ہیں کہ وہ موت ان پر اثر نہیں کرتی اور تبدیلی ان میں نہیں پائی جاتی۔ یہ بد قسمتی ہے۔ یہ تماشا سلاطین کے ہاں بہت دیکھا جاتا ہے۔ لاکھوں لاکھ خون ہو جاتے ہیں اور ان پر کوئی اثر نہیں۔ مساکین سے مال لیتے ہیں اور خود عیش کرتے ہیں۔ بڑی بھاری غفلت کا نمونہ ان کے ہاں دیکھا جاتا ہے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۴۳ صفحہ ۲ تا ۴ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۵ء)

۲؍دسمبر ۱۹۰۵ء

رؤیا و الہام

رؤیا دیکھا کہ ایک دیوار پر ایک مُرغی ہے۔ وہ کچھ بولتی ہے۔ سب فقرات یاد نہیں رہے۔ مگر آخری فقرہ جو یاد رہا یہ تھا:۔

ان کنتم مسلمین

(ترجمہ) اگر تم مسلمان ہو۔ اس کے بعد بیداری ہوئی۔ یہ خیال تھا کہ مُرغی نے یہ کیا الفاظ بولے ہیں۔ پھر الہام ہوا:۔

انفقوا فی سبیل اللہ ان کنتم مسلمین

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ اگر تم مسلمان ہو۔

فرمایا کہ

مُرغی کا خطاب اور الہام کا خطاب ہر دو جماعت کی طرف تھے۔ دونو فقروں میں ہماری جماعت مخاطب ہے۔ چونکہ آجکل روپیہ کی ضرورت ہے۔ لنگر میں بھی خرچ بہت ہے اور عمارت پر بھی بہت خرچ ہو رہا ہے۔ اس واسطے جماعت کو چاہیئے کہ اس حکم پر توجہ کریں۔

فرمایا:۔

مُرغی اپنے عمل سے دکھاتی ہے کہ کس طرح انفاق فی سبیل اللہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہ انسان کی خاطر اپنی ساری جان قربان کرتی ہے اور انسان کے واسطے ذبح کی جاتی ہے۔ اسی طرح مرغی نہایت محنت اور مشقت کے ساتھ ہر روز انسان کے کھانے کے واسطے انڈا دیتی ہے۔

حکایت

ایسا ہی ایک پرند کی مہمان نوازی پر ایک حکایت ہے کہ ایک درخت کے نیچے

ایک مسافر کو رات آگئی۔ جنگل کا ویرانہ اور سردی کا موسم۔ درخت کے اوپر ایک پرند کا آشیانہ تھا۔ نر و مادہ آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ یہ غریب الوطن آج ہمارا مہمان ہے اور سردی زدہ ہے اس کے واسطے ہم کیا کریں؟ سوچ کر ان میں یہ صلاح قرار پائی کہ ہم اپنا آشیانہ توڑ کر نیچے پھینک دیں اور وہ اس کو جلا کر آگ تاپے چنانچہ انہوں نے کہا کہ یہ بھوکا ہے۔ اس کے واسطے کیا دعوت تیار کی جائے۔ اور تو کوئی چیز موجود نہ تھی۔ ان دونو نے اپنے آپ کو نیچے اس آگ میں گرا دیا۔ تاکہ ان کے گوشت کا کباب ان کے مہمان کے واسطے رات کا کھانا ہو جائے۔ اس طرح انہوں نے مہمان نوازی کی ایک نظیر قائم کی۔ سو ہماری جماعت کے مومنین اگر ہماری آواز کو نہیں سُنتے تو اس مرغی کی آواز کو سُنیں۔ مگر سب برابر نہیں۔ کتنے مخلص ایسے ہیں کہ اپنی طاقت سے زیادہ خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۳۸ صفحہ ۲ مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۰۵ء)

---

۱۴ دسمبر ۱۹۰۵ء

غیر احمدی کے پیچھے نماز جائز نہیں

دو آدمیوں نے بیعت کی۔ ایک نے سوال کیا کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:۔

وہ لوگ ہم کو کافر کہتے ہیں۔ اگر ہم کافر نہیں ہیں تو وہ کفر لوٹ کر اُن پر پڑتا ہے مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہے۔ اس واسطے ایسے لوگوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ پھر اُن کے درمیان جو لوگ خاموش ہیں وہ بھی انہیں میں شامل ہیں۔ اُن کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں کیونکہ وہ اپنے دل کے اندر کوئی مذہب مخالفانہ رکھتے ہیں جو ہمارے ساتھ بظاہر شامل نہیں ہوتے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۳۹ صفحہ ۲ مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۵ء)

۱۶ دسمبر ۱۹۰۵ئہ

الہام

فرمایا:۔

کل پھر الہام ہوا۔ قرب اجلك المقدر

اس پر فرمایا کہ

مدرسہ کی حالت دیکھ کر دل پارہ پارہ اور زخمی ہوگیا۔ علماء کی جماعت فوت ہو رہی ہے مولوی عبدالکریم کی قلم ہمیشہ چلتی رہتی تھی۔ مولوی برہان الدین فوت ہو گئے۔ اب قائمقام کوئی نہیں۔ جو عمر رسیدہ ہیں ان کو بھی فوت شدہ سمجھئے۔ دوسرا جیسا کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ تقویٰ ہو اس کی تخم ریزی نہیں۔ یہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے ورنہ اچھے آدمی مفقود ہو رہے ہیں آریہ زندگی وقف کر رہے ہیں۔ یہاں ایک طالب علم کے منہ سے بھی نہیں نکلتا۔

ہزارہا روپیہ قوم کا جو جمع ہوتا ہے وہ ان لوگوں کے لئے خرچ ہوتا ہے جو دنیا کا کیڑا بنتے ہیں۔ یہ حالت تبدیل ہو کر ایسی حالت ہو کہ علماء پیدا ہوں۔ علم دین میں برکت ہے۔ اس سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ بغیر اس کے شوخی بڑھتی ہے۔ نبوی علم میں برکات ہیں۔

لوگ جو روپیہ بھیجتے ہیں لنگرخانہ کے لئے یا مدرسہ کے لئے۔ اس میں اگر بے جا خرچ ہوں تو گناہ کا نشانہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے تدبیر کرنے والوں کی قسم کھائی ہے۔ فالمدبّرات امراً۔[1] میں تو ایسے آدمیوں کی ضرورت سمجھتا ہوں جو دین کی خدمت کریں۔ میرے نزدیک زبان دانی ضروری ہے۔ انگریزی پڑھنے سے میں نہیں روکتا۔ میرا مدعا یہ ہے اور میں نے پہلے بھی سوچا ہے اور جب سوچا ہے میرے دل کو صدمہ پہنچا ہے کہ ایک طرف تو زندگی کا اعتبار نہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ کی وحی قرب اجلك المقدر سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرا اس مدرسہ کی بنا سے غرض یہ تھی کہ دینی خدمت کے لئے لوگ تیار ہو جاویں۔ یہ خدا تعالیٰ کا قانون ہے۔ پہلے گذر جاتے ہیں۔ دوسرے جانشین ہوں۔ اگر دوسرے جانشین نہ ہوں تو

[1] النّٰزعٰت: ۶

قوم کے ہلاک ہونے کی جڑ ہے۔ مولوی عبدالکریم اور دوسرے مولوی فوت ہو گئے۔ اور جو فوت ہوئے ہیں اُن کا قائمقام کوئی نہیں۔ دوسری طرف ہزارہا روپیہ جو مدرسہ کے لئے لیا جاتا ہے پھر اس سے فائدہ کیا؟ جب کوئی تیار ہو جاتا ہے تو دنیا کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ اصل غرض مفقود ہے۔ میں جانتا ہوں جب تک تبدیلی نہ ہو گی کچھ نہ ہوگا۔ جو اللہ تعالےٰ کی جماعت رُوحانی سپاہیوں کے تیار کرنے والے تھے وہ نہیں رہے دُور چلے گئے ہیں۔ ہمیں کیا غرض ہے کہ قدم بقدم ان لوگوں کے چلیں جو دُنیا کے لئے چلتے ہیں۔

(الحکم جلد ۱۳ نمبر ۱ صفحہ ۱۲-۱۳ مورخہ ۷ جنوری ۱۹۰۹ء)

---

۷ دسمبر ۱۹۰۵ء

فرمایا:-

اللہ تعالےٰ کی کوئی حکمت ہے۔ وہی بہتر جانتا ہے۔ پانچ چھ روز سے یہی متواتر الہام ہو رہا ہے۔ انسان جن چیزوں کی بابت تمنا کرتا ہے ان کی بابت چاہتا ہے کہ معلوم ہوں۔ جن سے کراہت کرتا ہے چاہتا ہے کہ وہ نامعلوم ہوں۔ مگر عادت اللہ یہ نہیں کہ وہ انسانی خواہشات کی پیروی کرے۔ مجھے پانچ چھ روز سے فجر کے قریب یہ الہام ہوتا ہے۔ قَرُبَ اجلك المقدر۔ آج اس کے ساتھ یہ بھی تھا۔ و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

انبیاء علیہم السلام کے متعلق سُنّت اللہ یہی ہے کہ وہ تخم ریزی کر جاتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق صحابہؓ کا خیال غلط نکلا۔ وہ یہی سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سب کو فتح کریں گے۔ انہوں نے آپ کی وفات کو قبل از وقت سمجھا۔ مگر ابوبکرؓ کی فراست صحیح تھی۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع۔ مولوی عبدالکریم صاحب کے

متعلق جو الہام ہوا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب نصرت الٰہی ظاہر ہو۔ میرا مذہب یہی ہے کہ طولِ امل کے طور پر کچھ نہیں کرنا چاہیئے۔ انبیاء علیہم السلام جس قدر آئے ہیں وہ تخم ریزی کر جاتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عرب میں اشاعتِ اسلام کی اور ان میں سے بھی بعض استمنا میں داخل تھے۔ یہ گویا تخم ریزی تھی۔

مولوی برہان الدین صاحب کے متعلق فرمایا کہ

وہ اوّل ہی اوّل ہوشیارپور میں میرے پاس گئے۔ ان کی طبیعت میں حق کے لئے ایک سوزش اور جلن تھی۔ مجھ سے قرآن شریف پڑھا۔ بائیس برس سے میرے پاس آتے تھے۔ صُوفیانہ مذاق تھا۔ جہاں فقراء کو دیکھتے وہیں چلے جاتے۔ میرے ساتھ بڑی محبت رکھتے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ ماتم پُرسی کے لئے لکھ دوں۔ بہتر ہے کہ ان کا جو لڑکا ہو وہ یہاں آجاوے۔ تاکہ وہ باپ کی جا بجا ہو۔ اسے لکھو کہ وہ دین کی تکمیل کرے کیونکہ باپ کی ہی روش پر ہونا چاہیئے۔

منشی جلال الدین بھی بڑے مخلص تھے اور ان کے ہمنام پیرکوٹ والے بھی۔ دونو میں سے ہم کسی کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ سال گذشتہ میں ہمارے کئی دوست جدا ہو گئے۔ مولوی جمال الدین سید والہ بھی۔ مولوی شیر محمد ہوجن والے بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ میں کوئی مصالح رکھے ہوں گے۔ اس سال میں حُزن کے معاملات دیکھنے پڑے۔

(الحکم جلد ۱۳ نمبر ۱ صفحہ ۱۲ مورخہ ۷ جنوری ۱۹۰۹ء)

---

۸ دسمبر ۱۹۰۵ء

میں چاہتا ہوں کہ جماعت کے لئے ایک زمین تلاش کی جاوے جو قبرستان ہو۔ یادگار ہو اور عبرت کا مقام ہو۔

قبروں پر جانے کی ابتداءً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مخالفت کی تھی۔ جب بُت پرستی کا زور تھا۔ آخر میں اجازت دے دی۔ مگر عام قبروں پر جاکر کیا اثر ہوگا جن کو جانتے ہی نہیں۔ لیکن جو دوست ہیں اور پارسا طبع ہیں ان کی قبریں دیکھ کر دل نرم ہوتا ہے۔ اس لئے اس قبرستان میں ہمارا ہر دوست جو فوت ہو اس کی قبر ہو۔ میرے دل میں خدا تعالیٰ نے پختہ طور پر ڈال دیا ہے کہ ایسا ہی ہو۔ جو خارجاً مخلص ہو اور وہ فوت ہو جاوے اور اس کا ارادہ ہو کہ اس قبرستان میں دفن ہو وہ صندوق میں دفن کرکے یہاں لایا جاوے۔ اس جماعت کو بہیئت مجموعی دیکھنا مفید ہوگا۔ اس کے لئے اوّل کوئی زمین لینی چاہیئے اور میں چاہتا ہوں کہ باغ کے قریب ہو۔

فرمایا:۔

عجیب مؤثر نظارہ ہوگا جو زندگی میں ایک جماعت تھے مرنے کے بعد بھی ایک جماعت ہی نظر آئے گی۔ یہ بہت ہی خوب ہے۔ جو پسند کریں وہ پہلے سے بندوبست کر سکتے ہیں کہ یہاں دفن ہوں۔ جو لوگ صالح معلوم ہوں ان کی قبریں دُور نہ ہوں۔ ریل نے آسانی کا سامان کر دیا ہے اور اصل تو یہ ہے ماتدری نفسٌ بایّ ارضٍ تموت[1]۔ مگر اس میں یہ کیا لطیف نکتہ ہے کہ بایّ ارض تدفن نہیں لکھا۔ صلحاء کے پہلو میں دفن بھی ایک نعمت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے، کہ مرض الموت میں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہلا بھیجا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں جو جگہ ہے انہیں دی جاوے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایثار سے کام لے کر وہ جگہ ان کو دے دی تو فرمایا

مابقی لی ھمٌّ بعد ذالک

یعنی اس کے بعد اب مجھے کوئی غم نہیں جبکہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روضہ میں مدفون ہوں۔ مجاورت بھی خوشحالی کا موجب ہوتی ہے۔ میں اس کو پسند کرتا ہوں۔ اور یہ بدعت

[1] لقمان:۳۵

نہیں کہ قبروں پر کتبے لگائے جاویں۔ اس سے عبرت ہوتی ہے اور ہر کتبہ جماعت کی تاریخ ہوتی ہے۔ ہماری نصیحت یہ ہے کہ ایک طرح سے ہر شخص گور کے کنارے ہے۔ کسی کو موت کی اطلاع مل گئی اور کسی کو اچانک آجاتی ہے۔ یہ گھر ہے بے بنیاد۔ بہت سے لوگ ہوتے ہیں کہ ان کے گھر بالکل ویران ہو جاتے ہیں۔ ایسے واقعات کو انسان دیکھتا ہے جب تک مٹی ڈالتا ہے دل نرم ہوتا ہے۔ پھر دل سخت ہو جاتا ہے۔ یہ بدقسمتی ہے۔

(الحکم جلد ۱۳ نمبر ۱ صفحہ ۱۳ مورخہ ۷ر جنوری ۱۹۰۹ء)

۲۶ر دسمبر ۱۹۰۵ء

ایک الہام اور اس کی لطیف تشریح

یاقمر یاشمس انت منّی وانا منک

(ترجمہ) اے چاند اے سُورج تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں

فرمایا۔

اس الہام میں خدا تعالیٰ نے ایک دفعہ اپنے آپ کو سُورج فرمایا ہے اور مجھے چاند اور دوسری دفعہ مجھے سُورج فرمایا ہے اور اپنے آپ کو چاند۔ یہ ایک لطیف استعارہ ہے جس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے میری نسبت یہ ظاہر فرمایا ہے کہ میں ایک زمانہ میں پوشیدہ تھا اور اس کی روشنی کے انعکاس سے میں ظاہر ہوا۔ اور پھر فرمایا کہ ایک زمانہ میں وہ خود پوشیدہ تھا۔ پھر وہ روشنی جو مجھے دی گئی اس روشنی نے اس کو ظاہر کیا۔ یہ ایک مشہور مسئلہ ہے کہ نور القمر مستفاض من نور الشمس۔ یعنی چاند کا نور سُورج کے نُور سے فیض حاصل کرنے والا ہے۔ پس اس الہام میں اوّل خدا تعالیٰ نے اپنے تئیں سُورج قرار دیا اور اس کے انوار اور فیوض کے ذریعہ سے مجھ میں نُور پیدا

ہونا بیان فرمایا۔ اس لئے میں قمر کہلایا۔ پھر چونکہ میری روشنی سے جو مجھے دی گئی اس کا نام روشن ہوا۔ اس لئے اس بنا پر مجھے سورج قرار دیا گیا۔ اور خدا تعالیٰ نے آپ کو قمر قرار دیا کیونکہ وہ میرے ذریعہ سے ظاہر ہوا۔ اور اس نے اپنا زندہ وجود میرے وسیلہ سے لوگوں پر نمایاں کیا۔

یہ شمس و قمر کا خطاب الہام کے دوسرے حصہ کی تشریح ہے کہ انت منّی و انا منک۔ یہ ایک ایسی نظیر ہے جو انسان کے وہم و گمان میں نہیں آسکتی۔[۱]

تقریر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

جو ۲۶ دسمبر ۱۹۰۵ء کو قبل دوپہر آپ نے مہمان خانہ جدید میں فرمائی :-

میں نے یہ امر پیش کیا تھا کہ ہماری جماعت میں سے ایسے لوگ تیار ہونے چاہئیں جو واقعی طور پر دین سے واقف ہوں اور اس لائق بھی ہوں کہ وہ ان حملوں کا جو بیرونی اور اندرونی طور پر اسلام پر ہو رہے ہیں۔ پورا پورا جواب دے سکیں۔[۲] اسلام کی اندرونی بدعات اس حد تک پہنچ گئی ہیں کہ ان کی وجہ اور جہالت سے ہم کافر ٹھہرائے گئے ہیں۔ اور ہم ایسی کراہت کی نظر سے دیکھے گئے ہیں کہ حال کے مخالف علماء کے فتووں کے موافق ہماری جماعت مسلمانوں کے قبرستان میں بھی داخل ہونے کے قابل نہیں۔

۱؎ بدر جلد ۱ نمبر ۱۴ صفحہ ۲ مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۰۵ء ۔

۲؎ بدر میں ہے کہ مدرسہ کے متعلق اصلاح کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے یہ بات بیان فرمائی۔ ملاحظہ ہو۔ بدر جلد ۲ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۲ جنوری ۱۹۰۶ء ۔

اندرونی طور پر یہ حالت ہے اور بیرونی دشمن اور مخالف ہمارے فرقہ سے اس درجہ مخالفت اور عداوت رکھتے ہیں اور اس حد تک ہم کو اور ہماری جماعت کو بُرا کہتے ہیں۔ کہ گویا ہم سے ذاتی عداوت ہے۔ اور کسی فرقہ سے ایسی عداوت نہیں۔ عیسائی پادریوں کے سینہ پر بھاری پتھر یہی جماعت ہے۔ آریوں کی نظر کے سامنے سخت دشمن ہم ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی دو وجوہ معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ ان لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ کمربستہ ہو کر کفر اور مخالفوں کے طریق کو دُور کرنا ہمارا ہی کام ہے۔ ہم میں نفاق کا شعبہ نہیں پایا جاتا اور حقیقت میں جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کی طرف سے آکر تبلیغ کرتا ہے اس میں نفاق ہوتا ہی نہیں۔ پس ہم چونکہ اُن کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے اور اظہارِ حق سے نہیں رُکتے اور نہیں دبتے اس لئے طبعاً ہم انہیں بُرے معلوم ہوتے ہیں اور اُن کی آنکھوں میں کھٹکتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کے اعمال کا عکس دوسروں کے دل پر ضرور پڑتا ہے اور انسان تو انسان حیوانوں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے۔ مثلاً ایک بکری کو جس نے ساری عمر میں کبھی بھیڑیئے کو نہ دیکھا ہو اور ایسا ہی بھیڑیئے نے بھی نہ دیکھا ہو۔ تاہم جب ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو ایک دوسرے کے دل پر وہ اثر جو ان تعلقات کا ہو سکتا ہے ضرور پڑے گا۔ اسی طرح پر یہ ہمارے مخالف فطرتاً جانتے ہیں کہ ہمارے غلط عقائد کا استیصال اس فرقہ کے ذریعہ ہوگا اور اس لئے وہ فطرتاً ہمارے دشمن ہیں۔ اور فی الحقیقت یہ سچی بات ہے کہ جو آسمان سے نازل ہوتا ہے، اس کا اثر سب پر پڑتا ہے۔ سیاہ دل اور کافر بھی اس اثر کو محسوس کرتے ہیں اور ایسا ہی نیک طینت اور سعید الفطرت بھی اسی اثر سے متأثر ہوتے ہیں۔ چونکہ اس کی غرض ہر بدی کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس لئے ان بدیوں کے حامی اس کی مخالفت کو ضرور اُٹھتے ہیں۔ پھر ہم مخالفت سے کیونکر بچ سکتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے اور آپ نے دعوت کی تو جس قدر مخالفت آپ کی کی گئی اور جس قدر دُکھ آپ کو دیئے گئے کسی جھوٹے پیغمبر کو نہیں دیئے گئے۔ خود آپ ہی کے زمانہ میں جھوٹے پیغمبر بھی اُٹھے۔ مگر کوئی بتا سکتا ہے کہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کو بھی اس قسم کے دُکھ دیئے گئے اور اُن کی بھی ویسی ہی مخالفت کی گئی؟ میں سچ کہتا ہوں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ دُکھ دیا گیا کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے چہ جائیکہ بیان کریں اور نہ الفاظ مل سکتے ہیں کہ اُن کی تفصیل پیش کریں۔ اور آپ کے بالمقابل جھوٹے نبیوں کو کوئی دُکھ نہیں دیا گیا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ یہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت فطرتاً دلوں پر اثر پڑ گیا تھا کہ یہی شخص ہے جو اس کفر اور بدعت کو جو اس وقت پھیل رہی ہے، دُور کر دے گا اور آخر وہ ہو کر رہا۔

اسی طرح پر آج ہماری مخالفت کی جاتی ہے۔ یہ ہمارے مخالف طبعاً یقین کرتے ہیں کہ ان کے غلط عقائد کا استیصال ہمارے ہی ہاتھ سے ہوگا۔ اس لئے وہ فطرتاً ہماری مخالفت کرتے ہیں اور ہم کو دُکھ دینے میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ مگر اُن کے یہ دُکھ اور ایذائیں ہمیں اپنے کام سے نہیں روک سکتی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ آجکل ہم بہت ہی غریب ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہمارا کوئی بھی نہیں۔ اور وہی ہمیں بس ہے۔ ہمیشہ ہمارے خلاف یہ کوشش کی جاتی ہے کہ جب اور جس طرح کسی کا بس چلے اس تھوڑی سی قوم کو نابُود کر دیا جاوے۔ یہ تو اللہ تعالےٰ ہی کا فضل ہے کہ وہ ہماری حفاظت کرتا ہے۔ ورنہ مخالفت کی تو یہ حالت ہے کہ اگر کوئی بیرونی مخالف مقدمہ کرے تو اندرُونی مخالف اس سے سازش کرتے ہیں اور اس کو ہر قسم کی مدد دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی اندرُونی مخالف حملہ کرے تو بیرونی دشمن اس سے آملتے ہیں۔ اور پھر سب ایک ہو کر مخالفت میں اُٹھتے ہیں۔ ان ساری مخالفتوں، عداوتوں کو میں دیکھتا ہوں

اور برداشت کرتا ہوں اور مجھے یہ سب بے حقیقت نظر آتی ہیں جب خدا تعالیٰ کے وعدوں پر نظر کرتا ہوں۔

چنانچہ اس کا ایک وعدہ یہ ہے جو پچیس برس ہوئے اشاعت پا چکا ہے۔ براہین احمدیہ میں لکھا گیا ہے یاعیسٰی انّی متوفیک و رافعک الیّ و مطھرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الٰی یوم القیامۃ[۱]

یہ وعدہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے منکروں کو میرے متبعین پر غالب نہیں کرے گا۔ بلکہ وہ مغلوب ہی رہیں گے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر لوگ اس فرقۂ حقہ کے مخالف ہیں خواہ وہ اندرونی ہوں یا بیرونی مغلوب رہیں گے۔

پس اس وعدۂ الٰہی کو دیکھ کر ساری مخالفتیں اور عداوتیں ہیچ نظر آتی ہیں۔ اگرچہ ہم مطمئن ہیں کہ یہ وعدے پورے ہوں گے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے وعدے سچے ہیں وہ پورے ہو کر رہتے ہیں۔ کوئی انسان ان کو روک نہیں سکتا۔

تمسک بالاسباب

تاہم دنیا جائے اسباب ہے۔ اس لئے اسباب سے کام لینا چاہیئے۔ دنیا میں لوگ حصول مقاصد کے لئے سعی کرتے ہیں اور اپنے رنگ میں ہر شخص کوشش کرتا ہے۔ دیکھو ایک کسان کی خواہ کیسی ہی عمدہ زمین ہو۔ آب پاشی کے لئے کنواں بھی ہو۔ لیکن پھر بھی وہ تردّد کرتا ہے۔ زمین کو جوتتا ہے۔ قلبہ رانی کرکے اس میں بیج ڈالتا ہے۔ پھر اس کی آب پاشی کرتا ہے۔ حفاظت اور نگہبانی کرتا ہے اور بہت کوشش اور محنت کے بعد وہ اپنا ماحصل[۱] حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح پر ہر قسم کے معاملات میں دنیا کے ہوں یا دین کے محنت، مجاہدہ اور سعی کی حاجت اور ضرورت ہے

[۱] ممکن ہے یہ لفظ "مقصد" یا "مقصود" ہو۔ واللہ اعلم۔
(مرتب)

[۱] آل عمران: ۵۶

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کا اثر آپ کی جماعت اور آپ کی فضیلت

اوائل صدر اسلام میں جبکہ اللہ تعالیٰ کے محض فضل و کرم سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ کو وہ قوت قدسی عطا ہوئی کہ جس کے قوی اثر سے ہزاروں باا خلاص اور جان نثار مسلمان پیدا ہو گئے۔ آپ کی جماعت ایک ایسی قابلِ قدر اور قابلِ رشک جماعت تھی کہ ایسی جماعت کسی نبی کو نصیب نہیں ہوئی۔ نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو۔ میں نے اس امر کے بیان کرنے میں ہرگز ہرگز مبالغہ نہیں کیا۔ بلکہ میں جانتا ہوں کہ وہ جماعت جس مقام اور درجہ پر پہنچی ہوئی تھی اس کو پورے طور پر بیان ہی نہیں کر سکتے۔ ہمارے مخالف علماء اور دوسرے فرقے اگرچہ ہمارے مخالف ہیں تاہم وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس بیان میں ہم نے مبالغہ کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت تو ایسی شریر، کج فہم تھی کہ وہ حضرت موسیٰؑ کو پتھراؤ کرنا چاہتی تھی۔ بات بات میں سرکشی اور ضد کر بیٹھتے تھے۔ توریت کو پڑھو تو معلوم ہو جائے گا کہ ان کی حالت کیسی تھی۔ وہ ایک سنگدل قوم تھی۔ کیا توریت میں ان کو رضی اللہ عنھم کہا گیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہاں تو سرکش، ٹیڑھی، شریر وغیرہ ہی لکھا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جماعت، وہ اس سے بدتر تھی۔ جیسا کہ انجیل سے معلوم ہوتا ہے خود حضرت عیسیٰ اپنی جماعت کو لالچی، بے ایمان کہتے رہے بلکہ یہانتک بھی کہا کہ اگر تم میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو تو تم میں یہ برکات ہوں وہ برکات ہوں۔ غرض وہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی جماعت سے ناراض ہی گئے اور انہیں ایک وفادار جماعت کے میسر نہ آنے کا افسوس ہی رہا۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ نہ توریت میں اور نہ انجیل میں کہیں بھی ان کو رضی اللہ عنھم نہیں کہا گیا۔ مگر برخلاف اس کے جو جماعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو میسر آئی تھی اور جس نے آپکی قوتِ قدسی سے اثر پایا تھا اس کے لئے قرآن شریف میں آیا ہے رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ[1]۔ اس کا سبب کیا ہے؟ یہ آنحضرت

[1] المجادلہ: ۲۳

صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کا نتیجہ ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وجوہ فضیلت میں سے یہ بھی ایک وجہ ہے کہ آپ نے ایسی اعلیٰ درجہ کی جماعت تیار کی۔ میرا دعویٰ ہے کہ ایسی جماعت آدم سے لے کر آخر تک کسی کو نہیں ملی۔

اپنی جماعت کی موجودہ حالت

میں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک ہم کو بھی ایسی جماعت نہیں ملی۔ جب ہم کسی امر میں فیصلہ کر دیں تو تھوڑے ہیں جو اس کو شرح صدر سے منظور کر لیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تو وہ ایسے فدائی اور جاں نثار تھے کہ جانیں دے دیں۔ اب اگر اتنا ہی کہا جاوے کہ سو دو سو کوس پر جاؤ اور وہاں دو چار برس تک بیٹھے رہو تو پھر گننے ملنے لگ جاویں۔ زبان سے تو کہنے کو کہہ دیتے ہیں کہ آپ جو کر دیں ہم کو منظور ہے۔ لیکن جب کہا جاوے تو پھر ناراضگی کا موجب ہوتا ہے۔ یہ نفاق ہوتا ہے۔ میں منافقوں کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ منافقوں کی نسبت فرماتا ہے۔

انّ المنافقین فی الدرک الاسفل من النار[1]

یقیناً یاد رکھو کہ منافق کافر سے بھی بدتر ہے۔ اس لئے کہ کافر میں شجاعت اور قوت فیصلہ تو ہوتی ہے۔ وہ دلیری کے ساتھ اپنی مخالفت کا اظہار کر دیتا ہے مگر منافق میں شجاعت اور قوت فیصلہ نہیں ہوتی۔ وہ چھپاتا ہے۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اگر جماعت میں وہ اطاعت ہوتی جو ہونی چاہیئے تھی تو اب تک یہ جماعت بہت کچھ ترقی کر لیتی۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے لوگ ابھی تک کمزور ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ وہ میرا کہا نہیں مانتے بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ برداشت نہیں کر سکتے اگر کوئی ابتلا آجاوے تو موت آجاوے جماعت کی ایسی حالت دیکھ کر دل میں درد پیدا ہوتا ہے۔

قرب اجلك المقدر

اب جو بار بار اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ تیری اجل کے دن قریب ہیں۔ جیسا کہ یہ

[1] النساء : ۱۴۶

الہام ہے:۔

قرب اجلك المقدر۔ ولا نبقی لك من المخزیات ذکرا

ایسا ہی اُردو زبان میں بھی فرمایا:۔

بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اس دن سب پر اداسی چھا جائے گی

غرض جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ ظاہر کر دیا کہ اب تھوڑے دن باقی ہیں تو اسی لئے میں نے وہ تجویز سوچی جو قبرستان کی ہے۔ اور یہ تجویز میں نے اللہ تعالیٰ کے امر اور وحی سے کی ہے اور اسی کے امر سے اس کی بناء ڈالی ہے کیونکہ اس کے متعلق عرصہ سے مجھے خبر دی گئی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ یہ تجویز بھی بہت سے لوگوں کے لئے ابتلا کا موجب ہوگی۔ لیکن اس بنا سے غرض یہی ہے کہ تا آنے والی نسلوں کے لئے ایک ایسی قوم کا نمونہ ہو جیسے صحابہؓ کا تھا اور تا لوگ جانیں کہ وہ اسلام اور اس کی اشاعت کے لئے فدا شدہ تھے۔ ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ احسب النّاس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنّا وھم لا یفتنون[1]۔ یعنی کیا لوگ گمان کر بیٹھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن سے اتنی ہی بات پر راضی ہو جاوے کہ وہ کہدیں کہ ہم ایمان لائے۔ حالانکہ وہ ابھی امتحان میں نہیں ڈالے گئے۔ اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ لن تنالوا البرّ حتّٰی تنفقوا ممّا تحبّون[2]۔ یعنی اس وقت تک تم حقیقی نیکی کو حاصل ہی نہیں کر سکتے جب تک تم اس چیز کو خرچ نہ کرو گے جو تم کو سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے

اب غور کرو جبکہ حقیقی نیکی اور رضاء الٰہی کا حصول ان باتوں کے بغیر ممکن ہی نہیں تو پھر نری لاف گزاف سے کیا ہو سکتا ہے۔ صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ ان میں سے مثلاً ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا وہ قدم اور صدق تھا کہ سارا مال ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ یہ کہ خدا تعالیٰ کے لئے زندگی وقف کر چکے تھے۔

[1] عنکبوت: ۳ [2] آل عمران: ۹۳

اور انہوں نے اپنا کچھ بھی نہ رکھا تھا۔ مومن کی بھلائی کے دن بھلے آتے ہیں تو ایسے موقعوں پر جبکہ اس کو کچھ خرچ کرنا پڑے خوش ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ جوہر صدق و صفا کے جو اب تک چھپے ہوئے تھے ظاہر ہوں گے۔ برخلاف اس کے منافق ڈرتا ہے اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اب اس کا نفاق ظاہر ہو جائے گا۔

یہ قبرستان کا امر بھی اسی قسم کا ہے۔ مومن اس سے خوش ہوں گے اور منافقوں کا نفاق ظاہر ہو جائے گا۔ میں نے اس امر کو جب تک تواتر سے مجھ پر نہ کھلا پیش نہیں کیا۔ اس میں تو کچھ شک ہی نہیں کہ آخر ہم سب مرنے والے ہیں۔ اب غور کرو کہ جو لوگ اپنے بعد اموال چھوڑ جاتے ہیں وہ اموال ان کی اولاد کے قبضہ میں آتے ہیں۔ مرنے کے بعد انہیں کیا معلوم کہ اولاد کیسی ہو؟ بعض اوقات اولاد ایسی شریر اور فاسق فاجر نکلتی ہے کہ وہ سارا مال شراب خانوں اور زنا کاری میں اور ہر قسم کے فسق و فجور میں تباہ کیا جاتا ہے اور اس طرح پر وہ مال بجائے مفید ہونے کے مضر ہوتا ہے اور چھوڑنے والے پر عذاب کا موجب ہو جاتا ہے۔ جبکہ یہ حالت ہے تو پھر کیوں تم اپنے اموال کو ایسے موقع پر خرچ نہ کرو جو تمہارے لئے ثواب اور فائدہ کا باعث ہو۔ اور یہی صورت ہے کہ تمہارے مال میں دین کا بھی حصہ ہو۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ اگر تمہارے مال میں دین کا بھی حصہ ہے تو اس بدی کا تدارک ہو جائے گا جو اس مال کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔ یعنی جو بدی اولاد کرتی ہے

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم اس بات کو خوب یاد رکھو کہ جیسا کہ قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے اور ایسا ہی دوسرے نبیوں نے بھی کہا ہے یہ سچ ہے کہ دولتمند کا بہشت میں داخل ہونا ایسا ہی ہے جیسے اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کا مال اس کے لئے بہت سی روکوں کا موجب ہو جاتا ہے۔ اس لئے اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا مال تمہارے واسطے ہلاکت اور ٹھوکر کا باعث نہ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اسے دین کی اشاعت اور خدمت کے لئے وقف کرو۔

سچّا مومن کون ہے؟

یقیناً یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی مومن   اور بیعت میں داخل ہوتا ہے جو دین کو دُنیا پر مقدم کرلے جیسا کہ وہ بیعت کرتے وقت کہتا ہے۔ اگر دُنیا کی اغراض کو مقدم کرتا ہے تو وہ اس اقرار کو توڑتا ہے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ مجرم ٹھہرتا ہے پس اسی غرض سے یہ اشتہار (الوصیت) میں نے خدا تعالیٰ کے اذن سے دیا ہے۔ سچی بات یہی ہے۔ سال دیگر را کہ مے داند حساب۔ لیکن جبکہ خدا تعالےٰ کی متواتر وحی نے مجھ پر کھولا کہ وقت قریب ہے اور اجل مقدر کا الہام ہوا تو میں نے اللہ تعالےٰ ہی کے اشارہ سے یہ اشتہار دیا کہ تا آئندہ کے لئے اشاعتِ دین کا سامان ہو اور تا لوگوں کو معلوم ہو کہ آمنّا و صدقنا کہنے والوں کی عملی حالت کیا ہے۔ یقیناً یاد رکھو کہ جبتک انسان کی عملی حالت درست نہ ہو زبان کچھ چیز نہیں۔ یہ نری لاف گزاف ہے۔ زبان تک جو ایمان رہتا ہے اور دل میں داخل ہو کر اپنا اثر عملی حالت پر نہیں ڈالتا وہ منافق کا ایمان ہے۔ سچا ایمان وہی ہے جو دل میں داخل ہو اور اس کے اعمال کو اپنے اثر سے رنگین کردے۔ سچا ایمان ابوبکرؓ اور دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔ کیونکہ جنہوں نے اللہ تعالےٰ کی راہ میں مال تو مال جان تک کو دے دیا اور اس کی پرواہی نہ کی۔ جان سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہوتی مگر صحابہؓ نے اُسے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر قربان کردیا۔ انہوں نے کبھی اس بات کی پرواہی نہیں کی کہ بیوی بیوہ ہو جائے گی یا بچے یتیم رہ جائیں گے بلکہ وہ ہمیشہ اسی آرزو میں رہتے کہ خدا تعالےٰ کی راہ میں ہماری زندگیاں قربان ہوں۔

مجھے ہمیشہ خیال آتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا نقش دل پر ہو جاتا ہے اور کیسی بابرکت وہ قوم تھی اور آپ کی قوت قدسیہ کا کیسا قوی اثر تھا کہ اس قوم کو اس مقام تک پہنچا دیا۔ غور کر کے دیکھو کہ آپ نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ ایک حالت اور وقت اُن پر ایسا تھا کہ تمام محرمات ان کے لئے شیر مادر کی طرح تھیں۔ چوری،

شرابخوری، زنا، فسق و فجور سب کچھ تھا۔ غرض کونسا گناہ تھا جو اُن میں نہ تھا لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت اور تربیت سے اُن پر وہ اثر ہوا۔ اور ان کی حالت میں وہ تبدیلی پیدا ہوئی کہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی شہادت دی اور کہا اللہ اللہ فی اصحابی۔ گویا بشریت کا چولہ اُتار کر مظہر اللہ ہو گئے تھے اور ان کی حالت فرشتوں کی سی ہو گئی تھی جو یفعلون ما یؤمرون[1] کے مصداق ہیں۔ ٹھیک ایسی ہی حالت صحابہؓ کی ہو گئی تھی۔ ان کے دلی ارادے اور نفسانی جذبات بالکل دُور ہو گئے تھے۔ ان کا اپنا کچھ رہا ہی نہیں تھا۔ نہ کوئی خواہش تھی نہ آرزو۔ بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ اور اس کے لئے وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں بکریوں کی طرح ذبح ہو گئے۔ قرآن شریف ان کی اس حالت کے متعلق فرماتا ہے منھم من قضی نحبہ و منھم من ینتظر وما بدّلوا تبدیلا[2]

یہ حالت انسان کے اندر پیدا ہو جانا آسان بات نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کو آمادہ ہو جاوے۔ مگر صحابہؓ کی حالت بتاتی ہے کہ انہوں نے اس فرض کو ادا کیا۔ جب انہیں حکم ہوا کہ اس راہ میں جان دے دو۔ پھر وہ دنیا کی طرف نہیں جھکے۔ پس یہ ضروری امر ہے کہ تم دین کو دنیا پر مقدم کر لو۔

جماعت میں کون داخل نہیں

یاد رکھو اب جس کا اصول دنیا ہے اور پھر وہ اس جماعت میں شامل ہے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ اس جماعت میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی اس جماعت میں داخل اور شامل ہے جو دُنیا سے دست بردار ہے۔ یہ کوئی مت خیال کرے کہ میں ایسے خیال سے تباہ ہو جاؤں گا۔ یہ خداشناسی کی راہ سے دُور لے جانے والا خیال ہے۔ خدا تعالیٰ کبھی اس شخص کو جو محض اسی کا ہو جاتا ہے ضائع نہیں کرتا بلکہ وہ خود اس کا متکفل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کریم ہے جو شخص اس کی راہ میں کچھ کھوتا ہے وہی کچھ پاتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کو پیار کرتا ہے اور انہیں کی اولاد بابرکت ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کے

[1] النحل: ۵۱ [2] الاحزاب: ۲۴

حکموں کی تعمیل کرتا ہے۔ اور یہ کبھی نہیں ہوا اور نہ ہو گا کہ خدا تعالیٰ کا سچا فرماں بردار ہو وہ یا اس کی اولاد تباہ و برباد ہو جاوے۔ دنیا ان لوگوں ہی کی برباد ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کو چھوڑتے ہیں اور دُنیا پر جُھکتے ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہر امر کی طناب اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے بغیر کوئی مقدمہ فتح نہیں ہو سکتا۔ کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اور کسی قسم کی آسائش اور راحت میسّر نہیں آسکتی۔ دولت ہو سکتی ہے مگر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مرنے کے بعد یہ بیوی یا بچوں کے ضرور کام آئے گی۔ ان باتوں پر غور کرو اور اپنے اندر ایک نئی تبدیلی پیدا کرو۔

غرض مجھے افسوس ہوتا ہے جب میں جماعت کو دیکھتا ہوں کہ یہ ابھی تھوڑے ابتلا کے بھی لائق نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ابھی تک وہ قوت ایمانی پیدا نہیں ہوئی جو ہونی چاہیئے۔ ابھی تک جو تعریف کی جاتی ہے وہ خدا تعالےٰ کی ستاری کرا رہی ہے۔ لیکن جب کوئی ابتلا اور آزمائش آتی ہے تو وہ انسان کو ننگا کر کے دکھا دیتی ہے۔ اس وقت وہ مرض جو دل میں ہوتی ہے اپنا پورا اثر کر کے انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضاً۔ یہ مرض ابتلا ہی کے وقت بڑھتی اور اپنا پورا زور دکھاتی ہے خدا تعالےٰ کی یہ بھی عادت ہے کہ وہ دلوں کی مخفی قوتوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ جو شخص اپنے دل میں ایک نُور رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا صدق اور اخلاص ظاہر کر دیتا ہے اور جو دل میں خبث اور شرارت رکھتا ہے اس کو بھی کھول کر دکھا دیتا ہے اور کوئی بات چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی۔

یقیناً سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ پیارے نہیں ہیں جن کی پوشاکیں عمدہ ہوں اور وہ بڑے دولت مند اور خوش خور ہوں بلکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ پیارے ہیں

محبانِ الٰہی

جو دین کو دُنیا پر مقدم کر لیتے ہیں اور خالص خدا ہی کے لئے ہو جاتے ہیں۔ پس تم اس امر کی طرف توجہ کرو نہ پہلے امر کی طرف۔ اگر میں جماعت

کی موجودہ حالت پر ہی نظر کروں تو مجھے بہت غم ہوتا ہے کہ ابھی بہت ہی کمزور حالت ہے اور بہت سے مراحل باقی ہیں جو اس نے طے کرنے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر نظر کرتا ہوں جو اس نے مجھ سے کئے ہیں تو میرا غم امید سے بدل جاتا ہے۔ منجملہ اس کے وعدوں کے ایک یہ بھی ہے جو فرمایا۔

وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ[۲]

یہ تو سچ ہے کہ وہ میرے متبعین کو میرے منکروں اور میرے مخالفوں پر غلبہ دے گا۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ متبعین میں سے ہر شخص محض میرے ہاتھ پر بیعت کرنے سے داخل نہیں ہو سکتا جب تک اپنے اندر وہ اتباع کی پوری کیفیت پیدا نہیں کرتا متبعین میں داخل نہیں ہو سکتا۔ پوری پوری پیروی جب تک نہیں کرتا۔ ایسی پیروی کہ گویا اطاعت میں فنا ہو جاوے اور نقشِ قدم پر چلے اس وقت تک اتباع کا لفظ صادق نہیں آتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسی جماعت میرے لئے مقدر کی ہے جو میری اطاعت میں فنا ہو اور پورے طور پر میری اتباع کرنے والی ہو۔ اس سے مجھے تسلی ملتی اور میرا غم امید سے بدل جاتا ہے۔ مجھے اس بات کا غم نہیں کہ ایسی جماعت نہ ہو گی۔ نہیں جماعت تو ضرور ہو گی اس لئے کہ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ ایسے لوگ ضرور ہوں گے۔ مگر غم اس بات کا ہے کہ ابھی جماعت کچی ہے اور پیغام موت آ رہا ہے۔ گویا جماعت کی حالت اس بچہ کی سی ہے جس نے ابھی دو چار روز دودھ پیا ہو اور اس کی ماں مر جائے۔[۱]

بہر حال خدا تعالیٰ کے وعدوں پر میری نظر ہے اور وہ خدا ہی ہے جو میری تسکین اور تسلی کا باعث ہے۔ ایسی حالت میں کہ جماعت کمزور اور بہت کچھ تربیت کی محتاج ہے یہ ضروری امر ہے کہ میں تمہیں توجہ دلاؤں کہ تم خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا کرو اور

[۱] حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منہ سے جس وقت یہ جملے نکلے ان میں کچھ ایسا درد اور رقت تھی کہ اس نے سامعین کو بے قرار کر دیا اور کئی آدمی جو آخر ضبط نہ کر سکے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ (ایڈیٹر)

[۲] آل عمران: ۵۶

اسی کو مقدم کر لو اور اپنے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک جماعت کو ایک نمونہ سمجھو ان کے نقشِ قدم پر چلو۔ میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ وہ ایک ایسی صادق جماعت تھی جو اپنے ایمان قوی کے لحاظ سے جان فدا کرنے میں بھی دریغ نہ کرتی تھی بلکہ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ وہ ایک ایسی قوم ہے کہ اس کی نظیر مل سکتی ہی نہیں۔ جب ہم دوسری قوموں کا اُن سے مقابلہ کرتے ہیں تو اُن کی عظمت اور شوکت کا اَور بھی دل پر اثر ہوتا ہے۔[1]

اور جس قدر غور کرتے جاویں آپ کے مراتب اور مدارج پر حیرت ہوتی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کیسی قوت قدسی عنایت فرمائی تھی اور اس میں ایسی تاثیر اور طاقت رکھی تھی۔ کہ صحابہؓ جیسی جان نثار قوم آپ نے تیار کی۔ آپ ایسی قوم چھوڑ گئے تھے جو خالص خدا ہی کے لئے قدم اُٹھانے والی تھی۔ وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں ایسے سرگرم اور تیار تھے۔ اور اس راہ میں انہیں جان دے کر ایسی خوشی ہوتی تھی کہ آجکل کے دنیاداروں کو کسی مقدمہ کی فتح سے بھی وہ خوشی نہیں ہو سکتی۔ وہ بالکل خدا ہی کے لئے ہو گئے تھے ایسی زبردست اور بے مثل تبدیلی کوئی نبی اپنی قوم میں پیدا نہیں کر سکا۔ لکھا ہے کہ ایک صحابیؓ جنگ کر رہا تھا۔ اس نے دشمن پر تلوار ماری لیکن وہ تلوار دشمن کے تو نہ لگی اُلٹ کر اُسی کے آ لگی۔ بعض نے کہا کہ وہ شہید نہیں ہوا۔ اُسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تو اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں شہید نہیں ہوا۔ اس لئے کہ اُسے اس بات کا سخت غم تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تجھ کو دو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ اس لئے کہ ایک تو تُو نے دشمن پر حملہ کیا۔ دوسرے خود اسی راہ میں مارا گیا۔ بات کیا تھی؟ صرف یہ کہ وہ نہ چاہتے تھے کہ یہ مرتبہ شہادت ہم سے رہ جاوے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اپنی محبت سے بھر دیا تھا اور اتنا ہی نہیں تھا بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی محبت اور معرفت الٰہی میں اعلیٰ درجہ تک پہنچ گئے تھے اور اسی وجہ سے ان کی عقل، فہم

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۱ صفحہ ۳ تا ۵ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۶ء

اور فراست میں بہت بڑی ترقی ہو گئی تھی۔

ایک انگریز جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح کا مقابلہ کرتا ہے تو وہ لکھتا ہے کہ صحابہؓ میں علاوہ اس کے کہ ان میں صدق اور ایمان کی وہ طاقت موجود تھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے سر دینے کو تیار ہو جاتے تھے اور ایسی جگہ کھڑے ہوتے تھے، جہاں بجز جان دینے کے اور کوئی چارہ ہی نہ ہوتا تھا۔ لیکن برخلاف اس کے مسیح کے حواریوں کی یہ حالت تھی کہ خود انہیں میں سے ایک نے تیس روپے لے کر پکڑوا دیا۔ اور دوسرے اس کے پاس سے بھاگ گئے اور دو گھڑی بھی اس کے ساتھ نہ ٹھہر سکے۔ سامنے کھڑے ہو کر ایک نے لعنت کی۔ ایسے حواریوں کو صحابہ کے ساتھ کیا نسبت اور کیا مقابلہ؟

پھر عقلی طور پر مقابلہ کر کے لکھا ہے کہ حواریوں کی تو یہ حالت تھی کہ وہ ایک گاؤں کا انتظام کرنے کی بھی قابلیت نہ رکھتے تھے۔ برخلاف اُن کے صحابہؓ نے علوم سیاست اور حکمرانی میں وہ کمال دکھایا اور ایسی اعلیٰ قابلیت کا ثبوت دیا کہ آج اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ انہوں نے ایک عظیم الشان سلطنت کا انتظام کیا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کا نمونہ موجود ہے۔ حضرت ابو بکر کی خلافت میں ایسا خطرناک فتنہ پیدا ہوا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو سخت مشکلات کا سامنا تھا مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے خدا تعالیٰ سے تائید پا کر اس فتنہ کو اور جو جنگلی بادیہ نشین مُرتد ہو گئے تھے ان کو سدھایا اور درست کیا۔ غرض باوجود اس بات کے کہ وہ تیار شدہ تھے اور صدق اور نُور سے بھرے ہوئے تھے تاہم اللہ تعالیٰ ان کو فرماتا ہے۔

فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة[1]

یعنی ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو تفقہ فی الدین کریں یعنی جو دین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے اس میں تفقہ کر سکیں۔ یہ نہیں کہ طوطے کی طرح یاد ہو اور اس میں غور و فکر کی مطلق عادت اور مذاق ہی نہ ہو۔ اس سے وہ غرض حاصل نہیں ہو سکتی جو آنحضرت

[1] التوبہ: ۱۲۲

صلے اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے اور وہی غرض ہماری ہے یعنی محل اور موقعہ کے حسب حال جواب دے سکیں۔ مناظرہ کر سکیں۔ لیکن چونکہ سب کے سب ایسے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے یہ نہیں فرمایا کہ سب کے سب ایسے ہو جائیں بلکہ یہ فرمایا کہ ہر جماعت اور گروہ میں سے ایک ایک آدمی ہو اور گویا ایک جماعت ایسے لوگوں کی ہونی چاہیئے جو تبلیغ اور اشاعت کا کام کر سکیں۔ اس لئے بھی کہ ہر شخص ایسی طبیعت اور مذاق کا نہیں ہوتا۔ خود اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تقسیم تین طرح پر کی ہے۔

منھم ظالمٌ لنفسہٖ و منھم مقتصدٌ و منھم سابق بالخیرات[له]

یعنی تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو ظالمٌ لنفسہٖ کہلاتے ہیں ان کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ خواہشِ نفس ان پر غالب ہوتی ہے اور وہ گویا پنجۂ نفس میں گرفتار ہوتے ہیں۔ دوم وہ لوگ ہیں جو مقتصد یعنی میانہ رو کہلاتے ہیں۔ یعنی کبھی نفس ان پر غالب ہو جاتا ہے اور کبھی وہ نفس پر غالب ہو جاتے ہیں اور پہلی حالت سے نکل چکے ہوتے ہیں۔ لیکن تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو پنجۂ نفس سے کلی رہائی پا لیتے ہیں اور وہ سابق بالخیرات کہلاتے ہیں۔ یعنی نیکی کرنے میں سب سے سبقت لے جاتے ہیں۔ اور وہ محض خدا ہی کے لئے ہو جاتے ہیں۔ ان میں علمی اور عملی قوت آجاتی ہے۔ ایسے لوگ خدمتِ دین کے لئے مفید اور کار آمد ہوتے ہیں۔ اس قانون کو مدنظر رکھ کر اللہ تعالیٰ نے بعض کا حکم دیا۔ کیونکہ کُل کے کُل تو اس مقصد کے لئے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کا قانونِ قدرت ہے کہ بعض لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو تجارت، زراعت یا ملازمت کریں اور ایسے بھی ہونے چاہئیں جو دین کی تبلیغ کرنے والے ہوں تا کہ قوم آئندہ ٹھوکروں سے بچ جاوے۔

یہ یاد رکھو کہ جب کوئی قوم تباہ ہونے کو آتی ہے تو پہلے اس میں جہالت پیدا ہوتی ہے اور وہ دین جو انہیں سکھایا گیا تھا اسے بھول جاتے ہیں۔ جب جہالت پیدا ہوتی ہے

له فاطر: ۳۳

تو اس کے بعد یہ مصیبت اور بلا آتی ہے کہ اس قوم میں تقویٰ نہیں رہتا اور اس میں فسق و فجور اور ہر قسم کی بدکرداری شروع ہو جاتی ہے اور آخر اللہ تعالیٰ کا غضب اس قوم کو ہلاک کر دیتا ہے کیونکہ تقویٰ اور خدا ترسی علم سے پیدا ہوتی ہے جیسا کہ خود اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا[1]

یعنی اللہ تعالیٰ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی علم خشیت اللہ کو پیدا کر دیتا ہے اور خدا تعالیٰ نے علم کو تقویٰ سے وابستہ کیا ہے کہ جو شخص پورے طور پر عالم ہوگا اس میں ضرور خشیتہ اللہ پیدا ہوگی۔ علم سے مراد میری دانست میں علم القرآن ہے۔ اس سے فلسفہ، سائنس یا اور علوم مروجہ مراد نہیں کیونکہ اُن کے حصول کے لئے تقویٰ اور نیکی کی شرط نہیں بلکہ جیسے ایک فاسق فاجر اُن کو سیکھ سکتا ہے ویسے ہی ایک دیندار بھی۔ لیکن علم القرآن بجز متقی اور دیندار کے کسی دوسرے کو دیا ہی نہیں جاتا۔ پس اس جگہ علم سے مراد علم القرآن ہی ہے جس سے تقویٰ اور خشیت پیدا ہوتی ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ جس قوم سے تمہیں مقابلہ پیش آوے اس مقابلہ میں تم بھی ویسے ہی ہتھیار استعمال کرو جیسے ہتھیار وہ مقابلہ والی قوم استعمال کرتی ہے۔ اور چونکہ آجکل مذہبی مناظرہ کرنے والے لوگ ایسے امور پیش کر دیتے ہیں جن کا سائنس اور موجودہ علوم سے تعلق ہے اس لئے اس حد تک ان علوم میں واقفیت اور دخل کی ضرورت ہے۔ جیسے مثلاً اعتراض کر دیتے ہیں کہ جن ممالک میں چھ ماہ تک آفتاب طلوع یا غروب نہیں ہوتا۔ وہاں نماز یا روزہ کے احکام کی تعمیل کس طرح پر ہوگی؟ اب جو شخص ان ممالک سے واقف نہیں یا ان باتوں پر اطلاع نہیں رکھتا وہ سنتے ہی گھبرا جاویگا اور حیران ہو کر رہ جائے گا۔ ایسا اعتراض کرنے والوں کا منشا یہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن کریم کی تعلیم کی تکمیل کو ناقص قرار دیں کہ ایسے ممالک کے لئے کوئی اور حکم ہونا چاہیئے تھا غرض ایسے اعتراضات چونکہ آجکل ہوتے ہیں اس لئے ضروری امر ہے کہ ان علوم میں کچھ نہ کچھ دسترس ضروری ہو

[1] فاطر: ۲۹

ایسا ہی بعض لوگ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن شریف گردشِ آسمان کا قائل ہے جیسے فرمایا والسماء ذات الرجع[1]۔ حالانکہ آج کل کے بچے بھی جانتے ہیں کہ زمین گردش کرتی ہے۔ غرض اسی قسم کے بیسیوں اعتراض کر دیتے ہیں اور تاوقتیکہ ان علوم میں کچھ مہارت اور واقفیت نہ ہو جواب دینے میں مشکل پیدا ہوتی ہے۔ یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ زمین یا آسمان کی گردش ظنی امور ہیں ان کو یقینیات میں داخل نہیں کر سکتے۔ ایک زمانہ تک گردش آسمان کے قائل رہے۔ پھر زمین کی گردش کے قائل ہو گئے۔ سب سے زیادہ ان لوگوں کی طبابت پر مشق ہے لیکن اس میں بھی دیکھ لو کہ آئے دن تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً پہلے ذیابطیس کے لئے یہ کہتے تھے کہ اس کے مریض کو میٹھی چیز نہیں کھانی چاہیئے مگر اب جو تحقیقات ہوئی ہے تو کہتے ہیں کچھ ہرج نہیں اگر سنگترہ بھی کھالے یا چار پی لے۔

غرض یہ سب علوم ظنی ہیں۔ اس موقعہ پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ والسماء ذات الرجع کے معنے بتا دیئے جاویں۔ کیونکہ اس کا ذکر آ گیا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ سماء کے معنے آسمان ہی کے نہیں ہیں بلکہ سماء مینہ کو بھی کہتے ہیں۔ گویا اس آیت میں اس مینہ کی جو زمین کی طرف رجوع کرتا ہے قسم کھائی ہے اور پھر وہ زمین جس سے شگوفے نکلتے ہیں۔ اکیلی زمین اور اکیلا آسمان کچھ نہیں کر سکتا۔ اس آیت کو اللہ تعالیٰ ضرورتِ وحی پر بطور مثال پیش کرتا ہے کہ ہر چند زمین میں جو جوہر قابل ہوں اور اس کی فطرت میں نشو و نما کا مادہ ہو۔ لیکن وہ نشو و نما نہیں پا سکتا اور فطرت بار آور نہیں ہو سکتی جب تک آسمان سے مینہ نہ برسے

ے
باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

اس غرض کے لئے کہ عمدہ عمدہ پھل اور پھول پیدا ہوں، عمدہ زمین اور اس کیلئے بارش کی ضرورت ہے جب تک یہ بات نہ ہو کچھ نہیں ہو سکتا۔ اب اس نظارۂ فطرت کو اللہ تعالیٰ ضرورت وحی کے لئے پیش کرتا ہے اور توجہ دلاتا ہے کہ دیکھو جب مینہ نہ برسے تو قحط

[1] الطارق ۱۲

کا اندیشہ ہوتا ہے یہانتک کہ زمینی پانی جو کنوؤں اور چشموں میں ہوتا ہے، وہ بھی کم ہونے لگتا ہے۔ پھر جبکہ دنیوی اور جسمانی ضرورتوں کے لئے آسمانی پانی کی ضرورت ہے تو کیا رُوحانی اور ابدی ضرورتوں کے لئے رُوحانی بارش کی ضرورت نہیں؟ اور وہ **وحی الٰہی** ہے۔ جیسے مینہ کے نہ برسنے سے قحط پڑتا اور کنوئیں اور چشمے خشک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح پر اگر انبیاء و رسُل دنیا میں نہ آئیں تو فلسفیوں کا وجود بھی نہ ہو کیونکہ قویٰ عقلیہ کا نشوونما وحی الٰہی ہی سے ہوتا ہے اور زمینی عقلیں اسی سے پرورش پاتی ہیں۔

پس اس آیت والسماء ذات الرجع۔ والارض ذات الصدع[1] میں وحی الٰہی کی ضرورت پر عقلی اور فطرتی دلائل پیش کئے ہیں۔ جو شخص اس امر کو سمجھ لے گا وہ بول اُٹھے گا کہ بیشک وحی الٰہی کی ضرورت ہے۔ اور یہ وہ طریق ہے جو آدم سے چلا آتا ہے۔ اور ہر شخص نے اپنی استعداد اور فطرت کے موافق اس سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ ہاں جو جاہل اور ناقص تھے یا جن میں تکبر اور خودسری تھی وہ محروم رہ گئے اور انہوں نے کچھ بھی حصہ نہ لیا۔ یہی اصل اور سچی بات ہے اور تم یقیناً یاد رکھو کہ آسمانی بارش کی سخت ضرورت ہے۔ اس لئے کہ عملی قوت بجز اس بارش کے پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔

غرض اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تقویٰ بھی تب ہی پُورا ہوتا ہے جب علم الٰہی اس کے ساتھ ہو۔ اور وُہ وُہ علم ہے جو کتاب اللہ میں مندرج ہے۔

یہ سچی بات ہے کہ کوئی شخص مراتب ترقیات حاصل نہیں کر سکتا جب تک تقویٰ کی باریک راہوں کی پروا نہ کرے اور تقویٰ کا مدار علم پر ہے۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید کے شروع ہی میں بیان فرمایا ہے۔

یہاں حضرت اقدس نے سورہ بقرہ کے پہلے رکوع کے کچھ حصہ کی تفسیر بیان فرمائی جس کو میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔ لیکن سہولت اور اس تفسیر کی ترتیب ابلغ کے لحاظ سے پہلے وہ حصہ یکجائی طور پر درج کرتا ہوں اور پھر اس کا ترجمہ دیتا ہوں۔

[1] الطارق: ١٢-١٣

نازل بعد تفسیر (ایڈیٹر الحکم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۔ ذالك الكتاب لا ريب فيه هدًى للمتقين ۔ الذين يؤمنون بالغيب ويقيمون الصّلٰوة ومما رزقنٰهم ينفقون ۔ والذين يؤمنون بما انزل اليك وما انزل من قبلك وبالاٰخرة هم يوقنون ۔ اولٰئك على هدًى من ربهم واولٰئك هم المفلحون[1]

ترجمہ۔ میں اللہ بہت جاننے والا ہوں۔ یہ کتاب جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے متقیوں کے لئے ہدایت نامہ ہے (متقی کون ہوتے ہیں) جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو کھڑی کرتے ہیں اور جو کچھ انہیں عطا کیا گیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور متقی وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ پر نازل کی گئی ہے اور اس وحی پر بھی جو تجھ سے پہلے نازل ہوئی۔ اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب سے ہدایت یافتہ ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

تفسیر

الٓمّٓ ۔ ذالك الكتاب لا ريب فيه۔ هدًى للمتقين ۔[2]

میں اللہ جو بہت جاننے والا ہوں۔ یہ کتاب جو شک و شبہ اور ہر عیب و نقص سے پاک ہے متقیوں کی ہدایت کے لئے بھیجی گئی ہے۔

قرآن کریم کی علل اربعہ

ہر شے کی چار علتیں ہوتی ہیں۔ یہاں بھی ان علل اربعہ کو بیان کیا ہے۔ اور وہ علل اربعہ یہ ہوتی ہیں۔ علّت فاعلی ، علّت صوری ، علّت مادی ، علّت غائی اس مقام پر قرآن شریف کی چار علتوں کا ذکر کیا۔

[1] البقرۃ : ۱ تا ۶ [2] البقرۃ ۲،۳

علّتِ فاعلی تو اس کتاب کی الٓمّٓ ہے۔ اور الٓمّٓ کے معنے میرے نزدیک انا اللہ اعلم یعنی میں اللہ وہ ہوں جو سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ اور علّت مادی ذالک الکتاب ہے۔ یعنی یہ کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے جو سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ اور علّت صوری لاریب فیہ ہے۔ یعنی اس کتاب کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا شک وشبہ ہی نہیں۔ جو بات ہے مستحکم اور جو دعویٰ ہے وہ مدلّل اور روشن۔ اور علّت غائی اس کتاب کی ھدیً للمتقین ہے۔ یعنی اس کتاب کے نزول کی غرض وغایت یہ ہے کہ متقیوں کو ہدایت کرتی ہے۔ یہ چاروں علّتیں بیان کرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے متقیوں کی عام صفات بتائی ہیں کہ وہ متقی کون ہوتے ہیں جو ہدایت پاتے ہیں۔ الّذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون۔ والّذین یؤمنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك وبالاٰخرۃ ھم یوقنون۔[1] یعنی وہ متقی ہوتے ہیں جو خدا پر جو بہنوز پردۂ غیب میں ہوتا ہے ایمان لاتے ہیں اور نماز کو کھڑا کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو تجھ پر نازل کی ہے اور جو کچھ تجھ سے پہلے نازل ہوا۔ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ صفات متقی کے بیان فرمائے۔

اب یہاں بالطبع ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کتاب کی غرض وغایت تو یہ بتائی۔ ھدیً للمتقین۔ اور پھر متقیوں کے صفات بھی وہ بیان کئے جو سب کے سب ایک باخدا انسان میں ہوتے ہیں یعنی خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہو۔ نماز پڑھتا ہو۔ صدقہ دیتا ہو۔ کتاب اللہ کو مانتا ہو۔ قیامت پر یقین رکھتا ہو۔ پھر جو شخص پہلے ہی سے ان صفات سے متصف ہے اور وہ متقی کہلاتا ہے اور ان امور کا پابند ہے تو پھر وہ ہدایت کیا ہوئی جو اس کتاب کے ذریعہ اس نے حاصل کی؟ اس میں وہ امر زائد کیا ہے جس کے لئے یہ کتاب نازل ہوئی ہے؟

[1] البقرۃ: ۴-۵

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی اور امر ہے جو اس ہدایت میں رکھا گیا ہے کیونکہ یہ امور جو بطور صفات متقین بیان فرمائے ہیں یہ تو اس ہدایت کے لئے جو اس کتاب کا اصل مقصد اور غرض ہے بطور شرائط ہیں۔ ورنہ وہ ہدایت اور چیز ہے۔ اور وہ ایک اعلیٰ امر ہے جو خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے اور جس کو میں بیان کرتا ہوں۔

پس یاد رکھو کہ متقی کی صفات میں سے پہلی صفت یہ بیان کی یؤمنون بالغیب یعنی غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ مومن کی ایک ابتدائی حالت کا اظہار ہے۔ کہ جن چیزوں کو اس نے نہیں دیکھا ان کو مان لیا ہے۔ غیب اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اور اس غیب میں بہشت، دوزخ، حشر اجساد اور وہ تمام امور بھی جو ابھی تک پردۂ غیب میں ہیں، شامل ہیں۔ اب ابتدائی حالت میں تو مومن ان پر ایمان لاتا ہے لیکن ہدایت یہ ہے کہ اس حالت پر اسے ایک انعام عطا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا علم غیب سے انتقال کر کے شہود کی طرف آجاتا ہے اور اس پر پھر ایسا زمانہ آجاتا ہے کہ جن باتوں پر وہ پہلے غائب کے طور پر ایمان لاتا تھا وہ ان کا عارف ہو جاتا ہے اور وہ امور جو ابھی تک مخفی تھے اس کے سامنے آجاتے ہیں اور حالتِ شہود میں انہیں دیکھتا ہے۔ پھر وہ خدا تعالیٰ کو غیب نہیں مانتا بلکہ اسے دیکھتا ہے اور اس کی تجلی سامنے رہتی ہے۔ غرض اس غیب کے بعد شہود کا درجہ اُسے عطا کیا جاتا ہے۔ جیسے ایمان کے بعد عرفان کا مرتبہ ملتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کو اسی عالم میں دیکھ لیتا ہے۔ اور اگر اس کو یہ مرتبہ عطا نہ ہوتا تو پھر یؤمنون بالغیب کے مصداق کو کوئی ہدایت اور انعام عطا نہ ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ اور اس کے لئے ہدایت یہی ہے کہ اس کے ایمان کو حالتِ غیب سے منتقل کر کے حالتِ شہود میں لے آتا ہے اور اس پر دلیل یہ ہے من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی[1] یعنی جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ دوسرے عالم میں بھی اندھا اُٹھایا جاوے گا۔ اس نابینائی سے یہی مُراد ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی تجلی اور ان

[1] بنی اسرائیل: ۷۳

امور کو جو حالت غیب میں ہیں اسی عالم میں مشاہدہ نہ کرے اور یہ نابینائی کا کچھ حصہ غیب والے میں پایا جاتا ہے لیکن ھدًی للمتقین کے موافق جو شخص ہدایت پا لیتا ہے اس کی وہ نابینائی دُور ہو جاتی ہے اور وہ اس حالت سے ترقی کر جاتا ہے اور وہ ترقی اس کلام کے ذریعہ سے یہ ہے کہ ایمان بالغیب کے درجہ سے شہود کے درجہ پر پہنچ جاوے گا اور اس کے لئے یہی ہدایت ہے

متقی کی دُوسری صفت

متقی کی دوسری صفت یہ ہے یقیمون الصلوٰۃ یعنی وہ نماز کو کھڑی کرتے ہیں۔ متقی سے جیسا ہو سکتا ہے نماز کھڑی کرتا ہے۔ یعنی کبھی اس کی نماز گر پڑتی ہے۔ پھر اسے کھڑا کرتا ہے۔ یعنی متقی خدا تعالیٰ سے ڈرا کرتا ہے اور وہ نماز کو قائم کرتا ہے اس حالت میں مختلف قسم کے وساوس اور خطرات بھی ہوتے ہیں جو پیدا ہو کر اس کے حضور میں حارج ہوتے ہیں اور نماز کو گرا دیتے ہیں۔ لیکن یہ نفس کی اس کشاکش میں بھی نماز کو کھڑا کرتا ہے۔ کبھی نماز گرتی ہے مگر یہ پھر اسے کھڑا کرتا ہے اور یہی حالت اس کی رہتی ہے کہ وہ تکلّف اور کوشش سے بار بار اپنی نماز کو کھڑا کرتا ہے یہانتک کہ اللہ تعالےٰ اپنے اس کلام کے ذریعہ ہدایت عطا کرتا ہے۔ اس کی ہدایت کیا ہوتی ہے؟[له] اس وقت بجائے یقیمون الصلوٰۃ کے ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ اس کشمکش اور وساوس کی زندگی سے نکل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس غیب کے ذریعہ انہیں وہ مقام عطا کرتا ہے جس کی نسبت فرمایا ہے کہ بعض آدمی ایسے کامل ہو جاتے ہیں کہ نماز ان کے لئے بمنزلہ غذا ہو جاتی ہے اور نماز میں ان کو وہ لذّت اور ذوق عطا کیا جاتا ہے جیسے سخت پیاس کے وقت ٹھنڈا پانی پینے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ نہایت رغبت سے اُسے پیتا ہے اور خوب سیر ہو کر حظ حاصل کرتا ہے یا سخت بھوک کی حالت ہو اور اُسے

له الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۶ء

نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا خوش ذائقہ کھانا مل جاوے جس کو کھا کر وہ بہت ہی خوش ہوتا ہے یہی حالت پھر نماز میں ہو جاتی ہے اور وہ نماز اس کے لئے ایک قسم کا نشہ ہو جاتی ہے جس کے بغیر وہ سخت کرب اور اضطراب محسوس کرتا ہے۔ لیکن نماز کے ادا کرنے سے اس کے دل میں ایک خاص سرور اور ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے جس کو ہر شخص نہیں پا سکتا اور نہ الفاظ میں یہ لذت بیان ہو سکتی ہے اور انسان ترقی کر کے ایسی حالت میں پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اُسے ذاتی محبت ہو جاتی ہے اور اس کو نماز کے کھڑے کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی اس لئے کہ وہ نماز اس کی کھڑی ہی ہوتی ہے اور ہر وقت کھڑی ہی رہتی ہے۔ اس میں ایک طبعی حالت پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے انسان کی مرضی خدا تعالےٰ کی مرضی کے موافق ہوتی ہے۔ انسان پر ایسی حالت آتی ہے کہ اس کی محبت اللہ تعالیٰ سے محبتِ ذاتی کا رنگ رکھتی ہے۔ اس میں کوئی تکلف اور بناوٹ نہیں ہوتی۔ جس طرح پر حیوانات اور دوسرے انسان اپنے ماکولات اور مشروبات اور دوسری شہوات میں لذّت اُٹھاتے ہیں اس سے بہت بڑھ چڑھ کر وہ مومن متقی نماز میں لذت پاتا ہے اس لئے نماز کو خوب سنوار سنوار کر پڑھنا چاہیئے۔ نماز ساری ترقیوں کی جڑ اور زینہ ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ نماز مومن کا معراج ہے۔ اس دین میں ہزاروں لاکھوں اولیاء اللہ راستباز، ابدال، قطب گذرے ہیں۔ انہوں نے یہ مدارج اور مراتب کیونکر حاصل کئے؟ اسی نماز کے ذریعہ سے۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ قرۃُ عینی فی الصّلوٰۃ یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے اور فی الحقیقت جب انسان اس مقام اور درجہ پر پہنچتا ہے تو اس کے لئے اکمل اتم لذّت نماز ہی ہوتی ہے اور یہی معنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے ہیں۔ پس کشاکش نفس سے انسان نجات پا کر اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

غرض یاد رکھو کہ یقیمون الصّلوٰۃ وہ ابتدائی درجہ اور مرحلہ ہے جہاں نماز

بے ذوقی اور کشاکش سے ادا کرتا ہے لیکن اس کتاب کی ہدایت ایسے آدمی کے لئے یہ ہے کہ اس مرحلہ سے نجات پاکر اس مقام پر جا پہنچتا ہے جہاں نماز اس کے لئے قرۃ العین ہو جاوے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس مقام پر متقی سے مراد وہ شخص ہے جو نفس لوّامہ کی حالت میں ہے

نفس کے تین درجے

نفس کے تین درجے ہیں۔ نفس امّارہ ۔ لوّامہ ۔ مطمئنّہ۔

نفس امارہ وہ ہے جو فسق وفجور میں مبتلا ہے اور نافرمانی کا غلام ہے۔ ایسی حالت میں انسان نیکی کی طرف توجہ نہیں کرتا بلکہ اس کے اندر ایک سرکشی اور بغاوت پائی جاتی ہے لیکن جب اس سے کچھ ترقی کرتا اور نکلتا ہے تو وہ وہ حالت ہے جو نفس لوّامہ کہلاتی ہے۔ اس لئے کہ وہ اگر بدی کرتا ہے تو اس سے شرمندہ بھی ہوتا ہے اور اپنے نفس کو ملامت بھی کرتا ہے۔ اور اس طرح پر نیکی کی طرف بھی توجہ کرتا ہے۔ لیکن اس حالت میں وہ کامل طور پر اپنے نفس پر غالب نہیں آتا بلکہ اس کے اور نفس کے درمیان ایک جنگ جاری رہتی ہے جس میں کبھی وہ غالب آجاتا ہے اور کبھی نفس اسے مغلوب کر لیتا ہے۔ یہ سلسلہ لڑائی کا بدستور جاری رہتا ہے۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس کی دستگیری کرتا ہے اور آخر اُسے کامیاب اور بامُراد کرتا ہے اور وہ اپنے نفس پر فتح پا لیتا ہے۔ پھر تیسری حالت میں پہنچ جاتا ہے جس کا نام نفس مطمئنّہ ہے۔ اس وقت اس کے نفس کے تمام گند دُور ہو جاتے ہیں اور ہر قسم کے فساد مٹ جاتے ہیں۔ نفس مطمئنّہ کی آخری حالت ایسی حالت ہوتی ہے جیسے دو سلطنتوں کے درمیان ایک جنگ ہو کر ایک فتح پالے اور وہ تمام مفسدہ دُور کر کے امن قائم کرے اور پہلا سارا نقشہ ہی بدل جاتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں اس امر کی طرف اشارہ ہے انّ الملوك اذا دخلوا قريةً افسدوها وجعلوا اعزّة اهلها اذلّة[1] یعنی جب بادشاہ کسی گاؤں میں داخل ہوتے ہیں تو پہلا تانا بانا سب تباہ کر دیتے ہیں۔ بڑے بڑے نمبردار، رئیس نواب ہی پہلے پکڑے جاتے

[1] النمل : ۳۵

ہیں اور بڑے بڑے نامور ذلیل کئے جاتے ہیں اور اس طرح پر ایک عظیم تغیر واقع ہوتا ہے یہی ملوک کا خاصہ ہے اور ایسا ہی ہمیشہ ہوتا چلا آیا ہے۔ اسی طرح پر جب رُوحانی سلطنت بدلتی ہے تو پہلی سلطنت پر تباہی آتی ہے۔شیطان کے غلاموں کو قابو کیا جاتا ہے۔ وہ جذبات اور شہوات جو انسان کی رُوحانی سلطنت میں مفسدہ پردازی کرتے ہیں۔ اُن کو کچل دیا جاتا ہے اور ذلیل کیا جاتا ہے اور رُوحانی طور پر ایک نیا سکہ بیٹھ جاتا ہے۔ اور بالکل امن دامان کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔یہی وہ حالت اور درجہ ہے جو نفسِ مطمئنّہ کہلاتا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت کسی قسم کی کشمکش اور کوئی فساد پایا نہیں جاتا بلکہ نفس ایک کامل سکون اور اطمینان کی حالت میں ہوتا ہے کیونکہ جنگ کا خاتمہ ہو کر نئی سلطنت قائم ہو جاتی ہے اور کوئی فساد اور مفسدہ باقی نہیں رہتا۔بلکہ دل پر خدا تعالیٰ کی فتح کامل ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ خود اس کے عرشِ دل پر نزول فرماتا ہے۔ اسی کو کمال درجہ کی حالت بیان فرمایا ہے۔جیسا کہ فرمایا انّ اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربیٰ[1] یعنی بیشک اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے اور پھر اس سے ترقی کرو تو احسان کا حکم دیتا ہے اور پھر اس سے بھی ترقی کرو تو ایتاءِ ذی القربیٰ کا حکم ہے

حالت عدل

عدل کی حالت یہ ہے جو متقی کی حالت نفس امّارہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس حالت کی اصلاح کے لئے عدل کا حکم ہے۔ اس میں نفس کی مخالفت کرنی پڑتی ہے مثلاً کسی کا قرضہ ادا کرنا ہے لیکن نفس اس میں یہی خواہش کرتا ہے کہ کسی طرح سے اس کو دبا لُوں اور اتفاق سے اس کی میعاد بھی گذر جاوے۔ اس صورت میں نفس اور بھی دلیر اور بیباک ہو گا کہ اب تو قانونی طور پر بھی کوئی مؤاخذہ نہیں ہو سکتا مگر یہ ٹھیک نہیں۔عدل کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا دَین واجب ادا کیا جاوے اور کسی حیلے اور عذر سے اس کو دبایا نہ جاوے۔

[1] النحل: ۹۱

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگ ان امور کی پروا نہیں کرتے اور ہماری جماعت میں بھی ایسے لوگ ہیں جو بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ اپنے قرضوں کے ادا کرنے میں۔ یہ عدل کے خلاف ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو ایسے لوگوں کی نماز نہ پڑھتے تھے۔ پس تم میں سے ہر ایک اس بات کو خوب یاد رکھے کہ قرضوں کے ادا کرنے میں سستی نہیں کرنی چاہیئے اور ہر قسم کی خیانت اور بے ایمانی سے دُور بھاگنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ امر الٰہی کے خلاف ہے جو اس نے اس آیت میں دیا ہے۔

حالت احسان

اس کے بعد احسان کا درجہ ہے۔ جو شخص عدل کی رعایت کرتا ہے اور اس کی حدبندی کو نہیں توڑتا۔ اللہ تعالیٰ اسے توفیق اور قوت دے دیتا ہے اور وہ نیکی میں اور ترقی کرتا ہے۔ یہانتک کہ عدل ہی نہیں کرتا بلکہ تھوڑی سی نیکی کے بدلے بہت بڑی نیکی کرتا ہے۔ لیکن احسان کی حالت میں بھی ایک کمزوری ابھی باقی ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی نہ کسی وقت اس نیکی کو جتا بھی دیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص دس برس تک کسی کو روٹی کھلاتا ہے اور وہ کبھی ایک بات اس کی نہیں مانتا تو اسے کہہ دیتا ہے کہ دس برس کا ہمارے ٹکڑوں کا غلام ہے اور اس طرح پر اس نیکی کو بے اثر کر دیتا ہے دراصل احسان والے کے اندر بھی ایک قسم کی مخفی ریا ہوتی ہے۔ لیکن تیسرا مرتبہ ہر قسم کی آلائش اور آلودگی سے پاک ہے اور وہ ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ ہے۔

ایتاء ذی القربیٰ کی حالت

ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ طبعی حالت کا درجہ ہے یعنی جس مقام پر انسان سے نیکیوں کا صدور ایسے طور پر ہو جیسے طبعی تقاضا ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ماں اپنے بچے کو دودھ دیتی ہے اور اس کی پرورش کرتی ہے۔ کبھی اس کو خیال بھی نہیں آتا کہ بڑا ہو کر کمائی کرے گا اور اس کی خدمت کرے گا یہانتک کہ اگر کوئی بادشاہ اسے یہ حکم

دے کہ تو اگر اپنے بچہ کو دودھ نہ دے گی اور اس سے وہ مرجاوے تو بھی تجھے مواخذہ نہ ہوگا۔ اس حکم پر بھی اس کو دودھ دینا وہ نہیں چھوڑ سکتی بلکہ ایسے بادشاہ کو دو چار گالیاں ہی سُنا دے گی۔ اس لئے کہ وہ پرورش اس کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ وہ کسی امید یا خوف پر مبنی نہیں۔ اسی طرح پر جب انسان نیکی میں ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچتا ہے کہ وہ نیکیاں اس سے ایسے طور پر صادر ہوتی ہیں گویا ایک طبعی تقاضا ہے تو یہی وہ حالت ہے جو نفس مطمئنّہ کہلاتی ہے۔

غرض یقیمون الصّلوٰۃ کے یہ معنے ہیں کہ جب تک نفسِ مطمئنّہ نہ ہو، اسی کشاکش میں لگا رہتا ہے۔ کبھی نفس غالب آجاتا ہے اور کبھی آپ غالب آجاتا ہے صبح کو اُٹھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ ٹھنڈا پانی ہے اس کو نہانے کی حاجت ہے۔ پس اگر نفس کی بات مان لیتا ہے تو نماز کو کھو لیتا ہے اور اگر ہمت سے کام لیتا ہے تو اس پر فتح پالیتا ہے۔

تحدیث بالنعمۃ

شکر کی بات ہے کہ ایک مرتبہ خود مجھے بھی ایسی حالت پیش آئی۔ سردی کا موسم تھا۔ مجھے غسل کی حاجت ہو گئی۔ پانی گرم کرنے کے لئے کوئی سامان اس جگہ نہ تھا ایک پادری کی لکھی ہوئی کتاب میزان الحق میرے پاس تھی اس وقت وہ کام آئی۔ میں نے اس کو جلا کر پانی گرم کر لیا اور خدا تعالیٰ کا شکر کیا۔ اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ بعض وقت شیطان بھی کام آجاتا ہے۔

پھر میں اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ یقیمون الصّلوٰۃ کے یہ معنے ہیں اور اس پر ترقی یہی ہے کہ ایسی حالت سے نجات پاکر مطمئنّہ کی حالت میں پہنچ جاوے۔

خوب یاد رکھو کہ نرا غیب پر ایمان لانے کا انجام خطرناک ہوتا رہا ہے۔ افلاطون

جب مرنے لگا تو کہنے لگا کہ میرے لئے بُت پر ایک مُرغا ہی ذبح کرو۔ جالینوس نے کہا میری قبر میں خچر کی پیشابگاہ کے برابر ایک سوراخ رکھ دینا تا کہ ہوا آتی رہے۔ اب غور کرو کہ کیا ایسے لوگ ہادی ہو سکتے ہیں جو ایسی مذبذب اور مضطرب حالت میں ہوتے ہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ جب تک اندر روشنی پیدا نہ ہو کیا فائدہ؟ لیکن یہ روشنی خدا تعالیٰ کے فضل ہی سے ملتی ہے یہ بالکل سچ ہے کہ سب طبائع یکساں نہیں ہوتی ہیں اور خدا تعالیٰ نے سب کو نبی پیدا نہیں کیا۔

اثرِ صحبت

لیکن صحبت میں بڑا شرف ہے۔ اس کی تاثیر کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا ہی دیتی ہے۔ کسی کے پاس اگر خوشبو ہو تو پاس والے کو بھی پہنچ ہی جاتی ہے۔ اسی طرح پر صادقوں کی صحبت ایک رُوح صدق کی نفخ کر دیتی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ گہری صحبت نبی اور صاحب نبی کو ایک کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے جو قرآن شریف میں کونوا مع الصادقین[1] فرمایا ہے۔ اور اسلام کی خوبیوں میں سے یہ ایک بے نظیر خوبی ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے صادق موجود رہتے ہیں لیکن آریہ سماجی یا عیسائی اس طریق سے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جبکہ ان کے ہاں یہ مسلّم امر ہے کہ اب کوئی شخص خدا رسیدہ ایسا نہیں ہو سکتا جس پر خدا تعالےٰ کی تازہ بہ تازہ وحی نازل ہو اور وہ اس سے توفیق پا کر ان لوگوں کو صاف کرے جو گناہ آلود زندگی بسر کرتے ہیں۔ میں افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ آریہ سماج کے اندر ایک نیش ہے وہ بے جا طور سے مسلمانوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور اعتراض کرنا ہی اپنے مذہب کی خوبی اور کمال پیش کرتے ہیں لیکن جب ان سے پوچھا جاوے کہ اسلام کے مقابلہ میں رُوحانیت پیش کرو۔ تو کچھ نہیں نکتہ چینی کرنا کوئی خوبی کی بات نہیں ہو سکتی۔ وہ شخص بڑا بدنصیب اور نادان ہے جو بغیر اس کے کہ کسی منزل پر پہنچا ہو دوسروں پر نکتہ چینی کرنے لگے۔ ایک بچہ جو اقلیدس کے اصولوں سے ناواقف ہے اور اُن نتائج سے بے خبر ہے جو اس کی اشکال سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اُن ٹیڑھی لکیروں کو دیکھ کر کب خوش ہو سکتا ہے وہ تو اعتراض کرے گا۔ لیکن عقلمندوں کے نزدیک

[1] التوبہ: ۱۱۹

اس اعتراض کی کیا وقعت اور حقیقت ہو سکتی ہے۔ ایسا ہی حال ان آریوں کا ہے۔ وہ اعتراض کرتے ہیں مگر خود حق اور حقیقت سے بے خبر اور محروم ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں سے آگاہ نہیں اور اس کی طاقتوں کا انہیں علم نہیں ہے اور نہ انہیں وہ حواس ملے ہیں جو وہ اسی عالم میں بہشتی نظاروں کو دیکھ سکیں اور اللہ تعالیٰ کی طاقتوں اور قدرتوں کے نمونے مشاہدہ کریں۔ ایسے مذہب کی بنیاد بالکل ریت پر ہے۔ وہ آج بھی نہیں اور کل بھی نہیں

یہ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی نابینا مذہب کی تائید نہیں کرتا اور کوئی نصرت اسے نہیں دی جاتی۔ اسلام کی سچائی کی یہی بڑی زبردست دلیل ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ اس کی نصرت فرماتا ہے اور اس زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تا میں اس کی تازہ بتازہ نصرتوں کا ثبوت دُوں۔ چنانچہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جس نے خدا تعالیٰ کے نشانات نہ دیکھے ہوں۔ اس کے بالمقابل ہمیں کوئی بتلائے کہ وید کیا لایا ؟ وہ تو بالکل ادھورا ہے۔ دوسرے لوگوں کو تو خواب بھی آجاتی ہے مگر وید والوں کے نزدیک خواب بھی بے حقیقت چیز ہے اور وہ بھی نہیں آسکتی جبکہ وہ دروازہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے لئے یقینی دروازہ ہے، بند ہے تو اور وسائل خدا رسی کے کیا ہو سکتے ہیں ؟

میں سچ کہتا ہوں کہ جہانتک میں نے اس فرقہ کے حالات دیکھے ہیں، ان میں شوخیوں کے سوا کچھ نہیں دیکھا یا بعض ایسے لوگ اس میں داخل ہوتے ہیں کہ انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ مذہب کی اصل غرض کیا ہے ؟

غرض اسلام ایک ایسا پاک مذہب ہے جو ساری نیکیوں کا حقیقی سرچشمہ اور منبع ہے اس لئے کہ نیکیوں کی جڑھ ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان۔ اور وہ بدوں اس کے پیدا نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں کے عجائبات اور نشانات تازہ بتازہ دیکھتا رہے اور یہ بجز اسلام کے کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ اگر ہے تو کوئی پیش کرے۔

علاوہ بریں اسلام کی یہ بھی ایک خوبی ہے کہ بعض فطرتی نیکیاں جو انسان کرتا ہے یہ ان پر ازدیاد کرتا اور انہیں کامل کرتا ہے اس لئے ہی ھدیً للمتقین فرمایا ھدیً للظالمین یا ھدیً للکافرین نہیں کہا۔ عرصہ کی بات ہے ایک برہمو اگنی ہوتری نے کہا تھا کہ لا الٰہ الا اللہ تو ہم بھی کہتے ہیں تم محمد رسول اللہ کیوں کہتے ہو؟ ہم نے کہا تھا کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان دہریہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ اب وہ کھلا دہریہ ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر پورا ایمان ہوتا تو کیوں دہریہ بنتا۔

میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن شریف ایسی کامل اور جامع کتاب ہے کہ کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کیا وید میں کوئی ایسی شُرتی ہے جو ھدیً للمتقین کا مقابلہ کرے اگر زبانی اقرار کوئی چیز ہے یعنی اس کے ثمرات اور نتائج کی حاجت نہیں تو پھر ساری دنیا کسی نہ کسی رنگ میں خدا تعالیٰ کا اقرار کرتی ہے۔ اور بھگتی، عبادت، صدقہ خیرات کو بھی اچھا سمجھتی ہے اور کسی نہ کسی صورت میں ان باتوں پر عمل بھی کرتی ہے۔ پھر ویدوں نے آکر دنیا کو کیا بخشا؟ یا تو یہ ثابت کرو کہ جو قومیں وید کو نہیں مانتی ہیں ان میں نیکیاں بالکل مفقود ہیں اور یا کوئی اَور امتیازی نشان بتاؤ۔

قرآن شریف کو جہاں سے شروع کیا ہے ان ترقیوں کا وعدہ کر لیا ہے جو بالطبع رُوح تقاضا کرتی ہے۔ چنانچہ سُورہ فاتحہ میں اھدنا الصراط المستقیم[1] کی تعلیم کی اور فرمایا کہ تم یہ دُعا کرو کہ اے اللہ ہم کو صراط مستقیم کی ہدایت فرما۔ وہ صراط مستقیم جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرے انعام واکرام ہوئے۔ اس دُعا کے ساتھ ہی سُورہ البقرہ کی پہلی ہی آیت میں یہ بشارت دے دی

ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ ھدیً للمتقین[2]

گویا رُوحیں دُعا کرتی ہیں اور ساتھ ہی قبولیت اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اور وہ وعدہ دُعا کی قبولیت کا قرآن مجید کے نزول کی صورت میں پُورا ہوتا ہے۔ ایک طرف دُعا ہے اور

[1] الفاتحہ: ۶ [2] البقرہ: ۳

دوسری طرف اس کا نتیجہ موجود ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور کرم ہے جو اس نے فرمایا۔ مگر افسوس دُنیا اس سے بے خبر اور غافل ہے اور اس سے دُور رہ کر ہلاک ہو رہی ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جو ابتدائے قرآن مجید میں متقیوں کے صفات بیان فرمائے ہیں۔ ان کو معمولی صفات ہیں رکھا ہے۔ لیکن جب انسان قرآن مجید پر ایمان لا کر اُسے اپنی ہدایت کے لئے دستورالعمل بناتا ہے تو وہ ہدایت کے ان اعلیٰ مدارج اور مراتب کو پا لیتا ہے جو ھدی للمتقین[1] میں مقصود رکھے ہیں۔ قرآن شریف کی اس علّت غائی کے تصور سے ایسی لذت اور سرُور آتا ہے کہ الفاظ میں ہم اس کو بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس سے خدا تعالیٰ کے خاص فضل اور قرآن مجید کے کمال کا پتہ لگتا ہے۔

پھر متقی کی ایک اَور علامت بیان فرمائی ومما رزقنٰھم ینفقون[2]۔ یعنی جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ ابتدائی حالت ہوتی ہے اور اس میں سب کے سب شریک ہیں کیونکہ عام طور پر یہ فطرت انسانی کا ایک تقاضا ہے کہ اگر کوئی سائل اس کے پاس آجاوے تو کچھ نہ کچھ اُسے ضرور دے دیتا ہے۔ گھر میں دس روٹیاں موجود ہوں اور کسی سائل نے آکر صدا کی تو ایک روٹی اس کو بھی دے دیگا۔ یہ امر زیر ہدایت نہیں ہے بلکہ فطرت کا ایک طبعی خاصہ ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ یہاں مما رزقنٰھم ینفقون عام ہے۔ اس سے کوئی خاص شئے روپیہ پیسہ یا روٹی کپڑا مُراد نہیں ہے بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں۔

انفاق کی دو صورتیں

غرض یہ انفاق عام انفاق ہے اور اس کے لئے مسلمان یا غیر مسلمان کی بھی شرط نہیں اور اس لئے یہ انفاق دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک فطرتی، دوسرا زیر اثر نبوت۔ فطرتی تو وہی ہے جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ تم میں سے کون ہے اگر کوئی قیدی یا بھوکا آدمی جو کئی روز سے بھوکا ہو یا ننگا ہو آکر سوال کرے اور تم اُسے کچھ نہ کچھ دے نہ دو

[1] البقرۃ : ۳ [2] البقرۃ : ۴

کیونکہ یہ امر فطرت میں داخل ہے۔

اور یہ بھی میں نے بتا دیا ہے کہ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ روپیہ پیسہ سے مخصوص نہیں خواہ جسمانی ہو یا علمی، سب اس میں داخل ہے۔ جو علم سے دیتا ہے وہ بھی اسی کے ماتحت ہے۔ مال سے دیتا ہے وہ بھی داخل ہے۔ طبیب ہے وہ بھی داخل ہے مگر ہو جب منشاء ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچا جہاں قرآن شریف اسے لے جانا چاہتا ہے اور وہ مقام ہے کہ انسان اپنی زندگی ہی خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دے۔ اور یہ للّٰہی وقف کہلاتا ہے۔

للّٰہی وقف

اس حالت اور مقام پر جب ایک شخص پہنچتا ہے تو اس میں مِمَّا رہتا ہی نہیں کیونکہ جب تک وہ مِمَّا کی حد کے اندر ہے اس وقت تک وہ ناقص ہے اور اس علّت غائی تک نہیں پہنچا جو قرآن مجید کی ہے۔ لیکن کامل اسی وقت ہوتا ہے جب یہ حد نہ رہے اور اس کا وجود، اس کا ہر فعل، ہر حرکت و سکون محض اللہ تعالیٰ کے حکم اور اذن کے ماتحت بنی نوع کی بھلائی کے لئے وقف ہو۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ کا کمال یہی ہے جو ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کے منشاء کے موافق ہے۔[1]

اس کے بعد ایک اَور صفت متقیوں کی بیان کی یعنی وہ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ[2] کے موافق ایمان لاتے ہیں اور ایسا ہی جو کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ اگر اتنا ہی ایمان ہے تو پھر ہدایت کیا ہے؟ وہ ہدایت یہ ہے کہ ایسا انسان خود اس قابل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس پر وحی اور الہام کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور وہ وحی الٰہی اس پر بھی اُترتی ہے جس سے اس کا ایمان ترقی کر کے کامل یقین اور معرفت کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے اور وہ اس ترقی کو پا لیتا ہے جو ہدایت

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۶ء

[2] البقرۃ:۵

کا اصل مقصود تھا۔ اس پر وہ انعام و اکرام ہونے لگتے ہیں جو مکالمہ الٰہیہ سے ملتے ہیں۔

یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے وحی و الہام کے دروازہ کو بند نہیں کیا۔ جو لوگ اس امت کو وحی و الہام کے انعامات سے بے بہرہ ٹھہراتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں اور قرآن شریف کے اصل مقصد کو انہوں نے سمجھا ہی نہیں۔ ان کے نزدیک یہ امت وحشیوں کی طرح ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تاثیرات اور برکات کا معاذاللہ خاتمہ ہو چکا اور وہ خدا جو ہمیشہ سے متکلم خدا رہا ہے اب اس زمانہ میں آکر خاموش ہو گیا۔ وہ نہیں جانتے کہ اگر مکالمہ مخاطبہ نہیں تو ھدًی للمتقین کا مطلب ہی کیا ہوا؟ بغیر مکالمہ مخاطبہ کے تو اس کی ہستی پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ اور پھر قرآن شریف میں یہ کیوں کہا والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[1] اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الّا تخافوا ولا تحزنوا۔[2] یعنی جن لوگوں نے اپنے قول اور فعل سے بتا دیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر انہوں نے استقامت دکھائی ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ فرشتوں کا نزول ہو اور مخاطبہ نہ ہو۔ نہیں بلکہ وہ انہیں بشارتیں دیتے ہیں۔ یہی تو اسلام کی خوبی اور کمال ہے جو دوسرے مذاہب کو حاصل نہیں ہے۔ استقامت بہت مشکل چیز ہے یعنی خواہ اُن پر زلزلے آئیں، فتنے آئیں، وہ ہر قسم کی مصیبت اور دُکھ میں ڈالے جاویں مگر ان کی استقامت میں فرق نہیں آتا۔ اُن کا اخلاص اور وفاداری پہلے سے زیادہ ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اس قابل ہوتے ہیں کہ اُن پر خدا تعالیٰ کے فرشتے اُتریں اور انہیں بشارت دیں کہ تم کوئی غم نہ کرو۔

یہ یقیناً یاد رکھو کہ وحی اور الہام کے سلسلہ کے متعلق خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اکثر جگہ وعدے کئے ہیں۔ اور یہ اسلام ہی سے مخصوص ہے ورنہ عیسائیوں کے ہاں بھی مُہر لگ چکی ہے۔ وہ اب کوئی شخص ایسا نہیں بتا سکتے جو اللہ تعالیٰ کے مخاطبہ مکالمہ

[1] العنکبوت: ۷۰ [2] حٰمٓ السجدۃ: ۳۱

سے مشرف ہو۔ اور ویدوں پر تو پہلے ہی سے مُہر لگی ہوئی ہے۔ ان کا تو مذہب ہی یہی ہے کہ ویدوں کے الہام کے بعد پھر ہمیشہ کے لئے یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ گویا خدا پہلے کبھی بولا تھا مگر اب وہ گونگا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر وہ اس وقت کلام نہیں کرتا اور کوئی اس کے اس فیض سے بہرہ ور نہیں تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ پہلے بولتا تھا اور یا اب وہ سُنتا اور دیکھتا بھی ہے۔ مجھے افسوس ہوتا ہے جب میں مسلمانوں کے مُنہ سے اس قسم کے الفاظ نکلتے سُنتا ہوں کہ اب مکالمہ مخاطبہ کی نعمت کسی کو نہیں مل سکتی۔ یہ کیوں عیسائیوں یا آریوں کی طرح مُہر لگاتے ہیں؟ اگر اسلام میں یہ کمال اور خوبی نہ ہو تو دوسرے مذاہب پر اسے کیا فخر اور امتیاز حاصل ہوگا؟ نری توحید سے تو نہیں ہو سکتا کیونکہ برہمو بھی تو ایک ہی خدا کو مانتا ہے۔ وہ بھی صدقہ دیتا ہے۔ خدا کو اپنے طور پر یاد بھی کرتا ہے اور یہی اخلاقی صفات اس میں پائے جاتے ہیں تو پھر ایک مسلمان میں اور اس برہمو میں کیا فرق ہوا؟ یہ امور تو نقل سے بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کا کیا جواب؟ کچھ بھی نہیں۔ بجز اس کے کہ اسلام کا روشن چہرہ ان امتیازی نشانوں کے ذریعہ دکھایا جاوے جو خدا تعالیٰ کے مکالمہ کے ذریعہ ملتے ہیں۔ یقیناً سمجھو کہ اصل جو فضل آسمان سے آتا ہے اس کی کوئی چوری اور نقل نہیں کر سکتا۔ اگر اسلام میں مکالمہ مخاطبہ اور تفضلات نہ ہوتے تو اسلام کچھ بھی چیز نہ ہوتا۔ اس کا یہی تو فخر ہے کہ وہ ایک سچے مسلمان کو ان انعامات و اکرام کا وارث بنا دیتا ہے اور وہ فی الحقیقت **خدا نما مذہب** ہے۔ اسی دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دکھا دیتا ہے اور یہی غرض ہے اسلام کی۔ کیونکہ اسی ایک ذریعہ سے انسان کی گناہ آلود زندگی پر موت وارد ہو کر اسے پاک صاف بنا دیتی ہے اور حقیقی نجات کا دروازہ اس پر کھلتا ہے کیونکہ جب تک خدا تعالیٰ پر کامل یقین نہ ہو گناہ سے کبھی نجات مل سکتی ہی نہیں۔ جیسے یہ ایک ظاہر امر ہے کہ جب انسان کو یقین ہو کہ فلاں جگہ سانپ ہے تو وہ ہرگز ہرگز اس جگہ داخل نہ ہوگا۔ یا زہر کے کھانے سے

مرجانے کا یقین زہر کے کھانے سے بچاتا ہے پھر اگر خدا تعالیٰ پر پورا پورا یقین ہو کہ وہ سمیع اور بصیر ہے اور ہمارے افعال کی جزا دیتا ہے اور گناہ سے اُسے سخت نفرت ہے تو اس یقین کو رکھ کر انسان کیسے جرأت کر سکتا ہے؟

سچی بات یہ ہے کہ اسلام کی رُوح اور اصل حقیقت تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مکالمہ اور مخاطبہ کا شرف وہ انسان کو عطا کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ آسمان سے انعام و اکرام ملتے ہیں۔ جب انسان اس مرتبہ اور مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس کی نسبت کہا جاتا ہے اولٰئک علی ھدی من ربھم و اولٰئک ھم المفلحون[1] یعنی یہی وہ لوگ ہیں جو کامل ترقی پا کر اپنے رب کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے نجات پائی ہے۔

جماعت سے خطاب

غرض جب کہ یہ حالت ہے اور اسلام کے دنیا میں آنے کی یہ غرض اور غایت ہے اور نجات کی حقیقت بغیر اس کے متحقق نہیں ہوتی تو ہماری جماعت کو کس قدر فکر کرنا چاہیئے کہ وہ ان باتوں کو جب تک حاصل نہ کر لیں اس وقت تک بے فکر اور مطمئن نہ ہو جاویں۔ میں جانتا ہوں کہ ہماری جماعت ایک درخت کی طرح ہے وہ اصلی پھل جو شیریں ہوتا اور لذت بخشتا ہے نہیں آیا۔ جیسے درخت کو پہلے پھول اور پتے نکلتے ہیں۔ پھر اس کو پھل لگتا ہے جو سنیر و پھل کہلاتا ہے وہ گر جاتا ہے۔ پھر ایک اور پھل آتا ہے۔ اس میں سے کچھ جانور کھا جاتے ہیں اور کچھ تیز آندھیوں سے گر جاتے ہیں۔ آخر جو بچ رہتے ہیں اور آخر تک پک کر کھانے کے قابل ہوتے ہیں وہ تھوڑے ہوتے ہیں۔

اسی طرح سے میں دیکھتا ہوں کہ یہ جماعت تو ابھی بہت ہی ابتدائی حالت میں ہے اور پتے بھی نہیں نکلے چہ جائیکہ ہم آج ہی پھل کھائیں۔ ابھی تو سبزہ ہی نکلا ہے جس کو ایک کُتا بھی پامال کر سکتا ہے۔ ایسی حالت میں حفاظت کی کس قدر ضرورت ہے؟ پس

[1] البقرة : ٦

تم استقامت اور اپنے نمونے سے اس درخت کی حفاظت کرو۔ کیونکہ تم میں سے ہر ایک اس درخت کی شاخ ہے اور وہ درخت اسلام کا شجر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اس شجر کی حفاظت کی جاوے۔

اسلام کی حفاظت اور سچائی کے ظاہر کرنے کے لئے سب سے اوّل تو وہ پہلو ہے کہ تم سچے مسلمانوں کا نمونہ بن کر دکھاؤ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کی خوبیوں اور کمالات کو دنیا میں پھیلاؤ۔ اس پہلو میں مالی ضرورتوں اور امداد کی حاجت ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسی ضرورتیں پیش آئی تھیں اور صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ ایسے وقتوں پر بعض ان میں سے اپنا سارا ہی مال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیدیتے اور بعض نے آدھا دے دیا اور اس طرح جہاں تک کسی سے ہو سکتا فرق نہ کرتا۔

مجھے افسوس سے ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے ہاتھ میں بجز خشک باتوں کے اور کچھ بھی نہیں رکھتے اور جنہیں نفسانیت اور خود غرضی سے کوئی نجات نہیں ملی اور حقیقی خدا کا چہرہ ان پر ظاہر نہیں ہوا۔ وہ اپنے مذاہب کی اشاعت کی خاطر ہزاروں لاکھوں روپیہ دے دیتے ہیں اور بعض ان میں اپنی زندگیاں وقف کر دیتے ہیں عیسائیوں میں دیکھا ہے کہ بعض عورتوں نے دس دس لاکھ کی وصیت کر دی ہے۔ پھر مسلمانوں کے لئے کس قدر شرم کی بات ہے کہ وہ اسلام کے لئے کچھ بھی کرنا نہیں چاہتے یا نہیں کرتے مگر خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ وہ اسلام کے روشن چہرہ پر سے وہ حجاب جو پڑا ہوا ہے دُور کر دے اور اسی غرض کے لئے اس نے مجھے بھیجا ہے۔

یقیناً یاد رکھو کہ خدا ہے اور مر کر اس کے حضور ہی جانا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سال آئندہ کے انہیں دنوں میں ہم میں سے یہاں کون ہوگا اور کون آگے چلا جائے گا۔ جبکہ یہ حالت ہے اور یہ یقینی امر ہے پھر کس قدر بدقسمتی ہوگی۔ اگر اپنی زندگی میں قدرت

اور طاقت رکھتے ہوئے اس اصل مقصد کے لئے سعی نہ کریں۔ اسلام تو ضرور پھیلے گا اور وہ غالب آئے گا کیونکہ خدا تعالیٰ نے ایسا ہی ارادہ فرمایا ہے مگر مبارک ہوں گے وہ لوگ جو اس اشاعت میں حصّہ لیں گے۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے جو اُس نے تمہیں موقعہ دیا ہے۔ یہ زندگی جس پر فخر کیا جاتا ہے ہیچ ہے اور ہمیشہ کی خوشی کی وہی زندگی ہے جو مرنے کے بعد عطا ہوگی۔ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ اسی دنیا اور اسی زندگی سے شروع ہو جاتی ہے اور اس کی تیاری بھی یہاں ہی ہوتی ہے۔

عرصہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا تھا کہ ایک بہشتی مقبرہ ہوگا۔ گویا اس میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں جنتی ہیں۔ پھر اس کے متعلق الہام ہوا۔ اُنزل فیھا کل رحمۃ۔ اس سے کوئی نعمت اور رحمت باہر نہیں رہتی۔ اب جو شخص چاہتا ہے کہ وہ ایسی رحمت کے نزول کی جگہ میں دفن ہو، کیا عمدہ موقعہ ہے کہ وہ دین کو دُنیا پر مقدم کرلے اور اللہ تعالےٰ کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم کرلے یہ صدی جس کے ۲۳ سال گذرنے کو ہیں گذر جائیگی اور اس کے آخر تک موجودہ نسل میں سے کوئی نہ رہے گا اور اگر نکما ہو کر رہا تو کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنا صدقہ پہلے بھیجو۔ یہ لفظ صدقہ کا صدق سے لیا گیا ہے جبتک اللہ تعالےٰ کی راہ میں کوئی کامل نمونہ اپنے صدق اور اخلاص کا نہیں دکھاتا۔ لاف زنی سے کچھ بن نہیں سکتا۔

الوصیۃ اشتہار میں جو میں نے حصّہ جائیداد کی اشاعت اسلام کے لئے وصیت کرنے کی قید لگائی ہے۔ میں نے دیکھا کہ کُل بعض نے $\frac{1}{3}$ کی کر دی ہے۔ یہ صدق ہے جو ان سے کراتا ہے اور جب تک صدق ظاہر نہ ہو کوئی مومن نہیں کہلا سکتا۔

تم اس بات کو کبھی مت بھولو کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کے بغیر جی ہی نہیں سکتے چہ جائیکہ موت سر پر ہو۔ طاعون کا موسم پھر آ رہا ہے۔ زلزلہ کا خوف الگ دامنگیر ہے۔ وہ تو بڑا ہی بے وقوف ہے جو اپنے آپ کو امن میں سمجھتا ہے۔ امن میں تو وہی

ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا سچا فرماں بردار اور اس کی رضا کا جویاں ہے۔ ایسی حالت میں بے بنیاد زندگی کے ساتھ دل لگانا کیا فائدہ؟

دوسری طرف اسلام سخت اور خطرناک ضعف کی حالت میں ہے۔ اس پر یہی آفت اور مصیبت نہیں کہ باہر والے اس پر حملے کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہ بالکل سچ ہے کہ مخالف سب کے سب مل کر ایک ہی کمان سے تیر مار رہے ہیں اور جہانتک اُن سے ہو سکتا ہے وہ اس کو مٹا دینے کی سعی اور فکر کرتے ہیں۔ لیکن اس مصیبت کے علاوہ بڑی بھاری مصیبت یہ ہے کہ اندرونی غلطیوں نے اسلام کے درخشاں چہرہ پر ایک نہایت ہی تاریک حجاب ڈال دیا ہے۔ اور سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ اس میں رُوحانیت نہیں رہی۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ ان لوگوں میں جو مسلمان کہلاتے ہیں اور اسلام کے مدعی ہیں رُوحانیت موجود نہیں ہے اور اس پر دُوسری بدقسمتی یہ ہے کہ وہ انکار کر بیٹھے ہیں کہ اب کوئی ہو ہی نہیں سکتا جس سے خدا تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ ہو اور وہ خدا تعالیٰ پر زندہ اور تازہ یقین پیدا کر سکے۔ ایسی حالت اور صورت میں اس نے ارادہ فرمایا ہے کہ اسلام کے چہرہ پر سے وہ تاریک حجاب ہٹا دے۔ اور اس کی روشنی سے دلوں کو منوّر کرے اور ان بے جا اتہامات اور حملوں سے جو آئے دن مخالف اس پر لگاتے اور کرتے ہیں، اسے محفوظ کیا جاوے اس غرض سے یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مسلمان اپنا نمونہ دکھاویں۔ یہی وجہ ہے جو میں نے پسند کیا ہے کہ ایسے لوگ جو اشاعتِ اسلام کا جوش دل میں رکھتے ہیں اور جو اپنے صدق و اخلاص کا نمونہ دکھا کر فوت ہوں اور اس مقبرہ میں دفن ہوں اُن کی قبروں پر ایک کتبہ لگا دیا جاوے جس میں اس کے مختصر سوانح ہوں اور اس اخلاص و وفا کا بھی کچھ ذکر ہو جو اس نے اپنی زندگی میں دکھایا تا جو لوگ اس قبرستان میں آویں اور ان کتبوں کو پڑھیں اُن پر ایک اثر ہو اور

مخالف قوموں پر بھی ایسے صادقوں اور راستبازوں کے نمونے دیکھ کر ایک خاص اثر پیدا ہو۔ اگر یہ بھی اسی قدر کرتے ہیں جس قدر مخالف قومیں کر رہی ہیں اور وہ لوگ کر رہے ہیں جن کے پاس حق اور حقیقت نہیں تو انہوں نے کیا کیا۔ پھر انہیں تو ایسی حالت میں شرمندہ ہونا چاہیئے۔ لعنت ہے ایسے بعیت میں داخل ہونے پر جو کافر جتنی بھی غیرت نہ رکھتا ہو۔

اسلام اس وقت یتیم ہوگیا ہے اور کوئی اس کا سرپرست نہیں اور خدا تعالیٰ نے اس جماعت کو اختیار کیا اور پسند فرمایا کہ وہ اس کی سرپرست ہو اور وہ ہر طرح سے ثابت کرکے دکھائے کہ اسلام کی سچی غمگسار اور ہمدرد ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ یہی قوم ہوگی جو بعد میں آنے والوں کے لئے نمونہ ٹھہرے گی۔ اس کے ثمرات برکات آنے والوں کے لئے ہوں گے اور زمانہ پر محیط ہو جائیں گے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ جماعت بڑھے گی لیکن وہ لوگ جو بعد میں آئیں گے ان مدارج اور مراتب کو نہ پائیں گے جو اس وقت والوں کو ملیں گے۔ خدا تعالیٰ نے ایسا ہی ارادہ فرمایا کہ وہ اس جماعت کو بڑھائے اور وہ دین اسلام اور توحید کی اشاعت کا باعث بنے۔ مدرسہ کی سلسلہ جنبانی کی بھی اگر کوئی غرض ہے تو یہی ہے۔ اسی لئے میں نے کہا تھا کہ اس کے متعلق غور کیا جاوے کہ یہ مدرسہ اشاعت اسلام کا ایک ذریعہ بنے اور اس سے ایسے عالم اور زندگی وقف کرنے والے لڑکے نکلیں جو دُنیا کی نوکریوں اور مقاصد کو چھوڑ کر خدمت دین کو اختیار کریں۔ ایسا ہی اس قبرستان کے ذریعہ بھی اشاعتِ اسلام کا ایک مستقل انتظام سوچا گیا ہے۔ مدرسہ کے متعلق میری رُوح ابھی فیصلہ نہیں کر سکی کہ کیا راہ اختیار کیا جاوے ایک طرف ضرورت ہے ایسے لوگوں کی جو عربی اور دینیات میں توغل رکھتے ہوں۔ اور دُوسری طرف ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہے جو آجکل کے طرز مناظرات میں پکے ہوں۔ علوم جدیدہ سے بھی واقف ہوں۔ کسی مجلس میں کوئی سوال پیش آجاوے تو جواب دے سکیں اور

کبھی ضرورت کے وقت عیسائیوں سے یا کسی اَور مذہب والوں سے انہیں اسلام کی طرف سے مناظرہ کرنا پڑے تو ہتک کا باعث نہ ہوں بلکہ وہ اسلام کی خوبیوں اور کمالات کو پُرزور اور پُرشوکت الفاظ میں ظاہر کرسکیں۔

میرے پاس اکثر ایسے خطوط آئے ہیں جن میں ظاہر کیا گیا تھا کہ آریوں سے گفتگو ہوئی یا عیسائیوں نے اعتراض کیا اور ہم جواب نہیں دے سکے۔ ایسے لوگ اسلام کی ہتک اور بے عزّتی کا موجب ہو جاتے ہیں۔ اس زمانہ میں اسلام پر ہر رنگ اور ہر قسم کے اعتراض کئے جاتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ اس قسم کے اعتراضوں کا اندازہ کیا تھا تو میں نے دیکھا کہ اسلام پر تین ہزار اعتراض مخالفوں کی طرف سے ہوا ہے۔ پس یہ کس قدر ضروری ہے کہ ایک جماعت ایسے لوگوں کی ہو جو ان تمام اعتراضات کا بخوبی جواب دے سکے۔ آجکل کے مناظروں اور مباحثوں کی حالت اَور بھی بُری ہو گئی ہے کہ اصول کو چھوڑ کر فروع میں جھگڑتے ہیں۔ حالانکہ اس اصل کو کبھی ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے کہ جب کسی سے گفتگو ہو تو وہ ہمیشہ اصول میں محدود ہو لیکن یاوہ گو اس طریق کو پسند نہیں کرتے وہ جہانتک ان سے ہو سکتا ہے، اس سے نکلتے ہیں اور فروعات میں آکر اُلجھ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اس امر کی بھی پابندی نہیں کرتے کہ پہلے اپنے گھر کو دیکھ لیں کہ دوسرے مذہب پر جو اعتراض کرتا ہوں۔ وہ میرے گھر میں تو کسی تعلیم پر وارد نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی غرض محض اعتراض کرنا ہوتا ہے حق کو لینا نہیں ہوتا۔

ایک آریہ پر اگر نیوگ کا اعتراض کرو تو وہ قبل اس کے کہ نیوگ کی حقیقت اور خوبی بیان کرے بلا سوچے سمجھے جھٹ اعتراض کر دے گا کہ تم میں متعہ ہے۔ حالانکہ اول تو متعہ ہے ہی نہیں اور علاوہ بریں متعہ کی حقیقت تو اتنی ہے کہ وہ میعادی طلاق ہے۔ طلاق کو نیوگ سے کیا نسبت؟ اور کیا تعلق؟ جو شخص محض حصول اولاد کے لئے اپنی بیوی کو دوسرے سے ہمبستر کرواتا ہے وہ طلاق پر اعتراض کرے تو تعجب نہیں تو کیا ہے۔

غرض اعتراض کرنے والوں کی یہ حالت ہے اور نہایت شوخی اور بیباکی کے ساتھ یہ سلسلہ جاری ہے۔ میں جب اسلام کی حالت کو مشاہدہ کرتا ہوں تو میرے دل پر چوٹ لگتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ ایسے لوگ میری زندگی میں تیار ہو جاویں جو اسلام کی خدمت کر سکیں۔ ہم تو پا بگور ہیں اور اگر اور تیار نہ ہوں تو پھر مشکل پیش آتی ہے۔ میرا مدعا اس قدر ہے کہ آپ لوگ تدبیر کریں خواہ کسی پہلو پر صاد کیا جاوے مگر یہ ہو کہ چند سال میں ایسے نوجوان نکل آویں جن میں علمی قابلیت ہو اور وہ غیر زبان کی واقفیت بھی رکھتے ہوں اور پورے طور پر تقریر کر کے اسلام کی خوبیاں دوسروں کے ذہن نشین کر سکیں۔ میرے نزدیک غیر زبانوں سے اتنی ہی مراد نہیں کہ صرف انگریزی پڑھ لیں۔ نہیں اور زبانیں بھی پڑھیں اور سنسکرت بھی پڑھیں تاکہ ویدوں کو پڑھ کر اُن کی اصلیت ظاہر کر سکیں۔ اس وقت تک وید گویا مخفی پڑے ہوئے ہیں۔ کوئی اُن کا مستند ترجمہ نہیں۔ اگر کوئی کمیٹی ترجمہ کر کے صاد کر دے تو حقیقت معلوم ہو جاوے۔

اصل بات یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اسلام کو ان لوگوں اور قوموں میں پہنچایا جاوے جو اس سے محض ناواقف ہیں اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ جن قوموں میں تم اُسے پہنچانا چاہو اُن کی زبانوں کی پوری واقفیت ہو۔ ان کی زبانوں کی واقفیت نہ ہو اور ان کی کتابوں کو پڑھ نہ لیا جاوے تو مخالف پورے طور پر عاجز نہیں ہو سکتا۔

مولوی عبید اللہ صاحب مرحوم نے تحفۃ الہند نام ایک کتاب لکھی۔ اندرامن نے اس کا جواب دیا اور بڑی گالیاں دیں۔ اسلام پر اعتراض کر دیئے۔ اگرچہ اس کی بعض کتابیں جلا دی گئی تھیں مگر انہیں کتابوں کو لے کر پنڈت دیانند صاحب نے پیش کر دیا اگر مولوی عبید اللہ صاحب نے وید پڑھے ہوتے تو وہ ویدوں سے اس کا جواب دیتے۔ غرض زبان کا سیکھنا ضروری ہے۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۴ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۶ء

مجھے یہ بھی شُبہ ہے کہ دماغی حالتیں کچھ اچھی نہیں ہیں۔ بہت ہی کم ایسے لڑکے ہوتے ہیں جن کے قویٰ اعلیٰ درجہ کے ہوں ورنہ اکثر کو سل یا دق ہو جاتی ہے پس ایسے کمزور قویٰ کے لڑکے بہت محنت برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لحاظ سے جب ہم دیکھتے ہیں تو اَور بھی فکر دامنگیر ہوتا ہے کیونکہ ایک طرف تو ہم ایسے لڑکے تیار کرنا چاہتے ہیں جو دین کے لئے اپنی زندگی وقف کریں مگر دوسری طرف اس قسم کی مشکلات ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس سوال پر بہت فکر کیا جاوے۔ ہاں میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ جو بچے ہمارے اس مدرسہ میں آتے ہیں اُن کا آنا بھی بے سُود نہیں ہے۔ اُن میں اخلاص اور محبت پائی جاتی ہے اس لئے اس موجودہ صورت اور انتظام کو بدلنا بھی مناسب نہیں ہے۔

میرے نزدیک یہ قاعدہ ہونا چاہیئے تھا کہ ان بچوں کو تعطیل کے دن مولوی سید محمد احسن صاحب یا مولوی حکیم نورالدین صاحب زبانی تقریروں کے ذریعہ ان کو قرآن شریف اور علم حدیث اور مناظرہ کا ڈھنگ سکھاتے اور کم از کم دو گھنٹہ ہی اس کام کے لئے رکھے جاتے۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ زبانی تعلیم ہی کا سلسلہ جاری رہا ہے اور طب کی تعلیم بھی زبانی ہوتی آئی۔ زبانی تعلیم سے طالب علموں کو خود بھی بولنے اور کلام کرنے کا طریق آجاتا ہے خصوصاً جبکہ معلّم فصیح و بلیغ ہو۔ زبانی تعلیم سے بعض اوقات ایسے فائدے ہوتے ہیں کہ اگر ہزار کتاب بھی تصنیف ہوتی تو وہ فائدہ نہ ہوتا۔ اس لئے اس کا التزام ضروری ہے۔ تعطیل کے دن ضرور ان کو سکھایا جاوے۔ پھر باقاعدہ اُن کو قرآن شریف سُنایا جاوے۔ اس کے حقائق و معارف بیان کئے جاویں اور ان کی تائید میں احادیث کو پیش کیا جاوے۔ عیسائی جو اعتراض اسلام پر کرتے ہیں اُن کے جواب اُن کو بتائے جائیں اور اس کے بالمقابل عیسائیوں کے مذہب کی حقیقت کھول کر اُن کو بتائی جاوے تاکہ وہ اس سے خوب واقف ہو جاویں۔ ایسا

ہی دہریوں اور آریوں کے اعتراضات اور اُن کے جوابات سے اُن کو آگاہ کیا جاوے۔ اور یہ سب کچھ سلسلہ وار ہو یعنی کسی ہفتہ کچھ اور کسی ہفتہ کچھ۔ اگر یہ التزام کر لیا گیا تو میں یقیناً جانتا ہوں کہ بہت کچھ تیاری کرلیں گے۔ نری عربی زبان کی واقفیت کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب پیدا نہیں ہوئے تھے تو اس زبان نے عربوں کے اخلاق، عادات اور مذہب پر کیا اثر ڈالا؟ اور اب شام و مصر میں کیا فائدہ پہنچایا؟ ہاں یہ سچ ہے کہ عربی زبان اگر عمدہ طور سے آتی ہو تو وہ قرآن شریف کی خادم ہوگی اور انسان قرآن شریف کے حقائق و معارف خوب سمجھ سکے گا۔ چونکہ قرآن اور احادیث عربی میں ہیں۔ اس زبان سے پُورے طور پر باخبر ہونا بہت ہی ضروری ہو گیا ہے۔ اگر عربی زبان سے واقفیت نہ ہو تو قرآن شریف اور احادیث کو کیا سمجھے گا؟ ایسی حالت میں تو پتہ ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ آیت قرآن شریف میں ہے بھی یا نہیں۔ ایک شخص کسی پادری سے بحث کرتا تھا اس سے کہدیا کہ قرآن شریف میں جو آیا ہے لولاک لما۔ پادری نے جب کہا کہ نکال کر دکھاؤ تو بہت ہی شرمندہ ہونا پڑا۔

سادہ ترجمہ پڑھ لینے سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا۔ ان علوم کا جو قرآن شریف کے خادم ہیں واقف ہونا ضروری ہے۔ اس طرح پر قرآن شریف پڑھایا جاوے اور پھر حدیث۔ اور اس طرح پر ان کو اس سلسلہ کی سچائی سے آگاہ کیا جاوے اور ایسی کتابیں تیار کی جاویں جو اس تقسیم کے ساتھ ان کے لئے مفید ہوں۔ اگر یہ سلسلہ اس طرح پر جاری ہو جاوے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے مقاصد کا بہت بڑا مرحلہ طے ہو جاوے گا۔

یہ بھی یاد رہے کہ بیان کرنے والے تقسیم اوقات کے ساتھ بیان کریں اور پھر وہ ان بچوں سے امتحان لیں۔

غرض میں جو کچھ چاہتا ہوں وہ تم نے سُن لیا ہے اور میری اصل غرض اور منشاء کو تم نے سمجھ لیا ہے۔ اس کے پورا کرنے کے لئے جو جو تجاویز اور پھر ان تجاویز پر جو اعتراض

ہوتے ہیں وہ بھی تم نے بیان کر دیئے ہیں اور میں سُن چکا ہوں۔ میں مدرسہ کی موجودہ صورت کو بھی پسند کرتا ہوں۔ اس سے نیک طبع بچے کچھ نہ کچھ اثر ضرور لے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ نہیں چاہیئے کہ مالا یُدرک کلّہ لا یترک کلّہ۔ تجربہ کے طور پر سر دست ایک سال کے لئے ہی ایسا انتظام کر کے دیکھو کہ ہفتہ وار جلسوں کے ذریعہ ان کو دینی ضروریات سے آگاہ کیا جاوے۔ ہاں عربی زبان کے لئے معقول انتظام ہونا چاہیئے۔ اگر اس کے لئے کچھ نہ ہو تو پھر ہماں اش مد کاسہ والی بات ہوگی۔ گویا زبانی تو سب کچھ ہوا مگر عملی اور حقیقی طور پر کچھ بھی نہ ہوا۔

اس بات کو بھی زیر نظر رکھ لو کہ اگر ان بچوں پر اَور بوجھ ڈالا گیا تو وہ پاس ہونے کے خیالات میں دو طرفہ محنت نہیں کر سکیں گے۔ ایک ہی طرف کوشش کریں گے۔ اور اگر علیحدہ تعلیم ہوگی تو اس کے لئے وقت وہی ہے وہ بڑھ نہیں سکتا۔ اس لئے ایک تو وہی صورت ہو سکتی ہے جو زبانی تعلیم کی میں نے بتائی ہے۔ اور ایک اَور یہ صورت ہے کہ وہ بچے جو پاس اور فیل کی پروا نہ رکھیں بلکہ ان کی غرض خدمتِ دین کے لئے تیار ہونا ہو اور محض دین کے لئے تعلیم حاصل کریں ایسے بچوں کے لئے خاص انتظام کر دیا جاوے مگر اُن کے لئے بھی یہ ضروری امر ہے کہ علوم جدیدہ سے انہیں واقفیت ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اگر علوم جدیدہ کے موافق کسی نے اعتراض کر دیا تو وہ خاموش ہو جاویں اور کہہ دیں کہ ہمیں تو کچھ معلوم نہیں۔ اس لئے موجودہ علوم سے انہیں کچھ نہ کچھ واقفیت ضروری ہے تاکہ وہ کسی کے سامنے شرمندہ نہ ہوں اور ان کی تقریر کا اثر زائل نہ ہو جاوے۔ محض اس وجہ سے کہ وہ بے خبر ہیں۔

ہاں ایک جماعت یہ ہو کہ وہ دونو علوم حاصل کر سکیں اور بجائے خود انہیں وقت کی پروا نہ ہو۔ پھر اس پر مشکل یہ ہوگی کہ استاد مستعد اور مقرر بنیں۔ غرض ہر پہلو کو سوچ کر

یہ انتظام کرنے کی بات ہے۔ اس لئے میں جب ان تمام امور کو مدنظر رکھ کر سوچتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں اور سمجھ نہیں سکتا کہ ہمارا جو مطلب ہے وہ کیونکر پورا ہو سکتا ہے۔ اگر موجودہ صورت ہی کو قائم رکھیں اور کوئی انتظام نہ کیا گیا تو پھر ان ساری تقریروں سے فائدہ کیا ہوا؟ اور اگر اس پر مضامین بڑھا دیں تو اوستاد واویلا کرتے ہیں کہ وقت تھوڑا ہے اور ساتھ ہی لڑکوں کی صحت کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے

خلاصہ یہ کہ اس نکتہ کو مدنظر رکھو کہ ایسے لوگ تیار ہو جاویں گے اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے سامنے تیار ہوں۔ خدا تعالیٰ نے جو نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ واصنع الفلك باعیننا[1]۔ تو کشتی ہمارے سامنے بنا۔ اسی طرح پر میں اس جماعت کو اپنے سامنے تیار کرانا چاہتا ہوں۔ فائدہ اسی سے ہوگا۔

میں یقیناً کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ایک ہفتہ ہماری صحبت میں رہے اور اُسے ہماری تقریریں سُننے کا موقعہ مل جاوے تو وہ مشرق و مغرب کے مولوی سے بڑھ جاوے گا۔ اس لئے جو کچھ ہو میرے سامنے ہو۔ آپ لوگ اس کی فکر کریں۔ میں اس امر میں تمہارے ساتھ اتفاق رائے کرتا ہوں کہ مدرسہ کو توڑا نہ جاوے۔ ان کے لئے تو تعطیل کا دن مناظرات اور دینیات کے واسطے قرار دیا جاوے۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ سب کے سب مولوی ہی ہو جاویں اور نہ ایسا ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر ان میں سے ایک بھی نکل آوے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا مقصد پورا ہو گیا۔ اور باقیوں کو کم از کم اپنے دین ہی کی خبر ہو جاوے گی اور وہ غیر قوموں کے فتنہ میں نہ پڑ سکیں گے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ مخالف مذہبوں کے لوگوں سے ہمیں کوئی دشمنی نہیں بلکہ ان کے سچے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔ لیکن کیا کریں ہمارا مسلک اس جرّاح کی طرح ہے جس کو ایک پھوڑے کو چیرنا پڑتا ہے اور پھر وہ اس پر مرہم لگاتا ہے۔ بیوقوف مریض پھوڑے کو چیرنے کے وقت شور مچاتا ہے حالانکہ اگر وہ سمجھے تو اس پھوڑے کو چیرنے

[1] ھود: ۳۸

کی اصل غرض اسی کے مفید مطلب ہے کیونکہ جب تک وہ چیرا نہ جاوے گا اور اس کی آلائش دُور نہ کی جاوے گی وہ اپنا فساد اور بڑھائے گا اور زیادہ مضر اور مہلک ہوگا۔ اسی طرح پر ہم مجبور ہیں کہ ان کی غلطیاں ان پر ظاہر کریں اور صراط مستقیم اُن کے سامنے پیش کریں۔ جب تک وہ صراط مستقیم اختیار نہ کریں گے تو کیا بن سکتے ہیں؟

ایک طرف ایسے لوگ موجود ہیں جو خدا تعالیٰ کے وجود ہی کے منکر ہیں اور دوسری طرف ایسے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے وجود کا بظاہر اقرار کیا ہے مگر وہ مانتے ہیں کہ اس نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا۔ گویا ذرہ ذرہ خود خدا ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ اس پر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پرمیشر سرب شکتیمان ہے۔ یہ کیسا سرب شکتیمان ہے کہ کچھ پیدا نہیں کرسکتا ذرہ ذرہ انادی ہے اور رُوحیں انادی ہیں۔ اُن کے خواص اور قویٰ انادی ہیں۔ پھر جوڑنا جاڑنا بھی کوئی کام ہو سکتا ہے۔ میرے نزدیک ایسے عقیدہ میں اور دہریوں کے عقیدہ میں ۱۹ اور ۲۰ کا فرق ہے۔ یہ لوگ درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرتوں پر ایمان نہیں لاتے۔ ہم تو اس خدا کو مانتے ہیں جو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[1] ہے۔

پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی۔ یہ ایسا بیہودہ اور غلط اصول ہے کہ اس کے لئے کسی بڑی دلیل کی حاجت نہیں ہے۔ خواب کے نظارے کس نے نہیں دیکھے؟ یہانتک کہ خواب میں مُردوں سے باتیں کرتا اور کھانے پینے کی چیزوں سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اب کوئی بتائے کہ وہ ہستی کہاں سے ہوتی ہے؟ کیا نیستی سے نہیں ہوتی؟

اگر عقل ہوتی اور باپ دادا میں رُوحانیت کا اثر ہوتا تو ایسی باتیں نہ کرتے۔ یہ باتیں یُونانیوں کے اندھے فلاسفروں سے لی ہیں۔ جو علم دین سے محض بے خبر ہیں۔ علم دین کچھ اور حواس عطا کرتا ہے جس کو فلسفی اور طبعی نہیں پہنچ سکتے۔ رُویا میں سب امور ہست ہو جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات رُوحانی امور جسمانی رنگ بھی اختیار کر لیتے ہیں جیسا کہ

[1] البقرۃ: ۲۱

میری وہ رؤیا ہے جو سُرمہ چشم آریہ میں درج ہے جس میں سیاہی کے چھینٹے کُرتے پر پڑے تھے اور وہ کُرتہ اب تک موجود ہے۔ یہ عجیب در عجیب اسرار ہیں۔ جن کا ان پر ایمان نہیں وہ ایمان ہی کیا ہے؟

دین وہی ہے جو رُوحانیت سکھاتا ہے اور آگے قدم رکھواتا ہے۔ میں افسوس نہیں کرتا کہ ایسی بُری حالت کیوں ہوئی ہے جو اس وقت نظر آرہی ہے۔ یہ سب اسلام کے کمالات کے ظہور کی خاطر ہوا۔ بُت پرستی سے دست برداری کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی قوم پیدا کر دی۔ یہ لوگ اسلام کی ڈیوڑھی پر ہیں۔ ایک غیب کا دھکا لگے گا۔ تو تمہارے بھائی ہو جائیں گے۔

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۵ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ر فروری ۱۹۰۶ء)

۲۷ر دسمبر ۱۹۰۵ء

تقریر

اعلیحضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک تقریر جو آپ نے ۲۷ر دسمبر ۱۹۰۵ء کو بعد نماز ظہر و عصر مسجد اقصیٰ میں فرمائی۔

۲۶ر دسمبر ۱۹۰۵ء کی صبح کو مہمان خانہ جدید کے بڑے ہال میں احباب کا ایک بڑا جلسہ اس غرض کے لئے منعقد ہوا تھا کہ مدرسہ تعلیم الاسلام کی اصلاح کے سوال پر غور کریں۔ اس میں بہت سے بھائیوں نے مختلف پہلوؤں پر تقریریں کیں۔ ان تقریروں کے ضمن میں ایک بھائی نے اپنی تقریر میں کہا کہ جہانتک میں جانتا ہوں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سلسلہ اور دوسرے مسلمانوں میں صرف اسی قدر فرق ہے کہ وہ مسیح ابن مریم کا زندہ آسمان پر جانا تسلیم کرتے ہیں اور ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ

وفات پا چکے ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی نیا امر ایسا نہیں جو ہمارے اور ان کے درمیان اصولی طور پر قابل نزاع ہو۔ اس سے چونکہ کامل طور پر سلسلہ کی بعثت کی غرض کا پتہ نہ لگ سکتا تھا بلکہ ایک امر مشتبہ اور کمزور معلوم ہوتا تھا اس لئے ضروری امر تھا کہ آپ اس کی اصلاح فرماتے۔ چونکہ اس وقت کافی وقت نہ تھا۔ اس لئے ۲۷ر دسمبر کو بعد ظہر و عصر آپ نے مناسب سمجھا کہ اپنی بعثت کی اصل غرض پر کچھ تقریر فرمائیں آپ کی طبیعت بھی ناساز تھی۔ تاہم محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی :۔

فرمایا :۔

افسوس ہے اس وقت میری طبیعت بیمار ہے اور میں کچھ زیادہ بول نہیں سکتا۔ لیکن ایک ضروری امر کی وجہ سے چند کلمے بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کل میں نے سُنا تھا کہ کسی صاحب نے یہ بیان کیا تھا کہ گویا ہم میں اور ہمارے مخالف مسلمانوں کے درمیان فرق موت و حیات مسیح علیہ السلام کا ہے ورنہ ایک ہی ہیں اور عملی طور پر ہمارے مخالفوں کا قدم بھی حق پر ہے یعنی نماز، روزہ اور دوسرے اعمال مسلمانوں کے ہیں اور وہ سب اعمال بجا لاتے ہیں۔ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بارے میں ایک غلطی پڑ گئی تھی جس کے ازالہ کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ پیدا کیا۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ بات صحیح نہیں۔ یہ تو سچ ہے کہ مسلمانوں میں یہ غلطی بہت بُری طرح پر پیدا ہوئی ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ میرا دنیا میں آنا صرف اتنی ہی غلطی کے ازالہ کے لئے ہے اور اَور کوئی خرابی مسلمانوں میں ایسی نہ تھی جس کی اصلاح کی جاتی بلکہ وہ صراط مستقیم پر ہیں تو یہ خیال غلط ہے۔ میرے نزدیک وفات یا حیات مسیح ایسی بات نہیں کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ اتنا بڑا سلسلہ قائم کرتا اور ایک خاص شخص کو دنیا میں بھیجا جاتا اور اللہ تعالیٰ ایسے طور پر اس کو ظاہر کرتا جس سے اس کی بہت بڑی عظمت

پائی جاتی ہے یعنی یہ کہ دنیا میں تاریکی پھیل گئی ہے اور زمین لعنتی ہو گئی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت[1] کی غلطی کچھ آج پیدا نہیں ہو گئی بلکہ یہ غلطی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ بعد پیدا ہو گئی تھی اور خواص اولیاء اللہ صلحاء اور اہل اللہ بھی آتے رہے اور لوگ اس غلطی میں گرفتار رہے۔ اگر اس غلطی ہی کا ازالہ مقصود ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس وقت بھی کر دیتا مگر نہیں ہوا۔ اور یہ غلطی چلی آئی اور ہمارا زمانہ آگیا۔ اس وقت بھی اگر نری اتنی ہی بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک سلسلہ پیدا نہ کرتا۔ کیونکہ وفات مسیح ایسی بات تو تھی ہی نہیں جو پہلے کسی نے تسلیم نہ کی ہو۔ پہلے سے بھی اکثر خواص جن پر اللہ تعالیٰ نے کھول دیا۔ یہی مانتے چلے آئے۔ مگر بات کچھ اور ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا۔ یہ سچ ہے کہ مسیح کی وفات[2] کی غلطی کو دور کرنا بھی اس سلسلہ کی بہت بڑی غرض تھی۔ لیکن صرف اتنی ہی بات کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھ کو کھڑا نہیں کیا بلکہ بہت سی باتیں ایسی پیدا ہو چکی تھیں۔ کہ اگر ان کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ ایک سلسلہ قائم کر کے کسی کو مامور نہ کرتا تو دنیا تباہ ہو جاتی اور اسلام کا نام و نشان مٹ جاتا۔ اس لئے اسی مقصد کو دوسرے پیرایہ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہماری بعثت کی غرض کیا ہے؟

وفاتِ عیسٰی اور حیاتِ اسلام

یہ دونو مقاصد باہم بہت بڑا تعلق رکھتے ہیں اور وفاتِ مسیح کا مسئلہ اس زمانہ میں حیاتِ اسلام کے لئے ضروری ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ حیاتِ مسیح سے جو فتنہ پیدا ہوا ہے وہ بہت بڑھ گیا ہے۔ حیاتِ مسیح کے لئے یہ کہنا کہ کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں کہ اُن کو زندہ آسمان پر اُٹھا لے جاتا؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت

[1] یہ لفظ دراصل "حیات" ہے جو سہو کتابت سے "موت" لکھا گیا ہے (مرتب)

[2] سہو کتابت ہے "مسیح کی حیات کی غلطی" ہونا چاہیئے (مرتب)

اور اس کی [1] سے ناواقفی کو ظاہر کرتا ہے۔ ہم تو سب سے زیادہ اس بات پر ایمان لاتے اور یقین کرتے ہیں کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ [2]

اللہ تعالےٰ بیشک ہر بات پر قادر ہے اور ہم ایمان رکھتے ہیں کہ بے شک وہ جو کچھ چاہے کر سکتا ہے۔ لیکن وہ ایسے امور سے پاک اور منزّہ ہے جو اس کی صفات کاملہ کے خلاف ہوں اور وہ ان باتوں کا دشمن ہے۔ جو اس کے دین کے مخالف ہوں۔ حضرت عیسیٰ کی حیات ادائل میں تو صرف ایک غلطی کا رنگ رکھتی تھی مگر آج یہ غلطی ایک اژدھا بن گئی ہے جو اسلام کو نگلنا چاہتی ہے۔ ابتدائی زمانہ میں اس غلطی سے کسی گزند کا اندیشہ نہ تھا اور وہ غلطی ہی کے رنگ میں تھی۔ مگر جب سے عیسائیت کا خروج ہوا اور انہوں نے مسیح کی زندگی کو ان کی خدائی کی ایک بڑی زبردست دلیل قرار دیا تو یہ خطرناک امر ہوگیا۔ انہوں نے بار بار اور بڑے زور سے اس امر کو پیش کیا کہ اگر مسیح خدا نہیں تو وہ عرش پر کیسے بیٹھا ہے؟ اور اگر انسان ہو کر کوئی ایسا کر سکتا ہے کہ زندہ آسمان پر چلا جاوے تو پھر کیا وجہ ہے کہ آدم سے لے کر اس وقت تک کوئی بھی آسمان پر نہیں گیا؟ اس قسم کے دلائل پیش کر کے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنانا چاہتے ہیں اور انہوں نے بنایا اور دنیا کے ایک حصہ کو گمراہ کر دیا اور بہت سے مسلمان جو تیس لاکھ سے زیادہ بتائے جاتے ہیں اس غلطی کو صحیح عقیدہ تسلیم کرنے کی وجہ سے اس فتنہ کا شکار ہو گئے۔ اب اگر یہ بات صحیح ہوتی اور درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر چلے جاتے جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں اور مسلمان اپنی غلطی اور ناواقفی سے ان کی تائید کرتے ہیں تو پھر اسلام کے لئے تو ایک ماتم کا دن ہوتا۔ کیونکہ اسلام تو دُنیا میں اس لئے آیا ہے تاکہ اللہ تعالےٰ کی ہستی پر دنیا کو ایک ایمان اور یقین پیدا ہو اور اس کی توحید پھیلے۔ وہ ایسا مذہب ہے کہ کوئی کمزوری اس میں پائی نہیں جاتی اور نہیں ہے۔ وہ تو اللہ تعالےٰ ہی کو وحدہٗ لاشریک قرار دیتا ہے۔ کسی دوسرے

[1] اس جگہ کتابت کی غلطی سے کوئی لفظ رہ گیا ہے جو ممکن ہے "سُنّت" یا "صفات" ہو۔ واللہ اعلم (مرتب)

[2] البقرۃ: ۲۱

میں یہ خصوصیت تسلیم کی جاوے تو یہ تو اللہ تعالٰے کی کسرِ شان ہے اور اسلام اس کو روا نہیں رکھتا۔ مگر عیسائیوں نے مسیح کی اس خصوصیت کو پیش کر کے دنیا کو گمراہ کر دیا ہے اور مسلمانوں نے بغیر سوچے سمجھے ان کی اس ہاں میں ہاں ملا دی اور اس ضرر کی پروا نہ کی جو اس سے اسلام کو پہنچا۔

اس بات سے کبھی دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے جو لوگ کہہ دیتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں کہ مسیح کو زندہ آسمان پر اُٹھا لے جاوے؟ بے شک وہ قادر ہے مگر وہ ایسی باتوں کو کبھی روا نہیں رکھتا جو مبدأ شرک ہو کر کسی کو شریک الباری ٹھہراتی ہوں اور یہ صاف ظاہر ہے کہ ایک شخص کو بعض وجوہ کی خصوصیت دینا صریح مبدأ شرک ہے۔ پس مسیح علیہ السلام میں یہ خصوصیت تسلیم کرنا کہ وہ تمام انسانوں کے برخلاف اب تک زندہ ہیں۔ اور خواص بشری سے الگ ہیں، یہ ایسی خصوصیت ہے جس نے عیسائیوں کو موقع دیا کہ وہ اُن کی خدائی پر اس کو بطور دلیل پیش کریں۔ اگر کوئی عیسائی مسلمانوں پر یہ اعتراض کرے کہ تم ہی بتاؤ کہ ایسی خصوصیت اس وقت کسی اور شخص کو بھی ملی ہے؟ تو اس کا کوئی جواب اُن کے پاس نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ یقین کرتے ہیں کہ سب انبیاء علیہم السلام مر گئے ہیں مگر مسیح کی موت بقول ان مخالف مسلمانوں کے ثابت نہیں کیونکہ توفّی کے معنے تو آسمان پر زندہ اُٹھائے جانے کے کرتے ہیں۔ اس لئے فلمّا توفیتنی میں بھی یہی معنے کرنے پڑیں گے کہ جب تو نے مجھے زندہ آسمان پر اُٹھا لیا۔ اور کوئی آیت ثابت نہیں کرتی کہ اس کی موت بھی ہوگی۔ پھر بتاؤ کہ اُن کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے اور وہ اپنی غلطی کو سمجھیں

میں سچ کہتا ہوں کہ جو لوگ مسلمان کہلا کر اس عقیدہ کی کمزوری اور شناعت کے کھل جانے پر بھی اس کو نہیں چھوڑتے وہ دشمنِ اسلام اور اس کے لئے مارِ آستین ہیں۔

یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ بار بار قرآن شریف میں مسیحؑ کی موت کا ذکر کرتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ وہ دوسرے نبیوں اور انسانوں کی طرح وفات پا چکے ہیں۔ کوئی امر ان میں ایسا نہ تھا

ہو دوسرے نبیوں اور انسانوں میں نہ ہو۔ یہ بالکل سچ ہے کہ توفّی کے موت ہی معنے ہیں۔ کسی لغت سے یہ ثابت نہیں کہ توفّی کے معنے کبھی آسمان پر مع جسم اُٹھانے کے بھی ہوتے ہیں۔ زبان کی خوبی لغات کی توسیع پر ہے۔ دنیا میں کوئی لُغت ایسی نہیں ہے جو صرف ایک کے لئے ہو اور دوسرے کے لئے نہ ہو۔ ہاں خدا تعالیٰ کے لئے یہ خصوصیت ضرور ہے اس لئے کہ وہ وحدہٗ لاشریک خدا ہے۔ لغت کی کوئی کتاب پیش کرو جس میں توفّی کے یہ معنے خصوصیت سے حضرت عیسٰیؑ کے لئے کئے ہوں کہ زندہ آسمان پر مع جسم اُٹھانا ہے اور سارے جہان کے لئے جب یہ لفظ استعمال ہو تو اس کے معنے موت کے ہوں گے۔ اس قسم کی خصوصیت لغت کی کسی کتاب میں دکھاؤ۔ اور اگر نہ دکھا سکو اور نہیں ہے تو پھر خدا تعالیٰ سے ڈرو کہ یہ مبدأ شرک ہے۔ اس غلطی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمان عیسائیوں کے مدیون ٹھہرتے ہیں۔ اگر عیسائی یہ کہیں کہ جس حال میں تم مسیح کو زندہ تسلیم کرتے ہو کہ وہ آسمان پر ہے اور پھر اس کا آنا بھی مانتے ہو اور یہ بھی کہ وہ حَکَمْ ہو کر آئے گا اب بتاؤ کہ اس کے خدا ہونے میں کیا شبہ رہا جبکہ یہ بھی ثابت نہ ہو کہ اس کو موت ہو گی۔ یہ کتنا بڑا مصیبت کا امر ہے کہ عیسائی سوال کرے اور اس کا جواب نہ ہو۔

غرض اس غلطی کا اثر بد اب یہاں تک بڑھ گیا۔ یہ تو سچ ہے کہ دراصل مسیح کی موت کا مسئلہ ایسا عظیم الشان نہ تھا کہ اس کے لئے ایک عظیم الشان مامور کی ضرورت ہوتی۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کی حالت بہت ہی نازک ہو گئی ہے۔ انہوں نے قرآن کریم پر تدبّر چھوڑ دیا اور ان کی عملی حالت خراب ہو گئی۔ اگر ان کی عملی حالت درست ہوتی اور وہ قرآن کریم اور اس کی لغات پر توجہ کرتے تو ایسے معنے ہرگز نہ کرتے۔ انہوں نے اسی لئے اپنی طرف سے یہ معنے کر لئے۔ توفّی کا لفظ کوئی نرالا اور نیا لفظ نہ تھا اس کے معنے تمام لغت عرب میں خواہ وہ کسی نے لکھی ہوں موت کے کئے ہیں۔ پھر انہوں نے مع جسم آسمان پر اُٹھانے کے معنے آپ ہی کیوں بنا لئے۔ ہم کو افسوس نہ ہوتا اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی

اس لفظ کے یہی معنے کر لیتے کیونکہ یہی لفظ آپ کے لئے بھی تو قرآن شریف میں آیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے فاما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک[1] اب بتاؤ کہ اگر اس لفظ کے معنے مع جسم آسمان پر اُٹھانا ہی ہیں تو کیا ہمارا حق نہیں کہ آپ کے لئے بھی یہی معنے کریں۔ کیا وجہ ہے کہ وہ نبی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہزارہا درجہ کمتر ہے اس کے لئے جب یہ لفظ بولا جاوے تو اس کے من گھڑت معنے کر کے زندہ آسمان پر لے جاویں لیکن جب سید الاولین والآخرین کے لئے یہ لفظ آوے تو اس کے معنے بجز موت کے اور کچھ نہ کریں، حالانکہ آپ کی زندگی ایسی ثابت ہے کہ کسی اور نبی کی ثابت نہیں اور اس لئے ہم زور اور دعویٰ سے یہ بات پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی نبی زندہ ہے تو وہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اکثر اکابر نے حیات النبیؐ پر کتابیں لکھی ہیں۔ اور ہمارے پاس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایسے زبردست ثبوت موجود ہیں کہ کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ منجملہ ان کے ایک یہ بات ہے کہ زندہ نبی وہی ہو سکتا ہے جس کے برکات اور فیوض ہمیشہ کے لئے جاری ہوں اور یہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک کبھی بھی مسلمانوں کو ضائع نہیں کیا۔ ہر صدی کے سر پر اس نے کوئی آدمی بھیج دیا جو زمانہ کے مناسب حال اصلاح کرتا رہا یہانتک کہ اس صدی پر اس نے مجھے بھیجا ہے تاکہ میں حیات النبیؐ کا ثبوت دوں یہ امر قرآن شریف سے بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کی حفاظت کرتا رہا ہے اور کرے گا جیسا کہ فرمایا ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون[2] یعنی بیشک ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ انا لہ لحافظون کا لفظ صاف طور پر دلالت کرتا ہے کہ صدی کے سر پر ایسے آدمی آتے رہیں گے جو گمشدہ متاع کو لائیں اور لوگوں کو یاد دلائیں۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب پہلی صدی گذر جاتی ہے تو پہلی نسل بھی اُٹھ جاتی ہے

[1] المومن: ۷۸ [2] الحجر: ۱۰

اور اس نسل میں جو عالم، حافظ قرآن، اولیاء اللہ اور ابدال ہوتے ہیں وہ فوت ہو جاتے ہیں اور اس طرح پر ضرورت ہوتی ہے کہ احیاء ملت کے لئے کوئی شخص پیدا ہو۔ کیونکہ اگر دوسری صدی میں نیا بند وبست اسلام کے تازہ رکھنے کے لئے نہ کرے تو یہ مذہب مر جاوے۔ اس لئے وہ ہر صدی کے سر پر ایک شخص کو مامور کرتا ہے جو اسلام کو مرنے سے بچا لیتا ہے اور اس کو نئی زندگی عطا کرتا ہے اور دنیا کو ان غلطیوں، بدعات اور غفلتوں اور سستیوں سے بچا لیتا ہے جو اُن میں پیدا ہوتی ہیں۔

یہ خصوصیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے اور یہ آپ کی حیات کی ایسی زبردست دلیل ہے کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس طرح پر آپ کے برکات و فیوض کا سلسلہ لا انتہا اور غیر منقطع ہے اور ہر زمانہ میں گویا امت آپ کا ہی فیض پاتی ہے اور آپ ہی سے تعلیم حاصل کرتی ہے اور اللہ تعالےٰ کی محب بنتی ہے جیسا کہ فرمایا ہے اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[1]۔ پس خدا تعالیٰ کا پیار ظاہر ہے کہ اس امت کو کسی صدی میں خالی نہیں چھوڑتا۔ اور یہی ایک امر ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات پر روشن دلیل ہے۔ بالمقابل حضرت عیسیٰؑ کی حیات ثابت نہیں۔ ان کی زندگی ہی میں ایسا فتنہ برپا ہوا کہ کسی اور نبی کی زندگی میں وہ فتنہ نہیں ہوا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت عیسیٰؑ سے مطالبہ کرنا پڑا کہ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ[2] یعنی کیا تو نے ہی کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو۔ جو جماعت حضرت عیسیٰؑ نے تیار کی وہ ایسی کمزور اور ناقابل اعتبار تھی کہ خود یہی عیسائی بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔ انجیل سے ثابت ہے کہ وہ بارہ شاگرد جو اُن کی خاص قوت قدسی اور تاثیر کا نمونہ تھے۔ اُن میں سے ایک نے جس کا نام یہودا اسکریوطی تھا۔ اس نے تیس روپے پر اپنے آقا و مرشد کو بیچ دیا اور دوسرے نے جو سب سے اوّل نمبر پر ہے اور شاگرد رشید کہلاتا تھا اور جس کے ہاتھ میں بہشت کی کُنجیاں تھیں یعنی پطرس، اس نے سامنے کھڑے ہو کر تین مرتبہ لعنت کی۔

[1] آل عمران: ۳۲ [2] المائدۃ: ۱۱۷

جب خود حضرت مسیح کی موجودگی میں ان کا اثر اور فیض اس قدر تھا تو اب انیس سو سال گذرنے کے بعد خود اندازہ کر لو کہ کیا باقی رہا ہوگا۔ اس کے بالمقابل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت تیار کی تھی وہ ایسی صادق اور وفادار جماعت تھی کہ انہوں نے آپ کے لئے جانیں دے دیں، وطن چھوڑ دیئے، عزیزوں اور رشتہ داروں کو چھوڑ دیا۔ غرض آپ کے لئے کسی چیز کی پرواہ نہ کی۔ یہ کیسی زبردست تاثیر تھی۔ اس تاثیر کا بھی مخالفوں نے اقرار کیا ہے اور پھر آپ کی تاثیرات کا سلسلہ بند نہیں ہوا بلکہ اب تک وہ چلی جاتی ہیں قرآن شریف کی تعلیم میں وہی اثر وہی برکات اب بھی موجود ہیں۔

اور پھر تاثیر کا ایک اور بھی نمونہ قابل ذکر ہے کہ انجیل کا کہیں پتہ ہی نہیں لگتا۔ خود عیسائیوں کو اس امر میں مشکلات ہیں کہ اصل انجیل کونسی ہے اور وہ کس زبان میں تھی اور کہاں ہے؟ مگر قرآن شریف کی برابر حفاظت ہوتی چلی آئی ہے۔ ایک لفظ اور نقطہ تک اس کا ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔ اس قدر حفاظت ہوئی ہے کہ ہزاروں لاکھوں حافظ قرآن شریف کے ہر ملک اور ہر قوم میں موجود ہیں جن میں باہم اتفاق ہے۔ ہمیشہ یاد کرتے اور سناتے ہیں۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ آپ کے برکات اور زندہ برکات نہیں؟ اور کیا ان سے آپ کی حیات ثابت نہیں ہوتی؟

غرض کیا قرآن شریف کی حفاظت کی رُو سے اور کیا تجدید دین کے لئے ہر صدی پر مجدد کے آنے کی حدیث سے اور کیا آپ کی برکات اور تاثیرات سے جو اب تک جاری ہیں آپ کی حیات ثابت ہوتی ہے۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کی حیات کے عقیدہ نے دُنیا کو کیا فائدہ پہنچایا ہے؟ کیا اخلاقی اور عملی طور پر اصلاح ہوئی ہے یا فساد پیدا ہوا ہے؟ اس امر پر جس قدر غور کریں گے اسی قدر اس کی خرابیاں ظاہر ہوتی چلی جائیں گی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اسلام نے اس عقیدہ سے بہت بڑا ضرر اُٹھایا ہے یہاں تک کہ ۲۹[1] کروڑ کے قریب لوگ عیسائی ہو چکے ہیں جو سچے خدا کو چھوڑ کر ایک عاجز انسان کو

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو

خدا بنا رہے ہیں اور عیسائیت نے دنیا کو جو نفع پہنچایا ہے۔ وہ ظاہر امر ہے خود عیسائیوں نے اس امر کو قبول کیا ہے کہ عیسائیت کے ذریعہ بہت سی بداخلاقیاں دنیا میں پھیلی ہیں کیونکہ جب انسان کو تعلیم ملے کہ اس کے گناہ کسی دوسرے کے ذمّہ ہو چکے تو وہ گناہ کرنے پر دلیر ہو جاتا ہے اور گناہ نوعِ انسان کے لئے ایک خطرناک زہر ہے جو عیسائیت نے پھیلائی ہے۔ اس صورت میں اس عقیدہ کا ضرر اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ حیاتِ مسیح کے متعلق اسی زمانہ کے لوگوں پر الزام ہے نہیں بعض پہلوں نے غلطی کھائی ہے۔ مگر وہ تو اس غلطی میں بھی ثواب ہی پر رہے۔ کیونکہ مجتہد کے متعلق لکھا ہے یخطی و یصیب کبھی مجتہد غلطی بھی کرتا ہے اور کبھی ثواب[1]۔ مگر دونو طرح پر اُسے ثواب ہوتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مشیت ایزدی نے یہی چاہا تھا کہ ان سے یہ معاملہ مخفی رہے۔ پس وہ غفلت میں رہے اور اصحاب کہف کی طرح یہ حقیقت اُن پر مخفی رہی جیسا کہ مجھے الہام ہوا تھا۔ امر حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من اٰیاتنا عجباً۔ اسی طرح مسیح کی حیات کا مسئلہ بھی ایک عجیب سِر ہے۔ باوجودیکہ قرآن شریف کھول کر مسیح کی وفات ثابت کرتا ہے اور احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جو آیت استدلال کے طور پر پڑھی گئی۔ وہ بھی اسی کو ثابت کرتی ہے۔ مگر باوجود اس قدر آشکارا ہونے کے خدا تعالیٰ نے اس کو مخفی کر لیا اور آنے والے موعود کے لئے اس کو مخفی رکھا۔ چنانچہ جب وہ آیا تو اس نے اس راز کو ظاہر کیا۔

نوٹ: متعلقہ صفحہ گذشتہ:۔ غالباً "کروڑ" کا لفظ سہواً لکھا گیا ہے جیسا کہ دوسرے مقامات پر حضور علیہ السلام کے الفاظ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ یہ لفظ "کروڑ" نہیں بلکہ "لاکھ" ہے۔ اور یا اس سے مراد کُل عیسائیوں کی تعداد ہے۔ واللہ اعلم۔ (مرتب)

[1] (صفحہ ہذا) یہ لفظ "صواب" ہے جسے کاتب نے سہواً "ثواب" لکھ دیا ہے (مرتب)

یہ اللہ تعالےٰ کی حکمت ہے کہ وہ جب چاہتا ہے کسی بھید کو مخفی کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اُسے ظاہر کر دیتا ہے۔ اسی طرح اس نے اس بھید کو اپنے وقت تک مخفی رکھا مگر اب جبکہ آنے والا آگیا اور اس کے ہاتھ میں اس سِرّ کی کلید تھی اس نے اسے کھول کر دکھا دیا۔ اب اگر کوئی نہیں مانتا اور ضد کرتا ہے تو وہ گویا اللہ تعالےٰ کا مقابلہ کرتا ہے۔

غرض وفات مسیح کا مسئلہ اب ایسا مسئلہ ہو گیا ہے کہ اس میں کسی قسم کا اخفا نہیں رہا بلکہ ہر پہلو سے صاف ہو گیا ہے۔ قرآن شریف سے مسیح کی وفات ثابت ہوتی ہے احادیث وفات کی تائید کرتی ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا واقعہ معراج موت کی تصدیق کرتا ہے اور آپ گویا چشم دید شہادت دیتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے شب معراج حضرت عیسیٰؑ کو حضرت یحییٰ کے ساتھ دیکھا۔ اور پھر آیت قل سبحان ربّی ھل کنت الاّ بشراً رسولاً[1] مسیح کو زندہ آسمان پر جانے سے روکتی ہے۔ کیونکہ جب کفار نے آپ سے آسمان پر چڑھ جانے کا معجزہ مانگا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہی جواب دیا کہ قل سبحان ربّی ھل کنت الاّ بشراً رسولاً۔ یعنی میرا رب اس وعدہ خلافی سے پاک ہے جو ایک مرتبہ تو وہ انسان کے لئے یہ قرار دے کہ وہ اسی زمین میں پیدا ہوا اور یہاں ہی مرے گا۔ فیھا تحیون و فیھا تموتون[2]۔ میں تو ایک بشر رسُول ہوں یعنی وہ بشریت میرے ساتھ موجود ہے جو آسمان پر نہیں جا سکتی۔ اور در اصل کفار کی غرض اس سوال سے یہی تھی۔ چونکہ وہ پہلے یہ سُن چکے تھے کہ انسان اسی دنیا میں جیتا اور مرتا ہے۔ اس لئے انہوں نے موقعہ پا کر سوال کیا جس کا جواب ان کو ایسا دیا گیا کہ ان کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ پس یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے کہ مسیح وفات پا چکے۔ ہاں یہ ایک معجزانہ نشان ہے کہ انہیں غفلت میں رکھا اور ہوشیاروں کو مست بنا دیا۔

یہ بھی یاد رکھو کہ جن لوگوں نے یہ زمانہ نہیں پایا وہ معذور ہیں۔ ان پر کوئی حُجت

[1] بنی اسرائیل: ۹۴ [2] الاعراف: ۲۶

پُوری نہیں ہوئی اور اس وقت اپنے اجتہاد سے جو کچھ وہ سمجھے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے اجر اور ثواب پائیں گے۔ مگر اب وقت نہیں رہا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس نقاب کو اُٹھا دیا اور اس مخفی راز کو ظاہر کر دیا ہے اور اس مسئلہ کے بُرے اور خوفناک اثروں کو تم دیکھ رہے ہو کہ اسلام تنزّل کی حالت میں ہے اور عیسائیت کا یہی ہتھیار **حیاتِ مسیح** ہے جس کو لے کر وہ اسلام پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کی ذرّیت عیسائیوں کا شکار ہو رہی ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ایسے ہی مسائل وہ لوگوں کو سُناسُنا کر برگشتہ کر رہے ہیں اور وہ خصوصیتیں جو نادانی سے مسلمان اُن کے لئے تجویز کرتے ہیں سکولوں اور کالجوں میں پیش کر کے اسلام سے جُدا کر رہے ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اب مسلمانوں کو متنبہ کیا جاوے[۱]۔

پس اس وقت چاہا ہے کہ مسلمان متنبہ ہو جاویں کہ ترقی اسلام کے لئے یہ پہلو نہایت ضروری ہے کہ مسیح کی وفات کے مسئلہ پر زور دیا جاوے اور وہ اس امر کے قائل نہ ہوں کہ مسیح زندہ آسمان پر گیا ہے۔ مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میرے مخالف اپنی بدقسمتی سے اس سِرّ کو نہیں سمجھتے اور خواہ مخواہ شور مچاتے ہیں۔ کاش یہ احمق سمجھتے کہ اگر ہم سب مل کر وفات پر زور دیں گے تو پھر یہ مذہب (عیسائی) نہیں رہ سکتا میں یقیناً کہتا ہوں کہ **اسلام کی زندگی اُسکی موت میں ہے**۔ خود عیسائیوں سے پُوچھ کر دیکھ لو کہ جب یہ ثابت ہو جاوے کہ مسیح زندہ نہیں بلکہ مر گیا ہے تو اُن کے مذہب کا کیا باقی رہ جاتا ہے؟ وہ خود اس امر کے قائل ہیں کہ یہی ایک مسئلہ ہے جو اُن کے مذہب کا استیصال کرتا ہے مگر مسلمان ہیں کہ مسیح کی حیات کے قائل ہو کر ان کو تقویت پہنچا رہے ہیں اور اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں، ان کی وہی مثال ہے ؎

یکے بر سرِ شاخ و بُن مے برید

---

[۱] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۶ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۱۷ر فروری ۱۹۰۶ء

عیسائیوں کا جو ہتھیار اسلام کے خلاف تھا۔ اسی کو ان مسلمانوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا[1] اور اپنی ناسمجھی اور کم فہمی سے چلا دیا جس سے اسلام کو اس قدر نقصان پہنچا مگر خوشی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عین وقت پر اس سے ان کو آگاہ کر دیا اور ایسا ہتھیار عطا کیا جو صلیب کے توڑنے کے واسطے بے نظیر ہے اور اس کی تائید اور استعمال کے لئے اس نے یہ سلسلہ قائم کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور تائید سے اس موت مسیح کے ہتھیار نے صلیبی مذہب کو جس قدر کمزور اور سست کر دیا ہے وہ اب چھپی ہوئی بات نہیں رہی۔ عیسائی مذہب اور اس کے حامی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کوئی فرقہ اور سلسلہ اُن کے مذہب کو ہلاک کر سکتا ہے تو وہ یہی سلسلہ ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر ایک اہلِ مذہب سے مقابلہ کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں مگر اس سلسلہ کے مقابلہ میں نہیں آتے۔ بشپ صاحب کو جب مقابلہ کی دعوت کی گئی تو ہر چند اس کو بعض انگریزی اخباروں نے بھی جوش دلایا مگر پھر بھی وہ میدان میں نہیں نکلا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے پاس عیسائیت کے استیصال کے لئے وہ ہتھیار ہیں جو دوسروں کو نہیں دیئے گئے اور اُن میں سے پہلا ہتھیار یہی موت مسیح کا ہتھیار ہے۔ موت اصلی غرض نہیں۔ یہ تو اس لئے کہ عیسائیوں کا ہتھیار تھا جس سے اسلام کا نقصان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس غلطی کا تدارک کرے چنانچہ بڑے زور کے ساتھ اس کی اصلاح کی گئی۔

اس کے علاوہ ان غلطیوں اور بدعات کو دُور کرنا بھی اصل مقصد ہے جو اسلام میں پیدا ہو گئی ہیں۔ یہ قلت تدبّر کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ اس سلسلہ میں اور دوسرے

---

[1] بدر میں ہے:۔

"تعجب ہے کہ عیسائی تو مسلمانوں کی گردن کاٹنے کے واسطے یہ ہتھیار استعمال کرتے ہیں اور مسلمان بھی اپنی گردنیں کٹوانے کے واسطے ان کی امداد میں کھڑے ہو جاتے ہیں"

(بدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶؍ جنوری ۱۹۰۶ء)

مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر موجودہ مسلمانوں کے معتقدات میں کوئی فرق نہیں آیا اور دونوں ایک ہی ہیں تو پھر کیا خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو عبث قائم کیا؟ ایسا خیال کرنا اس سلسلہ کی سخت ہتک اور اللہ تعالیٰ کے حضور ایک جرأت اور گستاخی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بار بار ظاہر کیا ہے کہ دنیا میں بہت تاریکی چھا گئی ہے۔ عملی حالت کے لحاظ سے بھی اور اعتقادی حالت کی وجہ سے بھی۔ وہ توحید جس کے لئے بیشمار نبی اور رسول دنیا میں آئے اور انہوں نے بے انتہا محنت اور سعی کی آج اس پر ایک سیاہ پردہ پڑا ہوا ہے اور لوگ کئی قسم کے شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دنیا کی محبت نہ کرو مگر اب دنیا کی محبت ہر ایک دل پر غلبہ کر چکی ہے اور جس کو دیکھو اسی محبت میں غرق ہے۔ دین کے لئے ایک تنکا بھی ہٹانے کے واسطے کہا جاوے تو وہ سوچ میں پڑ جاتا ہے اور ہزاروں عذر اور بہانے کرنے لگتا ہے۔ ہر قسم کی بدعملی اور بدکاری کو جائز سمجھ لیا گیا ہے اور ہر قسم کی منہیات پر کھلم کھلا زور دیا جاتا ہے۔ دین بالکل بیکس اور یتیم ہو رہا ہے۔ ایسی صورت میں اگر اسلام کی تائید اور نصرت نہ فرمائی جاتی تو اور کونسا وقت اسلام پر آنے والا ہے جو اس وقت مدد کی جاوے۔ اسلام تو صرف نام کو باقی رہ گیا۔ اب بھی اگر حفاظت نہ کی جاتی تو پھر اس کے مٹنے میں کیا شبہ ہو سکتا تھا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ صرف قلت تدبر کا نتیجہ ہے جو کہا جاتا ہے کہ دوسرے مسلمانوں میں کیا فرق ہے؟

اگر صرف ایک ہی بات ہوتی تو اس قدر محنت اُٹھانے کی کیا حاجت تھی۔ ایک سلسلہ قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بار بار ظاہر کر چکا ہے کہ ایسی تاریکی چھا گئی ہے کہ کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ توحید جس کا ہمیں فخر تھا اور اسلام جس پر ناز کرتا تھا وہ صرف زبانوں پر رہ گئی ہے۔ ورنہ عملی اور اعتقادی طور پر بہت ہی کم ہوں گے جو توحید کے قائل ہوں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا دُنیا کی محبت نہ کرنا۔ مگر اب ہر ایک دل اسی میں غرق ہے اور دین ایک بیکس اور یتیم کی طرح رہ گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے صاف طور پر فرمایا تھا۔ حب الدنیا رأس کل خطیئة۔ یہ کیسا پاک اور سچا کلمہ ہے۔ مگر آج دیکھ لو۔ ہر ایک اس غلطی میں مبتلا ہے۔ ہمارے مخالف آریہ اور عیسائی اپنے مذاہب کی حقیقت کو خوب سمجھ چکے ہیں لیکن اب اسے نباہنا چاہتے ہیں۔ عیسائی اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کے مذہب کے اصول و فروع اچھے نہیں۔ ایک انسان کو خدا بنانا ٹھیک نہیں۔ اس زمانہ میں فلسفہ طبعی اور سائنس کے علوم ترقی کر گئے ہیں اور لوگ خوب سمجھ گئے ہیں کہ مسیح بجز ایک ناتواں اور ضعیف انسان ہونے کے کوئی اقتداری قوت اپنے اندر نہ رکھتا تھا اور یہ ناممکن ہے کہ ان علوم کو پڑھ کر خود اپنی ذات کا تجربہ رکھ کر اور مسیح کی کمزوریوں اور ناتوانیوں کو دیکھ کر یہ اعتقاد رکھیں کہ وہ خدا تھا؟ ہرگز نہیں۔

شرک عورت سے شروع ہوا ہے اور عورت سے اس کی بنیاد پڑی ہے یعنی حوا سے جس نے خدا تعالیٰ کا حکم چھوڑ کر شیطان کا حکم مانا۔ اور شرکِ عظیم یعنی عیسائی مذہب کی حامی بھی عورتیں ہی ہیں۔ درحقیقت عیسائی مذہب ایسا مذہب ہے کہ انسانی فطرت دُور سے اس کو دھکے دیتی ہے اور وہ کبھی اس کو قبول ہی نہیں کر سکتی۔ اگر درمیان دنیا نہ ہوتی تو عیسائیوں کا گروہ کثیر آج مسلمان ہو جاتا۔ بعض لوگ عیسائیوں میں مخفی مسلمان رہے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے اسلام کو چھپایا ہے لیکن مرنے کے وقت اپنی وصیت کی اور اسلام ظاہر کیا ہے۔ ایسے لوگوں میں بڑے بڑے عہدے دار تھے۔ انہوں نے حُبِّ دنیا کی وجہ سے زندگی میں اسلام کو چھپایا لیکن آخر انہیں ظاہر کرنا پڑا۔ میں دیکھتا ہوں کہ ان دنوں میں اسلام نے راہ بنا لیا ہے اور اب وہ ترقی کر رہا ہے۔ حُبِّ دنیا نے لوگوں کو محجوب کر رکھا ہے۔

غرض مسلمانوں میں اندرُونی تفرقہ کا موجب بھی یہی حبِّ دنیا ہی ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر محض اللہ تعالیٰ کی رضا مقدم ہوتی تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا تھا کہ فلاں فرقے کے اصول زیادہ صاف ہیں اور وہ انہیں قبول کر کے ایک ہو جاتے۔ اب جبکہ حُبِّ دنیا کی وجہ

سے یہ خرابی پیدا ہو رہی ہے تو ایسے لوگوں کو کیسے مسلمان کہا جا سکتا ہے جبکہ ان کا قدم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا تھا قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔[1] یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا۔ اب اس حُبّ اللہ کی بجائے اور اتباع رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بجائے حبّ الدُّنیا کو مقدم کیا گیا ہے۔ کیا یہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے؟ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دنیادار تھے؟ کیا وہ سُود لیا کرتے تھے؟ یا فرائض اور احکام الٰہی کی بجاآوری میں غفلت کیا کرتے تھے؟ کیا آپ میں معاذ اللہ نفاق تھا مداہنہ تھا؟ دنیا کو دین پر مقدم کرتے تھے؟ غور کرو۔ اتباع تو یہ ہے کہ آپ کے نقش قدم پر چلو اور پھر دیکھو کہ خدا تعالیٰ کیسے کیسے فضل کرتا ہے۔ صحابہؓ نے وہ چلن اختیار کیا تھا۔ پھر دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کہاں سے کہاں پہنچایا۔ انہوں نے دُنیا پر لات ماردی تھی اور بالکل حُبّ دنیا سے الگ ہو گئے تھے۔ اپنی خواہشوں پر ایک موت وارد کر لی تھی۔ اب تم اپنی حالت کا ان سے مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ کیا انہیں کے قدموں پر ہو؟ افسوس اس وقت لوگ نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ ان سے کیا چاہتا ہے۔ رأس کل خطیئۃ نے بہت سے بچے دے دیئے ہیں۔ کوئی شخص عدالت میں جاتا ہے تو دو آنے لے کر جھوٹی گواہی دے دینے میں ذرا شرم و حیا نہیں کرتا۔ کیا وکلاء قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ سارے کے سارے گواہ سچے پیش کرتے ہیں۔ آج دنیا کی حالت بہت نازک ہو گئی ہے۔ جس پہلو اور رنگ سے دیکھو جھوٹے گواہ بنائے جاتے ہیں۔ جھوٹے مقدمہ کرنا تو بات ہی کچھ نہیں جھوٹے اسناد بنا لئے جاتے ہیں۔ کوئی امر بیان کریں گے تو سچ کا پہلو بچا کر بولیں گے۔ اب کوئی ان لوگوں سے جو اس سلسلہ کی ضرورت نہیں سمجھتے پوچھے کہ کیا یہی وہ دین تھا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تو جھوٹ کو نجاست کہا تھا کہ اس سے پرہیز کرو۔ فاجتنبوا الرجس من الاوثان و اجتنبوا قول الزور۔[2] بُت پرستی کے ساتھ اس جھوٹ کو ملایا ہے جیسا احمق انسان اللہ تعالیٰ

[1] آل عمران : ۳۲ [2] الحج : ۳۱

کو چھوڑ کر پتھر کی طرف سر جھکاتا ہے ویسے ہی صدق اور راستی کو چھوڑ کر اپنے مطلب کے لئے جھوٹ کو بُت بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بُت پرستی کے ساتھ ملایا اور اس سے نسبت دی جیسے ایک بُت پرست بُت سے نجات چاہتا ہے۔ جھوٹ بولنے والا بھی اپنی طرف سے بُت بناتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس بُت کے ذریعہ نجات ہو جاوے گی۔ کیسی خرابی آ کر پڑی ہے۔ اگر کہا جاوے کہ کیوں بُت پرست ہوتے ہو۔ اس نجاست کو چھوڑ دو۔ تو کہتے ہیں کیونکر چھوڑ دیں اس کے بغیر گذارہ نہیں ہو سکتا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بدقسمتی ہوگی کہ جھوٹ پر اپنا مدار سمجھتے ہیں مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آخر سچ ہی کامیاب ہوتا ہے۔ بھلائی اور فتح اسی کی ہے۔

مجھے یاد ہے کہ میں نے ایک مرتبہ امرتسر ایک مضمون بھیجا۔ اس کے ساتھ ہی ایک خط بھی تھا۔ رلیا رام کے وکیل ہند اخبار کے متعلق تھا۔ میرے اس خط کو خلاف قانون ڈاکخانہ قرار دے کر مقدمہ بنایا گیا۔ وکلاء نے بھی کہا کہ اس میں بجز اس کے رہائی نہیں جو اس خط سے انکار کر دیا جاوے۔ گویا جھوٹ کے سوا بچاؤ نہیں۔ مگر میں نے اس کو ہرگز پسند نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ اگر سچ بولنے سے سزا ہوتی ہے تو ہونے دو جھوٹ نہیں بولوں گا۔ آخر وہ مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔ ڈاکخانوں کا افسر بحیثیت مدعی حاضر ہوا۔ مجھ سے جس وقت اس کے متعلق پوچھا گیا تو میں نے صاف طور پر کہا کہ یہ میرا خط ہے مگر میں نے اس کو جزو مضمون سمجھ کر اس میں رکھا ہے۔ مجسٹریٹ کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بصیرت دی ڈاکخانوں کے افسر نے بہت زور دیا مگر اس نے ایک نہ سُنی اور مجھے رخصت کر دیا۔[1]

---

[1] بد ۱۰ میں یہ واقعہ زیادہ تفصیل کے ساتھ یوں درج ہے ۔

"تخمیناً ۲۷ یا ۲۸ سال کا عرصہ گذرا ہوگا یا شائد اس سے کچھ زیادہ ہو کہ اس عاجز نے اسلام کی تائید میں آریوں کے مقابل پر ایک عیسائی کے مطبع میں جس کا نام رلیا رام تھا اور وکیل بھی تھا اور امرتسر میں رہتا تھا اور اس کا ایک اخبار بھی نکلتا تھا ایک

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں کیونکر کہوں کہ جھوٹ کے بغیر گذارہ نہیں۔ ایسی باتیں نری بیہودگیاں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ سچ کے بغیر گذارہ نہیں۔ میں اب تک بھی جب اپنے اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں تو ایک مزا آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پہلو کو اختیار کیا۔ اس نے ہماری رعائت رکھی۔ اور ایسی رعائت رکھی جو بطور نشان کے ہوگئی۔ من یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہٗ[1]

یقیناً یاد رکھو جھوٹ جیسی کوئی منحوس چیز نہیں۔ عام طور پر دنیادار کہتے ہیں کہ سچ بولنے والے گرفتار ہو جاتے ہیں مگر میں کیونکر اس کو باور کروں؟ مجھ پر سات مقدمے

بقیہ حاشیہ:

مضمون بغرض طبع ہونے کے ایک پیکٹ کی صورت میں جس کی دونو طرفیں کھلی تھیں بھیجا۔ اور اس پیکٹ میں ایک خط بھی رکھ دیا۔ چونکہ خط میں ایسے الفاظ تھے جن میں اسلام کی تائید اور دوسرے مذاہب کے بطلان کی طرف اشارہ تھا اور مضمون کے چھاپ دینے کے لئے تاکید بھی تھی اس لئے وہ عیسائی مخالفت مذہب کی وجہ سے افروختہ ہوا۔ اور اتفاقاً اس کو دشمنانہ حملہ کے لئے یہ موقعہ ملا کہ کسی علیحدہ خط کا پیکٹ میں رکھنا قانوناً ایک جُرم تھا جس کی اس عاجز کو کچھ بھی اطلاع نہ تھی اور ایسے جُرم کی سزا میں قوانین ڈاک کی رُو سے پانسو روپیہ جُرمانہ یا چھ ماہ تک قید ہے۔ سو اس نے مخبر بن کر افسران ڈاک سے اس عاجز پر مقدمہ دائر کرا دیا اور قبل اس کے جو مجھے اس مقدمہ کی کچھ اطلاع ہو۔ رؤیا میں اللہ تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا کہ رلیارام وکیل نے ایک سانپ میرے کاٹنے کے لئے مجھ کو بھیجا ہے اور میں نے اُسے مچھلی کی طرح تل کر واپس بھیجدیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آخر وہ مقدمہ جس طرز سے عدالت میں فیصلہ پایا وہ ایک ایسی نظیر ہے جو وکیلوں کے کام آسکتی ہے۔

غرض میں اس جُرم میں صدر ضلع گورداسپور میں طلب کیا گیا اور جن جن وکلاء سے مقدمہ کے لئے مشورہ لیا گیا انہوں نے یہی مشورہ دیا کہ بجز دروغگوئی کے اور کوئی راہ نہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] الطلاق: ۴

ہوئے ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے کسی ایک میں بھی مجھے جھوٹ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ کوئی بتائے کہ کسی ایک میں بھی خدا تعالیٰ نے مجھے شکست دی ہو۔ اللہ تعالیٰ تو آپ سچائی کا حامی اور مددگار ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ راستباز کو سزا دے؟ اگر ایسا ہو تو دُنیا میں پھر کوئی شخص سچ بولنے کی جُرأت نہ کرے اور خدا تعالیٰ پر سے ہی اعتقاد اُٹھ جاوے۔ راستباز تو زندہ ہی مر جاویں۔

اصل بات یہ ہے کہ سچ بولنے سے جو سزا پاتے ہیں وہ سچ کی وجہ سے نہیں ہوتی۔

حاشیہ

اور یہ صلاح دی کہ اس طرح اظہار دے دو کہ ہم نے پیکٹ میں خط نہیں ڈالا۔ رلیارام نے خود ڈال دیا ہوگا اور نیز بطور تسلی دہی کے کہا کہ ایسا بیان کرنے سے شہادت پر فیصلہ ہو جائے گا اور دو چار جھوٹے گواہ دے کر بریّت ہو جائے گی ورنہ صورت مقدمہ سخت مشکل ہے اور کوئی طریق رہائی نہیں۔ مگر میں نے ان سب کو جواب دیا کہ میں کسی حالت میں راستی کو چھوڑنا نہیں چاہتا جو ہوگا سو ہوگا۔ تب اسی دن یا دوسرے دن مجھے ایک انگریز کی عدالت میں پیش کیا گیا اور میرے مقابل پر ڈاکخانہ جات کا افسر بحیثیت سرکاری مدعی ہونے کے حاضر ہوا۔ اس وقت حاکم عدالت نے اپنے ہاتھ سے میرا اظہار لکھا۔ اور سب سے پہلے مجھ سے یہی سوال کیا کہ کیا یہ خط تم نے اپنے پیکٹ میں رکھ دیا تھا اور یہ خط اور یہ پیکٹ تمہارا ہے؟ تب میں نے بلاتوقف جواب دیا کہ یہ میرا ہی خط اور میرا ہی پیکٹ ہے اور میں نے اس خط کو پیکٹ کے اندر رکھ کر روانہ کیا تھا مگر میں نے گورنمنٹ کی نقصان رسانی محصول کے لئے بدنیتی سے یہ کام نہیں کیا بلکہ میں نے اس خط کو اس مضمون سے کچھ علیحدہ نہیں سمجھا اور نہ اس میں کوئی نج کی بات تھی۔ اس بات کو سُنتے ہی خدا تعالیٰ نے اس انگریز کے دل کو میری طرف پھیر دیا اور میرے مقابل پر افسر ڈاکخانہ جات نے بہت شور مچایا اور لمبی لمبی تقریریں انگریزی میں کیں جن کو میں نہیں سمجھتا تھا۔ مگر اس قدر میں

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

وہ سزا اُن کی بعض اَور مخفی در مخفی بدکاریوں کی ہوتی ہے اور کسی اور جھوٹ کی ہوتی ہے خدا تعالیٰ کے پاس تو ان کی بدیوں اور شرارتوں کا ایک سلسلہ ہوتا ہے۔ ان کی بہت سی خطائیں ہوتی ہیں اور کسی نہ کسی میں وہ سزا پا لیتے ہیں۔

میرے ایک استاد گل علی شاہ بٹالے کے رہنے والے تھے۔ وہ شیر سنگھ کے بیٹے پرتاپ سنگھ کو بھی پڑھایا کرتے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ شیر سنگھ نے اپنے باورچی کو محض نمک مرچ کی زیادتی پر بہت مارا تو چونکہ وہ بڑے سادہ مزاج تھے انہوں نے کہا کہ آپ نے بڑا ظلم کیا۔ اس پر شیر سنگھ نے کہا۔ مولوی جی کو خبر نہیں۔ اس نے میرا سو بکرا کھایا ہے اسی طرح پر انسان کی بدکاریوں کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے اور وہ کسی ایک موقعہ پر پکڑا جا کر سزا پاتا ہے[1]۔ جو شخص سچائی اختیار کرے گا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ذلیل ہو اس لئے کہ وہ خدا

سمجھتا تھا کہ ہر ایک تقریر کے بعد زبان انگریزی میں وہ حاکم نو نو کر کے اس کی سب باتوں کو رد کر دیتا تھا۔ انجام کار جب وہ افسر مدعی اپنی تمام وجوہ پیش کر چکا اور اپنے تمام بخارات نکال چکا تو حاکم نے فیصلہ لکھنے کی طرف توجہ کی اور شاید سطر یا ڈیڑھ سطر لکھ کر مجھ کو کہا کہ اچھا آپ کے لئے رخصت۔ یہ سُنکر میں عدالت کے کمرہ سے باہر ہوا اور اپنے محسن حقیقی کا شکر بجا لایا جس نے ایک افسر انگریز کے مقابل پر مجھ کو ہی فتح بخشی اور میں خوب جانتا ہوں کہ اس وقت صدق کی برکت سے خدا تعالیٰ نے اس بلا سے مجھ کو نجات دی۔ میں نے اس سے پہلے یہ خواب بھی دیکھی تھی کہ ایک شخص نے میری ٹوپی اتارنے کیلئے ہاتھ مارا۔ میں نے کہا کیا کرنے لگا ہے ؟ تب اُس نے ٹوپی کو میرے سر پر ہی رہنے دیا کہ خیر ہے۔ خیر ہے۔ (بدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳ مورخہ ۲ فروری ۱۹۰۶ء)

[1] بدر میں ہے

" انسان گناہ کسی اَور موقعہ پر کرتا ہے اور پکڑا کسی اور موقعہ پر جاتا ہے "

(بدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۳ مورخہ ۹ فروری ۱۹۰۶ء)

تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کی حفاظت جیسا اور کوئی محفوظ قلعہ اور حصار نہیں۔ لیکن ادھوری بات فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ جب پیاس لگی ہوئی ہو تو صرف ایک قطرہ پی لینا کفایت کرے گا یا شدت بھوک کے وقت ایک دانہ یا لقمہ سے سیر ہو جاوے گا۔ بالکل نہیں۔ بلکہ جب تک پُورا سیر ہو کر پانی نہ پیئے یا کھانا نہ کھالے تسلّی نہ ہوگی۔ اسی طرح پر جب تک اعمال میں کمال نہ ہو وہ ثمرات اور نتائج پیدا نہیں ہوتے جو ہونے چاہئیں۔ ناقص اعمال اللہ تعالیٰ کو خوش نہیں کر سکتے اور نہ وہ بابرکت ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہی وعدہ ہے کہ میری مرضی کے موافق اعمال کرو پھر میں برکت دُوں گا۔

غرض یہ باتیں دنیادار خود ہی بنا لیتے ہیں کہ جھوٹ اور فریب کے بغیر گذارہ نہیں۔ کوئی کہتا ہے فلاں شخص نے مقدمہ میں سچ بولا تھا اس لئے چار برس کو دھرا گیا۔ میں پھر کہوں گا کہ یہ سب خیالی باتیں ہیں جو عدم معرفت سے پیدا ہوتی ہیں ؎

کسبِ کمال کُن کہ عزیزِ جہاں شوی

یہ نقص کے نتیجے ہیں۔ کمال ایسے ثمرات پیدا نہیں کرتا۔ ایک شخص اگر موٹی سی کھدر کی چادر میں کوئی توپا بھرے تو اس سے وہ درزی نہیں بن جاوے گا۔ اور یہ لازم نہ آئے گا کہ اعلیٰ درجہ کے ریشمی کپڑے بھی وہ سی لے گا۔ اگر اس کو ایسے کپڑے دیئے جاویں تو نتیجہ یہی ہوگا کہ وہ انہیں برباد کر دے گا۔ پس ایسی نیکی جس میں گند ملا ہوا ہو کسی کام کی نہیں خدا تعالیٰ کے حضور اس کی کچھ قدر نہیں۔ لیکن یہ لوگ اس پر ناز کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ نجات چاہتے ہیں۔ اگر اخلاص ہو تو اللہ تعالیٰ تو ایک ذرّہ بھی کسی نیکی کو ضائع نہیں کرتا۔ اس نے تو خود فرمایا ہے مَن یعمل مثقال ذرّةٍ خیرًا یرہٗ[1]۔ اس لئے اگر ذرہ بھر نیکی ہو تو اللہ تعالیٰ سے اس کا اجر پائے گا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس قدر نیکی کر کے پھل نہیں ملتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس میں اخلاص نہیں آیا ہے۔ اعمال کے لئے اخلاص شرط ہے جیسا کہ

[1] الزلزال : ۸

فرمایا مخلصین لہ الدین۔[2] یہ اخلاص ان لوگوں میں ہوتا ہے جو ابدال[1] ہیں۔

یہ لوگ ابدال ہو جاتے ہیں اور وہ اس دنیا کے نہیں رہتے۔ اُن کے ہر کام میں ایک خلوص اور اہلیت ہوتی ہے۔ لیکن دنیاداروں کا تو یہ حال ہے کہ وہ خیرات بھی کرتے ہیں تو اس کے لئے تعریف اور تحسین چاہتے ہیں۔ اگر کسی نیک کام میں کوئی چندہ دیتا ہے تو غرض یہ ہے کہ اخبارات میں اس کی تعریف ہو۔ لوگ تعریف کریں۔ اس نیکی کو خدا تعالیٰ سے کیا تعلق؟ بہت لوگ شادیاں کرتے ہیں۔ اس وقت سارے گاؤں میں روٹی دیتے ہیں مگر خدا کے لئے نہیں صرف نمائش اور تعریف کے لئے۔ اگر ریا نہ ہوتی اور محض شفقت علی خلق اللہ کے لحاظ سے یہ فعل ہوتا اور خالص خدا کے لئے تو ولی ہو جاتے۔ لیکن چونکہ ان کاموں کو خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق اور غرض نہیں ہوتی اس لئے کوئی اور بابرکت اثر ان میں پیدا نہیں ہوتا۔

یہ خوب یاد رکھو کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے لئے ہو جاوے خدا تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کسی کے دھوکے میں نہیں آتا۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ ریاکاری اور فریب سے خدا تعالیٰ کو ٹھگ لوں گا تو یہ حماقت اور نادانی ہے۔ وہ خود ہی دھوکہ کھا رہا ہے۔ دنیا کی زیب، دنیا کی محبت ساری خطاکاریوں کی جڑ ہے۔ اس میں اندھا ہو کر انسان انسانیت سے نکل جاتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ میں کیا کر رہا ہوں اور مجھے کیا کرنا چاہیئے تھا۔ جس حالت میں عقلمند انسان کسی کے دھوکا میں نہیں آسکتا تو اللہ تعالیٰ کیونکر کسی کے دھوکہ میں آسکتا ہے۔ مگر ایسے افعالِ بد کی جڑ دنیا کی محبت ہے اور سب سے بڑا گناہ جس نے اس وقت مسلمانوں کو تباہ حال کر رکھا ہے اور جس میں وہ مبتلا ہیں وہ یہی دنیا کی محبت ہے۔ سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر وقت لوگ اسی غم و ہم میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور اُس وقت کا لحاظ اور خیال بھی نہیں کہ جب قبر میں رکھے جاویں گے۔ ایسے لوگ اگر اللہ

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۱۷ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۶ء

[2] البیّنة: ۶

تعالیٰ سے ڈرتے اور دین کے لئے ذرا بھی ہم وغم رکھتے تو بہت کچھ فائدہ اُٹھا لیتے۔
سعدی کہتا ہے ؎

گر د زیرہ از خدا بنر سیدے

ملازم لوگ تھوڑی سی نوکری کے لئے اپنے کام میں کیسے چُست و چالاک ہوتے ہیں لیکن جب نماز کا وقت آتا ہے تو ذرا ٹھنڈا پانی دیکھ کر ہی رہ جاتے ہیں۔ ایسی باتیں کیوں پیدا ہوتی ہیں؟ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ کی عظمت دل میں نہیں ہوتی۔ اگر خدا تعالےٰ کی کچھ بھی عظمت ہو اور مرنے کا خیال اور یقین ہو تو ساری سُستی اور غفلت جاتی رہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی عظمت کو دل میں رکھنا چاہیئے اور اس سے ہمیشہ ڈرنا چاہیئے۔ اس کی گرفت خطرناک ہوتی ہے۔ وہ چشم پوشی کرتا ہے اور درگذر فرماتا ہے لیکن جب کسی کو پکڑتا ہے تو پھر بہت سخت پکڑتا ہے یہانتک کہ لایخاف عقبٰہا[1]۔ پھر وہ اس امر کی بھی پروا نہیں کرتا کہ اس کے پچھلوں کا کیا حال ہوگا۔ برخلاف اس کے جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اس کی عظمت کو دل میں جگہ دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کو عزت دیتا اور خود اُن کے لئے ایک سپر ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے من کان ﷲ کان اللہ لہٗ۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جاوے اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ جو لوگ اس طرف توجہ بھی کرتے ہیں اور خدا تعالےٰ کی طرف آنا چاہتے ہیں ان میں سے اکثر یہی چاہتے ہیں کہ ہتھیلی پر سرسوں جما دی جاوے۔ وہ نہیں جانتے کہ دین کے کاموں میں کس قدر صبر اور حوصلہ کی حاجت ہے اور تعجب تو یہ ہے کہ وہ دنیا جس کے لئے وہ رات دن مرتے اور ٹکریں مارتے ہیں اس کے کاموں کے لئے تو برسوں انتظار کرتے ہیں۔ کسان بیج بو کر کتنے عرصہ تک منتظر رہتا ہے۔ لیکن دین کے کاموں میں آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ پھُونک مار کر ولی بنا دو اور پہلے ہی دن چاہتے ہیں کہ عرش پر پہنچ جاویں۔ حالانکہ نہ اس راہ میں کوئی محنت اور مشقت اُٹھائی اور نہ کسی ابتلا کے نیچے آیا۔

[1] الشمس ۱۶

خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون اور آئین نہیں ہے۔ یہاں ہر ترقی تدریجی ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ نری اتنی باتوں سے خوش نہیں ہو سکتا کہ ہم کہدیں ہم مسلمان ہیں یا مومن ہیں۔ چنانچہ اس نے فرمایا ہے اَحسب النّاس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنّا وھم لا یفتنون۔[1] یعنی کیا یہ لوگ گمان کر بیٹھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اتنا ہی کہنے پر راضی ہو جاوے اور یہ لوگ چھوڑ دیئے جاویں کہ وہ کہدیں ہم ایمان لائے اور ان کی کوئی آزمائش نہ ہو۔ یہ امر سنّت اللہ کے خلاف ہے کہ پھونک مار کر ولی اللہ بنا دیا جاوے۔ اگر یہی سُنّت ہوتی تو پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے اور اپنے جان نثار صحابہؓ کو پھونک مار کر ولی بنا دیتے۔ ان کو امتحان میں ڈلوا کر اُن کے سر نہ کٹواتے اور خدا تعالیٰ ان کی نسبت یہ نہ فرماتا منھم من قضٰی نحبہٗ ومنھم من ینتظر وما بدّلوا تبدیلا۔[2]

پس جب دنیا بغیر مشکلات اور محنت کے ہاتھ نہیں آتی تو عجیب بے وقوف ہے وہ انسان جو دین کو حلوۂ بے دُود سمجھتا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ دین سہل ہے مگر ہر نعمت مشقت کو چاہتی ہے۔ ہاں اسلام نے تو ایسی مشقت کبھی نہیں رکھی۔ ہندوؤں میں دیکھو کہ ان کے جوگیوں اور سنیاسیوں کو کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔ کہیں ان کی کمریں ماری جاتی ہیں۔ کوئی ناخن بڑھاتا ہے۔ ایسا ہی عیسائیوں میں رہبانیت تھی۔ اسلام نے ان باتوں کو نہیں رکھا بلکہ اس نے یہ تعلیم دی قد افلح من زکّٰھا۔[3] یعنی نجات پا گیا وہ شخص جس نے تزکیہ نفس کیا۔ یعنی جس نے ہر قسم کی بدعت، فسق و فجور، نفسانی جذبات سے خدا تعالیٰ کے لئے الگ کر لیا اور ہر قسم کی نفسانی لذّات کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی راہ میں تکالیف کو مقدم کر لیا ایسا شخص فی الحقیقت نجات یافتہ ہے جو خدا تعالیٰ کو مقدم کرتا ہے اور دنیا اور اس کے تکلفات کو چھوڑتا ہے۔[1]

---

[1] بدر سے :-

"جس نے دین کو مقدم کیا وہ خدا کے ساتھ مل گیا۔ نفس کو خاک کے ساتھ ملا دینا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

---

[1] العنکبوت : ۳ [2] الاحزاب : ۲۴ [3] الشمس : ۱۰

اور پھر فرمایا قد خاب من دسّٰھا۔[1] مٹی کے برابر ہو گیا وہ شخص جس نے نفس کو آلودہ کر لیا یعنی جو زمین کی طرف جُھک گیا۔ گویا یہ ایک ہی فقرہ قرآن کریم کی ساری تعلیمات کا خلاصہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کس طرح خدا تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ یہ بالکل سچی اور پکّی بات ہے کہ جب تک انسان قویٰ بشریہ کے بُرے طریق کو نہیں چھوڑتا۔ اس وقت تک خدا نہیں ملتا۔ دنیا کی گندگیوں سے نکلنا چاہتے ہو اور خدا تعالیٰ کو ملنا چاہتے ہو تو ان لذّات کو ترک کرو۔ ورنہ ؎

ہم خدا خواہی و ہم دُنیائے دُوں
ایں خیال است و مُحال است و جنُوں

انسان کی فطرت میں دراصل بدی نہ تھی اور نہ کوئی چیز بُری ہے لیکن بداستعمالی بُری بنا دیتی ہے۔ مثلاً ریا ہی کو لو۔ یہ بھی دراصل بُری نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی کام محض خدا تعالیٰ کے لئے کرتا ہے اور اس لئے کرتا ہے کہ اس نیکی کی تحریک دوسروں کو بھی ہو۔ تو یہ ریا بھی نیکی ہے۔

ریا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دُنیا کے لئے۔ مثلاً کوئی شخص نماز پڑھا رہا ہے۔ اور پیچھے کوئی بڑا آدمی آگیا اس کے خیال اور لحاظ سے نماز کو لمبا کرنا شروع کر دیا۔ ایسے موقعہ پر بعض آدمیوں پر ایسا رُعب پڑ جاتا ہے کہ وہ بھُول بھُول جاتے ہیں۔ یہ بھی ایک قسم ریا کی ہے جو ہر وقت ظاہر نہیں ہوتی مگر اپنے وقت پر جیسے بھوک کے وقت روٹی کھاتا ہے یا پیاس کے وقت پانی پیتا ہے۔ مگر برخلاف اس کے جو شخص محض اللہ تعالیٰ کے لئے نماز کو سنوار سنوار کر پڑھتا ہے وہ ریا میں داخل نہیں۔ بلکہ چاہیئے۔ خدا تعالےٰ کو ہر بات میں مقدم کرنا چاہیئے۔ یہی دین کا خلاصہ ہے جتنے بُرے طریق ہیں ان سب کو ترک کر دینا چاہیئے۔ تب خدا ملتا ہے۔"

(بدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۳ مورخہ ۹ فروری ۱۹۰۶ء)

[1] الشمس: ۱۱

رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ غرض ریا کے بھی محل ہوتے ہیں۔ اور انسان ایسا جانور ہے کہ بے محل عیوب پر نظر نہیں کرتا۔ مثلاً ایک شخص اپنے آپ کو بڑا عفیف اور پارسا سمجھتا ہے، راستہ میں اکیلا جا رہا ہے۔ راستہ میں وہ ایک تھیلی جواہرات کی پڑی پاتا ہے وہ اسے دیکھتا ہے اور سوچتا ہے کہ مداخلت کی کوئی بات نہیں۔ کوئی دیکھتا نہیں۔ اگر یہ اس وقت اس پر گرتا نہیں اور سمجھتا ہے کہ غیر کا حق ہوگا اور روپیہ جو گرا ہوا ہے آخر کسی کا ہے۔ ان باتوں کو سوچ کر اگر اس پر نہیں گرتا اور لالچ نہیں کرتا تو فی الحقیقت پوری عفت اور تقویٰ سے کام لیتا ہے۔ ورنہ اگر نرا دعویٰ ہی ہے تو اس وقت اس کی حقیقت کھل جاوے گی اور وہ اسے لے لے گا۔

اسی طرح ایک شخص جس کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ ریا نہیں کرتا۔ جب ریا کا وقت ہو اور وہ نہ کرے تو ثابت ہوگا کہ نہیں کرتا۔ لیکن جیسا کہ ابھی میں نے ذکر کیا بعض اوقات ان عادتوں کا محل ایسا ہوتا ہے کہ وہ بدل کر نیک ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ نماز جو با جماعت پڑھتا ہے اس میں بھی ایک ریا تو ہے۔ لیکن انسان کی غرض اگر نمائش ہی ہو تو بیشک ریا ہے اور اگر اس سے غرض اللہ اور اس کے رسُول کی فرمانبرداری مقصود ہے تو یہ ایک عجیب نعمت ہے۔ پس مسجدوں میں بھی نمازیں پڑھو اور گھروں میں بھی۔ ایسا ہی ایک جگہ دین کے کام کے لئے چندہ ہو رہا ہو۔ ایک شخص دیکھ رہا ہے کہ لوگ بیدار نہیں ہوتے اور خاموش ہیں۔ وہ محض اس خیال سے کہ لوگوں کو تحریک ہو سب سے پہلے چندہ دیتا ہے بظاہر یہ ریا ہوگی لیکن ثواب کا باعث ہوگی۔

اسی طرح خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے لا تمش فی الارض مرحاً[1] زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔ لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ایک جنگ میں ایک شخص اکڑ کر اور سینہ نکال کر چلتا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ فعل ناپسند ہے لیکن اس وقت اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے۔ پس مہ

[1] بنی اسرائیل: ۳۸

گر حفظ مراتب نہ کُنی زندیقی

غرض خُلق محل پر مومن اور غیر محل پر کافر بنا دیتا ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ کوئی خُلق بُرا نہیں بلکہ بد استعمالی سے بُرے ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غُصّہ کے متعلق آیا ہے کہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ قبل از اسلام آپ بڑے غصہ ور تھے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ غُصّہ تو وہی ہے۔ البتہ پہلے بے ٹھکانے چلتا تھا مگر اب ٹھکانے سے چلتا ہے۔ اسلام ہر ایک قوت کو اپنے محل پر استعمال کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ پس یہ کبھی کوشش مت کرو کہ تمہارے قویٰ جاتے رہیں بلکہ ان قویٰ کا صحیح استعمال سیکھو۔

یہ سب جھُوٹے اور خیالی عقائد ہیں جو کہتے ہیں کہ ہماری تعلیم یہ ہے کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دو۔ ممکن ہے یہ تعلیم اس وقت مختص المکان اور مختص الزمان کی طرح ہو۔ ہمیشہ کے لئے یہ قانُون نہ کبھی ہو سکتا ہے اور نہ یہ چل سکتا ہے۔ اس لئے کہ انسان ایک ایسے درخت کی طرح ہے جس کی شاخیں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر اس کی ایک ہی شاخ کی پروا کی جاوے تو باقی شاخیں تباہ اور برباد ہو جائیں گی عیسائی مذہب کی اس تعلیم میں جو نقص ہے وہ بخوبی ظاہر ہے۔ اس سے انسان کے تمام قویٰ کی نشو و نما کیونکر ہو سکتی ہے۔ اگر صرف درگذر ہی ایک عمدہ چیز ہوتی تو پھر **انتقامی قوت** اس کی قوتوں میں کیوں رکھی گئی ہے؟ اور کیوں پھر اس درگذر کی تعلیم پر عمل نہیں کیا جاتا؟ مگر برخلاف اس کے کامل تعلیم وہ ہے جو اسلام نے پیش کی اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو ملی ہے اور وہ یہ ہے:۔

جزٰؤا سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا واصلح فاجرہ علے اللّٰہ[1]

یعنی بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے جو کی گئی ہو۔ لیکن جو شخص گناہ کو بخش دے اور ایسے موقعہ پر بخش دے کہ اس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو، کوئی شر پیدا نہ ہوتا ہو تو اس

[1] الشوریٰ: ۴۱

کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا ہرگز یہ منشا نہیں کہ خواہ نخواہ ضرور ہر مقام پر شر کا مقابلہ نہ کیا جاوے اور انتقام نہ لیا جاوے بلکہ منشاء الٰہی یہ ہے کہ محل اور موقعہ کو دیکھنا چاہیئے کہ آیا وہ موقعہ گناہ کے بخش دینے اور معاف کر دینے کا ہے یا سزا دینے کا۔ اگر اس وقت سزا دینا ہی مصلحت ہو تو اس قدر سزا دی جاوے جو سزاوار ہے اور اگر عفو کا محل ہے تو سزا کا خیال چھوڑ دو۔

یہ خوبی ہے اس تعلیم میں کیونکہ وہ ہر پہلو کا لحاظ رکھتی ہے۔ اگر انجیل پر عمل کر کے ہر شریر اور بدمعاش کو چھوڑ دیا جاوے تو دنیا میں اندھیر مچ جاوے۔ پس تم ہمیشہ یہی خیال رکھو کہ تمام قویٰ کو مُردہ مت تصور کرو۔ تمہاری کوشش یہ ہو کہ محل پر استعمال کرو۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ یہ تعلیم ایسی ہے جس نے انسانی قویٰ کے نقشہ کو کھینچ کر دکھا دیا ہے۔ مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جو عیسائیوں کی میٹھی میٹھی باتیں سُنکر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور اسلام جیسی نعمت کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ صادق ہر حالت میں دوسروں کے واسطے شیریں ظاہر نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ ماں ہر وقت بچے کو کھانے کے واسطے شیرینی نہیں دے سکتی بلکہ وقت ضرورت کڑوی روائی بھی دیتی ہے۔ ایسا ہی ایک صادق مصلح کا حال ہے۔ یہی تعلیم ہر پہلو پر مبارک تعلیم ہے۔ خدا ایسا ہے کہ سچا خدا ہے۔ ہمارے خدا پر عیسائی بھی ایمان لاتے ہیں۔ جو صفات ہم خدا تعالیٰ کی مانتے ہیں وہ سب کو ماننے پڑتے ہیں۔ پادری فنڈر ایک جگہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ اگر کوئی ایسا جزیرہ ہو جہاں عیسائیت کا وعظ نہیں پہنچا تو قیامت کے دن ان لوگوں سے کیا سوال ہوگا؟ تب خود ہی جواب دیتا ہے کہ ان سے یہ سوال نہ ہوگا کہ تم یسوع پر اور اس کے کفارہ پر ایمان لائے تھے یا نہ لائے تھے بلکہ ان سے یہی سوال ہوگا کہ کیا تم خدا کو مانتے ہو جو اسلام کی صفات کا خدا

واحد لاشریک ہے۔

اسلام کا خدا وہ خدا ہے کہ ہر ایک جنگل میں رہنے والا فطرتاً مجبور ہے کہ اس پر ایمان لائے۔ ہر ایک شخص کا کانشنس اور نورِ قلب گواہی دیتا ہے کہ وہ اسلامی خدا پر ایمان لائے۔ اس حقیقت اسلام کو اور اصل تعلیم کو جس کی تفصیل کی گئی، آجکل کے مسلمان بھول گئے ہیں اور اسی بات کو پھر قائم کر دینا ہمارا کام ہے اور یہی ایک عظیم الشان مقصد ہے جس کو لے کر ہم آئے ہیں۔

ان امور کے علاوہ جو اُوپر بیان کئے گئے اَور بھی علمی اعتقادی غلطیاں مسلمانوں کے درمیان پھیل رہی ہیں جن کا دُور کرنا ہمارا کام ہے۔ مثلاً ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ عیسٰی اور اس کی ماں مسِّ شیطان سے پاک ہیں اور باقی سب نعوذ باللہ پاک نہیں ہیں۔ یہ ایک صریح غلطی ہے بلکہ کفر ہے اور اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سخت اہانت ہے۔ ان لوگوں میں ذرہ بھی غیرت نہیں جو اس قسم کے مسائل گھڑ لیتے ہیں اور اسلام کو بے عزت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام سے بہت دُور ہیں۔ اصل میں یہ مسئلہ اس طرح سے ہے کہ قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ پیدائش دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک مسِّ رُوح القدس سے اور ایک مسِّ شیطان سے۔ تمام نیک اور راستباز لوگوں کی اولاد مسِّ رُوح القدس سے ہوتی ہے اور جو اولاد بدی کا نتیجہ ہوتی ہے وہ مسِّ شیطان سے ہوتی ہے۔ تمام انبیاء مسِّ رُوح القدس سے پیدا ہوئے تھے مگر چونکہ حضرت عیسٰی کے متعلق یہودیوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ وہ نعوذ باللہ ولد الزنا ہیں اور مریم کا ایک اور سپاہی پنڈارا نام کے ساتھ تعلق ناجائز کا ذریعہ ہیں اور مسِّ شیطان کا نتیجہ ہیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمہ سے یہ الزام دُور کرنے واسطے ان کے متعلق یہ شہادت دی تھی کہ ان کی پیدائش بھی مسِّ رُوح القدس سے تھی۔ چونکہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء

کے متعلق کوئی اس قسم کا اعتراض نہ تھا۔ اس واسطے ان کے متعلق ایسی بات بیان کرنے کی ضرورت بھی نہ پڑی۔

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین عبداللہ اور آمنہ کو تو پہلے ہی سے ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ان کے متعلق ایسا خیال وگمان بھی کبھی کسی کو نہ ہوا تھا۔ ایک شخص جو مقدمہ میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس کے واسطے صفائی کی شہادت کی ضرورت پڑتی ہے لیکن جو شخص مقدمہ میں گرفتار ہی نہیں ہوا اس کے واسطے صفائی کی شہادت کی کچھ ضرورت ہی نہیں۔

ایسا ہی ایک اور غلطی جو مسلمانوں کے درمیان پڑ گئی ہوئی ہے وہ معراج کے متعلق ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا تھا۔ مگر اس میں جو بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ صرف ایک معمولی خواب تھا سو یہ عقیدہ غلط ہے۔ اور جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ معراج میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے سو یہ بھی غلط ہے۔ بلکہ اصل بات اور صحیح عقیدہ یہ ہے کہ معراج کشفی رنگ میں ایک نُورانی وجود کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ ایک وجود تھا مگر نورانی، اور ایک بیداری تھی مگر کشفی اور نُورانی جس کو اس دنیا کے لوگ نہیں سمجھ سکتے مگر وہی جن پر وہ کیفیت طاری ہوئی ہو ورنہ ظاہری جسم اور ظاہری بیداری کے ساتھ آسمان پر جانے کے واسطے تو خود یہودیوں نے معجزہ طلب کیا تھا جس کے جواب میں قرآن شریف میں کہا گیا تھا قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولاً[1]۔ کہدے میرا رب پاک ہے میں تو ایک انسان رسول ہوں۔ انسان اس طرح اُڑ کر کبھی آسمان پر نہیں جاتے۔ یہی سُنّت اللہ قدیم سے جاری ہے۔

ایک اور غلطی اکثر مسلمانوں کے درمیان ہے کہ وہ حدیث کو قرآن شریف پر مقدم کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط بات ہے۔ قرآن شریف ایک یقینی مرتبہ رکھتا ہے اور حدیث کا مرتبہ ظنّی ہے۔ حدیث قاضی نہیں بلکہ قرآن اس پر قاضی ہے۔ ہاں حدیث قرآن شریف

[1] بنی اسرائیل: ۹۴

کی تشریح ہے۔ اس کو اپنے مرتبہ پر رکھنا چاہیئے۔ حدیث کو اس حد تک ماننا ضروری ہے کہ قرآن شریف کے مخالف نہ پڑے اور اس کے مطابق ہو۔ لیکن اگر اس کے مخالف پڑے تو وہ حدیث نہیں بلکہ مردود قول ہے۔ لیکن قرآن شریف کے سمجھنے کے واسطے حدیث ضروری ہے۔ قرآن شریف میں جو احکام الہٰی نازل ہوئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو عملی رنگ میں کر کے اور کرا کے دکھا دیا اور ایک نمونہ قائم کر دیا۔ اگر یہ نمونہ نہ ہوتا تو اسلام سمجھ میں نہ آسکتا۔ لیکن اصل قرآن ہے۔ بعض اہلِ کشف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست ایسی احادیث سُنتے ہیں جو دوسروں کو معلوم نہیں ہوئیں یا موجودہ احادیث کی تصدیق کر لیتے ہیں۔

غرض اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو کہ ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں جن سے خدا تعالیٰ ناراض ہے اور جو اسلامی رنگ سے بالکل مخالف ہیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ اب ان لوگوں کو مسلمان نہیں جانتا جب تک کہ وہ غلط عقائد کو چھوڑ کر راہ راست پر نہ آ جاویں اور اس مطلب کے واسطے خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے کہ میں ان سب غلطیوں کو دور کر کے اصلی اسلام پھر دُنیا پر قائم کروں۔

یہ فرق ہے ہمارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان۔ ان لوگوں کی حالت وہ نہیں رہی جو اسلامی حالت تھی۔ یہ مثل ایک خراب اور نکمے باغ کے ہو گئے۔ ان کے دل ناپاک ہیں اور خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ایک نئی قوم پیدا کرے جو صدق اور راستی کو اختیار کر کے سچے اسلام کا نمونہ ہو۔

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۱ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۱۷ جون ۱۹۰۶ء)

ایام جلسہ دسمبر ۱۹۰۵ء

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم

باہر بہشتی مقبرہ میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

وہ اس سلسلہ کی محبت میں بالکل محو تھے۔ جب اوائل میں میرے پاس آئے تھے تو سیّد احمد کے معتقد تھے۔ کبھی کبھی ایسے مسائل پر میری ان کی گفتگو ہوتی جو سیّد احمد کے غلط عقائد میں سے تھے۔ اور بعض دفعہ بحث کے رنگ تک نوبت پہنچ جاتی۔ مگر تھوڑی ہی مدت کے بعد ایک دن علانیہ کہا کہ آپ گواہ رہیں کہ آج میں نے سب باتیں چھوڑ دیں۔ اس کے بعد وہ ہماری محبت میں ایسے محو ہو گئے تھے کہ ہم دن کو کہتے کہ ستارے ہیں اور رات کو کہتے کہ سُورج ہے تو وہ کبھی مخالفت کرنے والے نہ تھے۔ ان کو ہمارے ساتھ ایک پُورا اتحاد اور پُوری موافقت حاصل تھی۔ کسی امر میں ہمارے ساتھ خلاف رائے کرنا وہ کفر سمجھتے تھے۔ ان کو میرے ساتھ نہایت درجہ کی محبت تھی اور وہ اصحاب الصفہ میں سے ہو گئے تھے جن کی تعریف خدا تعالیٰ نے پہلے سے اپنی وحی میں کی تھی۔ اُن کی عمر ایک معصومیت کے رنگ میں گذری تھی اور دنیا کی عیش کا کوئی حصہ انہوں نے نہیں لیا تھا۔ نوکری بھی انہوں نے اسی واسطے چھوڑ دی تھی کہ اس میں دین کی ہتک ہوتی ہے پچھلے دنوں میں ان کو ایک نوکری دو سو روپے ماہوار کی ملتی تھی مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ خاکساری کے ساتھ انہوں نے اپنی زندگی گذار دی۔ صرف عربی کتابوں کے دیکھنے کا شوق رکھتے تھے۔ اسلام پر جو اندرُونی بیرونی حملے پڑتے تھے ان کے اندفاع میں عمر بسر کر دی۔ باوجود اس قدر بیماری اور ضعف کے ہمیشہ ان کی قلم چلتی رہتی تھی۔

اُن کے متعلق ایک خاص الہام بھی تھا **"مسلمانوں کا لیڈر"**

غرض میں جانتا ہوں کہ ان کا خاتمہ قابلِ رشک ہوا کیونکہ ان کے ساتھ دُنیا کی

ملونی نہ تھی۔ جس کے ساتھ دُنیا کی ملونی ہوتی ہے اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔ انجام ٹھیک ان کا ہوتا ہے جو فیصلہ کر لیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو راضی کرنے میں خاک ہو جائیں گے۔

غیر مذاہب

فرمایا:۔

ہمیں کسی کے ساتھ بغض و عداوت نہیں۔ ہمارا مسلک سب کی خیر خواہی ہے۔ اگر ہم آریوں یا عیسائیوں کے برخلاف کچھ لکھتے ہیں تو وہ کسی دلی عناد یا کینہ کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس وقت ہماری حالت اس جراح کی طرح ہوتی ہے جو پھوڑے کو چیر کر اس پر مرہم لگاتا ہے۔ نادان بچہ سمجھتا ہے کہ یہ میرا دشمن ہے اور اس کو گالیاں دیتا ہے۔ مگر جراح کے دل میں نہ غصہ ہے نہ رنج۔ نہ اس کو گالیوں پر کوئی غضب آتا ہے۔ وہ ٹھنڈے دل سے اپنی خیر خواہی کا کام کرتا چلا جاتا ہے۔

مدرسہ کا ذکر

مدرسہ کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

اس جگہ طلباء کا آکر پڑھنا بہت ضروری ہے۔ جو شخص ایک ہفتہ ہماری صحبت میں آکر رہے۔ وہ مشرق و مغرب کے مولوی سے بڑھ جائے گا۔ جماعت کے بہت سے لوگ ہمارے روبرو ایسے تیار ہونے چاہئیں جو آئندہ نسلوں کے واسطے واعظ اور معلّم ہوں اور لوگوں کو راہ راست پر لاویں۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۲ صفحہ ۳ مورخہ ۱۲ر جنوری ۱۹۰۶ء)

۲۹ر دسمبر ۱۹۰۵ء

صبح نو بجے مہمان خانہ جدید میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ایک عام مجلس ہوئی۔ جس قدر مہمان مختلف شہروں اور قصبوں سے آئے ہوئے تھے وہ سب کے سب موجود تھے جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے ایک لمبی تقریر فرمائی۔ اس تقریر کا مفہوم یہ تھا کہ چونکہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غرض اور غایت یہ ہے کہ اسلام کی عام اشاعت اور تبلیغ ہو اور ہمارے یہاں ایک ایسی جماعت پیدا ہو جو اپنی علمی اور عملی قابلیتوں کی وجہ سے ممتاز ہو کر اس خدمت کو سرانجام دے۔ اس لئے تین دن سے مدرسہ کے جدید انتظام کے مسئلہ پر غور کیا جاتا رہا ہے اور آخر یہ فیصلہ ہوا ہے کہ مدرسہ بصورت موجودہ بھی قائم رہے اور مبلغین اور واعظین کے لئے ایک الگ جماعت کھولی جاوے۔ اس کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ خواجہ صاحب نے شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا کہ دنیا کی کامیابیاں بھی دین ہی کے ماتحت ہیں اور دین سے الگ ہو کر دنیا کی کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ غرض خواجہ صاحب کی تقریر کا خلاصہ سلسلہ کی ضروریات اور ان کی تکمیل کے لئے قوم کے اپنے فرائض تھا۔ اور اس میں صحابہ کرامؓ کے زمانہ کا اس زمانہ سے مقابلہ کر کے بتایا کہ انہوں نے تو جانیں فدا کر دیں۔ اس وقت جانوں کی ضرورت نہیں اس لئے کہ خدا کے مسیح نے جہاد کی حُرمت کا فتویٰ شائع کر دیا ہے۔ اب اگر ضرورت ہے تو مال خرچ کرنے کی ضرورت ہے اس لئے کوئی مستقل فنڈ ہونا چاہیئے۔

خواجہ صاحب اپنی تقریر کر ہی رہے تھے کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تشریف لائے۔ خواجہ صاحب نے سلسلہ کی ضروریات کے روز افزوں اخراجات کا ذکر کر کے جماعت کو متوجہ کیا۔ ان کے بیٹھ جانے پر خدام نے عرض کی کہ حضور کچھ ارشاد فرمائیں جس پر حضور نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:۔

دیکھو جو کچھ خواجہ صاحب نے بیان کیا ہے یہ سب کچھ صحیح اور درست ہے۔ لیکن یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ ایک عجیب بات ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ اس جماعت کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اپنی عملی حالت، قوت ایمانی کو درست کر کے دکھادیں کیونکہ جب تک عملی رنگ میں ایمان ثابت نہ ہو صرف زبان سے ایمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک منظور نہیں اور وہ کچھ نہیں۔ زبان میں تو ایک مخلص اور منافق یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ ہر ایک شخص جو اپنا صدق اور ثبات قدم ثابت کرنا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ عملی طور پر ظاہر کرے۔ جب تک عملی طور پر قدم آگے نہیں رکھتا آسمان پر اس کو مومن نہیں کہا جاتا۔

بعض شخصوں کے دل میں خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آئے دن ہم پر ٹیکس لگائے جاتے ہیں کہاں تک برداشت کریں۔ میں جانتا ہوں کہ ہر شخص ایسا دل نہیں رکھتا کیونکہ ایک طبیعت کے ہی سب نہیں ہوتے۔ بہت سے تنگدل اور کم ظرف ہوتے ہیں اور اس قسم کی باتیں کر بیٹھتے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی کیا پروا ہے۔ ایسے شبہات ہمیشہ دنیا داری کے رنگ میں پیدا ہوا کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو توفیق کبھی نہیں ملتی۔ لیکن جو لوگ محض خدا تعالیٰ کے لئے قدم اُٹھاتے ہیں اور اس کی مرضی کو ہی مقدم کرتے ہیں اور اس بناء پر جو کچھ بھی خدمت دین کرتے ہیں اس کے لئے اللہ تعالیٰ خود انہیں توفیق دے دیتا ہے اور اعلاءِ کلمۃ الاسلام کے لئے جن اموال کو وہ خرچ کرتے ہیں ان میں برکت رکھ دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اور جو لوگ صدق اور اخلاص سے قدم اُٹھاتے ہیں انہوں نے دیکھا ہوگا کہ کس طرح پر اندر ہی اندر انہیں توفیق دی جاتی ہے۔

وہ شخص بڑا نادان ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ آئے دن ہم پر بوجھ پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بار بار فرماتا ہے وَ لِلّٰہِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[1]۔ یعنی خدا تعالیٰ کے پاس آسمان و زمین کے خزانے ہیں۔ منافق ان کو سمجھ نہیں سکتے لیکن مومن اس پر ایمان لاتا

[1] المنافقون : ۸

اور یقین کرتا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر سب لوگ جو اس وقت موجود ہیں اور اس سلسلہ میں داخل ہیں یہ سمجھ کر کہ آئے دن ہم پر بوجھ پڑتا ہے وہ دست بردار ہو جائیں اور بخل سے یہ کہیں کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے تو خدا تعالیٰ ایک اور قوم پیدا کر دے گا جو اِن سب اخراجات کا بوجھ خوشی سے اُٹھائے اور پھر بھی سلسلہ کا احسان مانے۔

اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ وہ اس سلسلہ کو بڑھائے۔ پس کون ہے جو اُسے روک لے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ بادشاہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ پھر وہ جو زمین آسمان کا بادشاہ ہے کب تھک سکتا ہے۔ آج سے ۲۵ برس بلکہ اس سے بھی بہت پہلے خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی ایسے وقت میں کہ ایک شخص بھی میرے پاس نہ تھا اور کبھی سال بھر میں بھی کوئی خط نہ آتا تھا۔ اس گمنامی کی حالت میں میں نے جو دعوے کئے ہیں وہ براہین احمدیہ میں چھپے ہوئے موجود ہیں۔ اور یہ کتاب مخالفوں موافقوں کے پاس موجود ہے بلکہ ہندوؤں عیسائیوں تک کے پاس بھی ہے۔ مکّہ، مدینہ اور قسطنطنیہ تک بھی پہنچی۔ اسے کھول کر دیکھو کہ اس وقت خدا تعالیٰ نے فرمایا:-

یأتون من کل فج عمیق ۔ یأتیک من کل فج عمیق

یعنی تیرے پاس دور دراز جگہوں سے لوگ آئیں گے اور جن راستوں سے آئیں گے وہ راہ عمیق ہو جائیں گے۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ جو کثرت سے آئیں گے تو اُن سے تھکنا نہیں اور اُن سے کسی قسم کی بداخلاقی نہ کرنا۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب لوگوں کی کثرت ہوتی ہے تو انسان ان کی ملاقات سے گھبرا جاتا ہے اور کبھی بے توجہی کرتا ہے۔ جو ایک قسم کی بداخلاقی ہے۔ پس اس سے منع کیا اور کہا کہ ان سے تھکنا نہیں اور مہمان نوازی کے لوازم بجا لانا۔ ایسی حالت میں خبر دی گئی تھی کہ کوئی بھی نہ آتا تھا۔ اور اب تم سب دیکھ لو کہ کس قدر موجود ہو۔ یہ کتنا بڑا نشان ہے؟ اس سے اللہ تعالیٰ کا

عالم الغیب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایسی خبر بغیر عالم الغیب خدا کے کون دے سکتا ہے۔ نہ کوئی منجم نہ کوئی فراست والا کہہ سکتا ہے۔

ان حالات پر جب ایک سعید مومن غور کرتا ہے تو اسے لذت آتی ہے۔ وہ یقین کرتا ہے کہ ایک خدا ہے جو اعجازی خبریں دیتا ہے۔ غرض اس خبر میں اس نے کثرت کے ساتھ مہمانوں کی آمد و رفت کی خبر دی۔ پھر چونکہ ان کے کھانے پینے کے لئے کافی سامان چاہیئے تھا اور ان کے فروکش ہونے کے لئے مکانوں کا انتظام ہونا چاہیئے تھا۔ پس اس کے لئے بھی ساتھ ہی خبر دی یأتیك من كلّ فجٍ عمیق۔

اب غور کرو کہ جس کام کو اللہ تعالیٰ نے خود کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور ارادہ کر لیا ہے، کون ہے جو اس کی راہ میں روک ہو۔ وہ خود ساری ضرورتوں کا تکفل اور تہیہ کرتا ہے۔ یہ بات انسانی طاقت سے باہر ہے کہ اس قدر عرصہ پہلے ایک واقعہ کی خبر دے کہ ایک بچہ بھی پیدا ہو کر صاحب اولاد ہو سکتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا عظیم الشان معجزہ ہے۔ یہی وجہ ہے جو خدا تعالیٰ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ صادق کی نشانی پیشگوئی ہے اور یہ بہت بڑا نشان ہے۔ جس پر غور کرنا چاہیئے۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان تدبّر اور غور سے بڑھتا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نشانوں پر غور نہیں کرتے ان کا قدم پھسلنے والی جگہ پر ہوتا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ انسان اپنے ایمان میں اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا۔ جب تک خدا تعالیٰ کے اقوال، افعال اور قدرتوں کو نہ دیکھے۔

پس یہ سلسلہ اسی غرض کے لئے قائم ہوا ہے تا اللہ تعالیٰ پر ایمان بڑھے۔ یہ نشان جو میں نے ابھی پیش کیا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ایسا زبردست ہے کہ کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ برخلاف اس کے کسی دوسرے مذہب والے کو یہ حوصلہ اور ہمت کہاں ہے کہ وہ ایسے تازہ بتازہ نشان پیش کرے۔ جماعت کے لوگ خوب سمجھ سکتے

ہیں کہ کس قدر نشانات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ محض خدا تعالیٰ کا کاروبار ہے کسی اور کو اس میں دخل نہیں۔

یقیناً سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ان پیشگوئیوں کے ساتھ دکھاتا ہے کہ ایمانی قوت بڑھ جاوے اور یہ قوت بغیر ایسے نشانوں کے بڑھ نہیں سکتی۔ کیونکہ ان میں خدا تعالیٰ کا زبردست ہاتھ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ انسان ایسا جاندار ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے تربیت ایمانی کے لئے فیوض و برکات نہ ہوں وہ خودبخود پاک صاف نہیں ہو سکتا۔ اور حقیقت میں پاک صاف ہونا اور تقویٰ پر قدم مارنا آسان امر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل اور تائید سے یہ نعمت ملتی ہے اور سچا تقویٰ جس سے خدا تعالیٰ راضی ہو۔ اس کے حاصل کرنے کے لئے بار بار اللہ تعالیٰ نے فرمایا یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ۔[1] اور پھر یہ بھی کہا۔ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون[2]۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی حمایت اور نصرت میں ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کریں۔ **تقویٰ** کہتے ہیں بدی سے پرہیز کرنے کو۔ اور **محسنون** وہ ہوتے ہیں جو اتنا ہی نہیں کہ بدی سے پرہیز کریں۔ بلکہ نیکی بھی کریں اور پھر یہ بھی فرمایا۔ للذین احسنوا الحسنی[3]۔ یعنی ان نیکیوں کو بھی سنوار سنوار کر کرتے ہیں۔ مجھے یہ وحی بار بار ہوئی ان اللہ مع الذین اتقوا و الذین ھم محسنون۔ اور اتنی مرتبہ ہوئی ہے کہ میں گن نہیں سکتا۔ خدا جانے دو ہزار مرتبہ ہوئی ہو۔ اس سے غرض یہی ہے کہ تا جماعت کو معلوم ہو جاوے کہ صرف اس بات پر ہی فریفتہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم اس جماعت میں شامل ہو گئے ہیں یا صرف خشک خیالی ایمان سے راضی ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت اسی وقت ملیگی جب سچا تقویٰ ہو اور پھر نیکی ساتھ ہو۔

یہ فخر کی بات نہیں کہ انسان اتنی ہی بات پر خوش ہو جاوے کہ وہ زنا نہیں کرتا۔ یا اس نے خون نہیں کیا۔ چوری نہیں کی۔ یہ کوئی فضیلت ہے کہ بُرے کاموں سے بچنے کا

[1] البقرة : ۲۷۹ [2] النحل : ۱۲۹ [3] یونس : ۲۷

فخر حاصل کرتا ہے ؟ دراصل وہ جانتا ہے کہ چوری کرے گا تو ہاتھ کاٹا جاوے گا موجودہ قانون کی رُو سے زندان میں جاوے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ایسی چیز کا نام نہیں ہے کہ بُرے کام سے ہی پرہیز کرے۔ بلکہ جب تک بدیوں کو چھوڑ کر نیکیاں اختیار نہ کرے وہ اس رُوحانی زندگی میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ نیکیاں بطور غذا کے ہیں۔ جیسے کوئی شخص بغیر غذا کے زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح جب تک نیکی اختیار نہ کرے تو کچھ نہیں۔

قرآن شریف میں ایک جگہ ذکر کیا ہے کہ دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک حالت تو وہ ہوتی ہے کہ یشربون من کاس کان مزاجہا کافوراً[1] یعنی ایسا شربت پی لیتے ہیں جس کی ملونی کافور ہو۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ دنیا کی محبت سے دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ کافور ٹھنڈی چیز ہے اور زہروں کو دبا لیتا ہے۔ ہیضہ اور وبائی امراض کے لئے مفید ہے۔ پس پہلا مرحلہ تقویٰ کا وہ ہے جس کو استعارہ کے رنگ میں یشربون کاساً کان مزاجہا کافوراً۔ ایسے لوگ جو کافوری شربت پی لیتے ہیں۔ ان کے دل ہر قسم کی خیانت، ظلم، ہر نوع کی بدی اور بُرے قویٰ سے دل ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ اور یہ بات ان میں طبعاً اور فطرتاً پیدا ہوتی ہے نہ کہ تکلف سے۔ وہ ہر قسم کی بدیوں سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ یہ معمولی بات نہیں۔ بدیوں کا چھوڑ دینا آسان نہیں۔ انجیل کا اکثر حصہ اسی سے پُر ہے کہ بُرے کام نہ کرو۔ مگر یہ پہلا زینہ ہے تکمیل ایمان کا۔ اسی پر قانع نہیں ہو جانا چاہیئے۔ ہاں اگر انسان اس پر عمل کرے اور بدیوں کو چھوڑ دے تو دوسرے حصہ کے لئے اللہ تعالیٰ آپ ہی مدد دیتا ہے۔ یہ بات انسان منہ سے تو کہہ سکتا ہے کہ میں بدیوں سے پرہیز کرتا ہوں۔ لیکن جب مختلف قسم کے بُرے کام سامنے آتے ہیں۔ تو بدن کانپ جاتا ہے۔

بعض گناہ موٹے موٹے ہوتے ہیں مثلاً جھوٹ بولنا، زنا کرنا، خیانت، جھوٹی گواہی دینا اور اتلاف حقوق، شرک کرنا وغیرہ۔ لیکن بعض گناہ ایسے باریک ہوتے ہیں۔

[1] الدھر: ۶

کہ انسان ان میں مبتلا ہوتا ہے اور سمجھتا ہی نہیں۔ جوان سے بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اُسے پتہ نہیں لگتا کہ گناہ کرتا ہے۔ مثلاً گلہ کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اس کو بالکل ایک معمولی اور چھوٹی سی بات سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن شریف نے اس کو بہت ہی بڑا قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے اَیحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً۔[2] خدا تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے کہ انسان ایسا کلمہ زبان پر لاوے جس سے اس کے بھائی کی تحقیر ہو اور ایسی کارروائی کرے جس سے اس کو حرج پہنچے۔ ایک بھائی کی نسبت ایسا بیان کرنا جس سے اس کا جاہل اور نادان ہونا ثابت ہو یا اس کی عادت کے متعلق خفیہ طور پر بے غیرتی یا دشمنی پیدا ہو۔ یہ سب بُرے کام ہیں۔ ایسا ہی بُخل غضب یہ سب بُرے کام ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے موافق پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان ان سے پرہیز کرے اور ہر قسم کے گناہوں سے جو خواہ آنکھوں سے متعلق ہوں یا کانوں سے۔ ہاتھوں سے یا پاؤں سے، بچتا رہے کیونکہ فرمایا ہے ولا تقف ما لیس لک بہٖ علمٌ ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنہ مسئولًا۔[3] یعنی جس بات کا علم نہیں۔ خواہ مخواہ اس کی پیروی مت کرو۔ کیونکہ کان، آنکھ، دل اور ہر ایک عضو سے پُوچھا جاوے گا۔ بہت سی بدیاں صرف بدظنی سے ہی پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایک بات کسی کی نسبت سُنی اور جھٹ یقین کر لیا۔ یہ بہت بُری بات ہے جس کا قطعی علم اور یقین نہ ہو اس کو دل میں جگہ مت دو۔ یہ اصل بدظنی کو دُور کرنے کے لئے ہے کہ جب تک مشاہدہ اور فیصلہ صحیح نہ کرے نہ دل میں جگہ دے اور نہ ایسی بات زبان پر لائے۔ یہ کیسی محکم اور مضبوط بات ہے۔ بہت سے انسان ہیں جو زبان کے ذریعہ پکڑے جائیں گے۔ یہاں دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے آدمی محض زبان کی وجہ سے پکڑے جاتے ہیں اور انہیں بہت کچھ ندامت اور نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔[1]

دل میں جو خطرات اور سرسری خیال گذر جاتے ہیں۔ ان کے لئے کوئی مواخذہ

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۲ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۰۶ء
[2] الحجرات: ۱۳ [3] بنی اسرائیل: ۳۷

نہیں۔ مثلاً کسی کے دل میں گذرے کہ فلاں مال مجھے مل جاوے تو اچھا ہے۔ یہ ایک قسم کا لالچ تو ہے لیکن محض اتنے ہی خیال پر جو طبعی طور پر دل میں آئے اور گذر جاوے کوئی مؤاخذہ نہیں۔ لیکن جب ایسے خیال کو دل میں جگہ دیتا ہے اور پھر عزم کرتا ہے کہ کسی نہ کسی حیلے سے وہ مال ضرور لینا چاہیئے۔ تو پھر یہ گناہ قابل مؤاخذہ ہے۔ غرض جب دل عزم کر لیتا ہے تو اس کے لئے شرارتیں اور فریب کرتا ہے۔ تو یہ گناہ قابل مواخذہ لکھا جاتا ہے۔ پس یہ اس قسم کے گناہ ہیں جو بہت ہی کم توجہی کے ساتھ دیکھے جاتے ہیں۔ اور یہ انسان کی ہلاکت کا موجب ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے اور کھُلے گناہوں سے تو اکثر پرہیز کرتے ہیں۔ بہت سے آدمی ایسے ہوں گے جنہوں نے کبھی خون نہیں کیا۔ نقب زنی نہیں کی۔ یا اور اس قسم کے بڑے بڑے گناہ نہیں کئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ لوگ کتنے ہیں جنہوں نے کسی کا گلہ نہیں کیا یا کسی اپنے بھائی کی ہتک کر کے اس کو رنج نہیں پہنچایا۔ یا جھوٹ بول کر خطا نہیں کی ؟ یا کم از کم دل کے خطرات پر استقلال نہیں کیا ؟ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ ایسے لوگ بہت ہی کم ہوں گے جو ان باتوں کی رعایت رکھتے ہوں اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوں۔ ورنہ کثرت سے ایسے لوگ ملیں گے جو تقریباً جھوٹ بولتے ہیں اور ہر وقت ان کی مجلسوں میں دوسروں کا شکوہ شکائت ہوتا رہتا ہے اور وہ طرح طرح سے اپنے کمزور اور ضعیف بھائیوں کو دُکھ دیتے ہیں۔

اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ **انسان تقویٰ اختیار کرے۔** میں اس وقت بُرے کاموں کی تفصیل بیان نہیں کر سکتا۔ قرآن شریف میں اوّل سے آخر تک اوامر اور نواہی اور احکامِ الٰہی کی تفصیل موجود ہے۔ اور کئی سو شاخیں مختلف قسم کے احکام کی بیان کی ہیں۔ خلاصۃً یہ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کو ہرگز منظور نہیں کہ زمین پر فساد کریں۔ اللہ تعالےٰ دُنیا پر وحدت پھیلانا چاہتا ہے۔ لیکن جو شخص اپنے بھائی کو رنج پہنچاتا ہے۔ ظُلم اور خیانت کرتا ہے، وہ وحدت کا دشمن ہے۔ جب تک یہ بد خیال

دل سے دُور نہ ہوں کبھی ممکن نہیں کہ سچی وحدت پھیلے۔ اس لئے اس مرحلہ کو سب سے اوّل رکھا۔

تقویٰ کیا ہے؟ ہر قسم کی بدی سے اپنے آپ کو بچانا۔ پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابرار کے لئے پہلا انعام **شربت کافوری** ہے۔ اس شربت کے پینے سے دل بُرے کاموں سے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے دلوں میں برائیوں اور بدیوں کیلئے تحریک اور جوش پیدا نہیں ہوتا۔ ایک شخص کے دل میں یہ خیال تو آ جاتا ہے کہ یہ کام اچھا نہیں یہانتک کہ چور کے دل میں بھی یہ خیال آہی جاتا ہے مگر جذبۂ دل سے وہ چوری بھی کر ہی لیتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو شربت کافوری پلا دیا جاتا ہے ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ ان کے دل میں بدی کی تحریک ہی پیدا نہیں ہوتی بلکہ دل بُرے کاموں سے بیزار اور متنفر ہو جاتا ہے۔ گناہ کی تمام تحریکوں کے مواد دبا دیئے جاتے ہیں۔ یہ بات خدا تعالیٰ کے فضل کے سوا میسر نہیں آتی۔ جب انسان دُعا اور عقد ہمت سے خدا تعالیٰ کے فضل کو تلاش کرتا ہے اور اپنے نفس کے جذبات پر غالب آنے کی سعی کرتا ہے تو پھر یہ سب باتیں فضل الٰہی کو کھینچ لیتی ہیں اور اسے **کافوری جام** پلایا جاتا ہے۔ جو لوگ اس قسم کی تبدیلی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں **زمرۂ ابدال** میں داخل فرماتا ہے۔ اور یہی تبدیلی ہے جو ابدال کی حقیقت کو ظاہر کرتی ہے۔

یہ بھی عموماً دیکھا گیا ہے کہ اکثر لوگ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے جب اس قسم کی باتوں کو سُنتے ہیں تو اُن کے دل متاثر ہو جاتے ہیں اور وہ اچھا بھی سمجھتے ہیں۔ لیکن جب اس مجلس سے الگ ہوتے ہیں اور اپنے احباب اور دوستوں سے ملتے ہیں تو پھر وہی رنگ اُن میں آ جاتا ہے اور اُن سُنی ہوئی باتوں کو یکدم بھُول جاتے ہیں اور وہی پہلا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ جن صحبتوں اور مجلسوں میں ایسی باتیں پیدا ہوں اُن سے الگ ہو جانا ضروری ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ ان تمام بُری باتوں

کے اجزاء کا علم ہو۔ کیونکہ طلب شئے کے لئے علم کا ہونا سب سے اوّل ضروری ہے۔ جب تک کسی چیز کا علم نہ ہو اسے حاصل کیونکر کر سکتے ہیں؟ قرآن شریف نے بار بار تفصیل دی ہے پس بار بار قرآن شریف کو پڑھو۔ اور تمہیں چاہیئے کہ بُرے کاموں کی تفصیل لکھتے جاؤ۔ اور پھر خدا تعالیٰ کے فضل اور تائید سے کوشش کرو کہ ان بدیوں سے بچتے رہو۔ یہ تقویٰ کا پہلا مرحلہ ہوگا۔ جب تم ایسی سعی کروگے تو اللہ تعالیٰ پھر تمہیں توفیق دے گا اور وہ کافوری شربت تمہیں دیا جاوے گا جس سے تمہارے گناہ کے جذبات بالکل سرد ہو جائیں گے۔ اس کے بعد نیکیاں ہی سرزد ہوں گی۔ جب تک انسان متقی نہیں بنتا یہ جام اُسے نہیں دیا جاتا اور نہ اس کی عبادات اور دعاؤں میں قبولیت کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انّما یتقبل اللہ من المتقین[۱]۔ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں ہی کی عبادات کو قبول فرماتا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ نماز روزہ بھی متقیوں ہی کا قبول ہوتا ہے

ان عبادات کی **قبولیّت** کیا ہے اور اس سے مُراد کیا ہے؟

سو یاد رکھنا چاہیئے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ نماز قبول ہوگئی ہے تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ نماز کے اثرات اور برکات نماز پڑھنے والے میں پیدا ہو گئے ہیں جب تک وہ برکات اور اثرات پیدا نہ ہوں اس وقت تک نری ٹکریں ہی ہیں۔

اس نماز یا روزہ سے کیا فائدہ ہوگا جبکہ اسی مسجد میں نماز پڑھی اور وہیں کسی دوسرے کی شکایت اور گلہ کر دیا۔ یا رات کو چوری کر لی۔ کسی کے مال یا امانت میں خیانت کر لی۔ کسی کی شان پر جو خدا تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے بُخل یا حسد کی وجہ سے حملہ کر دیا۔ کسی کی آبرو پر حملہ کر دیا۔ غرض اس قسم کے عیبوں اور بُرائیوں میں اگر مبتلا کا مبتلا رہا تو تم ہی بتاؤ۔ اس نماز نے اس کو کیا فائدہ پہنچایا؟

چاہیئے تو یہ تھا کہ نماز کے ساتھ اس کی بدیاں اور بُرائیاں جن میں وہ مبتلا تھا کم ہو جاتیں اور نماز اس کے لئے ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ پس پہلی منزل اور مشکل اُس

[۱] المائدہ: ۲۸

انسان کے لئے جو مومن بننا چاہتا ہے، یہی ہے کہ بُرے کاموں سے پرہیز کرے۔ اسی کا نام تقویٰ ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ تقویٰ اس کا نام نہیں کہ موٹی موٹی بدیوں سے پرہیز کرے۔ بلکہ باریک در باریک بدیوں سے بچتا رہے مثلاً ٹھٹھے اور ہنسی کی مجلسوں میں بیٹھنا یا ایسی مجلسوں میں بیٹھنا جہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کی ہتک ہو یا اس کے بھائی کی شان پر حملہ ہو رہا ہو اگرچہ ان کی ہاں میں ہاں بھی نہ ملائی ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی بُرا ہے کہ ایسی باتیں کیوں سُنیں؟ یہ اُن لوگوں کا کام ہے جن کے دلوں میں مرض ہے کیونکہ اگر ان کے دل میں بدی کی پُوری حس ہوتی تو وہ کیوں ایسا کرتے اور کیوں ان مجلسوں میں جا کر ایسی باتیں سُنتے؟

یہ بھی یاد رکھو کہ ایسی باتیں سُننے والا بھی کرنے والا ہی ہوتا ہے۔ جو لوگ زبان سے ایسی باتیں کرتے ہیں وہ تو صریح مواخذہ کے نیچے ہیں کیونکہ انہوں نے ارتکاب گناہ کا کیا ہے۔ لیکن جو چپکے ہو کر بیٹھے رہے ہیں وہ بھی اس گناہ کے خمیازہ کا شکار ہونگے اس حصّہ کو بڑی توجہ سے یاد رکھو اور قرآن شریف کو بار بار پڑھ کر سوچو۔

یہ تو وہ پہلا حصّہ ہے نیکی کا۔ مگر نیکی اسی پر ختم نہیں۔ بعض لوگ ہندوؤں، عیسائیوں اور دوسری قوموں میں بھی پائے جاتے ہیں جو بعض گناہ نہیں کرتے۔ مثلاً بعض جھوٹ نہیں بولتے۔ کسی کا مال ناحق نہیں کھاتے۔ قرضہ دبا نہیں لیتے بلکہ واپس کرتے ہیں۔ معاملات معاشرت میں بھی پکّے ہوتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اتنی ہی بات نہیں جس سے وہ راضی ہو جاوے۔ بدیوں سے بچنا چاہیئے اور اس کے بالمقابل نیکی کرنی چاہیئے۔ اس کے بغیر مخلصی نہیں۔ جو اسی پر مغرور ہے کہ وہ بدی نہیں کرتا۔ وہ نادان ہے۔ اسلام انسان کو اسی حد تک نہیں پہنچاتا اور چھوڑتا۔ بلکہ وہ دونو شقیں پُوری کرانا چاہتا ہے۔ یعنی بدیوں کو تمام و کمال چھوڑ دو اور نیکیوں کو پُورے اخلاص سے کرو۔ جبتک

یہ دونو باتیں نہ ہوں نجات نہیں ہو سکتی۔

مجھے ایک مثال کسی نے سُنائی تھی اور وہ صحیح ہے۔ کہتے ہیں۔ ایک شخص نے کسی کی دعوت کی اور بڑے تکلف سے اس کی تواضع کی۔ جب وہ کھانے سے فراغت پا چکا تو اس سے نہایت عجز و انکسار سے میزبان نے کہا کہ میں آپ کی شان کے موافق حق دعوت ادا نہیں کر سکا۔ آپ مجھے معاف فرمائیں۔ مہمان نے سمجھا کہ گویا اس طرح پر احسان جتاتا ہے۔ اُسے کہا کہ میں نے بھی آپ کے ساتھ بڑی نیکی کی ہے۔ اسے تم یاد نہیں رکھتے اس نے کہا کہ وہ کونسی نیکی ہے؟ تو کہا کہ جب تم مہمان داری میں مصروف تھے تو میں تمہارے گھر کو آگ لگا سکتا تھا مگر میں نے کس قدر احسان کیا ہے کہ آگ نہیں لگائی۔ یہ بدی کی مثال ہے۔ گویا آگ لگا کر خطرناک نقصان نہیں کیا۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بدی نہ کرنے کا احسان جتاتے ہیں۔ ایسے لوگ حیوانات کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قدر وہی لوگ ہیں جو بدی سے پرہیز کر کے ناز نہیں کرتے۔ بلکہ نیکی کر کے بھی کچھ نہیں سمجھتے۔

غرض پہلی حالت تو وہ کافوری شربت کی تھی اور دوسرا مرحلہ زنجبیلی شربت کا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ یسقون فیھا کاسًا کان مزاجھا زنجبیلاً[1] اور ایسے جام انہیں پلائے جاتے ہیں جو زنجبیلی شربت کے ہوتے ہیں۔

انسان کو یہ کبھی خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ ایسا مرتبہ حاصل ہونا ناممکن ہے۔ یہ سب کچھ مل سکتا ہے اور ملتا ہے۔ جن لوگوں نے یہ مراتب اور مدارج حاصل کئے وہ بھی تو آخر انسان ہی تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب انسان کے سامنے اس کے جرائم کی ایک لمبی فہرست ہوتی ہے تو وہ اسے دیکھ کر گھبرا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس سے بچنا مشکل ہے۔ مگر یہ اس کی انسانی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ بہت سے لوگ یورپ میں بھی اس خیال کے موجود ہیں

[1] الدھر ۱۸:

جو یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا فقط اتنا ہی منشاء ہے کہ انسان سے یہ اقرار کرایا جاوے کہ وہ اس کی تعلیم پر عمل کرنے کے ناقابل ہے یا اس پر قادر نہیں۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت سے محض ناواقف ہیں۔ اور انہوں نے خدا تعالیٰ کی قدرتوں پر غور نہیں کیا۔ اگر وہ خود انسان کی اپنی حالت اور ان انقلابات پر ہی غور کرتے جن کے اندر سے وہ گذرا ہے تو اس قسم کا کلمہ منہ سے نہ نکالتے۔ مگر ان کے علم اور معرفت کی کمزوری نے انہیں ایسا خیال کرنے کا موقعہ دیا۔

دیکھو انسان پر کس قدر انقلاب آئے ہیں۔ ایک زمانہ انسان پر وہ گذرا ہے کہ وہ صرف نطفہ کی حالت میں تھا اور وہ حالت تھی کہ کچھ بھی چیز نہ تھا۔ اگر زمین یا کپڑے پر گرتا تو چند منٹ کے اندر خشک ہو جاتا۔ پھر علقہ بنا۔ اس میں ذرا بستگی پیدا ہوئی۔ اس وقت بھی اس کی کچھ ہستی نہ تھی۔ پھر مضغہ ہوا۔ پھر ایک اَور زمانہ آیا کہ جنین کی صورت میں اس میں جان آئی۔ بعد اس کے پیدا ہوا۔ پھر شیر خوار سے بلوغ تک پہنچا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اب غور کرو کہ جس قادر خدا نے انسان کو ایسے ایسے انقلابات میں سے گذار کر انسان بنا دیا۔ اور اب ایسا انسان ہے کہ گویا عقل حیران ہے کہ کیا سے کیا بن گیا۔ ناک منہ اور دوسرے اعضاء پر غور کرو کہ خدا تعالیٰ نے اسے کیا بنایا ہے۔ پھر اندرونی حواسِ خمسہ دیئے اور دوسرے قویٰ اور طاقتیں اس کو عطا کیں۔ پس خدائے قادر نے اس زمانہ سے جو یہ نطفہ تھا، عجیب تصرفات سے انسان بنا دیا۔ کیا یہ مشکل ہے کہ اس کو پاک حالت میں لے جاوے؟ اور جذبات سے الگ کر دے؟ جو شخص ان باتوں پر غور کرے گا وہ بے اختیار ہو کر کہہ اُٹھے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ[1]

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ جب گنہگار لوگ جہنم میں ڈالے جاوینگے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہارا ایک ہی گناہ بہت بڑا ہے کہ تم نے خدا پر بدظنی کی۔

[1] البقرۃ ۲۱۱

اگر بدظنی نہ کرتے تو کامل اور مومن بن کر آتے۔ حقیقت میں یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ جو انسان اللہ تعالیٰ پر بدظن ہو جاوے۔ باقی جس قدر گناہ ہیں وہ اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقی رازق یقین کرے تو پھر چوری، بددیانتی اور فریب سے لوگوں کا مال کیوں مارے؟ افسوس نادان انسان سمجھتا ہے۔ **ایہہ جہان مٹھا اگلا کس نے ڈِٹھا**۔ یہ بھی خدا تعالیٰ پر بدظنی ہے۔ اگر اسے صادق یقین کرتے تو یہ نہ کہتے۔ بلکہ یہ کہتے کہ

دُنیا روزے چند آخر با خداوند

دنیا کو چند روزہ یقین کر کے اس کی عمارتوں اور آسائشوں اور ہر قسم کی دولتوں سے دل نہ لگاتے۔ بلکہ ہر وقت موت کے فکر میں لرزاں ترساں رہ کر عاقبت کا خیال کرتے اور اس کا بندوبست کرتے کہ آخر مر کر اللہ تعالیٰ کے حضور جانا ہے۔ مگر اب تو یہ حالت ہے کہ عام طور پر ایک غفلت چھائی ہوئی ہے اور لوگ اس طرح پر مصروف اور دلدادہ دنیا ہیں۔ گویا انہوں نے کبھی یہاں سے جانا ہی نہیں اور موت کوئی چیز ہی نہیں۔ یا کم از کم اس کا اثر اُن پر کچھ بھی ہونے والا نہیں۔ یہ بدخیالی، یہ غفلت اور خود رفتگی کیوں پیدا ہوتی ہے؟ اس کی جڑ بھی وہی خدا تعالےٰ پر بدظنی ہے۔ اس کو صادق یقین نہیں کیا۔ انسان کی عادت ہے کہ جس کام پر اس کی آنکھ کھُل جاوے اور کسی امر کو یہ اپنے لئے مفید سمجھ لے وہی کرتا ہے۔ ایک تاجر کو معلوم ہو جاوے کہ فلاں ملک میں اگر اس کا مال جاوے تو اسے اس قدر فائدہ ہوگا تو ضرور وہاں اپنا مال لے جائے گا۔ ایسا ہی ایک زمیندار اور دوسرے اہل حرفہ کرتے ہیں۔ اسی طرح پر اگر انسان کی آنکھ کھُل جاوے اور عاقبت کا فکر اسے دامنگیر ہو اور وہ ایک یقین اپنے اندر پیدا کرلے کہ خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہونا ہے تو اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ظاہر فرمایا ہے کہ اگر مجھ پر نیک ظن ہوتا تو مشکل کیا تھا؟ کیا پانچ

وقت نماز پڑھنا مشکل تھا؟ ہرگز نہیں۔ خدا تعالیٰ کا خوف جب غالب ہو تو آدمی کیسا ہی مصروف ہو۔ اسے چھوڑ کر بھی ادا کر سکتا ہے۔ اس وقت ہم سب یہاں بیٹھے ہیں اور ایک کام میں مصروف ہیں۔ لیکن اگر خدانخواستہ اس وقت زلزلہ آجاوے تو ہم میں سے کوئی یہاں رہ سکتا ہے؟ سب کے سب لوگ بھاگ جاویں یہاں تک کہ مریض اور ضعیف بھی دوڑ پڑیں۔ اصل بات یہ ہے کہ خوف کے ساتھ ایک قوت آتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ پر بدظنی نہ ہوتی تو طاقت آجاتی اور اس کے احکام کی تکمیل کے لئے ایک جوش اور اضطراب پیدا ہو جاتا۔

غرض بدظنی تمام بُرائیوں کی جڑ ہے۔ جو نیک ظنی سے خدا تعالےٰ کی کتاب پر ایمان لاویں تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی قدرتوں پر ایمان ہو تو پھر کیا ہے جو نہیں ہو سکتا۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں گناہ کیونکر چھوٹ سکتا ہے۔ یہ باتیں اسی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں جو اللہ تعالےٰ کی قدرتوں اور طاقتوں پر کامل ایمان نہیں ہوتا چونکہ اس کوچہ سے نامحرم ہوتے ہیں اس لئے ایسے اوہام طبیعت میں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ خدا جس نے نطفہ سے انسان کو بنا دیا ہے وہ اس انسان کو ہر قسم کے پاک تغیرات کی توفیق عطا کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ ہاں ضرورت ہے **طلبگار دل کی**

میں پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ انسان کا اتنا ہی کمال نہیں ہے کہ بدیاں چھوڑ دے۔ کیونکہ اس میں اَور بھی شریک ہیں یہانتک کہ حیوانات بھی بعض امور میں شریک ہو سکتے ہیں۔ بلکہ انسان کامل نیک تب ہی ہوتا ہے کہ نہ صرف بدیوں کو ترک کرے بلکہ اس کے ساتھ نیکیوں کو بھی کامل درجہ تک پہنچاوے۔ پس جب تک ترک شر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے **کافوری شربت** پلاتا ہے۔ جس سے یہ مراد ہے کہ وہ جوش اور تحریکیں جو بدی کے لئے پیدا ہوتی تھیں سرد ہو جاتی ہیں اور بدی کے مواد دب جاتے ہیں۔ اس کے بعد اس کو دوسرا شربت پلایا جاتا ہے جو قرآن کریم کی اصطلاح میں

شربت زنجبیلی ہے جیسا کہ فرمایا۔ یسقون فیھا کاساً کان مزاجھا زنجبیلاً۔[1] زنجبیل مرکب ہے زنا اور جبل سے۔ زنا الجبل کے یہ معنے ہیں کہ ایسی حرارت اور گرمی پیدا ہو جاوے کہ پہاڑ پر چڑھ جاوے۔ زنجبیل میں حرارت عزیزی رکھی گئی ہے اور اس کے ساتھ انسان کی حرارت عزیزی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ بڑے بڑے کام جو میری راہ میں کئے جاتے ہیں جیسے صحابہؓ نے کئے۔ یہانتک کہ انہوں نے اپنی جانوں سے دریغ نہیں کیا۔ خدا تعالےٰ کی راہ میں سر کٹوا دینا آسان امر نہیں ہے۔ جس کے بچے چھوٹے اور بیوی جوان ہو۔ جب تک کوئی خاص گرمی اس کی رُوح میں پیدا نہ ہو۔ کیونکر انہیں یتیم اور بیوہ چھوڑ کر سر کٹوا لے۔ میں صحابہؓ سے بڑھ کر کوئی نمونہ پیش نہیں کر سکتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اعلیٰ درجہ کی قوت قدسی اور تزکیہ نفس کی طاقت کا ہے اور صحابہؓ کا نمونہ اعلیٰ درجہ کی تبدیلی اور فرمانبرداری کا ہے۔ پس ایسی طاقت اور یہ قوت اسی زنجبیلی شربت کی تاثیر سے پیدا ہوتی ہے اور حقیقت میں کافوری شربت کے بعد طاقت کو نشوونما دینے کے لئے اس زنجبیلی شربت کی ضرورت بھی تھی۔ اولیاء اور ابدال جو خدا تعالےٰ کی راہ میں سرگرمی اور جوش دکھاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ زنجبیلی جام پیتے رہتے ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دعویٰ کیا تو غور کرو کہ کس قدر مخالفت کا بازار گرم تھا۔ ایک طرف مشرک تھے۔ دوسری طرف عیسائی بے حد جوش دکھا رہے تھے جنہوں نے ایک عاجز انسان کو خدا بنا رکھا تھا اور ایک طرف یہودی سیاہ دل تھے۔ یہ بھی اندر ہی اندر ریشہ دوانیاں کرتے اور مخالفوں کو اُکساتے اور اُبھارتے تھے۔ غرض جس طرف دیکھو مخالف ہی مخالف نظر آتے تھے۔ قوم دشمن، پرائے دشمن، جدھر نظر اُٹھاؤ دشمن ہی دشمن تھے۔ ایسی حالت اور صورت میں وہ زنجبیلی شربت ہی تھا جو آپ کو اپنے پیغام رسالت کی تبلیغ کے لئے آگے ہی آگے لے جاتا تھا۔

[1] الدھر: ۱۸

کسی قسم کی مخالفت کا ڈر آپ کو باقی نہ رہا تھا۔ اس راہ میں مرنا سہل اور آسان معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ صحابہؓ اگر موت کو اس راہ میں آسان اور آرام دہ چیز نہ سمجھ لیتے تو کیوں جانیں دیتے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ شربت نہیں پیتا ایمان کا ٹھکانا نہیں۔

قصور میں ایک شخص قادر بخش تھا۔ بڑا موحد کہلاتا تھا۔ گورنمنٹ کی اس وقت اس فرقہ پر ذرا نظر تھی۔ ڈپٹی کمشنر نے اس کو ذرا دھمکایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گھر آکر اُس نے رنڈیوں کا ناچ کرا دیا اور اپنے تمام طریق بدل دیئے۔ اس غرض سے کہ تا ظاہر ہو جاوے کہ میں اس فرقہ سے الگ ہوں۔ اب بتاؤ کہ ایسا ایمان کیا کام دے سکتا ہے؟ وہ انسان بھی کچھ انسان ہو سکتا ہے جو خدا سے انسان کو مقدم کر لیتا ہے۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ اس کا ایمان ایک کوڑی قیمت نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے جو ایمان کے برکات اور ثمرات نہیں ملتے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز روزہ کی وجہ سے برکات حاصل نہیں ہوتے۔ وہ غلط کہتے ہیں۔ نماز اور روزہ کے برکات اور ثمرات ملتے ہیں اور اسی دُنیا میں ملتے ہیں۔ لیکن نماز روزہ اور دُوسری عبادات کو اس مقام اور جگہ تک پہنچانا چاہیئے جہاں وہ برکات دیتے ہیں۔ صحابہؓ کا سا رنگ پیدا کرو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل اور سچی اتباع کرو۔ پھر معلوم ہو گا کہ کیا کیا برکات ملتے ہیں۔

میں صاف صاف کہتا ہوں کہ صحابہؓ میں ایسا ایمان تھا جو تم میں نہیں۔ انہوں نے خدا تعالیٰ کے لئے اپنا فیصلہ کر لیا تھا۔ ایسے لوگ قبل از موت مَر جاتے ہیں اور قبل اس کے کہ قربانی دیں وہ سمجھتے ہیں کہ دے چکے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کیا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کا درجہ نماز، روزہ، صدقات اور خیرات کی وجہ سے ہے؟ نہیں۔ بلکہ اس چیز کے ساتھ اس کا درجہ بڑا ہے جو اس کے دل میں ہے حقیقت میں وہی بات ہے جو ان اعمال کا بھی موجب اور باعث ہوتی ہے۔ جس قدر

لوگ اہل اللہ گذرے ہیں ان کے مدارج بڑے ان اعمال کی وجہ سے نہیں ہیں۔ ان اعمال میں اَور بھی شریک ہیں۔ مسجدیں بھری پڑی ہیں[۱]۔ ان لوگوں کی زندگی سفلی ہوتی ہے۔ یہ دنیا اور اس کی گندگیوں کو چھوڑ کر الگ نہیں ہوتے۔ ان کے اعمال میں زندگی کی رُوح نہیں ہوتی۔ لیکن جب انسان اس سفلی زندگی سے نکل آتا ہے تو اس کے اعمال میں اخلاص ہوتا ہے۔ وہ ہر قسم کی ناپاکیوں سے الگ ہوجاتا ہے۔ پھر اُسے وہ قوت اور طاقت ملتی ہے کہ وہ شیئ اور امانت اللہ جس کو اُٹھانا مشکل ہے وہ اُٹھا لیتا ہے جس کی اطلاع فرشتوں کو بھی نہیں ہوتی۔ وہ بھی یہی نماز روزہ کرتے ہیں اور دنیا بھی یہی کرتی ہے۔ مگر اُن کی نماز اور دنیاداروں کی نماز میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مخلص اور شان کے لائق تھے۔ کیا ان کے عہد میں لوگ نماز روزہ نہ کرتے تھے؟ پھر ان کو سب پر سبقت اور فضیلت کیوں ہے؟ اس لئے کہ دوسروں میں وہ بات نہ تھی جو اُن میں تھی۔ یہ ایک رُوح ہوتی ہے جب پیدا ہوجاتی ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدوں میں شامل کر لیتا ہے۔ لیکن وہ ملعُونی زندگی خدا تعالےٰ کو منظور نہیں جو نماز اور روزہ کی حالت اور صورت میں ریاکاری اور تصنع سے آدمی بنا لیتا ہے۔ ایسے لوگوں میں زبان کی چالاکیاں اور منطق بڑھ جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ کو لاف و گزاف پسند نہیں۔ وہ ناراض ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ و صدقات کسی وقعت اور قدر کے لائق نہیں جن میں اخلاص نہ ہو بلکہ وہ لعنت ہیں۔ یہ اسی وقت بابرکت ہوتے ہیں جب دل اور زبان میں پوری صلح ہو۔

خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ کو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہ دل کے نہاں در نہاں اسرار سے واقف ہے۔ انسان جو محدود العلم ہے اور جس کی نظر وسیع

[۱] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۴ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۶ء

نہیں ہے دھوکا کھا سکتا ہے۔ ہمارے دوست سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب جو بڑے مخلص اور نیک آدمی ہیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ ایک ہیرے کے متعلق دھوکا کھایا۔ سیٹھ صاحب یہاں قادیان ہی میں میرے پاس موجود تھے۔ ایک شخص کابل کی طرف کا رہنے والا چند ٹکڑے ۴۹-۵۰
پتھر کے یہاں لایا اور ظاہر کیا کہ وہ ہیرے کے ٹکڑے ہیں۔ وہ پتھر بہت چمکیلے اور آبدار تھے۔ سیٹھ صاحب کو وہ پسند آ گئے اور وہ ان کی قیمت میں پانسو روپے دینے کو تیار ہو گئے اور پچیس روپے یا کچھ کم وبیش ان کو دے بھی دیئے۔ پھر اتفاقاً مجھ سے مشورہ کیا کہ میں نے یہ سودا کیا ہے، آپ کی کیا رائے ہے۔ میں اگرچہ ان ہیروں کی شناخت اور اصلیت سے ناواقف تھا لیکن رُوحانی ہیرے جو دنیا میں کمیاب ہوتے ہیں یعنی پاک حالت کے اہل الدین کے نام پر کئی جھوٹے پتھر یعنی مزوّر لوگ اپنی چمک دمک دکھا کر لوگوں کو تباہ کرتے ہیں۔ اس جوہر شناسی میں مجھے دخل تھا۔ اس لئے میں نے اس ہُنر کو اس جگہ برتا اور سیٹھ صاحب کو کہا کہ جو کچھ آپ نے دیا ہے وہ تو واپس لینا مشکل ہے لیکن میری رائے یہ ہے کہ پانسو روپیہ دینے سے پہلے کسی اچھے اور قابل جوہری کو یہ پتھر دکھلا لینے چاہئیں۔ اگر درحقیقت ہیرے ہونے تو روپیہ دے دینا۔ چنانچہ وہ پتھر مدراس میں ایک جوہری کے شناخت کرنے کے لئے بھیجے گئے اور دریافت کیا گیا کہ ان کی کیا قیمت ہے۔ وہاں سے جواب آیا کہ یہ تو سے پتھر ہیں ہیرے نہیں ہیں۔ اور اس طرح پر اس دھوکا سے سیٹھ صاحب بچ گئے۔

غرض بات یہ ہے کہ جس طرح دنیوی امور میں دھوکے لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح پر ان گدی نشینوں اور علماء کے دھوکے ہیں جو اس سلسلہ کی مخالفت میں مختلف قسم کی روکیں پیدا کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ جو سادہ دل ہوتے ہیں اور ان کو پوری واقفیت اس سلسلہ کی نہیں ہوتی اُن کو دھوکا لگ جاتا ہے اور وہ ناراستی کے دوست ہو جاتے ہیں پس خدا تعالیٰ کا فضل ہی ہو تو انسان رُوحانی طور پر جوہر شناس ہو جائیں۔ بہت ہی

کم لوگ ہوتے ہیں جو اس جوہر کو شناخت کرتے ہیں۔

بہرحال میرا مقصد اس سے یہ ہے کہ بُرا بدیوں سے بچنا کوئی کمال نہیں۔ ہماری جماعت کو چاہیئے کہ اسی پر بس نہ کرے۔ نہیں بلکہ انہیں دونو کمال حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہیئے جس کے لئے مجاہدہ اور دعا سے کام لیں یعنی بدیوں سے بچیں اور نیکیاں کریں۔ ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ خدا کو سادہ نہ سمجھ لے کہ وہ مکر و فریب میں آجائے گا۔ جو شخص سفلہ طبع ہو کر خدا تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتا ہے اور نیکی اور راستبازی کی چادر کے نیچے فریب کرتا ہے وہ یاد رکھے کہ خدا تعالیٰ اُسے اَور بھی رُسوا کرے گا۔ فی قلوبھم مرضٌ فزادھم اللہ مرضاً[1]

ایسے ہی لوگوں کے لئے فرمایا ہے۔ نفاق اور ریاکاری کی زندگی لعنتی زندگی ہے یہ چھپ نہیں سکتی۔ آخر ظاہر ہو کر رہتی ہے اور پھر سخت ذلیل کرتی ہے۔ خدا تعالےٰ کسی چیز کو چھپاتا نہیں، نہ نیکی کو نہ بدی کو۔ سچے نیکوکار اپنی نیکیوں کو چھپاتے ہیں مگر خدا تعالیٰ انہیں ظاہر کر دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب حکم ہوا کہ تو پیغمبر ہو کر فرعون کے پاس جا تو انہوں نے عذر ہی کیا۔ اس میں بتر یہ تھا کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کے لئے پُورا اخلاص رکھتے ہیں وہ نمود اور ریا سے بالکل پاک ہوتے ہیں۔ سچے اخلاص کی یہی نشانی ہے کہ کبھی خیال نہ آوے کہ دُنیا ہمیں کیا کہتی ہے۔ جو شخص اپنے دل میں اس امر کا ذرا بھی شائبہ رکھتا ہے وہ بھی شرک کرتا ہے۔ سچا مخلص اس امر کی پروا ہی نہیں کرتا کہ دُنیا اُسے نیک کہتی ہے یا بد۔

میں نے تذکرۃ الاولیاء میں دیکھا ہے کہ ایک نیک آدمی جب چھپ کر مناجات کرتا ہے تو اس کی عجیب حالت ہوتی ہے۔ وہ اپنے ان تعلقات کو جو خدا تعالےٰ سے رکھتا ہے کبھی ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ اگر اس مناجات کے وقت اتفاق سے کوئی آدمی آجاوے تو وہ ایسا شرمندہ ہوتا ہے جیسے کوئی زناکار عین حالت زنا میں پکڑا

[1] البقرۃ : ۱۱

جاوے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ ہر نیک آدمی جس کے دل میں اخلاص بھرا ہوا ہے۔ وہ طبعاً اپنے آپ کو پردہ میں رکھنا چاہتا ہے ایسا کہ کوئی پاک دامن عورت بھی ایسا نہیں رکھتی۔ یہ امر اُن کی فطرت ہی میں ہوتا ہے۔

یہ مت سمجھو کہ انبیاء ورُسل اپنے مبعوث ہونے کے لئے درخواست کرتے ہیں ہرگز نہیں۔ وہ تو ایسی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں کہ بالکل گمنام رہیں اور کوئی ان کو نہ جانے مگر خدا تعالیٰ زور سے اُن کو حجروں سے باہر نکالتا ہے۔ ہر ایک نبی کی زندگی ایسی ہی تھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو دُنیا سے پوشیدہ رہنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی جو وہ غارِ حرا میں چھپ کر رہتے اور عبادت کرتے رہتے۔ ان کو کبھی وہم بھی نہ آتا تھا کہ وہ وہاں سے نکل کر کہیں۔

يا ايها الناس انّي رسول الله اليكم جميعًا [۱]

آپ کا منشاء یہی تھا کہ پوشیدہ زندگی بسر کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ نہ چاہا۔ اور آپ کو مبعوث فرما کر باہر نکالا۔ اور یہ عادت اللہ ہے کہ جو کچھ بننے کی آرزو کرتے ہیں وہ محروم رہتے ہیں اور جو چھپنا چاہتے ہیں اُن کو باہر نکالتا اور سب کچھ بنا دیتا ہے۔ پس یقیناً سمجھو کہ میں بھی تنہائی کی زندگی کو پسند کرتا ہوں۔ وہ زمانہ جو مجھ پر گذرا ہے اس کا خیال کر کے مجھے اب بھی لذّت آتی ہے۔ میں طبعاً خلوت پسند تھا مگر خدا تعالیٰ نے مجھے باہر نکالا۔ پھر اس حکم کو میں کیونکر ردّ کر سکتا تھا؟ میں اس نمود اور نمائش کا ہمیشہ دشمن رہا۔ لیکن کیا کروں۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہی پسند کیا تو میں اس میں راضی ہوں اور اس کے حکم سے منحرف ہونا بھی پسند نہیں کر سکتا۔ اس پر دُنیا کے جی میں جو آئے کہے میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔

یہ خوب سمجھ رکھو کہ سچے موحد وہی ہیں جو ذرّہ بھر نیکی ظاہر نہیں کرتے اور نہ سچائی کے قبول کرنے میں دُنیا سے ڈرتے ہیں۔ اگر دُنیا ان کے کسی فعل سے بدکتی ہے، تو

[۱] الاعراف : ۱۵۹

انہیں پروا نہیں ہوتی۔ بعض کہتے ہیں کہ صحابہؓ جس قدر مجاہدہ کرتے تھے یا روزہ رکھتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسا ثابت نہیں۔ صحابہؓ میں سے بعض بعض قریب قریب رہبانیت کی زندگی کے پہنچ جاتے۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے (معاذاللہ) بڑھے ہوئے تھے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے جبر و اکراہ سے باہر نکالا تھا۔ آپ کی وہ عادت جو اخفاء کی تھی دُور نہ ہوئی تھی۔ کسی کو کیا معلوم ہے کہ آپ پوشیدہ طور پر کس قدر مجاہدات اور عبادات میں مصروف رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی میرے گھر میں باری تھی۔ رات کو جب میری آنکھ کھُلی تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں۔ میں بہت حیران ہوئی اور آپ کو تلاش کیا۔ جب کہیں پتہ نہ لگا تو آپ کو ایک قبرستان میں پایا کہ نہایت الحاح کے ساتھ مناجات کر رہے تھے کہ اے میرے خدا! میری رُوح، میری جان، میری ہڈیوں، میرے بال بال نے تجھے سجدہ کیا۔ اب اگر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس معاملہ کی خبر نہ ہوتی تو کس کو معلوم ہوتا کہ آپ اپنے رب کے ساتھ کیا معاملہ کر رہے ہیں۔ اسی طرح آپ کے مجاہدات و عبادات کا حال تھا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی عادت میں رکھ دیتا ہے کہ وہ اخفا کرتے ہیں۔ اس لئے دنیا کو پورے حالات کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ وہ دُنیا کے لئے تو کچھ کرتے ہی نہیں۔ جس سے معاملہ اور تعلق ہوتا ہے وہ ہر جگہ جانتا ہے اور دیکھتا ہے۔

پس مومنوں کو بھی دو ہی قسم کی زندگی بسر کرنے کا حکم ہے۔ سِرًّا و علانیۃً بعض نیکیاں ایسی ہیں کہ وہ علانیہ کی جاویں اور اس سے یہ غرض ہے کہ تا اس کی وجہ سے دوسروں کو بھی تحریک ہو اور وہ بھی کریں۔ جماعت نماز علانیہ ہی ہے اور اس سے غرض یہی ہے کہ تا دوسروں کو بھی تحریک ہو اور وہ بھی پڑھیں۔ اور سِرًّا اس لئے

کہ یہ مخلصین کی نشانی ہے جیسے تہجد کی نماز ہے۔ یہانتک بھی سنا نیکی کرنے والے ہوتے ہیں کہ ایک ہاتھ سے خیرات کرے اور دوسرے کو علم نہ ہو۔ اس سے بڑھ کر اخلاص مند ملنا مشکل ہے۔ انسان میں یہ بھی ایک مرض ہے کہ وہ جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ لوگ بھی اسے سمجھیں۔ مگر میں خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ میری جماعت میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ جو بہت کچھ خرچ کرتے ہیں مگر اپنا نام تک ظاہر نہیں کرتے۔ بعض آدمیوں نے مجھے کئی مرتبہ پارسل بھیجا ہے اور جب اسے کھولا ہے تو اندر سے سونے کا ٹکڑا نکلا ہے یا کوئی انگشتری نکلی ہے اور بھیجنے والا کا کوئی پتہ ہی نہیں۔ کسی انسان کے اندر اس مرتبہ اور مقام کا پیدا ہونا چھوٹی سی بات نہیں اور نہ ہر شخص کو یہ مقام میسر آتا ہے۔ یہ حالت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان کامل طور پر اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر ایمان لاتا ہے اور اس کے ساتھ اسے ایک صافی تعلق پیدا ہوتا ہے۔ دنیا اور اس کی چیزیں اس کی نظر میں فنا ہو جاتی ہیں اور اہلِ دُنیا کی تعریف یا مذمت کا اُسے کوئی خیال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس مقام پر جب انسان پہنچتا ہے تو وہ فنا کو زیادہ پسند کرتا ہے اور تنہائی اور تخلیہ کو عزیز رکھتا ہے۔[1]

غرض بدیوں کے ترک پر اس قدر ناز نہ کرو۔ جب تک نیکیوں کو پورے طور پر ادا نہ کرو گے اور نیکیاں بھی ایسی نیکیاں جن میں ریا کی ملونی نہ ہو اس وقت تک سلوک کی منزل طے نہیں ہوتی۔ یہ بات یاد رکھو کہ ریا حسنات کو ایسے جلا دیتی ہے جیسے آگ خس و خاشاک کو۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس مرد سے بڑھ کر مردِ خُدا نہ پاؤ گے جو نیکی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی پر ظاہر نہ ہو۔

ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ اُسے کچھ ضرورت تھی۔ اس نے وعظ کہا اور دوران وعظ میں یہ بھی کہا کہ مجھے ایک دینی ضرورت پیش آگئی ہے۔ مگر اس کے واسطے روپیہ نہیں

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۵ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۶ء

ہے۔ ایک بندۂ خدا نے یہ سُنکر دس ہزار روپیہ رکھ دیا۔ اس بزرگ نے اُٹھ کر اس کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ یہ شخص بڑا ثواب پائے گا۔ جب اس شخص نے ان باتوں کو سُنا تو وہ اُٹھ کر چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور کہا کہ یا حضرت مجھے اس روپیہ کے دینے میں بڑی غلطی ہوئی۔ وہ میرا مال نہ تھا بلکہ میری ماں کا مال ہے اس لئے وہ واپس دے دو۔ اُس بزرگ نے تو اُسے روپیہ دے دیا مگر لوگوں نے بڑی لعن طعن کی اور کہا کہ یہ اس کی اپنی بدنیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے پہلے وعظ سُنکر جوش میں آگیا اور روپیہ دے دیا اور اب اس روپیہ کی محبت نے مجبور کیا تو یہ عذر بنا لیا ہے۔ غرض وہ روپیہ لے کر چلا گیا اور لوگ اُسے بُرا بھلا کہتے رہے اور وہ مجلس برخواست ہوئی۔ جب آدھی رات گذری تو وہی شخص روپیہ لئے ہوئے اس بزرگ کے گھر پہنچا اور آکر انہیں آواز دی۔ وہ سوئے ہوئے تھے۔ انہیں جگایا اور وہی دس ہزار روپیہ رکھ دیا اور کہا کہ حضرت میں نے یہ روپیہ اس وقت اس لئے نہیں دیا تھا کہ آپ میری تعریف کریں۔ میری نیّت تو اَور تھی۔ اب میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ مرنے تک اس کا ذکر نہ کریں۔ یہ سُنکر وہ بزرگ رو پڑے۔ اس نے پوچھا کہ آپ روئے کیوں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے رونا اس لئے آیا ہے کہ تو نے ایسا اخفاء کیا ہے کہ جب تک یہ لوگ رہیں گے تجھے لعن طعن کریں گے۔ غرض وہ چلا گیا اور آخر خدا تعالیٰ نے اس امر کو ظاہر کر دیا۔

جو شخص خدا تعالیٰ سے پوشیدہ طور پر صُلح کر لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ اُسے عزت دیتا ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ جو کام تم چُھپ کر خدا کے لئے کرو گے وہ مخفی رہے گا۔ ریا سے بڑھ کر نیکیوں کا دشمن کوئی نہیں۔ ریاکار کے دل میں کبھی ٹھنڈ نہیں پڑتی ہے۔ جب تک کہ پُورا حصہ نہ لے لے۔ مگر ریا ہر مال کو جلا دیتی ہے اور کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ خوش قسمت وہ انسان ہے جو ریا سے بچے۔ اور جو کام کرے وہ خدا تعالیٰ کے

لئے کرے۔ ریاکاروں کی حالت عجیب ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے لئے جب خرچ کرنا ہو تو وہ کفایت شعاری سے کام لیتا ہے۔ لیکن جب ریا کا موقعہ ہو تو پھر ایک کی بجائے سو دیتا ہے اور دوسرے طور پر اسی مقصد کے لئے دو کا دینا کافی سمجھتا ہے اس لئے اس مرض سے بچنے کی دُعا کرتے رہو۔

جو لوگ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے وہ ان باتوں کی پروا نہیں کرتے۔ انہیں اس بات کی غرض ہی نہیں ہوتی کہ کوئی اُن کے دیئے ہوئے مال کا ذکر بھی کرے۔ دنیا **مزرعہ آخرت** ہے یعنی آخرت کی کھیتی ہے جو کچھ بنانا ہے اسی دنیا میں بناؤ۔ جو شخص رُوحانی مال و دولت اور جائداد یہاں جمع کرے گا وہ خوشحال ہوگا۔ ورنہ یہاں سے خالی ہاتھ جانا ہوگا اور بڑے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اس وقت نہ مال کام آئے گا نہ اولاد اور نہ دوسرے عزیز جن کے لئے دین کے پہلو کو چھوڑا تھا۔

اب یاد رکھو۔ وہی خدا جس نے تیرہ سو برس پہلے اس زمانہ کی خبر دی تھی وہی خبر دیتا ہے کہ **زمانہ قریب آگیا ہے**۔ اور بڑے بڑے حوادث ظاہر ہوں گے۔ اگر ان نشانوں کا انتظار ہے اور ان کے بعد جوش پیدا ہوا تو اس کا ثواب ایسا نہ ہوگا جیسا آج ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس وقت اگر کوئی ایمان پیش کرے گا تو ذرہ برابر اس کی قدر نہ ہوگی۔ کیونکہ اس وقت تو کافر سے کافر بھی سمجھ لے گا کہ دنیا فانی ہے۔

میں نے سُنا ہے کہ طاعُون کے زور کے دنوں میں ایک جگہ ایک بڑا متمول ہندو مرگیا۔ مرتے وقت اس نے اپنے مال و دولت کی کُنجیاں اپنے بھائی کو دیں۔ وہ بھی مرگیا۔ اور اس طرح پر ان کا سارا خاندان تباہ ہوگیا اور آخری شخص نے مرتے وقت وہاں کے ایک زمیندار کو کُنجیاں پیش کیں۔ اس نے انکار کر دیا کہ میں کیا کروں گا۔

بالآخر وہ مال داخل خزانہ سرکار ہوا۔

یہ سچی بات ہے کہ جب خوف کے دن آتے ہیں تو بڑے بڑے پاجی اور خبیث لوگ بھی صدقات وخیرات کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اس وقت یہ باتیں کام نہیں آتی ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کا غضب بھڑک چکا ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص عذاب کے آنے سے پہلے خدا تعالیٰ سے ڈرتا اور اس سے صلح کرتا ہے وہ بچا لیا جاتا ہے۔

پس خدا تعالےٰ کو راضی کرنے کے یہی دن ہیں۔ میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جس قدر اپنی ہستی کا ثبوت مجھے دیا ہے میرے پاس الفاظ نہیں جن میں مَیں اُسے ظاہر کرسکوں۔ وہی خدا ہے جس نے براہین کے زمانہ میں ان تمام امور کی جو آج تم دیکھ رہے ہو خبر دی۔ اُن ہندوؤں سے جو ہمارے جدّی دشمن ہیں پُوچھ لو کہ اس زمانہ میں اس جلوۂ قدرت کا کہاں نشان تھا۔ جب وہ ساری باتیں پُوری ہو چکی ہیں۔ پھر جو باتیں آج وہ بتاتا ہے وہ کیونکر پُوری نہ ہوں گی؟

اس خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ عنقریب خطرناک وقت آنے والا ہے۔ زلازل آئیں گے اور موتوں کے دروازے کھُل جاویں گے۔ پس اس سے پہلے کہ وہ خطرناک گھڑی آجاوے اور موت اپنا مُنہ کھول کر حملہ شروع کر دے تم نیکی کرو اور خدا تعالےٰ کو خوش کر لو۔ میں یہ بھی تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس زمانہ کی تمام نبیوں نے خبر دی ہے۔ یہ آخری ہزار کا زمانہ آگیا ہے اور دیکھو یہ وہ وقت ہے جس کے لئے گیارہ سو برس پہلے کی کتابوں میں لکھا تھا کہ مہدی کے وقت رمضان میں کسوف خسوف ہوگا اور آدم سے لے کر اس وقت تک کبھی یہ نشان ظاہر نہیں ہوا۔ وہ نشان تم نے دیکھ لیا پھر یہ کیسی قابلِ غور بات ہے۔ بعض جاہل اعتراض کرتے اور بہانہ بناتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ احمق اتنا نہیں جانتے کہ جس حدیث نے اپنے آپ کو سچا کر دیا ہے وہ کیسے جھُوٹ ہو سکتی ہے۔

محدثین کے اصول کے مطابق سچی اور صحیح حدیث تو وہی ہے جو اپنی سچائی آپ ظاہر کر دے اگر یہ حدیث ضعیف ہوتی تو پھر پوری کیوں ہوتی ؟ دو مرتبہ کسوف خسوف ہوا۔ اس ملک میں بھی اور امریکہ میں بھی۔ اگر یہ حدیث ضعیف ہے تو پھر اس کی مثال پیش کریں کہ کسی اَور کے زمانہ میں بھی ہوا ہو؟ یہ حدیث اہلِ سُنّت اور شیعہ دونوں کے ہاں کتابوں میں موجود ہے۔ پھر اس سے انکار کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ یہ آسمان کا نشان تھا۔ اور زمین کا نشان وہ ہے جو طاعُون کی صورت میں نمودار ہوا۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ وَاِنْ من قریۃٍ الّا نحن مھلکوھا قبل یوم القیامۃ او معذّبوھا عذابًا شدیدًا کان ذٰلک فی الکتاب مسطورًا۔[1] اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب قیامت قریب آجائے گی تو عام طور پر موت کا دروازہ کھولا جاوے گا۔ اور یہ حدیث کسُوف خسُوف کی قرآن شریف سے بھی ریح ثابت ہو چکی ہے۔

طاعُون کے متعلق شیعہ کی کتابوں میں تو یہانتک لکھا ہے کہ ایسی طاعون ہوگی کہ جہاں دس آدمی ہوں گے ان میں سے سات مر جاویں گے۔ اور حقیقت میں یہ ایسی بَلا ہے کہ خاندانوں کے خاندان اس سے مِٹ گئے اور بے نام و نشان ہو گئے۔ کون جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا ؟ اس قدر سردی کی شدت میں طاعون ترقی کر رہی ہے۔ امرتسر میں زور شور ہے۔ ایسی حالت میں کوئی کیا امید کر سکتا ہے۔

جبکہ موت کا بازار گرم ہے تو کیا املاک اور جائیدادیں سر پہ اُٹھا کر لے جاؤ گے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اگر ان نشانات کو دیکھ کر بھی تبدیلی نہیں کرتے تو کیونکر کہہ سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ پر ایمان ہے۔

ہم اپنے نفس کے لئے کچھ نہیں چاہتے۔ بارہا یہ خیال کیا ہے کہ اپنے گذارہ کیلئے تو پانچ سات روپیہ ماہوار کافی ہیں اور جائیداد اس سے زیادہ ہے۔ پھر میں جو بار بار تاکید کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ہے کیونکہ اسلام

[1] بنی اسرائیل : ۵۹

اس وقت تنزّل کی حالت میں ہے۔ بیرُونی اور اندرُونی کمزوریوں کو دیکھ کر طبیعت بے قرار ہو جاتی ہے۔ اور اسلام دوسرے مخالف مذاہب کا شکار بن رہا ہے۔ پہلے تو صرف عیسائیوں ہی کا شکار ہو رہا تھا مگر اب آریوں نے اس پر دانت تیز کئے ہیں اور وہ بھی چاہتے ہیں کہ اسلام کا نام و نشان مٹا دیں۔ جب یہ حالت ہوگئی ہے تو کیا اب اسلام کی ترقی کے لئے ہم قدم نہ اُٹھائیں ؟ خدا تعالیٰ نے اسی غرض کے لئے تو اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ پس اس کی ترقی کے لئے سعی کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور منشار کی تعمیل ہے۔ اس لئے اس راہ میں جو کچھ بھی خرچ کروگے وہ **سمیع و بصیر** ہے۔

یہ وعدے بھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہیں کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے لئے دے گا میں اس کو چند گنا برکت دُوں گا۔ دُنیا ہی میں اُسے بہت کچھ ملے گا اور مرنے کے بعد آخرت کی جزا بھی دیکھ لے گا کہ کس قدر آرام میسر آتا ہے۔ غرض اس وقت میں اس امر کی طرف تم سب کو توجہ دلاتا ہوں کہ اسلام کی ترقی کے لئے اپنے مالوں کو خرچ کرو۔ اسی مطلب کے لئے یہ گفتگو ہے۔ اس وقت جیسا کہ میں شائع کر چکا ہوں اللہ تعالےٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ تیری وفات کا وقت قریب ہے جیسا کہ اس نے فرمایا۔ قرب اجلك المقدر۔ ولا نبقی لك من المخزیات ذکراً۔ اس وحی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا ذکر باقی نہ رہنے دے گا جو کسی قسم کی نکتہ چینی اور خزی کا باعث ہو۔

دشمن بداندیش اور مریض قلب والوں کے لئے بہت سی باتیں ہوتی ہیں اور انبیار اور رُسل کی تو قسمت ہی میں اعتراض ہوتے ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کس قدر اعتراض ہوئے اور اب تک کئے جاتے ہیں۔ کیا کسی معمولی زندگی کے انسان پر بھی کئے جاتے ہیں ؟ کبھی نہیں۔ صدہا انسان ایسے ہوں گے جو معمولی زندگی کے انسان کی تعریف کریں گے۔ مگر جب انبیار و رُسل کا ذکر آئے گا تو وہاں اعتراض کے لئے زبان

کھولیں گے۔ بات کیا ہے کہ انبیاء و رُسل پر اس قدر اعتراض ہوئے ہیں؟ اصل یہ ہے کہ جیسے دولت پر سانپ ہوتا ہے تاکہ نامحرم پاس نہ جاوے۔ اسی طرح پر انبیاء و رُسل بھی ایک بے نظیر دولت ہوتے ہیں۔ خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ سعید اور رشید ہی اُن تک پہنچیں۔ اس لئے ان پر قسم قسم کے اعتراض ہوتے ہیں تاکہ وہ لوگ جو اہل نہیں ہیں دُور رہیں۔ ورنہ اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو وہ نہ جہاد کرتے، نہ بیویاں کرتے، نہ اعتراض ہوتے مگر وہ نبی جس کی تعلیم اتم اور اکمل تھی اس کے لئے خدا تعالیٰ نے نہ چاہا کہ اُسے نااہل قبول کریں۔ اس لئے چند باتیں ایسی رکھ دیں جو نظر بد دُور کا کام دیتی ہیں اور اُن پر اعتراض ہوا۔ اور نااہل الگ رہے۔ مگر جو لوگ اہل تھے انہوں نے حقیقت کو پا لیا۔

دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک نکتہ چین اور معترض۔ یہ ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جو خدا تعالےٰ کی تائید اور نُصرت اور نبی کے صدق و وفا کو دیکھتے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں اور پھر خدا تعالےٰ کی قدرتوں کے عجائبات مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ اس کے حالات سے خبر پاتے ہیں اور انہیں حاجت نہیں ہوتی کہ کچھ اور دیکھیں۔ بدبخت نااہل وہ باتیں دیکھتے ہیں جن سے شقاوت بڑھے۔

میں نے تذکرۃ الاولیاء میں ایک لطیفہ دیکھا کہ ایک شخص ایک بزرگ کی نسبت بدگمانی رکھتا تھا کہ یہ مکار ہے اور فاسق ہے۔ ایک دن اُن کے پاس آیا اور کہا۔ کہ حضرت کوئی کرامت تو دکھاؤ۔ فرمایا۔ میری کرامت تو ظاہر ہے۔ باوجودیکہ تم تمام دُنیا کے معاصی مجھ میں بتاتے ہو۔ مگر پھر دیکھتے ہو کہ خدا تعالےٰ مجھے غرق نہیں کرتا۔ لُوط کی بستی تباہ ہوئی۔ عاد و ثمود وغیرہ تباہ ہوئے۔ مگر مجھ پر غضب نہیں آتا۔ کیا یہ تیرے لئے کرامت نہیں ہے؟

بات بڑی لطیف ہے۔ یعنی عیوب پیدا کرنے والے لوگوں کو یہ بھی تو چاہئے کہ وہ دیکھیں کہ وہ شخص جو منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور جس پر اس قدر

اعتراض اور نکتہ چینیاں کی جاتی ہیں۔ وہ جو ہلاک نہیں ہوتا کیا خدا بھی اس سے دھوکا ہی میں رہا؟ عیسائیوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہی حقیقت سمجھی کہ معاذ اللہ آپؐ افترا کرتے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے آپ کو وہ نُصرت دی اور وہ فضیلت دی کہ آدم سے اخیر تک کسی کو وہ کامیابی کبھی نصیب نہ ہوئی بلکہ آپؐ کے متعلق ایک ایسا نکتہ ہے جو آپ کی عظمت کو اور بھی بڑھا دیتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ آپ ایسے وقت تشریف لائے جبکہ ظھر الفساد فی البرّ والبحر[2] کا وقت تھا یعنی اہل کتاب بھی بگڑ چکے تھے اور غیر اہل کتاب بھی بگڑے ہوئے تھے۔ اور یہ بات مخالفوں کی تصدیق سے بھی ثابت ہے۔ پنڈت دیانند صاحب کہتے ہیں کہ آریہ ورت میں بُت پرستی ہو رہی تھی اور اس طرف عرب میں بھی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ عیسائیوں کے مذہب کا خاصہ یہ رہ گیا تھا کہ ایک عاجز انسان کو خدا بنایا گیا تھا۔ غرض جس طرف دیکھو ایک تاریکی چھائی ہوئی تھی اور خدا تعالیٰ سے بالکل غفلت اور لاپروائی ہو چکی تھی اور وہ وقت پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ ایک عظیم الشان مصلح کی ضرورت ہے اور یہ مسلّم بات ہے کہ ضرورت علوم کی ماں ہوتی ہے۔ ہر قسم کا علم ضرورت سے پیدا ہوا ہے۔ طب، طبعی، ہیئت، جغرافیہ وغیرہ تمام علوم کی ماں ضرورت ہی ہے۔ پس اگر سمجھ دار ہو تو سمجھ لے کہ اس دقیقہ معرفت[1] کی ماں بھی کوئی عظیم الشان ضرورت ہے۔ بہت سے صحابہؓ آپ پر ایمان لائے یہ دیکھ کر کہ آپ ایسے وقت آئے ہیں جو سخت ضرورت کا وقت ہے۔ اگر آپ نہ آتے تو شاید نوح کی طرح ایک طُوفان آ کر دُنیا کو ہلاک کر دیتا۔ میں یقیناً جانتا ہوں اور دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آپ کے لئے ایسا اعلیٰ اور اصفیٰ نظارہ ضرورتوں کا ہے کہ کسی دوسرے کے لئے وہ میسّر نہیں اور حضرت عیسٰی کے لئے تو کچھ بھی نظر

[1] یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت (ایڈیٹر الحکم)

[2] الروم: ۴۲

نہیں آتا۔ فقیہ اور فریسی موجود تھے جو موسیٰ علیہ السلام کی گدی پر بیٹھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے کسی نئی شریعت کا دعویٰ ہی نہیں کیا اور پھر جبکہ یہودیوں کے اس قدر گروہ موجود تھے تو نہیں کہہ سکتے کہ سب منحرف تھے۔ بعض عامل بھی تھے اور وحی اور الہام کا بھی دعویٰ کرتے تھے کیا ان میں کوئی ایسا تھا جو انسان کو خدا بناتا ہو؟ وہ تو موجودہ عیسائی مذہب سے بھی اچھے تھے۔ موحد تھے۔ میں نے زین الدین ابراہیم کی معرفت بمبئی میں ایک یہودی عالم سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے کہیں یہ بھی لکھا ہے کہ انسان خدا ہوگا۔ اس نے قسماً کہا کہ ہرگز نہیں۔ ہم تو اسی خدا کو مانتے ہیں جو قرآن میں بیان ہوا ہے۔ ہم انسان کو خدا کہنا کفر سمجھتے ہیں جو تمام لوازم ضعف، ناتوانی بیماری کے رکھتا ہے۔ یہ **لعنتی مذہب** ہے جو انسان کو خدا بناتا ہے۔

غرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ضرورت ایسی واضح اور روشن ہے کہ کسی دوسرے نبی کا زمانہ ایسی نظیر نہیں رکھتا۔

اب دوسرا حصہ دیکھو کہ آپ فوت نہیں ہوئے جب تک الیوم اکملت لکم دینکم[۱] کی آواز نہیں سُن لی۔ اور اذا جاء نصر اللہ والفتح و رایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً[۲] کا نظارہ آپؐ نے نہیں دیکھ لیا۔ یہ آیت نہ تو توریت میں ہے نہ انجیل میں۔ توریت کا تو یہ حال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام راستہ ہی میں فوت ہو گئے اور قوم کو وعدہ کی سرزمین میں داخل نہ کر سکے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود کہتے ہیں کہ بہت سی باتیں بیان کرنے کی تھیں۔ کیا قرآن شریف میں بھی ایسا لکھا ہے؟ وہاں تو اکملت لکم ہے۔ رہی ان کی تکمیل۔ صحابہؓ کی جو تکمیل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کی وہ اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ خود اُن کی نسبت فرماتا ہے منھم من قضیٰ نحبہٗ[۳] الآیۃ۔ اور پھر ان کی نسبت رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ[۴] فرمایا۔ لیکن انجیل میں مسیح کے حواریوں کی جو تعریف کی گئی ہے، وہ

[۱] المائدہ: ۴ [۲] النصر: ۲، ۳ [۳] الاحزاب: ۲۴ [۴] المجادلہ: ۲۳

سب کو معلوم ہے کہ جا بجا ان کو لالچی اور کم ایمان کہا گیا ہے اور عملی رنگ ان کا یہ ہے کہ اُن میں سے ایک نے تیس روپے لے کر پکڑوا دیا اور پھر ایک نے سامنے لعنت کی۔ انصاف کر کے کہو کہ یہ کیسی تکمیل ہے۔ اس کے بالمقابل قرآن شریف صحابہؓ کی تعریف سے بھرا پڑا ہے اور اُن کی ایسی تکمیل ہوئی کہ دوسری کوئی قوم اس کی نظیر نہیں رکھتی۔ پھر اُن کے لئے اللہ تعالیٰ نے جزا بھی بڑی دی۔ یہانتک کہ اگر باہم کوئی رنجش بھی ہوگئی تو اس کے لئے فرمایا و نزعنا ما فی صدورھم من غلٍ[1] الآیۃ۔ حضرت عیسیٰؑ نے بھی حواریوں کو تختوں کا وعدہ دیا تھا۔ مگر وہ ٹوٹ گیا۔ کیونکہ بارہ تختوں کا وعدہ تھا مگر یہودا اسکریوطی کا ٹوٹ گیا۔ جب وہ قائم نہ رہا تو اَوروں کا کیا بھروسہ کریں۔ مگر صحابہؓ کے تخت قائم رہے۔ دُنیا میں بھی رہے اور آخرت میں بھی۔ غرض یہ آیت الیوم اکملت لکم مسلمانوں کے لئے کیسے فخر کی بات ہے۔

اب ان باتوں کو ملا کر غور کرو کہ آپ آئے ایسے وقت جبکہ بالکل تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ جیسا کہ فرمایا انّا انزلنٰہُ فی لیلۃ القدر[2]۔ ایک لیلۃ القدر تو وہ ہے جو پچھلے حصہ رات میں ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالےٰ تجلّی فرماتا ہے اور ہاتھ پھیلاتا ہے کہ کوئی دُعا کرنے والا اور استغفار کرنے والا ہے جو میں اس کو قبول کروں۔ لیکن ایک معنے اس کے اَور ہیں جس سے بدقسمتی سے علماء مخالف اور منکر ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ ہم نے قرآن کو ایسی رات میں اُتارا ہے کہ تاریک و تار تھی اور وہ ایک مستعد مصلح کی خواہاں تھی۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے جبکہ اس نے فرمایا۔ ماخلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون[3]۔ پھر جب انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تاریکی ہی میں پڑا رہے۔ ایسے زمانے میں بالطبع اس کی ذات جوش مارتی ہے کہ کوئی مصلح پیدا ہو۔ پس انّا انزلناہ فی لیلۃ

[1] الاعراف: ۴۴ [2] القدر: ۲ [3] الذّٰریٰت: ۵۷

القدر اس زمانہ ضرورت بعثت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک اور دلیل ہے اور انجام الیوم اکملت لکم میں فرما دیا۔ گویا یہ باب نبوت کی دوسری فصل ہے۔ اکمال سے یہی مطلب نہیں کہ سورتیں اُتار دیں بلکہ تکمیل نفس اور تطہیر قلب کی۔ وحشیوں سے انسان پھر اس کے بعد عقلمند اور با اخلاق انسان اور پھر باخدا انسان بنا دیا اور تطہیر نفس، تکمیل اور تہذیب نفس کے مدارج طے کرا دیئے۔ اور اسی طرح پر کتاب اللہ کو بھی پورا اور کامل کر دیا۔ یہانتک کہ کوئی سچائی اور صداقت نہیں جو قرآن شریف میں نہ ہو۔ میں نے اگنی ہوتری کو بارہا کہا کہ کوئی ایسی سچائی بتاؤ جو قرآن شریف میں نہ ہو مگر وہ نہ بتا سکا۔ ایسا ہی ایک زمانہ مجھ پر گذرا ہے کہ میں نے بائبل کو سامنے رکھ کر دیکھا۔ جن باتوں پر عیسائی ناز کرتے ہیں وہ تمام سچائیاں مستقل طور پر اور نہایت ہی اکمل طور پر قرآن مجید میں موجود ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کو اس طرف توجہ نہیں۔ وہ قرآن شریف پر تدبر ہی نہیں کرتے اور نہ ان کے دل میں کچھ عظمت ہے۔ ورنہ یہ تو ایسا فخر کا مقام ہے کہ اس کی نظیر دوسروں میں ہے ہی نہیں۔

غرض الیوم اکملت لکم دینکم[1] کی آیت دو پہلو رکھتی ہے۔ ایک یہ کہ تمہاری تطہیر کر چکا۔ دوم کتاب مکمل کر چکا۔ کہتے ہیں جب یہ آیت اُتری وہ جُمعہ کا دن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی یہودی نے کہا کہ اس آیت کے نزول کے دن عید کر لیتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جُمعہ عید ہی ہے۔ مگر بہت سے لوگ اس عید سے بے خبر ہیں۔ دوسری عیدوں کو کپڑے بدلتے ہیں لیکن اس عید کی پروا نہیں کرتے اور میلے کچیلے کپڑوں کے ساتھ آتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ عید دوسری عیدوں سے افضل ہے۔ اسی عید کے لئے سُورہ جُمعہ ہے اور اسی کے لئے قصر نماز ہے۔ اور جُمعہ وہ ہے جس میں عصر کے وقت آدم پیدا ہوئے۔ اور یہ عید اس زمانہ پر بھی دلالت کرتی ہے کہ پہلا انسان اس عید کو پیدا ہوا۔ قرآن شریف کا خاتمہ اسی پر ہوا۔

[1] المآئدۃ : ۴

کہتے ہیں جب یہ آیت اُتری تو ابوبکر رو پڑے۔ کسی نے کہا اسے بڑھے۔ کیوں روتا ہے ؟ آپ نے جواب دیا کہ اس آیت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کی بُو آتی ہے۔ کیونکہ یہ مقرر شدہ بات ہے کہ جب کام ہو چکتا ہے تو اس کا پُورا ہونا ہی وفات پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا دنیا میں بندوبست ہوتے ہیں اور جب وہ ختم ہو جاتا ہے تو عملہ وہاں سے رخصت ہوتا ہے۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ والا قصہ سُنا تو فرمایا سب سے سمجھدار ابوبکرؓ ہے اور یہ فرمایا کہ اگر دنیا میں کسی کو دوست رکھتا تو ابوبکر کو رکھتا اور فرمایا۔ ابوبکرؓ کی کھڑکی مسجد میں کھُلی رہے باقی سب بند کر دو۔ کوئی پوچھے کہ اس میں مناسبت کیا ہوئی ؛ تو یاد رکھو کہ مسجد خانہ خدا ہے جو سرچشمہ ہے تمام حقائق و معارف کا۔ اس لئے فرمایا کہ ابوبکرؓ کی اندرونی کھڑکی اس طرف ہے تو اس کے لئے یہ بھی کھڑکی رکھی جاوے۔ یہ بات نہیں کہ اور صحابہؓ محروم تھے۔ بلکہ ابوبکرؓ کی فضیلت وہ ذاتی فراست تھی جس نے ابتداء میں بھی اپنا نمونہ دکھایا اور انتہا میں بھی۔ گویا ابوبکرؓ کا وجود مجموعۃ الفراستین تھا۔

اب میں پھر یہ ذکر کر کے اس کو ختم کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جہاں میری وفات کی خبر دی ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے لا نبقی لک من المخزیات ذکراً۔ جو مامور ہو کر آتا ہے بڑا اعتراض عقلمندوں کا یہ ہوتا ہے کہ وہ مرگیا کام کیا کیا ؛ یہ مہذب لوگ کہتے ہیں کہ اتنا بڑا دعویٰ کیا تھا کہ کسرِ صلیب ہوگا اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔ مگر اب خامی کی حالت میں چلے گئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ پیشگوئی فرماتا ہے لا نبقی لک من المخزیات ذکراً۔ اور سچے آدمی کو غم بھی یہی ہوتا ہے۔ جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ تیرے بوجھ کو جس نے تیری پیٹھ توڑ دی تھی اُٹھا دیا۔ وہ بھی علّتِ غائی کا بوجھ ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اس وحی میں بشارت دی ہے گویا اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اب سُنو ! جبکہ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے تو یہ ہو کر رہے گا۔

تمہیں مفت کا ثواب ہے۔ پس تم اس وصیت کی تکمیل میں میرا ہاتھ بٹاؤ وہ قادر خدا جس نے پیدا کیا ہے دنیا اور آخرت کی مرادیں دیدے گا۔

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۷ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۰۶ء)

دسمبر ۱۹۰۵ء کا آخری ہفتہ

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی مجلس میں ایک سکھ اور ایک آریہ

ہر سال دسمبر کے آخری ہفتہ میں احمدی احباب مختلف شہروں سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور قادیان میں ایک جلسہ کا رنگ ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے آریوں نے بھی چند سالوں سے قادیان میں سالانہ جلسہ کرنے کی تجویز کی ہوئی ہے۔ پہلے تو جھوٹی خبریں اُڑایا کرتے تھے کہ مرزا صاحب کے ساتھ مباحثہ ہوگا اس واسطے دور و نزدیک کے آریہ تماشہ بینی کے واسطے آجاتے تھے۔ مگر اب بھی خصوصاً ایسے آریہ مہاشے لیکچرار جمع ہو جاتے ہیں کہ اسلام کو گالیاں دینے میں خاص مشق اور ملکہ رکھتے ہیں۔ اسواسطے آریوں کو خوش ہو جانے کا کچھ سامان مل ہی جاتا ہے۔ ان باہر سے آنے والے آریوں میں سے ہر سال کوئی نہ کوئی جماعت ایسی بھی ہوتی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہے کہ ہم تو زیادہ تر آپ کے درشنوں کے واسطے آئے تھے اور ایسے لوگ عموماً نہایت ادب کے ساتھ بیٹھتے اور حضور کی باتیں سُنتے ہیں۔ چنانچہ اس دفعہ بھی جلسہ آریہ کی چند جماعتیں متفرق اوقات میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتی رہیں۔ ایک دن ان میں سے

ایک آریہ کے ساتھ حضرت کی کچھ گفتگو ہوئی جس کا اندراج دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

آریہ سے گفتگو کرنے کے وقت درمیان میں ایک سکھ بول اُٹھا اور اُس نے چاہا کہ حضرت کے ساتھ کچھ گفتگو کرے۔ مگر آپ نے نرمی کے ساتھ اس کو کہا کہ

ہم تمہاری عزت کرتے ہیں اور تمہارے ساتھ ہمارا کوئی مباحثہ نہیں کیونکہ ہم باوا نانک کو ہندوؤں کے درمیان ایک اوتار اور بزرگ مانتے ہیں اور اس کو ایک پاک آدمی سمجھتے ہیں۔ پس جبکہ تمہارے مقصد کو ہم پہلے سے ہی مانتے ہیں تو تمہارے ساتھ مباحثہ کرنے کی ہمیں حاجت نہیں۔

اس کے بعد آپ آریہ کی طرف مخاطب ہوئے جس کا نام پورن چند تھا جو کہ ہوشیارپور کے رہنے والے ایک صاحب تھے۔

حضرت اقدس۔ آریوں میں جو لوگ بڑے بڑے لیکچر دیتے ہیں اور قوم کی پست حالت کو ترقی دینا چاہتے ہیں، اُن کی علت غائی کیا ہے؟ ہر ایک قوم اپنے لئے ایک انتہائی مقصد رکھتی ہے۔ سو وہ انتہائی مقصد تمہارے ریفارمروں کا کیا ہے؟ لیکن مصلحین کے مقاصد دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہوتے ہیں جو دُنیوی امور کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ ایک وہ ہوتے ہیں جو دینی امور کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ میرا مطلب اس وقت دینی امور میں اصلاح کرنے والوں سے ہے کہ وہ اپنا انتہائی مقصد کیا رکھتے ہیں۔

آریہ۔ ہمارے نزدیک دین دُنیا سے علیحدہ نہیں۔ دینی لوگ ہی دُنیا کے کاموں کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور عمدگی سے کر سکتے ہیں۔ اس واسطے ہم دونوں کی اصلاح کرتے ہیں۔ ہم دُنیا داری کی اصلاح دین میں شامل رکھتے ہیں۔

حضرت اقدس۔ میں قبول کرتا ہوں کہ جس شخص کی دین میں آنکھ کھلتی ہے وہ دُنیا

کے معاملات میں بھی راستی اور دیانت اختیار کرتا ہے اور اس کے بغیر دُنیا نہیں سنورتی۔ لیکن میرا مطلب اس جگہ صرف دین کے متعلق سوال کرنے اور دنیا کو علیحدہ رکھنے سے یہ ہے کہ دُنیا کے واسطے ایک خاص عقل بھی ہوتی ہے۔ مثلاً راج[1] کا کام میں نہیں جانتا۔ میں اس کے کام پر کوئی اعتراض نہیں کرتا نہ اس کے کام کی اصلاح کرتا ہوں۔ اگر گورنمنٹ کو ڈاکٹر کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ ایسا آدمی ملازم رکھتی ہے جس نے اس فن میں بہت محنت اور کوشش کرکے ایک استعداد پیدا کی ہوئی ہوتی ہے۔ کیسا ہی کوئی دھرم آتما ہو۔ اگر وہ سرکاری قانون سے آگاہ نہیں تو جج نہیں بن سکتا۔ اس طرح دُنیوی اصلاحوں کی ایک علیحدہ شاخ ہے۔ جیسا کہ لوگ نئی نئی قسم کی ایجادیں کرکے پہلے سے بہتر گاڑیاں اور اوزار اور سامان بناتے ہیں۔ یہ بھی ایک اصلاح ہے۔ ہاں نیک دل لوگ بھی اصلاح کے واسطے ہی آتے ہیں۔ لیکن دُنیوی امور میں ان کا دخل ایک عام اتفاق تک ہوتا ہے کہ بدچلنی نکل جاوے اور لوگ تمام کام نیک نیتی سے پُورے کریں۔ باقی علوم و فنون دنیادار ہی جانتے ہیں۔ دینی مصلح ایک عام اصلاح کرتا ہے جو رفاہ عام کے متعلق ہو۔

آریہ۔ جیسا کہ تمام اشیاء قدرت نے ہم کو دی ہیں جو ہماری دوسری ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں۔ ایسا ہی گیان کے واسطے بھی قدرت نے ہم کو ایک شئے دی ہے اور وہ وید ہیں۔ آریہ سماج کا یہ کام ہے کہ وہ ویدوں کی تعلیم کو پھیلائیں۔

حضرت اقدس۔ وہ انتہائی نقطہ کونسا ہے جس کی طرف ویدوں کی تعلیم لے جاتی ہے

آریہ۔ جسم کی ترقی۔ سماج کی ترقی اور رُوح کی ترقی۔

حضرت اقدس۔ رُوحانی ترقی کیا ہے؟

آریہ۔ موکش پانا (نجات حاصل کرنا)

---

[1] پنجابی زبان میں 'راج' معمار کو کہتے ہیں۔ (مرتب)

حضرت اقدس۔ یہ تو سب کا دعویٰ ہے۔ لیکن ایک ادعائی رنگ ہوتا ہے جو صرف خیالی رنگ اور وہم تک محدود ہوتا ہے کہ ہم نے یہ کام کر لیا ہے۔ لیکن اس میں ایک امتیازی رنگ ہونا چاہیئے جس سے تمیز ہو جاوے کہ اس میں نجات ہے اور اس میں نہیں۔ خیر اس وقت ہم ویدوں کی تعلیم پر حملہ نہیں کرتے۔ فرض کرو وہ سب تعلیم عمدہ ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ وہ کسی کی نقل ہو۔ مثلاً جاپان اس وقت ایک طاقت بن گئی ہے لیکن ان کی سب باتیں یورپ کی نقل ہیں۔ ایسا ہی پارسی کہتے ہیں کہ ژند و وستا ویدوں سے بھی پُرانے ہیں اور ویدوں کی بعض باتیں اس سے ملتی بھی ہیں۔ اس لئے اب سوال یہ ہے کہ اگر ایک شخص وید کی باتوں پر عمل کرے۔ فلسفیانہ رنگ میں اس کو علم کی طرح حاصل کرے لیکن ویدوں کو الہامی کتاب نہ مانے اور نہ اس کے ساتھ کوئی تعلق رکھے تو کیا وہ موکش حاصل کر سکتا ہے؟ جیسا کہ دُنیوی علوم و فنون کے واسطے ضروری نہیں ہوتا کہ اُستاد کس مذہب کا ہو۔ ایک ہندو اُستاد ہو یا عیسائی ہو یا دہریہ ہو سب مدرسوں میں موجود ہوتے ہیں۔

آریہ۔ ہاں موکش کے واسطے وید کو الہامی ماننا ضروری نہیں۔ جو مثالیں آپ نے دی ہیں وہ درست ہیں اور جیسا کہ اقلیدس کی شکلیں ہیں ہر ایک اس کو سیکھ اور سکھا سکتا ہے لیکن آریہ سماج ان شکلوں کو درست حالت میں رکھتی ہے۔ باقیوں نے غلطیاں ملا دی ہیں۔ اگر وید پر اسلام عمل کرے تو وہ اچھا ہے بہ نسبت اس ہندو کے جو نہیں کرتا۔

حضرت اقدس۔ ہمارا سوال تو صرف اتنا ہے کہ اگر کوئی شخص وید کو خدا تعالیٰ کا کلام نہیں مانتا مگر اس کی باتوں پر عمل کرتا ہے تو کیا وہ مکتی پائے گا؟

آریہ۔ بے شک مکتی پائے گا۔ فقط

(بدر جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۶ مورخہ ۱۹؍ جنوری ۱۹۰۶ء)

۱۱ جنوری ۱۹۰۶ء

صبح کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مع خدام سیر کرنے کے واسطے باہر نکلے تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی قبر پر تشریف لے گئے جہاں آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی۔ بعد دُعا کے ایک شخص نے چند سوال کئے جو درج کرنے کے لائق ہیں۔

سوال۔ قبر پر کھڑے ہو کر کیا پڑھنا چاہیئے؟

جواب۔ میّت کے واسطے دعا کرنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اس کے ان قصوروں اور گناہوں کو بخشے جو اُس نے اس دُنیا میں کئے تھے اور اس کے پس ماندگان کے واسطے بھی دُعا کرنی چاہیئے۔

سوال۔ دُعا میں کونسی آیت پڑھنی چاہیئے؟

جواب۔ یہ تکلفات ہیں۔ تم اپنی ہی زبان میں جس کو بخوبی جانتے ہو اور جس میں تم کو جوش پیدا ہوتا ہے میت کے واسطے دُعا کرو۔

سوال۔ کیا میّت کو صدقہ خیرات اور قرآن شریف کا پڑھنا پہنچ سکتا ہے؟

جواب۔ میّت کو صدقہ خیرات جو اس کی خاطر دیا جاوے پہنچ جاتا ہے۔ لیکن قرآن شریف کا پڑھ کر پہنچانا حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے ثابت نہیں ہے۔ اس کی بجائے دُعا ہے جو میّت کے حق میں کرنی چاہیئے۔ میّت کے حق میں صدقہ خیرات اور دُعا کا کرنا ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کی سُنّت سے ثابت ہے۔ لیکن صدقہ بھی وہ بہتر ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے دے جائے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے انسان اپنے ایمان پر مُہر لگاتا ہے۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۰۶ء)

۱۵ جنوری ۱۹۰۶ء

ایک خادم جو باہر سے آیا تھا حضور کی خدمت میں اس الہام کا ذکر کر کے کہ آپ کی وفات کے دن قریب ہیں رو پڑا۔

فرمایا:۔

یہ وقت تمام انبیاء کے متبعین کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اور اس میں ایک نشان خدا تعالیٰ دکھاتا ہے۔ نبی کی وفات کے بعد اس سلسلہ کو قائم رکھ کر اللہ تعالیٰ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ یہ سلسلہ دراصل خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ بعض نادان لوگ نبی کے زمانہ میں کہا کرتے ہیں کہ یہ ایک ہوشیار اور چالاک آدمی ہے اور دکان دار ہے۔ کسی اتفاق سے اس کی دکان چل پڑی ہے۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد یہ سب کاروبار تباہ ہو جاوے گا۔ تب اللہ تعالیٰ نبی کی وفات کے وقت ایک زبردست ہاتھ دکھاتا ہے اور اس کے سلسلہ کو نئے سرے سے پھر قائم کرتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ بہت سے بادیہ نشین مرتد ہو گئے تھے۔ لوگوں نے سمجھا کہ یہ بے وقت موت ہے۔ صرف دو مسجدوں میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ باقی میں بند ہو گئی۔ تب خدا تعالیٰ نے ابوبکر کو اُٹھایا۔ اور تمام کاروبار اسی طرح جاری رہا۔ اگر انسان کا کاروبار ہوتا تو اس وقت ادھورا رہ جاتا۔ ایسا حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعد جو نمونہ ایک ناکامی اور تباہی اور پریشانی کا اُن کی اُمت نے دیکھا تھا اس کی تو کوئی نظیر ہی موجود نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت نمائی کا ایک نمونہ دکھانا چاہتا ہے کہ نبی کے زمانہ میں اُن تمام کاموں کی تکمیل نہیں کرتا۔ سُنّت اللہ ہمیشہ اسی طرح سے جاری ہے کہ لوگوں کا خیال کسی اَور طرف ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کوئی اَور بات کر دکھلاتا ہے۔ جس سے بہتوں کے واسطے صورت ابتلا پیدا ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ

وسلم کے متعلق تمام پہلوں کو یہی دھوکا رہا کہ وہ نبی بنی اسرائیل میں سے ہوگا حضرت عیسٰی کے متعلق الیاس کا دھوکا آجتک یہودیوں کو لگا ہوا ہے۔

لکھا ہے کہ ایک بزرگ جب فوت ہوئے تو انہوں نے کہا کہ جب تم مجھے دفن کر چکو تو وہاں ایک سبز چڑیا آئے گی جس کے سر پر وہ چڑیا بیٹھے وہی میرا خلیفہ ہوگا۔ جب وہ اس کو دفن کر چکے تو اس انتظار میں بیٹھے کہ وہ چڑیا کب آتی ہے اور کس کے سر پر بیٹھتی ہے۔ بڑے بڑے پُرانے مُرید جو تھے اُن کے دل میں خیال گذرا کہ چڑیا ہمارے ہی سر پر بیٹھے گی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک چڑیا ظاہر ہوئی اور وہ ایک بقّال کے سر پر آبیٹھی جو اتفاق سے شریک جنازہ ہوگیا تھا۔ تب وہ سب حیران ہوئے لیکن اپنے مرشد کے قول کے مطابق اس کو لے گئے اور اس کو اپنے پیر کا خلیفہ بنایا۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ لکھا ہے کہ مسیح کئی ہوں گے۔

فرمایا:۔

جیسا تشابہ فی الصور ہوتا ہے ایسا ہی تشابہ فی الاخلاق بھی ہوا کرتا ہے۔ لکھا ہے کہ ایک صالح کا دل کسی نہ کسی نبی کے دل پر ہوتا ہے۔ لیکن موعود جو آنے والا تھا وہ صرف ایک ہی ہے۔

فرمایا:۔ جو لوگ پہلے سے غلطی پر تھے اُن کی غلطی اجتہادی تھی۔ اس میں بھی وہ ثواب پر تھے۔ لیکن ان لوگوں نے ایک مُرسل کا مقابلہ کیا ہے۔ اس واسطے یہ خطا پر ہیں۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۱۹ر جنوری ۱۹۰۶ء)

۲۰؍جنوری ۱۹۰۶ء

فرمایا:۔

خدا تعالیٰ ایک وحدت چاہتا ہے جو شخص اپنے بھائی کو بے جا رنج دیتا ہے جھوٹ خیانت یا غیبت میں حصہ لیتا ہے وہ اس وحدت کا دشمن ہے۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲ مؤرخہ ۲۶ جنوری ۱۹۰۶ء)

۲۲؍جنوری ۱۹۰۶ء

حضرت مولوی محمد احسن صاحب نے اپنی تحریر کردہ پہلے سیپارہ کی تفسیر کا ایک حصہ سیر میں حضرت کی خدمت میں سُنایا۔ معجزات کا ذکر تھا۔

حضرت نے فرمایا:۔

علوم طبعی ہمیشہ ایک رنگ پر نہیں رہتے مگر خدا تعالیٰ کا کلام ہمیشہ سچا ہے۔ پہلے طبعی والوں کا خیال تھا کہ آسمان گردش کرتا ہے اور زمین[1] متحرک ہے۔ اب طبعی والوں کا خیال ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے۔ دن بدن کی تحقیقات کا نتیجہ کچھ اَور ہی نکلتا چلا آتا ہے۔ ایک بات کو خدائی قول جان کر اس پر پختہ ہو جانا درست نہیں ہے۔ ہر ایک شئے کے اصل سبب کو انسان پہنچ نہیں سکتا۔ صرف اس بات پر معجزات کا انکار کرنا کہ یہ بات ہم نے کبھی ہوتے نہیں دیکھی جائز نہ ہوگا۔ انسان قدرت کے سارے قوانین کا عالم نہیں ہے۔

فرمایا کہ

صرف بدی کو ترک کرنا کوئی درجہ نہیں رکھتا۔ اس کے بالمقابل نیکی اختیار کرنی

---

[1] سہو کتابت سے "غیر" کا لفظ لکھنے میں رہ گیا ہے۔ اصل فقرہ یُوں ہے:۔
"زمین غیر متحرک ہے" (مرتب)

چاہیئے۔ ایک شخص کا ذکر ہے کہ وہ ایک دوست کے ہاں دعوت کے واسطے گیا۔ اس دوست نے بہت پُرتکلف دعوت پکائی اور ہر طرح سے اس کی خاطر کی جب وہ کھانے سے فارغ ہوا تو کہنے لگا کہ آپ نے میرے واسطے بہت تکلیف اُٹھائی۔ اور عمدہ کھانا کھلایا۔ مگر میں نے بھی آپ پر ایک بھاری احسان کیا۔ میزبان نے کہا کہ آپ بیان فرمائیں تاکہ اور بھی زیادہ آپ کا مشکور اور ممنون احسان ہو جاؤں۔ تب اس نے کہا کہ جب آپ گھر میں نہ تھے اور میں یہاں اکیلا تھا۔ اگر اس وقت میں آپ کے گھر کو آگ لگا دیتا تو آپ کا کئی ہزار روپے کا مکان اور اسباب سب جل کر راکھ ہو جاتا۔

اس شخص نے ترکِ بدی پر فخر کیا۔ لیکن اس مثال سے ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ ترکِ بدی میں کوئی عمدگی اور فخر نہیں۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۰۶ء)

یکم تا ۸ فروری ۱۹۰۶ء

ایک دوست نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور کو الہام ہوا کہ ۲۵ فروری کے بعد جانا ہوگا تو کیا اب ہم شہر کے باہر کوئی مکان لے لیں؟

فرمایا۔

اس کا مطلب ہم ابھی نہیں کہہ سکتے کہ کیا ہے اور نہ ہم ابھی باہر جانے کے واسطے کوئی مشورہ دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایسے خوفناک وقت میں بچ رہنا محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم پر منحصر ہے۔ صرف اندر رہنا یا باہر جانا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ یہ تو ظاہری اسباب ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ سچے دل کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف جُھکنا چاہیئے۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیئے

استغفار بہت کرنا چاہیئے اور اپنی حالت میں ایک پاک تبدیلی کرنی چاہیئے۔ سوائے اس کے کوئی صورت بچاؤ کی نہیں۔ زلزلہ کے متعلق متواتر الہامات ہو چکے ہیں اور خوابیں آتی ہیں۔ اور بھی بہت لوگوں نے ایسے خواب دیکھے ہیں۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۲ مورخہ ۹ فروری ۱۹۰۶ء)

---

۱۱ فروری ۱۹۰۶ء

فرمایا:-

بڑے شکر کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جو دعائیں کی جاتی ہیں وہ اکثر قبول ہوتی ہیں۔ قضا و قدر تو رُک نہیں سکتی اور اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ کاملہ سے ہر ایک کام کرتا ہے۔ لیکن اکثر دُعاؤں میں اپنی مُراد کے مطابق کامیابی ہو جاتی ہے اور ایک قطعی اور یقینی امر یہ ہے کہ دعا کا نتیجہ خواہ کچھ ہی ہونے والا ہو۔ جواب ضرور مل جاتا ہے۔ خواہ وہ جواب حسب مراد ہو اور خواہ خلافِ مراد ہو۔

فرمایا:-

زلزلہ کے بارے میں مَیں نے یہ توجہ نہیں کی کہ کب اور کس وقت واقع ہوگا کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں اخفاء چاہتا ہے۔ انسان کے مُلکی رازوں میں بھی اخفا ہوتا ہے، ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے کاموں میں بھی اخفاء ہوتا ہے۔ اس واسطے میں ڈرتا ہوں کہ اس کے متعلق زیادہ دریافت کرنے کی کوشش کرنا کہیں بیہودگی نہ سمجھی جاوے۔ تاہم اللہ تعالیٰ غفورٌ رحیم ہے۔ وہ دُعا سے ناراض نہیں ہوتا۔ لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا۔ کہ اگر تو فلاں اشخاص کے متعلق ستر دفعہ بھی دُعا کرے تب بھی قبول نہ ہوگی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے

کہا کہ میں ستر سے بھی زیادہ دفعہ دُعا کروں گا۔ ایسا ہی حضرت ابراہیمؑ نے قومِ لُوط کے متعلق مجادلہ کیا۔ حالانکہ مجادلہ کرنا سُوءِ ادب ہے۔ کیونکہ مجادلہ میں بے دلیل درخواست ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ دُعا کا رنگ تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس کو ناپسند نہیں فرمایا۔

فرمایا:۔

زلزلہ کے متعلق بہت خطرہ ہے اور اس کا علاج بجُز دُعا کے اور کچھ نظر نہیں آیا۔ راتوں کو اُٹھ کر تہجّد میں دُعائیں کرو تاکہ خدا تعالیٰ رحم کرے۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ میت کے ساتھ جو لوگ روٹیاں پکا کر یا اَور کوئی شے لے کر باہر قبرستان میں لے جاتے ہیں اور میت کو دفن کرنے کے بعد مساکین میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

فرمایا:۔

سب باتیں نیّت پر موقوف ہیں۔ اگر یہ نیّت ہو کہ اس جگہ مساکین جمع ہو جایا کرتے ہیں اور مُردے کو صدقہ پہنچ سکتا ہے۔ ادھر وہ دفن ہو ادھر مساکین کو صدقہ دے دیا جاوے تاکہ اس کے حق میں مفید ہو اور وہ بخشا جاوے۔ تو یہ ایک عمدہ بات ہے۔ لیکن اگر صرف رسم کے طور پر یہ کام کیا جاوے تو جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا ثواب نہ مُردے کے لئے اور نہ دینے والوں کے واسطے اس میں کچھ فائدہ کی بات ہے۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ کسی شخص کے مَرجانے پر جو اسقاط کرتے ہیں اُس

کے متعلق کیا حکم ہے؟

فرمایا۔

بالکل بدعت ہے۔ اور ہرگز اس کے واسطے کوئی ثبوت سُنّت اور حدیث سے ظاہر نہیں ہو سکتا۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۲ مورخہ ۱۶ر فروری ۱۹۰۶ء)

۱۸ر فروری ۱۹۰۶ء

فرمایا:۔

خدا تعالیٰ ظالم نہیں اور نہ انسان کی طرح چڑچڑا ہے۔ جب کسی کو عذاب ملتا ہے تو وہ دراصل اس انسان کے اپنے ہی اعمال کی ایک حالت ہوتی ہے۔

ایک شخص نے عرض کی۔ میرے باپ کی دکان خراب حالت میں ہو گئی ہے۔ اگر وہ درست ہو جاوے تو میں مرزا صاحب کو مان لوں گا۔

فرمایا:۔

خدا تعالیٰ کو ان باتوں کے ساتھ آزمانا نہیں چاہیئے۔ میں تعجب کرتا ہوں ان لوگوں کی حالت پر جو اس قسم کے سوال کرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کو کسی کی کیا پروا ہے۔ کیا یہ لوگ خدا تعالیٰ پر اپنے ایمان لانے کا احسان رکھتے ہیں؟ جو شخص سچائی پر ایمان لاتا ہے وہ خود گناہوں سے پاک ہونے کا ایک ذریعہ تلاش کرنے والا ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ کو اس کی کیا حاجت ہے؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم سب کے سب مُرتد ہو جاؤ تو وہ ایک اَور نئی قوم پیدا کرے گا جو اس سے پیار کرے گی۔ جو شخص گناہ کرتا ہے اور کافر بنتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں کرتا اور جو ایمان لاتا ہے وہ خدا تعالےٰ کا

کچھ بڑھا نہیں دیتا۔ ہر ایک شخص اپنا ہی فائدہ یا نقصان کرتا ہے۔

جو لوگ خدا تعالیٰ پر احسان رکھ کر اور شرطیں لگا کر ایمان لانا چاہتے ہیں۔ ان کی وہ حالت ہے کہ ایک شخص جو سخت پیاس میں مبتلا ہے پانی کے چشمہ پر جاتا ہے مگر وہ کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ اے چشمہ میں تیرا پانی تب پیوں گا جبکہ تو مجھے ایک ہزار روپیہ نکال کر دیوے۔ بتاؤ۔ اس کو چشمہ سے کیا جواب ملے گا؟ یہی کہ جا پیاس سے مر۔ مجھے تیری حاجت نہیں۔ خدا تعالیٰ غنی بے نیاز ہے۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۳؍فروری ۱۹۰۶ء)

۱۹؍فروری ۱۹۰۶ء

ایک دوست نے جو باہر سے تشریف لائے تھے اس جگہ کی جماعت کے ایک شخص کی عملی کمزوری کی شکایت کی۔

فرمایا:۔

جیسے جیسے جماعت بڑھتی جاتی ہے اس قسم کی مشکلات بھی پیدا ہوتی جاتی ہیں کیونکہ ہر قسم کے لوگ داخل ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ چاہے تو رفتہ رفتہ ان کی کمزوریاں بھی دُور ہو جاتی ہیں۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۳؍فروری ۱۹۰۶ء)

۲۰؍فروری ۱۹۰۶ء

امریکہ میں دو جگہ سخت زلزلہ کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

بحالت مجموعی تاریخ میں دیکھا جائے تو ایسا سلسلہ زلازل جو تمام دنیا پر محیط ہو گیا ہو کبھی نظر نہیں آتا۔ اس میں ایک تنبیہہ ہے جس سے سمجھنے والے فائدہ حاصل کر

سکتے ہیں۔ کسوف خسوف بھی پہلے اِس طرف ہوا تھا پھر دوسرے سال امریکہ میں ہوا تھا۔

حضرت باوا نانک کا ذکر تھا۔ فرمایا :-

چولہ اور مسلمانوں کی مصاحبت اور دیگر تمام امور صاف بتلاتے ہیں کہ بابا نانک مسلمان تھے۔ لیکن ان کا اس طرح سے ظاہر نہ ہونا بھی ایک بڑی مصلحت اپنے اندر رکھتا ہے کیونکہ وہ اس طرح کھُلے طور پر تمام تعلقات چھوڑ کر مسلمانوں میں شامل ہوتے تو اکیلے ہوتے۔ برخلاف اس کے اب ایک بڑی جماعت کئی لاکھ آدمیوں کی ساتھ لے کر وہ مسلمان ہیں۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۰۶ء)

بلا تاریخ

نصائح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

جو گھر میں عورتوں کے متعلق بیان فرمائے

(مرتبہ حضرت صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب)

(منقول از رسالہ تشحیذ الاذہان)

ایک روز کسی بیمار بچہ نے کسی سے کہانی کی فرمائش کی تو اس نے جواب دیا کہ ہم تو کہانی سُنانا گناہ سمجھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

گناہ نہیں۔ کیونکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی کوئی مذاق کی بات فرمایا کرتے تھے اور بچوں کو بہلانے کے لئے اس کو روا سمجھتے تھے۔ جیسا

کہ ایک بڑھیا عورت نے آپ سے دریافت کیا کہ حضرت کیا میں بھی جنّت میں جاؤنگی فرمایا نہیں۔ وہ بڑھیا یہ سُنکر رونے لگی۔ فرمایا۔ روتی کیوں ہے۔ بہشت میں جوان داخل ہوں گے۔ بُوڑھے نہیں ہوں گے یعنی اس وقت سب جوان ہوں گے۔

اسی طرح سے فرمایا کہ

ایک صحابی کی داڑھ میں درد تھا۔ وہ چھوہارا کھاتا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوہارا نہ کھا کیونکہ تیری داڑھ میں درد ہے۔ اس نے کہا کہ میں دُوسری داڑھ سے کھاتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ

ایک بچّہ کے ہاتھ سے ایک جانور جس کو حمیر کہتے ہیں چھُوٹ گیا۔ وہ بچّہ رونے لگا۔ اس بچّہ کا نام عمیر تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمیر ما فعلت بك حمیر۔ اے عمیر حمیر نے کیا کیا۔ لڑکے کو قافیہ پسند آگیا۔ اس لئے چُپ ہوگیا

ایک بچّہ کی خبر لگی کہ اس نے کوئی شرارت کی ہے۔ یعنی آگ سے کچھ جلا دیا ہے۔

فرمایا:-

بچّوں کو تنبیہ کر دینا بھی ضروری ہے۔ اگر اس وقت ان کو شرارتوں سے منع نہ کیا جاوے تو بڑے ہو کر انجام اچھا نہیں ہوتا۔ بچپن میں اگر لڑکے کو کچھ تادیب کی جاوے تو وہ اس کو خوب یاد رہتی ہے کیونکہ اس وقت حافظہ قوی ہوتا ہے۔[1]

ایک دن حضور علیہ السلام بیمار تھے۔ ایک شخص کو کچھ چیزیں فواکہ کی قسم سے لانے کے

---

[1] نوٹ از ایڈیٹر:- اس موقعہ پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت صاحب بچّوں کو ہر وقت مارنے اور جھڑکتے رہنے سے بھی سخت منع کرتے ہیں۔ ہر ایک کام ایک اندازہ تک ہونا چاہیئے۔ مندرجہ بالا ذکر سے مُراد حضور علیہ السلام کی یہ ہے کہ بچّہ کو بالکل آوارہ نہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ (ایڈیٹر)

لئے امرتسر بھیجا۔ جب وہ آیا تو اس وقت حضرت کی طبیعت زیادہ ناساز تھی اس وقت ایک میوہ کی خواہش ہوئی جو اس شخص سے منگوایا تھا۔ لیکن وہ امرتسر سے نہیں لایا تھا۔ تھوڑی دیر ہوئی کہ قاضی نظیر حسین صاحب تحصیلدار تشریف لائے اور وہی پھل ساتھ لائے۔ آپ نے فرمایا :-

ہمارے گھر کے لوگوں کو ان چیزوں کے کھاتے وقت خیال کرنا چاہیئے کہ آج سے چھبیس یا ستائیس برس پہلے خدا تعالیٰ کا وعدہ شائع کیا گیا تھا کہ یأتون من کلّ فجّ عمیق و یأتیک من کلّ فجّ عمیق۔ ان سب لوگوں کے آنے سے پہلے خدا تعالیٰ نے اُن کے آنے کی خبر بھی دی۔ اور یہ بھی اطلاع دی تھی کہ اُن کے کھانے کے سامان بھی دُور دُور سے تیرے پاس لاؤں گا۔ ان باتوں کو دیکھ کر کتنا بھروسہ کرنا چاہیئے کہ خود بخود بغیر ہماری کوششوں کے ہر قسم کے سامان مہیا کرتا ہے۔

ایک روز ایک ہندو عورت نے کسی دوسری عورت کا گلہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ دیکھو۔ یہ بہت بُری عادت ہے جو خصوصاً عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ چونکہ مرد اور کام بہت رکھتے ہیں اس لئے ان کو شاذ و نادر ہی ایسا موقعہ ملتا ہے کہ بے فکری سے بیٹھ کر آپس میں باتیں کریں اور اگر ایسا موقعہ بھی ملے تو ان کو اور بہت سی باتیں ایسی مل جاتی ہیں جو وہ بیٹھ کر کرتے ہیں۔ لیکن عورتوں کو نہ علم ہوتا ہے اور نہ کوئی ایسا کام ہوتا ہے۔ اس لئے سارے دن کا شغل سوائے گلہ اور شکایت کے کچھ نہیں ہوتا۔ ایک شخص تھا اس نے کسی دوسرے کو گنہگار دیکھ کر خوب اس کی نکتہ چینی کی اور کہا کہ تُو دوزخ میں جائے گا۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ اس سے پُوچھے گا کہ کیوں تجھ کو میرے اختیارات کس نے دیئے ہیں؟ دوزخ اور بہشت میں بھیجنے والا تو میں ہی ہوں تُو کون ہے؟ اچھا جا مَیں نے تجھ کو دوزخ میں ڈالا اور یہ گنہگار بندہ جس

کا تو گلہ کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ یہ ایسا ہے ویسا ہے اور دوزخ میں جائے گا۔ اس کو میں نے بہشت میں بھیجدیا ہے۔ سو ہر ایک انسان کو سمجھنا چاہیئے کہ ایسا نہ ہو کہ میں ہی اُلٹا شکار ہو جاؤں۔

غیبت سے بچو

فرمایا:۔

دل تو اللہ تعالیٰ کی صندوقچی ہوتا ہے اور اس کی کُنجی اس کے پاس ہوتی ہے۔ کسی کو کیا خبر کہ اس کے اندر کیا ہے۔ تو خواہ مخواہ اپنے آپ کو گناہ میں ڈالنا کیا فائدہ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص بڑا گنہگار ہوگا۔ خدا تعالیٰ اس کو کہیگا کہ میرے قریب ہو جا۔ یہانتک کہ اس کے اور لوگوں کے درمیان اپنے ہاتھ سے پردہ کر دے گا اور اس سے پُوچھے گا کہ تو نے فلاں گناہ کیا۔ فلاں گناہ کیا۔ لیکن چھوٹے چھوٹے گناہ گنائے گا۔ وہ کہے گا کہ ہاں یہ گناہ مجھ سے ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ اچھا آج کے دن میں نے تیرے سب گناہ معاف کئے اور ہر ایک گناہ کے بدلے دس دس نیکیوں کا ثواب دیا۔ تب وہ بندہ سوچے گا کہ جب ان چھوٹے چھوٹے گناہوں کا دس دس نیکیوں کا ثواب ملا ہے تو بڑے بڑے گناہوں کا تو بہت ہی ثواب ملے گا۔ یہ سوچ کر وہ بندہ خود ہی اپنے بڑے بڑے گناہ گنائے گا کہ اے خدا میں نے تو یہ گناہ بھی کئے ہیں تب اللہ تعالیٰ اس کی بات سُن کر ہنسے گا اور فرمائے گا کہ دیکھو میری مہربانی کی وجہ سے یہ بندہ ایسا دلیر ہو گیا ہے کہ اپنے گناہ خود ہی بتلاتا ہے۔ پھر اُسے حکم دے گا کہ جا بہشت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے تیری طبیعت چاہے داخل ہو جا۔ تو کیا خبر ہے کہ خدا تعالیٰ کا اس سے کیا سلوک ہے یا اس کے دل میں کیا ہے۔ اس لئے غیبت کرنے سے بکلّی پرہیز کرنا چاہیئے۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۱۰ صفحہ ۱۰ مورخہ ۹ مارچ ۱۹۰۶ء)

۱۹ مارچ ۱۹۰۶ء

فرمایا:-

اس فکر میں ہوں اور توجہ کرتا ہوں کہ اگر پتہ لگ جائے کہ کس ماہ میں آئندہ زلزلہ آنے والا ہے تو یہ پھر ایک بڑا نشان ہو جاتا ہے۔ متعصب آدمی کا تو کیا ذکر ہے لیکن غور کرنے والے کے واسطے یہ ایک بڑا نشان ہے۔

فرمایا:-

عیسائیوں کے خدا سے تو آدمؑ ہی اچھا رہا۔ کیونکہ آدم کے سامنے تو فرشتوں نے سجدہ کیا تھا اور ایک شیطان جس نے سجدہ نہیں کیا تھا وہ ذلیل کیا گیا اور نکالا گیا۔ برخلاف اس کے عیسائیوں کا خدا شیطان کے پیچھے پیچھے لگتا پھرا۔ اور شیطان کہہ سکتا ہے کہ چونکہ اس نے مجھے سجدہ نہیں کیا تھا اس واسطے ذلیل ہوا۔ اور پھانسی دیا گیا۔

فرمایا:-

عیسائی لوگ یسوع کی تعریف میں کہا کرتے ہیں کہ وہ بے گناہ تھا۔ حالانکہ بیگناہ ہونا کوئی خوبی نہیں۔ خوبی تو اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے تعلقات ہوں اور انسان قرب الٰہی کو حاصل کرے۔ چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ یسوع کی لوگ حد سے زیادہ ناجائز عزت کریں گے۔ اس واسطے پہلے ہی سے اس کا وہ حال ہوا جس سے ہر بات میں اس کا عجز اور کمزور انسان ہونا ثابت ہوتا ہے۔

فرمایا:-

ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول کہ فلمّا توفیتنی اس کے یہ معنی ہیں کہ جب تو نے مجھے آسمان پر اُٹھا لیا۔ اگر قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ یہ کلمہ بولے گا تو گویا وہ کبھی فوت ہی نہیں ہوگا؟ کیونکہ قیامت کے دن بھی آسمان پر ہی جانے کا ذکر ہوگا۔ مرنے کا تو کوئی ذکر ہی نہیں۔ اور اگر اس آیت کے یہ معنے لئے جائیں کہ جب میں فوت ہوگیا یعنی مَر گیا۔ لیکن موت قیامت کے دن وارد ہوگی تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ عیسائی آجتک نہیں بگڑے اور ان کا مذہب راستی پر ہے۔

ایک شخص نے ذکر کیا کہ مخالف کہتے ہیں کہ یہ لوگ نمازیں تو پڑھتے ہیں لیکن تسبیحیں نہیں رکھتے۔

فرمایا:-

صحابہؓ کے درمیان کہاں تسبیحیں ہوتی تھیں۔ یہ تو ان لوگوں نے بعد میں باتیں بنائی ہیں۔

فرمایا:-

ایک شخص کا ذکر ہے کہ وہ لمبی تسبیح ہاتھ میں رکھا کرتا تھا اور کوچہ میں سے گذر رہا تھا راستہ میں ایک بُڑھیا نے دیکھا کہ خدا کا نام تسبیح پر گِن رہا ہے۔ اس نے کہا کہ کیا کوئی دوست کا نام گِن کر لیتا ہے۔ اس نے اسی جگہ تسبیح پھینک دی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے حساب ہیں ان کو کون گِن سکتا ہے۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۲ مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۰۶ء)

نیز

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۱۰ صفحہ ۱ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۶ء)

یکم اپریل ۱۹۰۶ء

وحی الٰہی اخّرہ اللہ الیٰ وقت مسمّٰی کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

اس سے پہلے دن دعا کے رنگ میں الہام ہوا تھا کہ ربِّ اخّر وقتَ ھٰذا۔ دُوسرے دن اس دُعا کی قبولیت کے اظہار میں یہ الہام ہوا۔ خود ہی اللہ تعالیٰ دعا کراتا ہے اور خود اس کو قبول کرتا ہے۔

طریق ادب

ڈاکٹر نور محمد صاحب نے ذکر کیا کہ لاہور میں ایک شخص نے جو اپنی جماعت کا ہے مجھ سے ذکر کیا کہ پٹیالہ میں کسی فقیر نے پیشگوئی کی ہے کہ فلاں تاریخ کو زلزلہ آئے گا اور وہ تاریخ قریب ہے۔ میں نے کہا کہ اس کی طرف ہرگز توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو اپنا رسُول بھیجا ہے جب تک اس کے ذریعہ سے کوئی خبر نہ ملے ہرگز کوئی دوسری بات قابلِ اعتبار نہیں۔

حضرت نے فرمایا:۔

یہی طریقِ ادب ہے۔ ایسے لوگوں کی باتوں پر جو فقیر بنے پھرتے ہیں یقین کر لینا ایک الحاد ہے اور ایمان سے خارج ہونا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ سب لوگوں کو ایک ہی حلقے میں لائے اور اسی کے ذریعہ سے تمام خبریں دوسروں کو پہنچاوے تو پھر کسی دوسرے شخص کو درمیان میں لانا اور یقین کرنا کہ اس کو زلزلہ کے دن کی خبر دی گئی ہے یہ ایک شرک کی بُنیاد ہے۔

ہمیں جب زلزلہ کے متعلق الہام ہوا تب ہم خیموں میں گئے۔ اور اب جب اس کی تاخیر کی خبر دی گئی تو ہم واپس اپنے مکانوں میں آگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے۔ ایسا ہی نکتہ گیر ہے۔ بعض دفعہ انسان سمجھتا ہے کہ تھوڑی سی بات ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ

کی ناراضگی کا موجب ہو جاتی ہے۔

ایک نئی تصنیف

فرمایا:۔

ہم نے ایک نیا رسالہ لکھنا شروع کیا ہے جس کا نام حقیقۃ الوحی ہوگا۔ بعض لوگ الہام اور وحی کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ وحی اور الہام کی حقیقت کیا ہے؟

بمبئی

بمبئی کا ذکر تھا کہ ایک جزیرہ ہے اور سمندر کے پانی کو روک کر اکثر جگہ مکانات بنائے گئے ہیں۔ فرمایا:۔

مجھے بھی کئی دفعہ خیال آیا ہے کہ جب سخت زلزلہ آئے گا تو اس وقت بمبئی کا کیا حال ہوگا؟

فرمایا:۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں دیر کر دی ہے۔ اس واسطے مخالفین کی شوخیاں بڑھتی جائیں گی اور وہ گالیاں دینے میں اَور بھی تیزی دکھائیں گے۔

پیسہ اخبار

فرمایا:۔

پیسہ اخبار جو ایک لاکھ چھپتا ہے اور ایک ایک پرچہ کو کئی کئی آدمی پڑھیں گے

تو اس طرح زلزلہ والی پیشگوئی کئی لاکھ آدمیوں تک پہنچ جائے گی۔ اس نظم[1] میں ہم نے لوگوں کو نیک نصائح کی ہیں اور مخلوق کو توبہ کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے اور اسلام کی طرف دعوت کی ہے۔ ایڈیٹر نے لکھا ہے کہ مجھے اس کے ساتھ اتفاق نہیں تو کیا وہ نہیں چاہتا کہ لوگ نیک بنیں؟

امرتسر میں ایک رشید

فرمایا:۔

امرتسر ایک ایسی جگہ ہے جس میں مادہ رُشد کے لوگ حق کو قبول کرنے والے کم ہوئے ہیں۔ آج وہاں سے ایک خط آیا ہے جس میں ایک شخص لکھتا ہے کہ میں کتاب چشمہ مسیحی پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام کے واسطے اس قسم کی تائید اور اخلاص ایک مفتری کی تحریر میں نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے میں آپ کے مریدوں میں شامل ہوتا ہوں میرا نام مبائعین میں لکھا جائے۔

فرمایا:۔

مجھے خوشی ہوئی کہ اس کتاب کے ذریعہ سے ایک جان بچ گئی۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۳ مورخہ ۵ر اپریل ۱۹۰۶ء)

۷ر اپریل ۱۹۰۶ء

انا اٰتیک بہٖ قبل ان یرتد الیک طرفک کے معنے ایک شخص نے پوچھے تو فرمایا:۔

ایک پل میں عرش بلقیس کے آجانے میں استبعاد کیا ہے؟ اصل میں ایسے اعتراض

---

[1] حاشیہ۔ "پھر چلے آتے ہیں یارو زلزلہ آنے کے دن" والی نظم مراد ہے (مرتب)

ان لوگوں کے دلوں میں اُٹھتے ہیں۔ اور وہی ایسی باتوں کی تاویل کرنے پر دوڑتے ہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ کی قدرتوں پر پورا پورا یقین نہیں آتا۔ ہم تو یہی جانتے ہیں۔ الم تعلم انّ اللہ علیٰ کلّ شیئٍ قدیرٌ[1]۔ ایک واقعہ کا انکار صرف اپنے جیسوں کے ناقص تجربہ کی بنا پر نہایت بُری بات ہے۔

دیکھو جب تک تار برقی نہ نکلی تھی اس وقت اگر کوئی بیان کرتا کہ ایک سیکنڈ میں اتنی دُور تک خبر پہنچ جاتی ہے تو کون یقین کرتا۔ مگر اب جب مشاہدہ میں آگیا تو سب نے مان لیا۔ ویسے ہی خدا تعالیٰ کی لا انتہا قدرتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے۔ جب معمولی باتیں انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتیں تو خدا تعالیٰ کے بعض افعال اگر سمجھ میں نہ آئیں تو ان کا انکار نہیں چاہیئے بلکہ سچے دل سے ایمان لانا چاہیئے کیونکہ جتنا کسی کو خدا تعالیٰ پر یقین ہو اتنی ہی وہ اس کی مدد کرتا ہے اور جیسی ایمان کی حالت ہو اتنا ہی اسے اسباب میں ڈالتا ہے۔ خود ہم نے خدا تعالیٰ کی ایسی قدرتوں کے نمونے دیکھے۔ دیکھو عبداللہ سنوری والا کُرتہ جس پر بغیر کسی ظاہری اسباب کے سُرخ نشان پڑ گئے تھے اور ہم نے کشف میں دیکھا کہ دستخط کراتے ہوئے بارگاہِ الٰہی سے وہ چھینٹا پڑا۔ ایسا ہی دانت میں سخت درد تھا۔ طبیب نے مشورہ دیا۔ علاجِ دنداں اخراجِ دنداں مگر بعد ازاں الہام ہوا۔ و اذا مرضت فھو یشفین تو معاً وہ درد جاتا رہا۔

ایسا ہی ایک دفعہ میں سخت بیمار ہوا حتیٰ کہ سورہ یٰسین بھی تین دفعہ سُنائی گئی میرے دل میں ڈالا گیا کہ کچھ تسبیحیں پڑھ کر دریا کی ریت اور پانی بدن پر ملوں چنانچہ ایسا کرنے پر وہ بیماری جاتی رہی۔ خدا تعالیٰ پر کامل ایمان پیدا کرو تاکہ ایسے شبہات سے نجات ہو۔

(یہ خلاصہ ہے اس تقریر کا جو حضور علیہ السلام نے فرمائی)

---

[1] البقرہ : ۱۰۷

عرض کیا گیا کہ جب کوئی مسلمان مَر جائے تو اس کے بعد جو فاتحہ خوانی کا دستور ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل ہے یا نہیں؟ فرمایا:۔

نہ حدیث میں اس کا ذکر ہے نہ قرآن شریف میں نہ سُنّت میں۔

عرض کیا گیا کہ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ دعائے مغفرت ہی ہے؟ فرمایا:۔

نہ اسقاط درست نہ اس طریق سے دُعا ہے کیونکہ بدعتوں کا دروازہ کھُل جاتا ہے۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۳ مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۰۶ء)

۱۴ اپریل ۱۹۰۶ء

فرمایا۔ خدا تعالیٰ اپنے وجود کو آپ دوبارہ ثابت کرنا چاہتا ہے جیسا کہ کوہ طُور پر تجلیات الٰہیہ کا نمونہ دکھایا گیا تھا۔ ایسا ہی اب بھی دکھایا جائیگا۔ جس طرح فرعون کے پاس رسُول بھیجا گیا تھا وہی الفاظ ہم کو بھی الہام ہوئے ہیں کہ تو بھی ایک رسُول ہے جیسا کہ فرعون کی طرف ایک رسُول بھیجا گیا تھا۔ بجز طُوری مشاہدات کے اب دُنیا کے لوگ سیدھے نہیں ہو سکتے۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۰۶ء)

۱۷ اپریل ۱۹۰۶ء

فرمایا۔ بعض لوگ یہ خواہش رکھتے ہیں کہ اُن کے مانگے ہوئے معجزات ان کو دکھائے جائیں۔ یہ درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سُنّت نہیں۔ جس حد تک خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت تشفّی دینے کا ہے اگر اس حد تک تشفّی نہ ہو جائے تو پھر مؤاخذہ کے لائق انسان ہو جاتا ہے۔

فرمایا:۔

خدا تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہے کہ جو لوگ اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ اُن کو قبُول کرے گا۔ باقی جو لوگ اپنی ضد پر قائم رہتے ہیں اور شقاوت کی راہ سے انکار کرتے ہیں وہ راستباز نہیں ٹھہر سکتے۔

دینی عقل تقویٰ سے تیز ہوتی ہے

فرمایا:-

دینی عقل اَور ہے اور دُنیوی عقل اَور ہے۔ جو لوگ دُنیوی عقل میں ریاضت کرنے والے ہیں وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ اُن کو ساتھ ہی دینی عقل بھی حاصل ہو گئی ہے بلکہ دینی عقل تقویٰ سے تیز ہوتی ہے۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ[1]۔ جس قدر پاکیزگی بڑھتی ہے اسی قدر معرفت بھی بڑھتی جاتی ہے۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۰۶ء)

---

۲۴ اپریل ۱۹۰۶ء

(میاں معراج الدین صاحب عمرؔ کے قلم سے)

آج صبح کی گاڑی میں سوار ہو کر میں قریب ایک بجے کے قادیان پہنچا۔ تھوڑے عرصہ بعد اذان نماز ہوئی۔ وضو کر کے میں چھوٹی مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چھوٹے حجرے میں تشریف فرما ہیں اور آپ کے پاس مولوی سید محمد احسن صاحب اور مولوی محمد علی صاحب بیٹھے تھے۔ اور میاں غلام رسول حجام امرتسری کچھ اپنا حال بیان کر رہا تھا۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ

آپ صبر کریں۔ ہماری جماعت کی حالت ابتدائی ہے۔ یہ ابھی کچے درخت کی طرح ہیں۔ دیکھو بڑے سے بڑا درخت شیشم یا کوئی اور جب چھوٹا ہوتا ہے تو بہت تھوڑی طاقت سے بلکہ ناخن سے اُکھڑ سکتا ہے۔ اسی طرح ہماری جماعت کے بعض لوگ ابھی ایمانی حالت میں ایسے ہی کمزور ہیں جیسے درخت بڑا ہو کر ایسا مضبوط ہوتا جاتا ہے کہ اس پر آدمی چڑھتے ہیں تو وہ ٹوٹتا نہیں۔ ایسے ہی ان کی ایمانی حالت رفتہ رفتہ

[1] الواقعۃ: ۸۰

مضبوط ہو جائے گی اور پھر مضبوط درخت کی طرح جاگزین ہو جائے گی۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۶ء)

---

۲۶ اپریل ۱۹۰۶ء

فرمایا:۔

یہ دن ایسے ہیں کہ گویا آسمان کی زمین کے ساتھ کشتی ہے۔ بالکل غیر معمولی دن ہیں اور غیر معمولی واقعات ہر طرف سے پیش آرہے ہیں اور اپنے غیر معمولی ہونے میں روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ کہیں زلازل ہیں۔ کہیں طوفان آرہے ہیں۔ کہیں لڑائیوں میں مخلوق ماری جاتی ہے۔ کہیں طوفان سے لوگ تباہ ہو رہے ہیں۔ کہیں آگ لگ رہی ہے مگر افسوس کہ لوگ ان سب باتوں کو معمولی سمجھ کر اپنی غفلت میں حسب معمول سوئے ہوئے ہیں اور کچھ فکر نہیں کرتے۔ خدا تعالیٰ کا منشا اَور ہے اور لوگوں کے ارادے کچھ اَور ہیں۔ راستباز اطاعت اور اعمال سے پہچانا جاتا ہے۔ جس صورت میں ہم ان لوگوں کے سامنے نشان پیش کرتے ہیں اور قرآن اور حدیث کے نصوص دکھاتے ہیں اَور پھر وہ انکار کرتے ہیں تو وہ لوگ راستباز نہیں کہلا سکتے۔ خدا تعالیٰ کو کیا پروا ہے کہ یہ لوگ تعداد میں زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کثرت اور تعداد کے رُعب میں نہیں آتا قلیل من عبادی الشکور[1]۔ دیکھو حضرت نوحؑ کے وقت کس قدر مخلوق غرقِ آب ہوئی اور ان کے بالمقابل جو لوگ بچ گئے ان کی تعداد کس قدر تھی۔

پیرزادگی میں رعُونت اور تکبّر

فرمایا:۔

پیرزادگی کا مرض دق اور سل سے بدتر ہے کیونکہ اس میں رعونت اور تکبّر کا

[1] سبا ۱۴

مادہ ہوتا ہے اور خواہ مخواہ ایک عظمت اپنی دکھاتے ہیں اور فقیری کا دم مارتے رہتے ہیں

(بدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۰۶ء)

بلا تاریخ[1]

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تمام جماعت احمدیہ کیلئے اعلان

چونکہ ڈاکٹر عبدالحکیم اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ نے جو پہلے اس سلسلہ میں داخل تھا نہ صرف یہ کام کیا کہ ہماری تعلیم سے اور اُن باتوں سے جو خدا تعالیٰ نے ہم پر ظاہر کیں مُنہ پھیر لیا۔ بلکہ اپنے خط میں وہ سختی اور گستاخی دکھلائی اور وہ گندے اور ناپاک الفاظ میری نسبت استعمال کئے کہ بجز ایک سخت دشمن اور سخت کینہ ور کے کسی کی زبان اور قلم سے نکل نہیں سکتے اور صرف اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ بے جا تہمتیں لگائیں اور اپنے صریح لفظوں میں مجھ کو ایک حرامخور اور بندۂ نفس اور شکم پرور اور لوگوں کا مال فریب سے کھانے والا قرار دیا۔ اور محض تکبر کی وجہ سے مجھے پیروں کے نیچے پامال کرنا چاہا۔ اور بہت سی ایسی گالیاں دیں جو ایسے مخالف دیا کرتے ہیں جو پورے جوش عداوت سے ہر طرح سے دوسرے کی ذلّت اور توہین چاہتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ پیشگوئیاں جن پہ ناز کیا جاتا ہے کچھ چیز نہیں۔ مجھ کو ہزارہا ایسے الہام اور خوابیں آتی ہیں جو پوری ہو جاتی ہیں۔ غرض اس شخص نے محض توہین اور تحقیر اور دلآزاری کے ارادہ سے جو کچھ اپنے

---

[1] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس اشتہار پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ لیکن واقعہ کے لحاظ سے یہ اشتہار اپریل ۱۹۰۶ء کی کسی تاریخ کا ہے کیونکہ اس سے قریب عرصہ میں عبدالحکیم پٹیالوی نے ارتداد اختیار کیا تھا جس کے متعلق حضور علیہ السلام نے جماعت میں یہ اعلان فرمایا۔ (خاکسار مرتب)

خط میں لکھا ہے اور جس طرح اپنی ناپاک بدگوئی کو انتہا تک پہنچا دیا ہے ان تمام تہمتوں اور گالیوں اور عیب گوئیوں کے لکھنے کے لئے اس اشتہار میں گنجائش نہیں۔ علاوہ اس کے میری تحقیر کی غرض سے جھوٹ بھی پیٹ بھر کے بولا ہے۔ مگر مجھے ایسے مفتری اور بدگو لوگوں کی کچھ پروا نہیں۔ کیونکہ اگر جیسا کہ مجھے اس نے دغاباز، حرام خور، مکار، فریبی اور جھوٹ بولنے والا قرار دیا ہے اور طریق اسلام اور دیانت اور پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باہر مجھے کرنا چاہا ہے اور میرے وجود کو محض فضول اور اسلام کے لئے مضر ٹھہرایا ہے بلکہ مجھے محض شکم پرور اور دشمن اسلام قرار دیا ہے۔ اگر یہ باتیں سچ ہیں تو میں اس کیڑے سے بھی بدتر ہوں جو نجاست سے پیدا ہوتا اور نجاست میں ہی مرتا ہے لیکن اگر یہ باتیں خلافِ واقعہ ہیں تو میں امید نہیں رکھتا کہ خدا تعالیٰ ایسے شخص کو اس دنیا میں بغیر مواخذہ کے چھوڑے گا جو مُرید ہو کر اور پھر مُرتد ہو کر اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ جو ذلیل سے ذلیل زندگی بسر کرنے والے جیسے چوہڑے اور چمار جو شکم پرور کہلاتے ہیں اور مُردار کھانے سے بھی عار نہیں رکھتے ان کی مانند مجھے بھی محض شکم پرست اور بندۂ نفس اور حرام خور قرار دیتا ہے۔

اب میں ان باتوں کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتا اور خدا تعالےٰ کی شہادت کا منتظر ہوں اور اس کے ہاتھ کو دیکھ رہا ہوں اور اس اشارہ پر ختم کرتا ہوں اِنّما اشکوا بثّی وحزنی الی اللّٰہ واعلم من اللّٰہ مالا تعلمون۔[1]

اب چونکہ یہ شخص اس درجہ پر میرا دشمن معلوم ہوتا ہے جیسا کہ عمر بن ہشام[2] آنحضرتؐ کی عزّت اور جان کا دشمن تھا۔ اس لئے میں اپنی تمام جماعت کو متنبّہ کرتا ہوں کہ اس سے بکلّی قطع تعلق کرلیں۔ اس کے ساتھ ہرگز واسطہ نہ رکھیں ورنہ ایسا شخص ہرگز میری جماعت میں سے نہیں ہوگا۔ ربّنا افتح بیننا و بین قومنا بالحقّ و

[2] ابوجہل کا یہ نام تھا (مرتّب)

[1] یوسف: ۸۷

اَنْتَ خَیْرُ الْفَاتِحِیْنَ[1]۔ آمین۔ آمین۔ آمین۔

المشتھر خاکسار مرزا غلام احمد مسیح موعود از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۱۵ صفحہ ۲ مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۶ء)

نیز (بدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۰۶ء)

---

۵ مئی ۱۹۰۶ء

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

الہام الٰہی لولاک لما خلقت الافلاک کا تذکرہ تھا۔ فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کی کمال رضا جوئی کی حالت میں یہ طبقہ خدمت گزاران کا لولاک کا حکم رکھتا ہے اور یہ بات صاف ہے کہ اگر یہ طبقہ لولاک کا نہ ہو تو افلاک کی خلقت عبث و فضول ہے۔ افلاک کا بنانا محض اس طبقہ لولاک کی خاطر ہے۔

فرمایا:۔

یہ دراصل رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں تھا لیکن ظلّی طور پر ہم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

مرقومہ بالا الہام الٰہی یہ میری کتاب[1] . . . . الخ کا ذکر تھا۔

فرمایا:۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو احباب ہماری جماعت میں خدمت دین میں سرگرم ہیں اللہ تعالیٰ ان کو درجہ و عظمت دینا چاہتا ہے۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۷ صفحہ ۳ مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۰۸ء)

---

[1] حاشیہ۔ ڈائری نویس صاحب نے اس کتاب کا نام نہیں لکھا (مرتب)

[1] الاعراف: ۹۰

۸ر مئی ۱۹۰۶ء

بوقت عصر

فرمایا:۔

جب تک کہ انسان بالکل خدا تعالیٰ کا نہ ہو جائے وہ کچھ نہ کچھ مسِ عذاب اس دُنیا میں پاتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت کے بعض افراد دُنیوی آرائش اور آرام کی طرف جُھکے ہوئے ہیں اور اس میں مصروف ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ اپنی عملی حالت کو درست کریں اور خدا تعالیٰ کی طرف پورے جوش اور طاقت کے ساتھ جُھک جاویں۔

فرمایا:۔

جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی کمزور ہو تو اس کے حق میں بُرا بولنے میں جلد بازی نہ کرو۔ بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ پہلے ان کی حالت خراب ہوتی ہے پھر یک دفعہ ایک تبدیلی کا وقت اُن پر آجاتا ہے جیسا کہ اُن کی جسمانی حالت بہت سے مرحلے طے کرتی ہے۔ پہلے نُطفہ ہوتا ہے پھر خون کا لوتھڑا۔ اور ایک ذلیل سی حالت ہوتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے۔ ایسے ہی انبیاء کے سوائے سب لوگوں کو تمام مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں۔ مامور من اللہ کی صحبت سے انسان درست ہو جاتا ہے۔ اگر ہر شخص گھر سے ہی ابدال بن کر آتا تو پھر سلسلہ بیعت کی ضرورت ہی کیا ہوتی؟ سلسلہ میں داخل ہو کر کمزور آدمی رفتہ رفتہ طاقت پکڑتا ہے۔ صحابہؓ کی پہلی حالت پر غور کرو۔ جب کافر مومن بن سکتا ہے تو کیا ایک فاجر صالح نہیں بن سکتا؟ انسان پر کئی حالتیں آتی ہیں اور کئی تغیرات واقع ہوتے ہیں۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ر مئی ۱۹۰۶ء)

۱۰ مئی ۱۹۰۶ء

احمد مسیح عیسائی کے حضرت کو مباہلہ کے واسطے بلانے کا ذکر تھا جس کا جواب منظوری گذشتہ اخبار میں شائع ہو چکا ہے، فرمایا:-

مباہلہ ایک آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی نصارے کو مباہلہ کے واسطے طلب کیا تھا مگر ان میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ اب بھی عیسائیوں کے دلوں پر حق کا رُعب طاری ہے اور امید نہیں کہ کوئی بشپ مباہلہ کے میدان میں آوے۔ لیکن اگر کوئی آئے گا تو ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں ایک بڑی کامیابی دے گا۔ مباہلہ دشمن پر زد کرنے کا ایک اعلیٰ درجہ کا ہتھیار ہے۔

فرمایا:-

اس زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ بھی بحث مباحثہ فضول ہے کیونکہ جن حدیثوں اور روایتوں اور عقائد کی بنا پر وہ ہم سے مباحثہ کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کے بارے میں خود ان کے اپنے درمیان بڑے بڑے اختلاف موجود ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ مہدی فاطمی ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ عباسی ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ حسینی ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ پیدا ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ غار میں سے نکلے گا۔ کوئی کہتا ہے کہ امت میں سے ایک فرد ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ وہی عیسٰی ہی مہدی ہوگا۔ غرض اس قدر اختلافات کے ساتھ تعجب ہے کہ پھر یہ ہمارا مقابلہ کرتے ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ آنے والا حَکَم ہے۔ وہ تمام بحثوں کا خاتمہ کرتا ہے اور اختلافی امور کے درمیان میں سے ایک سچی راہ پیش کرتا ہے اور وہی ماننے کے قابل ہے۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۶ء)

۲۱ر مئی ۱۹۰۶ء

میڈیکل سکول کے خارج شدہ طلباء کو

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصیحت

میڈیکل سکول کے جن طلباء نے اپنے اُستادوں سے ناراض ہو کر اتفاق کر کے مدرسہ جانا بند کر دیا ہے ان میں سے دو طالب علم (عبدالحکیم صاحب اور ایک اَور) قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ۲۱ر مئی کو حاضر ہوئے۔ اور اپنا واقعہ گذشتہ اور پرنسپل کا ۳۱ر مئی تک داخل ہو جانے کی اجازت دے دینے کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ

آجکل اس قسم کی کارروائیاں گورنمنٹ کے ساتھ بغاوت کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور ان سے بچنا چاہیئے۔ میرے نزدیک اب اس معاملہ کو ترقی نہیں دینا چاہیئے اور پرنسپل صاحب کی اجازت سے فائدہ حاصل کر کے داخل ہو جانا چاہیئے۔ جن استادوں کے ساتھ تم نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے ان کو اندر ہی اندر ضرور تنبیہ کی گئی ہو گی۔ اور امید نہیں کہ وہ آئندہ تمہارے ساتھ بُرا سلوک کریں۔ گورنمنٹ ایسے لوگوں کو بغیر باز پُرس نہیں چھوڑتی گو عام اظہار ایسی بات کا نہ کیا جاوے۔

علاوہ اس کے تمہیں چاہیئے کہ اگر انہوں نے بداخلاقی کی ہے تو تم ان سے اخلاق سیکھو اور اگر تمہیں کبھی ایسی افسری کا موقعہ ملے تو تم اخلاق کا برتاؤ اپنے شاگردوں اور ماتحتوں کے ساتھ کرو۔ اور جو قسمیں تم نے ضد پر کھائی ہیں وہ ناجائز ہیں۔ ناجائز قسم پر قائم رہنا گناہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے اسلامی شریعت میں یہی حکم دیا ہے کہ ناجائز قسموں اور ناجائز اقراروں کو توڑ دیا جاوے۔ وقت کو ضائع کرنا اچھا نہیں۔ اپنے آپ کو پریشانی میں مت ڈالو اور اپنے مدرسہ میں داخل ہو جاؤ۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۲۱ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ر مئی ۱۹۰۶ء)

۲۷؍مئی ۱۹۰۶ء

چوہدری الہٰ داد صاحب مرحوم کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

بڑے مخلص آدمی تھے۔ ایسا آدمی پیدا ہونا مشکل ہے۔

فرمایا:۔

جو الہام الٰہی نازل ہوا تھا کہ

دو شہتیر ٹوٹ گئے

ان میں سے ایک شہتیر تو مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم تھے۔ دوسرے چوہدری صاحب معلوم ہوتے ہیں۔

فرمایا:۔

یہ جو رؤیا دیکھا تھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب کی قبر کے پاس دو اور قبریں ہیں وہ بھی پورا ہوا۔ ایک قبر الٰہی بخش صاحب ساکن مالیر کوٹلہ کی بنی اور دوسری چوہدری صاحب مرحوم کی بنی۔

مخالف ملہموں کیواسطے فیصلہ کی آسان راہ وہ خود ہی مُباہلہ کریں

الہام الٰہی اُریحک و لا اُجیحک و اُخرج منک قوماً کا ذکر تھا جس کے معنے ہیں میں تجھے راحت دوں گا اور تجھے بڑھاؤں گا اور تجھے تباہ نہ کروں گا اور تجھ سے ایک قوم نکالوں گا۔ فرمایا:۔

اس وحی الٰہی کو مدنظر رکھ کر ہمارے مخالف ملہمین آسانی کے ساتھ فیصلہ کر سکتے

ہیں۔ کیونکہ یہ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کو جواب دیا ہے جو اس کوشش میں ہیں کہ ہم کو بے نشان کر دیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کا ردّ کر دیا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی محبت اور فضل و کرم کے خاص الفاظ ہیں جو کاذب کے حق میں نہیں بولے جاتے۔ اب مخالف ملہموں کے واسطے راستہ آسان ہے۔ چاہیئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسا الہام شائع کریں کہ یہ شخص ہلاک ہو جائے گا۔ ایک تازہ مثال ایسے ملہم کی تو چراغ دین کے وجود میں قائم ہو چکی ہے اور بھی جو چاہے آزمائش کر لے۔ ہم تو خدا تعالیٰ کی ہزار حلف کھا کر کہتے ہیں کہ یہ جو ہم پر نازل ہوا یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے جیسا کہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ ایک خدا تعالیٰ کا نشان ہے اور فیصلہ کی آسان راہ ہے جس کا جی چاہے اختیار کر لے۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۲۳ صفحہ ۴ مورخہ ۷ جون ۱۹۰۶ء)

---

۳۰ مئی ۱۹۰۶ء

فرمایا:-

ہر ایک نبی جو دُنیا میں آتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی اسم کا پرتو ہوتا ہے۔ مسیح موعود پر اللہ تعالیٰ کے غالب ہونے والے نام کا پرتو ہے۔ صوفیوں نے بھی لکھا ہے کہ آنے والا مسیح ہمیشہ فتح پائے گا اور کبھی مغلوب نہ ہوگا۔ دشمن ہزار اس کی مخالفت کریں مگر وہ ایسا وجود ہے کہ اس کو ہمیشہ فتح ہی ہوگی۔ شکست تو اس نے کھانی ہی نہیں۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کا ذکر تھا۔ فرمایا :-

جو شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر نجات ہو سکتی ہے وہ جھوٹا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو بات ہم کو سمجھائی ہے وہ بالکل اس کے برخلاف ہے

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔[1] اے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں کو کہدے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے پیار کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تم خدا تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔ بغیر متابعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کوئی شخص نجات نہیں پاسکتا۔ جو لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض رکھتے ہیں اُن کی کبھی خیر نہیں۔ اس کے لئے مناسب نہ تھا کہ وہ تفسیر لکھنے بیٹھتا کیونکہ نہ تو ظاہری علوم سے اس کو کچھ حصہ تھا اور نہ باطنی طہارت اور پاکیزگی کو وہ حاصل کر چکا تھا۔ اسی واسطے میں نے کبھی اس کی تفسیر کو نہیں پڑھا کیونکہ اس میں تضیع اوقات ہے۔ ایسے آدمی کی کتاب کو پڑھنا صرف اپنے وقت کو خراب کرنا ہے۔ جاہل آدمی پھر متکبر کبھی نیک انجام نہیں پا سکتا۔

ایک الہام

فرمایا:-

چند سال ہوئے مجھے الہام ہوا تھا۔

سرانجام جاہل جہنم بود ٭ کہ جاہل نکو عاقبت کم بود

ایک خواب

فرمایا:-

اللہ تعالیٰ جب ایک باغ لگاتا ہے اور کوئی اس کو کاٹنا چاہتا ہے تو خدا تعالیٰ اس شخص پر کبھی راضی نہیں ہو سکتا۔

مدت کی بات ہے میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں ایک گھوڑے پر سوار ہوں اور باغ کی طرف جاتا ہوں اور میں اکیلا ہوں۔ سامنے سے ایک لشکر نکلا جس کا یہ ارادہ ہے کہ ہمارے باغ کو کاٹ دیں۔ مجھ پر ان کا کوئی خوف طاری نہیں ہوا۔ اور میرے دل میں یہ یقین ہے کہ میں اکیلا ان سب کے واسطے کافی ہوں۔ وہ لوگ اندر

[1] آل عمران: ۳۲

باغ میں چلے گئے اور اُن کے پیچھے میں بھی چلا گیا۔ جب میں اندر گیا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سب کے سب مَرے پڑے ہیں اور ان کے سر اور ہاتھ اور پاؤں کاٹے ہوئے ہیں اور اُن کی کھالیں اُتری ہوئی ہیں۔ تب خدا تعالےٰ کی قدرتوں کا نظارہ دیکھ کر مجھ پر رقت طاری ہوئی اور میں رو پڑا کہ کس کا مقدور ہے کہ ایسا کر سکے۔

فرمایا:۔

اس لشکر سے ایسے ہی آدمی مُراد ہیں جو جماعت کو مُرتد کرنا چاہتے ہیں اور ان کے عقیدوں کو بگاڑنا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہماری جماعت کے باغ کے درختوں کو کاٹ ڈالیں۔ خدا تعالےٰ اپنی قدرت نمائی کے ساتھ ان کو ناکام کرے گا۔ اور ان کی تمام کوششوں کو نیست و نابُود کر دے گا۔

فرمایا:۔

یہ جو دیکھا گیا ہے کہ اس کا سر کٹا ہوا ہے۔ اس سے یہ مُراد ہے کہ ان کا تمام گھمنڈ ٹوٹ جائے گا اور ان کے تکبّر اور نخوت کو پامال کیا جائے گا۔ اور ہاتھ ایک ہتھیار ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے انسان دشمن کا مقابلہ کرتا ہے۔ ہاتھ کے کاٹے جانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے پاس مقابلہ کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا اور پاؤں سے انسان شکست پانے کے وقت بھاگنے کا کام لے سکتا ہے لیکن ان کے پاؤں بھی کٹے ہوئے ہیں جس سے یہ مراد ہے کہ ان کے واسطے کوئی جگہ فرار کی نہ ہوگی اور یہ جو دیکھا گیا ہے کہ ان کی کھال بھی اُتری ہوئی ہے اس سے یہ مُراد ہے کہ اُن کے تمام پردے فاش ہو جائینگے اور ان کے عیوب ظاہر ہو جائیں گے۔

فرمایا:۔

اگر ہم افترا کرتے ہیں تو خدا تعالےٰ خود ہمارا دشمن ہے اور ہمارے لئے بچاؤ کی کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن اگر یہ کاروبار خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے اور مصائب

اسلامی کے واسطے اللہ تعالیٰ نے خود ایک سامان بنایا ہے تو اس کا مقابلہ خدا تعالیٰ کو کس طرح پسند آسکتا ہے۔ بڑا بدقسمت ہے جو اس کو توڑنا چاہتا ہے۔

فرمایا :-

یہ لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام بے ادبی سے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کے جلال کے اظہار کے واسطے ہے اور نادان نہیں جانتے کہ جب تک خدا تعالیٰ کے نبی اور اس کے رسُول کا جلال نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کا جلال وہ کس طرح ظاہر کر سکتے ہیں ؟

ابن مریم کے لفظ کے متعلق حضرت میر ناصر نواب صاحب نے ایک لطیفہ بیان کیا کہ جب مخالف لوگ اپنی بول چال میں کسی پر ناراض ہوتے ہیں تو اسے کہتے ہیں سُور کا بچہ اور اُلو کا پٹھا۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ اپنے واسطے یہ جائز رکھتے ہیں کہ ایک انسان کو ایسا بُرا نام دیویں اور خدا تعالیٰ کے واسطے یہ جائز نہیں رکھتے کہ وہ کسی کو مریم کا بچہ کہدے جو کہ ایک نیک نام ہے۔

فرمایا :-

اگر ڈاکٹر عبدالحکیم کا تقویٰ صحیح ہوتا تو وہ کبھی تفسیر لکھنے کا نام نہ لیتا کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں ہے۔ اس کی تفسیر میں ایک ذرہ رُوحانیت نہیں اور نہ ظاہری علم کا کچھ حصہ ہے

فرمایا :-

صلیب بھی خطا کار ہے کہ وہ اوّل یسُوع پر غالب آئی اور اس کو مُردہ سا کر دیا اور پھر اس کی اُمت پر غالب آئی اور اس کو اپنا پرستار بنایا۔ اس واسطے صلیب بھی اس قابل ہے کہ توڑی جاوے۔

فرمایا:-

الہام الٰہی کی عبارت عموماً مقفیٰ ہوتی ہے اور اس میں ایک شوکت ہوتی ہے اور اس میں سے کلام الٰہی کی ایک خوشبو آتی ہے۔

چوہدری اللہ داد صاحب مرحوم کا ذکر تھا۔ فرمایا کہ

قبرستان کے متعلق جو الہام الٰہی تھا کہ انزل فیھا رحمۃً۔ اس کے مستحق چوہدری صاحب موصوف بھی ہوئے۔

فرمایا:-

توحید آسمان سے نازل ہوتی ہے جو لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض رکھتے ہیں (جیسا کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں وغیرہ جو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی کچھ ضرورت نہیں۔ یہود و نصاریٰ خود بخود نجات پا جائیں گے) ان کو کبھی توحید مل ہی نہیں سکتی۔ سارا قرآن شریف اس سے بھرا ہوا ہے۔ جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کے اندر سے ایمان کی کیفیت کو سلب کر لیتا ہے۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ فرمایا کہ

تمام اکابر اس بات کو مانتے چلے آئے ہیں کہ اس امت مرحومہ کے درمیان سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا ہمیشہ جاری ہے اس معنے سے ہم نبی ہیں۔ ورنہ ہم اپنے آپ کو امتی کیوں کہتے ؟ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جو فیضان کسی کو پہنچ سکتا ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے پہنچ سکتا ہے۔ اس کے سوائے اور کوئی ذریعہ نہیں۔ ایک اصطلاح کے جدید معنے اپنے پاس سے بنا لینا درست نہیں ہے۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے۔

کہ آنے والا مسیح نبی بھی ہوگا اور امتی بھی ہوگا۔ امتی تو وہ ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی سے فیض حاصل کر کے تمام کمال حاصل کرے۔ لیکن جو شخص پہلے ہی سے نبوت کا درجہ پا چکا ہے وہ امتی کس طرح سے بن سکے گا؟ وہ تو پہلے ہی سے نبی ہے۔

سائل نے سوال کیا کہ اگر اسلام میں اس قسم کا نبی ہو سکتا ہے تو آپ سے پہلے کون نبی ہوا ہے؟ حضرت نے فرمایا :-

یہ سوال مجھ پر نہیں بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ انہوں نے صرف ایک کا نام نبی رکھا ہے۔ اس سے پہلے کے کسی آدمی کا نام نبی نہیں رکھا۔ اس سوال کا جواب دینے کا اس واسطے میں ذمہ دار نہیں۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۲۲ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۷ رجون ۱۹۰۶ء)

---

۱۳ رمئی ۱۹۰۶ء

فرمایا :-

تین چار روز ہوئے میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ بہت سے چھوٹے زنبور ہیں اور میں ان کو مارتا ہوں۔ اس سے مراد یہی مخالف دشمن ہیں جو احمق ہیں اور غوغا مچاتے ہیں۔

یہ بھی ایک الٰہی حکمت ہے کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ جوش دیا کہ خلقت کو ہدایت دیں اور ان کو راہ راست پر لاویں اور دوسری طرف ابوجہل جیسوں کو جوش دیا کہ مخالفت میں شور و غوغا مچائیں۔ مذکورہ بالا رؤیا کے مطابق مخالفوں کی تباہی بذریعہ دلائل اور بذریعہ نشانات الٰہی کے ہے۔ دشمن خود بخود ہلاک ہو رہے ہیں کیونکہ یہ زمانہ تلوار کا نہیں۔ خدا تعالےٰ آپ سامان پیدا کرتا ہے۔

حیدر آباد کے مولوی محمد سعید صاحب نے اپنے ابتلاؤں کا ذکر کیا۔ فرمایا :-

جب تک انسان ابتلا کی برداشت نہ کرے۔ خدا تعالیٰ کے پاس اس کو درجہ نہیں مل سکتا۔

فرمایا :-

ہم غریب اور ضعیف ہیں نہ تلوار ہمارے ہاتھ میں ہے اور نہ ہم اس امر کے واسطے مامور ہیں کہ تلوار چلائیں اور نہ ہمارے پاس جنگ کے سامان ہیں۔ لیکن ہماری تلوار آسمان پر ہے۔ دُنیا میں جس عظیم الشان انقلاب کو ہم چاہتے ہیں کہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف جُھکیں اور اس کی ہستی پر ایمان لاویں وہ ہمارے اختیار میں نہیں۔ کتابوں کے لکھنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ گو ایک ہرے بھرے باغ کی طرح دلائل کا مجموعہ ہم نے اکٹھا کیا ہے لیکن اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے کچھ کرے گا۔ میرا قلب محسوس کرتا ہے کہ اس وقت دنیا ایسی سخت غفلت میں پڑی ہوئی ہے کہ بغیر الیم اور شدید عذاب کے ماننے والے نہیں۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ آنے والا مسیح مُردوں کو زندہ کرتا پھرے گا بلکہ یہ فرمایا کہ زندوں کو مارے گا۔ (جیسا کہ طاعون وغیرہ نشانات میں ہلاک ہو رہی ہے)

(بدر جلد ۲ نمبر ۲۲ صفحہ ۳ مورخہ ۷ رجون ۱۹۰۶ء)

بلا تاریخ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عورتوں کو نصائح

(رقم فرمودہ صاحبزادہ میاں بشیرالدین محمود احمد صاحب)

(منقول از رسالہ تشحیذ الاذہان بابت جون ۱۹۰۶ء)

غیبت

غیبت کرنے والے کی نسبت قرآن کریم میں ہے کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ عورتوں میں یہ بیماری بہت ہے۔ آدھی رات تک بیٹھی غیبت کرتی ہیں اور پھر صبح اُٹھ کر وہی کام شروع کر دیتی ہیں۔ لیکن اس سے بچنا چاہیئے۔ عورتوں کی خاص سُورت قرآن شریف میں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے بہشت میں دیکھا کہ فقیر زیادہ تھے اور دوزخ میں دیکھا کہ عورتیں بہت تھیں۔

فرمایا کہ

عورتوں میں چند عیب بہت سخت ہیں اور کثرت سے ہیں۔ ایک شیخی کرنا کہ ہم ایسے اور ایسے ہیں۔ پھر یہ کہ قوم پر فخر کرنا کہ فلاں تو کمینی ذات کی عورت ہے یا فلاں ہم سے نیچی ذات کی ہے۔ پھر یہ کہ اگر کوئی غریب عورت ان میں بیٹھی ہوئی ہے تو اس سے نفرت کرتی ہیں اور اس کی طرف اشارہ شروع کر دیتی ہیں کہ کیسے غلیظ کپڑے پہنے ہیں۔ زیور اس کے پاس کچھ بھی نہیں۔

فرمایا کہ

عورت پر اپنے خاوند کی فرمانبرداری فرض ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر عورت کو اس کا خاوند کہے کہ یہ ڈھیر اینٹوں کا اُٹھا کر وہاں رکھ دے اور جب وہ عورت اس بڑے اینٹوں کے انبار کو دوسری جگہ پر رکھ دے تو پھر اس کا خاوند اس کو کہے کہ پھر اس کو اصل جگہ پر رکھ دے تو اس عورت کو چاہیئے کہ چون و چرانہ کرے بلکہ اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے۔

فرمایا کہ

عورتیں یہ نہ سمجھیں کہ ان پر کسی قسم کا ظلم کیا گیا ہے کیونکہ مرد پر بھی اس کے بہت سے حقوق رکھے گئے ہیں بلکہ عورتوں کو گویا بالکل کرسی پر بٹھا دیا ہے اور مرد کو کہا ہے کہ ان کی خبر گیری کر۔ اس کا تمام کپڑا کھانا اور تمام ضروریات مرد کے ذمہ ہیں

فرمایا کہ

دیکھو کہ موچی ایک جوتی میں بددیانتی سے کچھ کا کچھ بھر دیتا ہے صرف اس لئے کہ اس سے کچھ بچ رہے تو جورو بچوں کے پیٹ پالوں۔ سپاہی لڑائی میں سر کٹاتے ہیں صرف اس لئے کہ کسی طرح جورو بچوں کا گذارہ ہو۔

فرمایا کہ

بڑے بڑے عہدیدار رشوت کے الزام میں پکڑے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ وہ کیا ہوتا ہے؟ عورتوں کے لئے ہوتا ہے۔ عورت کہتی ہے کہ مجھ کو زیور چاہیئے کپڑا چاہیئے۔ مجبوراً بیچارے کو کرنا پڑتا ہے۔ لیکن خدا تعالےٰ نے ایسی طرزوں سے رزق کمانا منع فرمایا ہے۔

یہانتک عورتوں کے حقوق ہیں کہ جب مرد کو کہا گیا ہے کہ ان کو طلاق دو۔ تو مہر کے علاوہ ان کو کچھ اَور بھی دو۔ کیونکہ اس وقت تمہاری ہمیشہ کے لئے اس سے جدائی لازم ہوتی ہے۔ پس لازم ہے کہ اُن کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

قرآن شریف کے ترجمہ کی بابت ذکر ہوا تو فرمایا:۔

دیکھو توفی کے معنے ہمارے مخالف مولوی مرنے کے کرتے ہیں۔ لیکن جب مسیح کے بارے میں یہ لفظ آجاوے تو اس کا اَور ہی مطلب بتاتے ہیں کہ آسمان پر مع جسم عنصری کے چڑھ گیا۔ حضرت یوسفؑ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے

میں جب یہ لفظ آجاوے۔ تب توفات کے معنے وہی موت کئے جاتے ہیں۔ افسوس چاہیئے تو تھا کہ اگر معنے بدلنے ہی ہوتے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بدلے جاتے۔

فرمایا:۔

قرآن شریف تو بتاتا ہے کہ آسمان پر جانا تمہارے لئے ناممکن ہے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کہدے کہ میں ایک بشر رسُول ہوں میں آسمان پر کیونکر چلا جاؤں اور پھر قرآن شریف میں ہے مستقر ومتاع الیٰ حین[1]

پھر فرمایا کہ

مخالف مولوی ہماری مخالفت میں معراج کی حدیث پیش کرتے ہیں حالانکہ حضرت عائشہ کا مذہب تھا کہ جو کوئی کہتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مع جسم عنصری آسمان پر گئے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگاتا ہے۔ اسی طرح اور آئمہ اور اصحاب کرامؓ کا بھی یہی مذہب رہا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک نورانی جسم کے ساتھ آسمان پر گئے نہ اس جسم کے ساتھ۔ ایسا ہی شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی یہی مذہب تھا۔ اور شاہ عبدالعزیز بھی یہی لکھتے ہیں کہ اس جسم کے ساتھ آسمان پر جانا نہیں ہوتا بلکہ ایک اور نورانی جسم ملتا ہے جس سے کہ انسان آسمان پر جاتا ہے۔

ایک شخص نے تحریر کیا کہ یہاں اور بہت لوگوں کو الہام ہوتا ہے مجھ کو خواب تک نہیں آتی۔ آپ دعا کریں کہ مجھ کو بھی الہام ہوا کریں کیونکہ میری عمر کا ایک بہت بڑا حصہ اس میں گذرا ہے۔ اس لئے کوئی ایسی بات بتائیں جس سے میری مراد پُوری ہو جاوے۔ اس پر جو حضرت صاحب نے حکم تحریر کیا ہے وہ اس قابل ہے کہ ناظرین رسالہ ہٰذا بھی اس سے مطلع کئے جاویں۔ کیونکہ یہ اس امام برحق کے

[1] البقرۃ ۳۷

الفاظ ہیں جس کا ایک ایک لفظ ہمارے لئے جواہرات سے بڑھ کر قیمت رکھتا ہے (ایڈیٹر تشحیذ)

حضرت علیہ السلام نے جواب دیا:۔

السلام علیکم۔ الہام خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ بندہ کی الہام میں فضیلت نہیں۔ بلکہ اعمال صالحہ میں فضیلت ہے۔ اور اس میں کہ خدا تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے۔ سو نیک کاموں میں کوشش چاہیئے تا کہ موجب نجات ہو۔ والسلام۔

مرزا غلام احمد

چونکہ کچھ مدت سے حضرت کی طبیعت دن کے دوسرے حصہ میں اکثر خراب ہو جاتی ہے۔ اس لئے نماز مغرب اور عشاء گھر میں باجماعت پڑھ لیتے ہیں۔ باہر تشریف نہیں لا سکتے۔ ایک دن نماز مغرب کے بعد چند عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا جو سُننے کے قابل ہے (ایڈیٹر تشحیذ)

فرمایا:۔

کوئی یہ نہ دل میں گمان کر لے کہ یہ روز گھر میں جمع کر کے نماز پڑھا دیتے ہیں اور باہر نہیں جاتے۔ یہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی کی کہ آنے والا شخص نماز جمع کیا کرے گا سو چھ مہینے تک تو باہر جمع کرواتا رہا ہوں۔ اب میں نے کہا کہ عورتوں میں بھی اس پیش گوئی کو پُورا کر دینا چاہیئے۔ چونکہ بغیر ضرورت کے نماز جمع کرنا ناجائز ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے مجھ کو بیمار کر دیا اور اس طرح سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو پُورا کر دیا۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کو پورا کرے کیونکہ وہ پُورا نہ ہو تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ جھوٹے ٹھہرتے ہیں۔ اس لئے ہر ایک کو وہ بات جو اس کے اختیار میں ہو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کہنے کے

موافق پوری کر دینی چاہیئے اور خدا تعالیٰ خود بھی سامان مہیا کر دیتا ہے جیسا کہ مجھ کو بیمار کر دیا تاکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کو پورا کر دے۔ جیسا کہ ایک دفعہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ سے فرمایا کہ تیرا اس وقت کیا حال ہوگا جبکہ تیرے ہاتھ میں کسریٰ کے سونے کے کڑے پہنائے جائیں گے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کسریٰ کا ملک فتح ہوا۔ تو حضرت عمرؓ نے اس کو سونے کے کڑے جو لوٹ میں آئے تھے، پہنائے۔ حالانکہ سونے کے کڑے یا کوئی اور چیز سونے کی مردوں کے لئے ایسی ہی حرام ہے جیسا کہ اور حرام چیزیں۔ لیکن چونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یہ بات نکلی تھی اس لئے پوری کی گئی۔ اسی طرح ہر ایک دوسرے انسان کو بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

فرمایا کہ

دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی کی تھی جو اسی طرح وقوع میں آئی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان پر سے جب اُترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوئی ہوں گی تو اسی طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں ایک اُوپر کے دھڑ کی اور ایک نیچے کے دھڑ کی یعنی مراق اور کثرت بول۔ ہمارے مخالف مولوی اس کے معنے یہ کرتے ہیں۔ کہ وہ سچ مچ جوگیوں کی طرح دو چادریں اوڑھے ہوئے آسمان سے نیچے اُتریں گے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ چونکہ معبروں نے ہمیشہ زرد چادر کے معنے بیماری کے ہی لکھے ہیں۔ ہر ایک شخص جو زرد چادر دیکھے یا کوئی اور زرد چیز تو اس کے معنے بیماری کے ہی ہونگے اور ہر ایک شخص جو ایسا دیکھے آزما سکتا ہے کہ اس کے معنے یہی ہیں۔

دو عورتوں کے جھگڑے پر فرمایا کہ

قرآن شریف میں آیا ہے والصلح خیر[1]۔ اس لئے اگر آپس میں کوئی لڑائی جھگڑا ہو جائے تو صلح کر لینی چاہیئے کیونکہ اس میں خیر اور برکت ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ غیر مذہب کے ساتھ بھی یہ بات رکھی جائے بلکہ اُن کے ساتھ سخت مذہبی عداوت رکھنا چاہیئے۔ جب تک مذہب کی غیرت نہ ہو انسان کا مذہب ٹھیک نہیں ہوتا۔ اب یہ جو ہندو عیسائی ہمارے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نکالتے ہیں تو کیا ہم اُن کے ساتھ صلح رکھ سکتے ہیں بلکہ ان کی محفلوں میں بیٹھنا اور ان کے ساتھ دوستی کرنا اور ان کے گھروں میں جانا تو معصیت میں داخل ہے۔ ہاں آپس میں جو ایک فرقہ میں ہوں تو لڑائی جھگڑا کی زیادہ تر بنیاد بدظنی ہوتی ہے۔

حدیث میں ہے کہ دوزخ میں دو تہائی آدمی بدظنی کی وجہ سے داخل ہوں گے۔ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ قیامت کے دن میں لوگوں سے پوچھوں گا کہ اگر تم مجھ پر بدظنی نہ کرتے تو یہ کیوں ہوتا۔ حقیقت میں اگر لوگ خدا تعالیٰ پر بدظنی نہ کرتے تو اس کے احکام پر کیوں نہ چلتے۔ انہوں نے خدا تعالیٰ پر بدظنی کی اور کفر اختیار کیا۔ اور بعض تو خدا تعالیٰ کے وجود تک کے منکر ہو گئے۔ تمام فسادوں اور لڑائیوں کی وجہ یہی بدظنی ہے۔

زلزلہ کی نسبت باتوں میں فرمایا کہ

قرآن شریف میں زلزلہ آنے کی خبر دی گئی ہے کہ مسیح کے وقت ایسے زلزلے آئیں گے کہ شدت میں نہایت ہی سخت ہوں گے۔ اب تک ان مولویوں نے یہ سب باتیں قیامت پر اُٹھا چھوڑی تھیں مگر یہ جو پیشگوئی ہے کہ حمل دار عورتوں کے حمل گر جائینگے تو قیامت کے دن عورتوں کو حمل بھی ہوں گے؟ یہ بات کچھ بھوپال کے نواب صدیق حسن خاں نے سمجھی ہے لیکن افسوس کہ اب تک کوئی مولوی نہیں سمجھا کہ قیامت کو عورتوں

[1] النساء : ۱۲۹

کے محل کہاں ہوں گے؟ کئی مسائل ہیں کہ جن کا ظاہر ہونا مسیح کے وقت میں بیان کیا گیا تھا یہانتک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک شخص کھڑا ہوگا اور کہے گا کہ یہ کون شخص ہے کہ ہمارے مذہب کے خلاف باتیں بناتا ہے جو آجتک نہیں سُنیں

جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے کہ ان نشانوں میں سے ایک زلزلہ بھی ہے کہ عُلماء اس کو قیامت کے وقت قرار دیتے ہیں۔ اب دیکھو کہ یہ دونو زلزلے جو آئے ہیں کیا ایسے کبھی پہلے بھی دیکھے یا سُنے تھے؟ جو اصل میں قرآن شریف کی اس پیشگوئی کے مطابق آئے۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۲۳ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۷ جون ۱۹۰۶ء)